باقیات دبیر

یعنی

مرزا دبیر کے غیر مطبوعہ مراثی

پروفیسر اکبر حیدری کشمیری

پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈی۔ لٹ

باقیاتِ دبیرؔ

یعنی

مرزا دبیرؔ کے غیر مطبوعہ مراثی

مقدّمہ

تحقیق ، ترتیب ، تدوین

(پروفیسر) اکبر حیدری کشمیری

پی ایچ ڈی ، ڈی لٹ

نام کتاب	باقیات دبیرؔ
مُرتّب	ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری
ناشِر	ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری
سنہ اشاعت	جون سنہ ۱۹۹۴ء
مطبع	نِظامی پریس ، لکھنؤ
قیمت	
تعداد	

سول ایجنٹ .. .. نسیم بکڈپو ، لاٹوش روڈ لکھنؤ

پاکستان .. .. مرثیہ فاؤنڈیشن

بی ۱۴۹ ، حسین ڈی ، سلوا ٹاؤن ، نارتھ ناظم آباد

بلاک ۔ پی ، کراچی

سری نگر .. .. مرزا پبلکیشنز ، حسن آباد سری نگر ۲ء

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی
حکومت اتر پردیش لکھنؤ کے مالی تعاون
سے شائع ہوئی۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
(میر انیسؔ)

فہرست مضامین	بند	صفحہ
مقدمہ معہ حالات زندگی مرزا دبیرؔ		
دبیرؔ کی نادر و نایاب مطبوعہ جلدیں		
مراثی دبیرؔ کے بارے میں حیرت انگیز انکشاف		
کلام دبیرؔ کی خصوصیات		
مراثی دبیرؔ کے آثار		
دبیرؔ کے غیر مطبوعہ مرثیے		
مطلعے	بند	
۱ جب نخل انتقام میں تیغوں کے پھل لگے	۱۷۸	192
۲ جب شام کے کشور میں چراغاں ہوا شب کو	۱۴۶	222
۳ جب لالۂ شفق نے دکھائی بہار صبح	۱۴۰	227
۴ یہ بزم عینکِ چمنستان خلد ہے	۱۳۹	271
۵ انگشتریِ عرش کا یارب نگیں دکھا	۱۳۷	295
۶ آمد ہے تاجدارِ ثریا جناب کی	۱۳۰	318
۷ عباسِ دلاور کا لقب سیف خدا ہے	۱۱۷	
۸ خورشید نے برہم جو کیا دفتر انجم	۱۱۷	362
۹ جب کوزۂ خورشید بھرا شیر سحر سے	۱۰۰	
۱۰ رن کو رواں ہے سیفِ خدا آج خیر ہو	۸۷	
۱۱ جب رن میں ابنِ شیر خدا حملہ ور ہوا	۶۹	

فہرست مضامین	بند	صفحہ
کعبہ ہے اک دریچۂ ایوان کربلا	۵۸	
مفتاحِ قفل بابِ سخن ہے زبان میری	۵۶	
اعدا جو باغ فاطمہؑ تاراج کر چکے	۴۰	
جب فوج حسینؑی کے علمدار کو مارا	۳۴	
زہراؑ کے مرقع کو مٹایا جو قضا نے	۱۸	
ذرہ ہے آفتاب درِ بوتراب کا	۸۱	
جب صبح شبِ قتل ہوئی رن میں نمودار	۱۳۸	
اے باغ طبع رنگِ بہارِ سخن دکھا	۱۲۹	
مقتل ہے چمن فصل بہاری کی ہے آمد	۱۲۰	
اے طبعِ رواں سیفِ قلم جلد علم کر	۱۲۰	
عزیزو فکر کرو تعزیہ اٹھانے کی	۴۸	
مومنو! اشک بہاؤ کہ محرم آیا	۳۳	
جب رن میں آستین چڑھائی حضور نے	۶۲	
جب نہر پہ حسینؑ برادر کو رو چکے	۵۴	
رن میں ابرو کماں کی آمد ہے	۸۳	

حرف آغاز

از مصنف

راقم حروف نے باقیات دبیرؔ سے قبل رثائی ادب میں متعدد کتابیں اور تحقیقی مضامین شائع کئے ہیں۔ کتابوں میں میر انیسؔ بحیثیت رزمیہ شاعر، میر ضمیر (تحقیقی مطالعہ)، شاعر اعظم مرزا اسلامت علی دبیرؔ، انتخاب مراثی دبیرؔ، باقیات انیسؔ اور اودھ میں اردو مرثئے کا ارتقاء، عرصہ ہوا شائع ہوئیں۔ یہ سب کتابیں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی گئیں اور ان میں سے ایک نسخہ بھی دستیاب نہیں ہے۔ ادارۂ نقوش لاہور کے مالک جناب محمد طفیل صاحب مرحوم نے باقیات انیسؔ کو ۱۹۸۱ء میں نقوش میر انیسؔ نمبر کے عنوان سے شائع کیا۔ اس میں راقم نے کئی مرثیوں کا اضافہ کیا۔ کچھ مرثئے ایسے ہیں جو مطبع نولکشور وغیرہ سے چھپ چکے تھے۔ جب ان کا مقابلہ مستند قلمی نسخوں سے کیا گیا تو متعدد بند زائد اور غیر مطبوعہ دریافت ہوئے۔ متن میں بھی بڑا اختلاف نظر آیا۔ یہ مرثیے ازسر نو مرتب کئے گئے اور غیر مطبوعہ بندوں کی بھی نشاندہی کی گئی۔ معلوم ہوا کہ ادارہ نقوش نے اس کے کئی ایڈیشن بہت ہی دیدہ زیب اور خوبصورت انداز میں شائع کئے ہیں۔

زیر نظر کتاب باقیات دبیرؔ میں ۲۶ غیر مطبوعہ اور نادر و نایاب مرثیے شامل کئے گئے ہیں۔ بعض ناقدین اور محققین نے غلط فہمی کی بنا پر کچھ مرثئے مرزا دبیرؔ کے شاگردوں کے نام منسوب کئے۔ ایک دو مرثیوں کے صرف مطلعے (پہلے مصرعے) ماہر دبیریات سیّد افضل حسین ثابتؔ لکھنوی نے حیات دبیرؔ میں دیئے ہیں۔ ان مرثیوں کے کئی کئی نسخے دریافت ہوئے ان میں دبیرؔ تخلص موجود ہے۔ ایک دو مرثئے بہت ہی خستہ حالت میں دبیرؔ کے نام سے مطبوعہ صورت میں ملے۔ کافی چھان بین کے بعد یہ

باقیات میں شامل کئے گئے ہیں۔

کتاب میں جن مرثیوں کو شامل کیا گیا ہے ان کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کے بارے میں راقم نے "العلم" بمبئی کے مرثیہ نمبر بابت اگست ۱۹۹۲ء اور اپنے مضمون "مرزا دبیر کے غیر مطبوعہ مرثیے" مطبوعہ "نیا دور" لکھنؤ بابت جولائی ۱۹۹۳ء صہ ۳۵ میں اپیل کی تھی کہ :-

"ہم نے مندرجہ بالا مراثی کو اپنی نئی تصنیف "باقیات دبیر" میں پہلی مرتبہ شامل کیا ہے کتاب زیر ترتیب ہے۔ اگر کسی صاحب کو ان کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ یا قلمی نسخوں کے بارے میں کوئی بھی علم ہو تو برائے مہربانی اطلاع فراہم کریں۔"

جب کہیں سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی تو یہ سبھی مرثیے باقیات میں شامل کئے گئے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ راقم نے مرزا دبیر کے ۲۱ مکمل مرثیے بڑی دیدہ ریزی اور تحقیق کے ساتھ انتخاب مراثی دبیر کے عنوان سے اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ کی فرمائش سے مرتب کئے تھے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۰ء میں طبع ہوا۔ کتاب بازار میں نہیں ملتی ہے۔ اکاڈمی کے سیلز اسٹاک میں بھی کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ اس کے ذیل کے مرثیے جو ہماری دریافت ہیں باقیات دبیر میں نظر ثانی کے بعد شامل کئے جاتے ہیں :-

۱۔ اے باغ طبع رنگ بہار سخن دکھا	۱۲۹	بند
۲۔ مقتل ہے چمن فصل بہاری کی ہے آمد	۱۲۰	"
۳۔ اے طبع رواں سیف قلم جلد علم کر	۱۲۰	"

ایک تاریخی مرثیہ جس کا مطلع ہے :-

ذرہ ہے آفتاب در بوتراب کا	۸۱	بند

"شاعر اعظم مرزا اسلامت علی دبیر" میں شائع ہوا تھا۔ کتاب عنقا کے برابر ہے اس لئے باقیات میں درج کیا گیا ہے۔

آخری مرثیہ "رن میں ابرو کماں کی آمد ہے"۔ ۸۳ بند کتب خانہ آصفیہ سے دریافت ہوا۔ مرثیہ دبیر کا ابتدائی کلام معلوم ہوتا ہے۔ پہلے 'العلم' بمبئی میں شائع ہوا۔ اب باقیات کی نذر کیا جاتا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ مرثیہ سے دلچسپی رکھنے والے اہل نظر حضرات "باقیات دبیر" سے محظوظ ہو جائیں گے۔ انشاءاللہ دو اور کتابیں "مراثی میر خلیق" اور "ہندو مرثیہ گو شعرا" بہت جلد شائع کی جائیں گی۔

اکبر حیدری کشمیری

لکھنؤ

مقدّمہ ۔ مُرتّب

مرزا سلامت علی بیگ نام، دبیر تخلص، دہلی میں محلہ بلّی ماراں متّصل لال ڈگی میں ۱۱ر جمادی الاول ۱۲۱۸ھ مطابق ۲۹ر اگست ۱۸۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ "بخت دبیر" مادۂ تاریخ ولادت ہے۔ جس سے ۱۲۱۸ھ کے اعداد نکلتے ہیں۔

بقول مولوی محمد حسین آزاد، مرزا دبیر خاندانی شاعر نہ تھے۔ لڑکپن میں مرثیہ پڑھتے تھے۔ اس شوق نے منبر کی سیڑھی سے مرثیہ گوئی کے عرش الکمال تک پہونچا دیا۔ ضمیر کے شاگرد ہوئے اور جو کچھ استاد سے پایا اسے بلند اور روشن کر کے دکھایا۔ مرزا صاحب ۱۳ برس کی عمر میں ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء میں ضمیر کے شاگرد ہوئے تھے۔ مولوی میر صفدر حسین لکھتے ہیں۔

"از سن یازدہ سالگی سالکِ مسالک رضائے ایزدی و انشاء اشعار در مناقب و مصائبِ مقبولان بارگاہ سرمدی گردید، و در مبداء حال و آغاز ایں اشتغال منظومات خود را بزیور اصلاح جناب تقدس مآب، تورع انتساب، زاہد عدیم النظیر، جناب میر مظفر حسین متخلص بہ ضمیر کہ در آں آواں از زمرۂ شعراء اہل ایماں بوفور فضل و کمال عرفان ممتاز و درمیان ایں فرقۂ عالیہ سراپا امتیاز بود رسانید و در سن یازدہ و دوازدہ سالگی آنچناں در نظم و نسق، سخن و بندش مضامینِ نو و کہن ید طولیٰ و دستگاہِ تام داشت کہ شاعران با نام و نشاں را در سنِ چہل سالگی میسّر نگشتہ بود۔ در اندک مدّت و زمان یسیر بہ سبب جودت طبع و حدّت ذہن درّاک و صفا قریحہ و صحتِ ادراک سرآمد شعرائے عالی شان از پیشرو و سالکان طریق

عرفاں شد“ ۲۵ ؎

آزاد کہتے ہیں کہ دبیر نے تمام عمر میں کسی اتفاقی سبب سے کوئی غزل یا شعر کہا ہو ۲۶ ؎ میر صفدر حسین کی رائے میں دبیر غزل کی طرف کبھی مائل نہ تھے ۲۷ ؎ ثابت لکھنوی نے ان کے تین دیوان کا ذکر کیا ہے ۲۸ ؎ لیکن حیات دبیر میں کوئی غزل درج نہیں کی ہے۔ راقم نے چند سال پہلے دبیر کے پرپوتے مرزا محمد صادق مرحوم کے پاس دبیر کا ایک ضخیم دیوان اردو دیکھا یہ غیر مرتب ہے اور اکثر و بیشتر غزلوں میں مقطع میں تخلص کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ شاید لال روشنائی سے تخلص درج کرنا مقصود تھا۔ دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دبیر چھوٹی چھوٹی بحروں میں بڑی روانی اور بے ساختگی کے ساتھ غزلیں کہتے تھے۔ چونکہ ان کی غزلیں نایاب ہیں اس لئے ذیل میں چند غزلوں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے ؎

دبیر بے گناہ مارا گیا کل اسکے کوچے میں ۔۔۔ بڑا افسوس یاروں کو ہوا اسکی جوانی کا

چھیڑا تھا ذکر جبکا وہ خوش خرام آیا ۔۔۔ یادش بخیر اے لو لیتے ہی نام آیا
پوچھو نہ حال شب کا مرزا دبیر مجھ سے ۔۔۔ بھولے سے اسکے لب پر میرا جو نام آیا

بعد از فنا بھی ہم کو رہا پاس یار کا ۔۔۔ دست دعا کی جا ہے سبزہ مزار کا

جب اٹھ کے اپنے گھر کو وہ رشک قمر گیا ۔۔۔ اک تازہ داغ میرے کلیجے پر دھر گیا
اس کا خیال دل سے میرے یوں گذر گیا ۔۔۔ تھا عکس آئینہ کہ ادھر سے اُدھر گیا
تیرِ نگاہ یارب غضب کام کر گیا ۔۔۔ سینے کو توڑا پار جگر کے گذر گیا

اس نے ناخن جو کل ترشوائے ۔۔۔ جھومرا اِک جا ہوا ہلالوں کا
حسن میں کیا ہوں دوستانہ دبیر ۔۔۔ طور بے ڈھب ہے تیری چالوں کا

تیرے دشمن کہیں ذلیل نہ ہوں　　مجھ کو ڈر ہے محلّے والوں کا

گہہ شعلہ، کبھی شرار ہیں ہم　　گہہ باغ، گہے بہار ہیں ہم
آئینہ کی شکل آنکھ کھولے　　مشتاق لقائے یار ہیں ہم
مَر کے بھی نہ چھٹے در سے تیرے　　کوچے کے سدا غبار ہیں ہم
غنچہ ہے نہ واں گل ہی پیدا　　جس دشت بلا کے خار ہیں ہم
چاہے وہ دبیرؔ یا نہ چاہے
پر بندۂ جاں نثار ہیں ہم ۸

دفن کرنا مجھ کو کوئے یار میں　　قبر بلبل کی بنے گلزار میں
اپنے یوسف کا عزیزو ہوں غلام　　چاہے مجھ کو بیچ لے بازار میں
سر مرا لٹکا کے قاتل نے کہا　　پھل لگا ہے آج نخل دار میں
سر کے کٹنے کا مجھے کچھ غم نہیں　　خم نہ پڑ جائے تری تلوار میں
قبر میں روزن مری رکھنا ضرور　　مر گیا ہوں انتظار یار میں
میرا رونا ان کے گھر شادی ہوئی　　خون کے جھالے لگے دیوار میں
گرمیٔ خوں کی مری تاثیر دیکھ　　پڑ گئے چھالے تری تلوار میں
بعد مردن میرے لاشے کو دبیرؔ
جا کے رکھنا کوچۂ دلدار میں ۹

اگر وہ غیرت شمشاد جائے سیر گلشن کو　　گلوئے سرو میں پہنا دے قمری طوق گردن کو
رواں کرتا تھا خنجر گاہ گاہے روک لیتا تھا　　عجب ناز و ادا سے اس نے کاٹا میری گردن کو
گلوں کی بے ثباتی پر جو اس کا دھیان جا آتا ہے　　تو کیا روتی ہے شبنم منہ پہ رکھکر گل کے دامن کو
دلا ان تنگ چشموں سے نہ چشم مہر تو رکھیو　　کسی کے حال پر روئے نہ دیکھا چشم سوزن کو
سواد نامۂ اعمال کب یہ اشک دھوئیں گے　　نہ شبنم نے کیا تبدیل رنگ برگ سوسن کو
دبیرؔ آئیگا کب وہ بھول کر گور غریباں میں

جو اکثر روندتا ہے ناز سے پھولوں کے خرمن کو سنہ

مے سے توبہ کی ستمگر نے غضب تو دیکھو
جب کہ تیار مری خاک سے پیمانہ ہوا ۱۱ہ

دیوان غزلیات کے علاوہ دبیر کی بعض غیر مطبوعہ اور نایاب چیزیں مرزا محمد صادق کے پاس موجود تھیں ایک مخطوطہ علم عروض میں ہے۔ اس کا کوئی عنوان نہیں اور یہ فارسی میں ہے۔ ایک اور مخطوطہ فارسی میں بغیر عنوان کے ہے۔ اس میں معجزات علی ابن ابیطالب علیہ السّلام بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک قطعہ تاریخ افضل الملک کے لڑکے کی ولادت کے بارے میں ہے۔ ہر مصرعے سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ یہ قطعہ قصیدے کے انداز میں ہے اور اس میں ۶۹ شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے ؎

اے عیش جاں بیاکہ نوید اماں رسید   اے خارِ غم بروکہ گل بے خزاں رسید

یہ قطعہ ۱۲۴۶ھ ہجری (۳۱ - ۱۸۳۰ء) میں کہا گیا۔ اس میں مختلف بحریں معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ؎

دبیر گفت بیک مصرعی دو تاریخش   زہے بہ جاہ قوی طالع او مظفر بخت
۱۲۴۶ء   ۱۲۴۶ھ

ایضاً ؎   سال تاریخ رقم کرد دبیر   بود آباد جنت بیدار = ۱۲۴۶ھ

ان غیر مطبوعہ مخطوطات کے علاوہ راقم الحروف کی نظر سے مرزا دبیر کی ایک اور غیر مطبوعہ قلمی مثنوی گزری ہے۔ وہ بھی صادق صاحب کے پاس تھی۔ اس میں نادر شاہ کے حملۂ ایران اور دہلی کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ مثنوی کا کوئی عنوان نہیں رکھا گیا ہے۔ بیچ بیچ میں کاٹ چھانٹ اور ترمیمیں بھی ہیں۔ غالباً مصنف کے ہاتھ کی ہے۔ چونکہ مثنوی نایاب اور نادر ہے اس لئے چند شعر نقل کئے

جاتے ہیں ؎

وہ ٹیڑھی کلاہ اور وہ ترچھی نگاہ
یہ چاہا کہ سیدھا کروں اب چغہ

نظر کی سوئے افسرانِ سپاہ
کہ دیکھوں انہیں کیا ہے تابِ نگاہ

نگہہ افسروں نے بھی کی تند و تیز
سروہی چلے جیسے وقت ستیز

نگہہ ان سبھوں کی تھی گویا زباں
کیا عین مطلب یہ فر فر بیاں

کہ سیدھا کرے گا چغے کو اگر
تو پھر یہ چغہ ہے نہ تو ہے نہ سر

یہاں ہم ہیں جتنے صغار و کبار
ہیں اولاد شاہ صفی پر نثار

دلوں میں ہے روشن محبت کا داغ
سمجھ ہم کو پروانہ ان کو چراغ

تو ہم میں سے چاہے جسے قتل کر
یہ حاضر کُلہ ہے یہ گردن یہ سر

مگر ہاں یہ ارمان ہے یہ خوشی
بچے ایک فرزندِ شاہِ صفی

رہے سر پہ عالم کے جیتا ہوا
اگرچہ وہ ہو دودھ پیتا ہوا

شہنشاہ وہ ہیں جو ہیں تاج بخش
ہمیں خیر بخش اور سر تاج بخش

ہوا قلزم فکر میں وہ غریق
کہا دل سے کیا ہے صلاح اے رفیق

خلاف ہم کو اپنے اگر پائیں گے
ابھی تو قزلباش پھر جائیں گے

کیا خیر خاطر تمہاری ہے یہ
بڑی پرورش اک ہماری ہے یہ

یہ احساں رہے تا بدولت کا یاد
دعا سب نے دی عمر و دولت زیاد

زبردست سارے ہوئے زیردست
کیا نادرانہ ہر اک بندوبست

ملا جب کہ نظم و نسق سے فراغ
کھلا غنچۂ آرزو باغ باغ

کیا تیز تلوار کی دھار کو
مڑا دھار کی طرح قندھار کو

دبیر اب تردّد کا ہے سامنا
ٹھہرنا سنبھلنا قلم تھامنا

دبیر اس قدر عذر بس بس خموش
خدا نے دیئے ہیں تمہیں چشم و گوش

کہ سلطان عالم فلک بارگاہ
ہے مشہور عالم میں ظلِ الٰہ

لکھا ہے کہ دلی میں باعز و جاہ　　محمد شاہ ان روز وں وال بادشاہ

مثنوی کا خاتمہ ذیل کے اشعار پر ہوتا ہے ؎

در خیمہ پر جلد حاضر ہوا　　بغل گیر شرما کے نادر ہوا

دو چنداں ہوئی خیمہ کی آب و تاب　　کہ اک برج میں آئے دو آفتاب

مثنوی میں ابراہیم خاں، ہادی علی خاں، محمد شاہ بادشاہ، قمرالدین وزیر اعظم، سیف خاں اور علی خاں وغیرہ کے نام آئے ہیں۔

مثنوی ۱۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ بعض صفحوں میں ۱۸ اشعر فی صفحہ درج ہیں اور بعض میں صرف ۷ شعر ہیں۔ مثنوی خطِ شکست میں ہے۔ اور مشکل سے پڑھی جا سکتی ہے۔

مرزا صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے کبھی کسی بادشاہ یا رئیس کی تعریف نہیں کی تھی۔ راقم کو اودھ اخبار کی مکمل فائل سال ۱۸۶۰ء کی دستیاب ہوئی۔ یکم اگست ۱۸۶۰ء کے شمارہ میں صفحہ ۳ پر مرزا دبیر کا ایک نادر و نایاب قطعہ موجود ہے جو نواب محسن الدولہ بہادر کی صاحبزادی کی شادی کے موقع پر کہا گیا تھا۔ شادی ۱۳ اور ۱۴ جون سنہ مذکورہ کو ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل اودھ اخبار مطبوعہ ۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء صفحہ ۳، ۴ میں دی گئی ہے۔ قطعہ ایڈیٹر کے نوٹ کے ساتھ اخبار میں درج ہے۔ جواب پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہا ہے:-

"شاعر شیریں زبان، ذاکر فصیح البیان، مقبول صغیر و کبیر، مشہور زماں، مرزا دبیر نے نواب محسن الدولہ بہادر کی بیٹی کے عقد کی تاریخ کہی ہے۔ واقعی طبع وقاد و فکر رسا کی مدد سے بلند تلاش کی ہے۔ ناظرین لطف سخن اٹھائیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں" ؎

اے جناب فلک ایواں کو اکب درباں　　نیر اعظم برج شرف فضل و کرم

نام نامی با ذل داد صلائے احساں　　محسن الدّولہ بہادر شدہ بر لوح قلم

باغ باغ ست تہ خلق تو جہاں لیک رشک　　داغ داغ ست زلالہ چمنستانِ ارم

لفظ احساں شدہ از اسم شریفت ایجاد　　آئینہ گر زسکندر بود و جام زجم

مدعائے زر و سیم ایں بود از موجودات　　کہ بہ سائل رسد از دست تو دینار و درم

شد ثنائے کرمت ورد زباں ہا چنداں | صیت احسانِ تو پیچیدہ چناں در عالم
کز انجم شنود گر بودش بعد بعید | بانگ شکرانہ احسانِ ترا گوش اصم
محفل آرا چو شدی اے پئے عقد دلبند | ناخن فیض تو شد عقدہ با قامت خم
نیست ایں کاہکشاں چرخ ز آتش بازی | بردہ گل ریز پئے ہدیۂ عرش اعظم
رونق افزا شدہ در بزم سلیماں بلقیس | باہزاراں شرف و جاہ بصد اوج و حشم

سال ایں عقد ز زہرہ بحروف منقوط
مشتری گفت ببیں شد مہ و خورشید بہم۔ ۱۲۷۶ھ (۱۸۶۰ء)

مرزا دبیر اردو کے ایک عظیم، مستند اور مسلم الثبوت شاعر ہیں۔ مرثیہ گوئی ان کا سرمایہ حیات ہے۔ اور اسی فن نے انہیں حیات جاوداں بخشی۔ معاصرین انہیں، ایک خوش فکر بلند خیال اور بہترین مرثیہ گو تسلیم کرتے تھے۔ مرزا رجب علی بیگ سرور انہیں، باکمال مرثیہ گو سمجھتے تھے[۱۲]۔ مرزا غالب کی رائے میں وہ سب سے سبقت لے گئے تھے[۱۴]۔ نجات حسین خاں نجات عظیم آبادی دبیر کی پرگوئی اور طلاقت زبان کے قائل تھے۔ موصوف جب عظیم آباد سے ۱۲۵۹ہجری مطابق ۱۸۴۳ء میں وارد لکھنؤ ہوئے۔ تو انھوں نے اپنے قیام لکھنؤ کے زمانے میں مرزا دبیر کی کئی مجلسیں سنیں۔ وہ اپنی قلمی و غیر مطبوعہ کتاب سفر نامہ میں ان کی مرثیہ گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"بتاریخ بست و پنجم۔ رفتن راقم با امام باڑہ میر باقر و استماع نمودن مرثیہ از زبان مرزا دبیر صاحب در حال شہدائے کربلا کہ در ۱۲۵۸ہجری شربت شہادت چشیدند امام باڑہ وسیع با کمال تکلفات از جھاڑ و فانوس رنگارنگ دیوار گیر معاینہ نمودہ یک پاس روز بر آمدہ جناب مرزائے دبیر صاحب بر منبر رفتہ مرثیہ طولانی بلاغت و متانت در حال شہدائے کربلا کہ در ۱۲۵۸ہجری بماہ ذی الحجہ از جور و جفائے بغدادیاں دریں ایام اتفاق افتاد، چنانچہ ذکر آں در بعضی تاریخ ہا نیز بقلم آمدہ خواندہ حضار مجلس را کہ از ہزار افزوں بودند بگریہ در آوردند الحق کہ شاعر در طلاقت بیاں و پرگوئی و خوش خوانی نظیر نہ دارد"[۱۶]

نجات عظیم آبادی ایک اور جگہ مرزا دبیر کی مرثیہ خوانی اور ان کے حلیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"بتاریخ بست وہشتم روز پنجشنبہ باوجود نادرستی طبع۔۔۔ نیم وپاس (کذا) روز برآمدہ، بمجرد تشریف آوردن نواب مرزا صاحب بہ شوق سماعت مرثیہ از زبان مرزا دبیر صاحب بمکان امام باڑہ محمد مرزا صاحب کہ رئیس میراث (کذا) صاحب جاگیر واہل وثیقہ اندرفتہ، مگر تاآں زماں مجلس شدہ بود، مرزا دبیر صاحب از منبر فرود آمدہ بودند، وبعد فراغ از تقسیم شربت نواب صاحب مرزا۔۔۔۔ بہ تمنائے ایں غریب الدیار بعید الوطن، پیش وحید زمن، یگانۂ وقت در شعر وسخن۔۔ جناب مرزا دبیر کہ جثہ منحنی وقامت میانہ وسبزہ رنگ مائل بہ سیاہی دارند، رومالے مناسب وسرخ رنگ بردوش زیر منبر تشنہ بودند رفتہ، ذکر اشتیاق راقم۔ بادشاں عرض واشتند وراقم را قریب طلبیدہ بملاقات پیش خانہ مرزا کریم بیگ مستفید گردانیدند" ؎۱۷

سعادت خاں ناصر لکھنوی بھی مرزا دبیر کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ کہتے ہیں:۔

"عطارد نظر" میاں دبیر، جودت اس کی طبع کی تقریر سے باہر اور تحریر سے زیادہ، طبیعت اس کی مضمون کے پیدا کرنے پر آمادہ، مرثیہ گوئی میں گوئے سبقت ہمگناں سے لے گیا ہے۔ اور زمین سلام کو اس کی فکر بلند نے آسمان کیا۔ مرثیہ لاجواب، ہر بند اس کا انتخاب، ایک ہم کیا ہزار زبان سے اس کا اشتہار جو شہرت اس نے پیدا کی، بیان اس کا خیلے دشوار ہے۔ وہ خوش تقریر طرۂ دستار میر ضمیر ہے۔" ؎۱۸

سید احمد حسن فرقانی میرٹھی اپنے وقت میں ایک اعلیٰ درجے کے انشا پرداز اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ وہ فارسی کے یگانۂ روزگار ادیب تھے۔ انشاء پردازی میں "انشائے فرقانی" ان کی عدیم النظیر تصنیف ہے۔ موصوف مرزا دبیر کے عقیدت مندوں اور مداحوں میں تھے۔ اور ان کے کمال سے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ ہجری (۱۸۶۸ء) میں اپنے وطن میرٹھ سے سفر کی صعوبتیں اٹھا کر مرزا کی ملاقات کے لئے لکھنؤ گئے۔ مرزا اس زمانے میں عظیم آباد گئے تھے۔ فرقانی صاحب بغیر ملاقات کے بے نیل مرام واپس لوٹے۔ اس ناکامی سے انہیں بے حد افسوس ہوا۔ اور انہوں نے دو سال بعد ۱۲۸۶ھ ہجری مطابق ۱۸۶۹ء میں مرزا دبیر کو دو خط بھیجے۔ ان میں ان کی شاعری کو بہت سراہا گیا۔ وہ مرزا کا

بے حد احترام کرتے تھے۔ اور انہیں "سر خیل صاحب کمالاں" "صدر بزم انجمن" جادو مقالان آباد امہات" اور "یگانۂ عناصر جہات" کہتے تھے۔[۱۹] موصوف کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں مرزا دبیر کی مرثیہ گوئی کی طوطی بول رہی تھی۔ اور بعض اوقات اس چرچے کی نوبت بحث و مناظرہ تک پہونچتی تھی۔ چنانچہ ایک خط میں مرزا صاحب کو لکھتے ہیں:۔

سلامیکہ شکست و بان و عبیر ببرائے صبا از رہے بر دبیر

"از آنجا کہ صیت کمال و شہرت اخلاق آن گزیں اعصار و اد وار تا لب گیتی قرار رسیدہ است و ہمائے فصاحت آن شہباز قلۂ مجد و اعتلا بر تمامی روئے زمین سایہ افگندہ پیوستہ، آرزوئے لقائے شریف می برد۔ ہفت ہشت سال در دہلی یا جمعی، پریشان و بد اندیشان ... ... دوبارہ افضلیت وارجحیت خدام بر جملہ شعرائے ہند و تحسین دقائق و لطائف کہ در طے مراثی رواج یافتہ بمباحثہ و مناظرہ می رفت ... ... وایرادات شان بنوعی جواب دادہ می آمد کہ موجب حیرت و استعجاب ہمگناں می گردید"۔[۲۰]

حیدر آباد دکن میں سید عبد الوہاب حسینی نواب سالار جنگ اول کے داروغہ تھے۔ ان سے اور مرزا دبیر کے درمیان خط و کتابت بھی جاری تھی۔ یہ خط و کتابت دبیر کے انتقال کے بعد بھی مرزا اوج کے زمانے میں جاری تھی۔ موصوف وہاب تخلص کرتے تھے۔ اور دبیر کے شاگرد تھے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں فن انشاء کے تحت ایک مخطوطہ خط شکست میں موجود ہے۔ اس پر "رقعات دبیر" لکھا ہوا ہے۔ اصل میں مخطوطے میں ان خطوط کی نقل رکھی گئی ہے۔ جو حسینی صاحب نے مرزا دبیر اور مرزا اوج کو لکھے تھے۔ مخطوطے کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کی بعض عبارتیں معلومات افزا ہیں۔ جب میر انیس کا انتقال ہوا تو مرزا دبیر نے ہی حسینی صاحب کو اطلاع دی تھی۔ رقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیدر آباد میں میر انیس کا کلام دبیر کے مقابلے میں زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ مرزا دبیر جب کوئی نیا مرثیہ تصنیف کرتے تھے تو اس کے بارے میں حسینی صاحب کو برابر اطلاع فراہم کرتے تھے۔ رقعات میں متعدد مرثیے ایسے ہیں جن کا انتخاب اور سال تصنیف مرزا نے مکتوب الیہ کو لکھے تھے۔ جب مرزا دبیر کا انتقال ہوا تو اس کی اطلاع مرزا اوج نے ان کو

دی تھی۔ اور انہوں نے حیدر آباد سے اوجؔ کے نام ایک لمبا چوڑا تعزیت نامہ بھیجا تھا جس میں مرزا صاحب کے کلام کو سراہا ہے۔ افسوس ہے کہ اس اہم مخطوطے سے خاطر خواہ استفادہ نہ کر سکا۔ حسینی صاحب مرزا دبیرؔ کے خطوط میں مرزا اوجؔ اور مرزا محمد کاظم سلمہ کو دعا لکھتے تھے۔ غالباً مرزا محمد کاظم دبیرؔ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

مرزا دبیرؔ اپنے زمانے میں ہر دل عزیز تھے۔ عوام اور خواص کا تو ذکر ہی کیا، بادشاہ وقت محمد واجد علی شاہ جان عالم جو خود بھی ایک سو کتابوں کے مصنف تھے مرزا صاحب سے اس قدر مانوس تھے کہ بے ساختہ فرمایا کرتے تھے ؎

بچپن سے ان کے دام سخن کا اسیر ہوں　　میں کم سنی سے عاشق نظم دبیرؔ ہوں

قدر دانی کا یہ عالم تھا کہ ایک روز بادشاہ سلطان عالم کے یہاں مجلس پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے ہوا کے جھونکے سے شامیانہ جو بالائے منبر ابر رحمت کی طرح سایہ فگن تھا ہوا سے منتشر ہو گیا۔ اور آفتاب کی کرنیں، ان کے چہرے کو چومنے لگیں۔ بادشاہ فوراً بہ نفس نفیس اٹھے۔ اپنی چھتری طلب کی اور اختتام مرثیہ تک ہاتھ میں چھتری لئے سایہ فگن رہے۔[۲۲] قدر دانی اور عقیدت مندی کا یہ غیر معمولی واقعہ صفحۂ کاغذ پہ آج تک محفوظ ہے۔ ہوا کی پراگندگی سے مجلس میں کچھ بے لطفی پیدا ہو گئی تھی۔ اتنی دیر میں مرزا صاحب نے فی البدیہہ یہ رباعی کہہ کر پڑھی اور پراگندہ مجلس کو پھر متوجہ کیا۔[۲۳]

اس دھوپ کو رحمت خدا روکے گی　　یا حضرت زہراؑ کی ردا روکے گی
شیعوں پہ ہے مہر پنجتن کا سایہ　　یہ چاندنی اس دھوپ کو کیا روکے گی

مرزا دبیرؔ اپنے استاد میر ضمیرؔ (متوفی ۱۸۵۵ء) سے منحرف ہو گئے تھے۔ ہم نے یہ پورا واقعہ اپنی کتاب شاعر اعظم مرزا سلامت علی دبیرؔ (ص ۴۸ تا ص ۵۵) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بعد ازاں دونوں بزرگوں میں صلح صفائی ہو گئی تھی۔ اس کی تائید سعادت خاں ناصر اور محمد حسین آزاد سے بھی ہوتی ہے۔[۲۴] نجات عظیم آبادی نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں :-

"ایک دن وہ گیارھویں مجلس میں مرزا دبیر کے گھر گئے۔ انھوں نے اپنا نیا مرثیہ تحت اللفظ میں پڑھا۔ مجلس میں منیر شکوہ آبادی (متوفی ۱۸۸۰ء) نے بھی اپنا مرثیہ پڑھا۔ جس طرح وہ (دبیر) اپنے استاد سے منحرف ہو گئے تھے اسی طرح ایک دن منیر بھی اپنے استاد (دبیر) سے انحراف کریں گے۔ مثل مشہور ہے چاہ کن را چاہ درپیش۔"[۲۵]

نجات عظیم آبادی کے اس بیان کی تائید اور کہیں سے نہیں ہوتی ہے۔ کہ منیر مرزا دبیر سے منحرف ہو گئے تھے۔ برعکس اس کے منیر نے دبیر کا خاصا ذکر اپنی غیر مطبوعہ کتاب سنان دلخراش (سال تصنیف ۱۲۹۶ھ ہجری مطابق ۱۸۷۹ء) میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی منظومات میں بھی آخر تک خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ غرضیکہ منیر، دبیر کے مداحوں اور پرستاروں میں سر فہرست تھے۔ ایک جگہ استاد معظم کی تعریف میں لکھتے ہیں ؎

عطا کی مرثیوں میں اس کی اصلاح
کہ جس کی بزم ہے خورشید مصباح

مسیحائے سخن اعجاز گستر
دبیر پاک دیں مقبول داور

چلے جب تک نسیم صبح گاہی
سلامت ان کو رکھنا یا الٰہی

دئے شاگرد بھی بہتر سے بہتر
سعادت مند نامی نکتہ پرور

کچھ ان میں ہیں اسیران گرامی
ملک درگاہ کا جن کے سلامی

جو تاریخیں ہیں دیوانوں میں مرقوم
کئی قطعوں میں نام ان کے ہیں منظوم[۲۶]

ایک اور جگہ منیر نے پوری غزل دبیر کی توصیف و تعریف میں نذر کی۔ اس میں اعلیٰ علمی استعداد، زبان دانی، شاعری اور سیرت و کردار پر خاصی روشنی پڑتی ہے یہ غزل انہوں نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جلاوطنی کے زمانے میں کالے پانی جاتے وقت جہاز پر کہی تھی۔ چونکہ کلیات منیر اب نایاب ہو رہا ہے اس لئے پوری غزل پیش کی جاتی ہے ؎

خلیل کعبۂ فکر رسا جناب دبیر
کلیم طور فصاحت ضیا جناب دبیر

جہانِ معنی و سرمایہ بخشِ دانشِ علم — مربّی ورع و اتقا جناب دبیرؔ
شباب علم بدیع و بیان و معنی و نظم — مسیح ہر سخن جانفزا جناب دبیرؔ
شہہ سریر فصاحت مہ سپہر کمال — عروج طالع و طالع رسا جناب دبیرؔ
فرزدق و متنبیٔ و دعبل سپہر کمال — پکارتے ہیں کہ ہیں مقتدا جناب دبیرؔ
زبان فارسی و اردو کی بلاغت میں — برنگ موجۂ آبِ بقا جناب دبیرؔ
کمال مرثیہ میں فخر سابق و لاحق — بہار جنت بزم عزا جناب دبیرؔ
بیاض نقشِ قدم شرحِ سلم منبر — کتاب واقعہ کرب و بلا جناب دبیرؔ
حدیث و قصۂ تفاسیر کے بھی دریا سے — نکالتے ہیں دُرِ بے بہا جناب دبیرؔ
ہر ایک مرثیہ عرش الکمال مضموں ہے — سخنوری میں ہیں معجز نما جناب دبیرؔ
گل حدیثِ مناقب کے روضۂ کافی — پناہ کشتیٔ بحر البکا جناب دبیرؔ
محیط ہمت و دُرِّ یگانۂ ایثار — سفینہ یمِ خلق و عطا جناب دبیرؔ
رہیں حمایتِ آل رسولؐ میں شاداں — خدا کے فضل سے سرتا بپا جناب دبیرؔ
جہاز پہ یہ کہا میں نے بہرہ آورد — کریں قبول اسے اے خدا جناب دبیرؔ

منیرؔ بلبل انصاف کا ترانہ ہے
کہ ہیں گلِ چمنِ اصطفا جناب دبیرؔ

مرزا دبیرؔ اپنی حیات کے آخری سال واجد علی شاہ متوفی (ستمبر ۱۸۸۷ء) کے ایما پر ۱۲۹۱ھ ہجری میں کلکتہ آنکھیں بنوانے کے لئے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور اپنی مجلس عزا میں برسر منبر امام باڑہ سبطین آباد میں مرزا دبیرؔ کی مدح میں تقریباً پچیس بند پڑھے۔ جن میں سے ٹیپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

بچپن سے ان کے دام سخن میں اسیر ہوں
میں کم سنی سے عاشق نظمِ دبیرؔ ہوں

یہاں مرزا نے آنکھیں ایک جرمن ڈاکٹر سے بنوائیں۔ قدح چشم کے ساتھ ہی بصارت عود آئی۔ اس موقع پر دبیرؔ نے ایک رباعی کہی ؎

امداد علی گاہ خفی گاہ جلی ست — بر من ز ازل عین عنایات ولی ست
چو مادہ دفع شد بگفتیم تاریخ — چشم بد دور، عین اعجاز علی ست[۲۸]

۵۰ — ۴۱ — ۱۳ — ۱۲۹۱ سنہ ہجری

مرزا دبیرؔ کو آخری عمر میں مرنے سے قبل چند صدمے اٹھانے پڑے۔ پہلا صدمہ یہ کہ ان کے جوان بیٹے مرزا محمد ہادی حسین تخلص عطاردؔ کا انتقال عین جوانی میں ۲۰ سال کی عمر میں جمادی الاولی ۱۲۹۱ سنہ ہجری (جون ۱۸۷۴ء) کی ۵ تاریخ کو اچانک ہوا۔ دوسرا صدمہ روحانی بڑے بھائی مرزا غلام محمد تخلص نظیرؔ کے مرنے کا ہوا۔ جو ۲۸ صفر ۱۲۹۱ سنہ ہجری کو جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ تیسرا صدمہ جو ان دونوں صدموں سے بڑھ کر کاہش جان ہوا وہ بروز دوشنبہ ۲۹ شوال ۱۲۹۱ سنہ ہجری قریب مغرب میر انیسؔ کا مرنا تھا۔[۲۹] مرزا صاحب ان کی موت پر بے اختیار روئے۔ اور فرمایا کہ ایسے معجز بیان فی اللسان، قدردان کے اٹھ جانے سے اب کچھ لطف نہ رہا۔[۳۰] وہ میر انیسؔ کی موت سے اس قدر مغموم ہوئے کہ میر باقر کے امام باڑے کی مجلس پنجم میں وہ معرکہ آرا قطعۂ تاریخ وفات میر انیسؔ پڑھا، جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

آسماں بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامین — طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیسؔ

یہ قطعہ تاریخ اس قدر پسند کیا گیا کہ اسے ادیبؔ مرحوم نے سنگ مرمر کے لوح پر کندہ کرا کر مزار انیسؔ پر نصب کیا۔ قطعے کے آخری شعر سے پہلے کا شعر اور تاریخی شعر راجہ دھنپت رائے محبؔ نے اپنے کلیات سلام میں میر انیسؔ کی وفات کے سلسلے میں یادداشت کے طور پر لکھے ہیں۔ یہ شعر غالباً غیر مطبوعہ ہے۔

حیف شد تاریک در چشم محبان حسینؑ — نہ سپہر و مہر و ماہ و ہفت اختر بے انیسؔ

میر انیسؔ کے انتقال کے بعد مرزا دبیرؔ تین مہینے اور ایک دن زندہ رہے۔ مگر برابر علیل رہے۔ امام باندھی بیگم صاحبہ کے اصرار سے محرم ۱۲۹۲ سنہ ہجری میں پٹنہ عظیم آباد تشریف لے گئے۔ مگر عشرۂ محرم میں ہر روز مجلس اوج پڑھتے تھے۔ اور مرزا صاحب مجلس میں بیٹھے رہتے تھے۔ کیونکہ وہ علیل تھے سادات و مومنین دور دور کی بستیوں سے

اپنی اپنی بستیوں کی عشرۂ محرم کی مجلسوں کو چھوڑ کر محض مرزا صاحب کے سننے کو آئے تھے۔ آخر میں ۷ ذی محرم کو بعض مومنین نے مرزا صاحب سے افسوس کے لہجے میں عرض کیا کہ ہم حضور کے سننے کو آئے تھے اپنے گھر کی مجلسیں بھی چھوڑ دیں۔ اور حضور کو نہ سنا۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ آج میں پڑھوں گا۔ مرزا اوجؔ کے بعد مرزا دبیر منبر پر تشریف لے گئے چند رباعیاں پڑھ کر بین کے چند بند پڑھے۔ ایسی رقت ہوئی کہ اکثر آدمی بیہوش ہو گئے۔ مرزا صاحب منبر پر رو یا کئے۔ بڑی دیر کے بعد جب جوش رقت کم ہوا تو لوگوں نے منبر سے اتارا۔ بعد سوئم ۱۲ محرم ۱۲۹۲ھ ہجری کو ایک دو دو روز راستے میں بمقام آرہ و حسین گنج مقام کرتے ہوئے لکھنؤ میں تشریف لائے۔ ورم کبد کی شدت تھی۔ علاج ہوتا رہا مگر بے سود۔ آخر اسی عارضۂ ورم کبد میں ۳۰ ماہ محرم کی رات میں قریب صبح صادق انتقال فرمایا۔ دن میں جنازہ اٹھا۔ دریا پہ غسل میت کے واسطے جنازہ کو لے گئے۔ ہزاروں آدمی جنازہ کے ساتھ علماء و صلحاء و شعراء تھے۔ اور اکثر مرحوم و مغفور کی یہ رباعی پڑھتے ہوئے روتے چلے جاتے تھے۔ ؎

رحمت کی تری امیدوار آیا ہوں منھ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بار گنہ نے پیدل تابوت میں کاندھوں پہ سوار آیا ہوں [۳۱]

مرزا دبیرؔ کے انتقال پر متعدد لوگوں نے تاریخیں کہیں۔ سب سے زیادہ تاریخیں منیرؔ شکوہ آبادی نے کہیں "تاریخ ہائے رحلت حضرت استاذی میرزا دبیر صاحب طاب ثرہ" کے عنوان کے تحت ملتی ہیں۔ ایک تاریخ یہ ہے [۳۲] ؎

وحید عصر جناب دبیرؔ معجز دم کہ سر عطارد گردوں بپائے او سودہ
ازیں سرائے سپنجی چو رخت خود برداشت بہ نزد آل نبیؐ در بہشت آسودہ
منیرؔ سال و مہ و روز و وقت و تاریخش
پگاہ و سلخ و سہ شنبہ مہ عزا بودہ

اس حساب سے مرزا کا انتقال ۲۹ محرم منگل کے دن ۹ مارچ ۱۸۷۵ء (۱۲۹۲ھ) کو ہوا۔ تفصیلات کے لئے راقم کے مضامین ماہنامہ کتاب نما مرزا دبیر نمبر ص ۳۲، ص ۳۳ اور

سرفراز، لکھنؤ دبیر نمبر صت۱ ملاحظہ ہو۔

دبیر کے انتقال کے بارے میں 'اودھ اخبار' لکھنؤ میں جو خبریں اور مضامین شائع ہوئے تھے وہ مرزا صاحب کی زندگی اور مرثیہ گوئی پر خاصی روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ اخبار اب نایاب ہے لیکن اس کی فائیلیں سال ۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۵ء تک لکھنؤ میں راقم کی نظر سے گزریں۔ اب یہ امر سنگھ کالج سری نگر میں محفوظ ہیں۔ اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا دبیر کی مجلس چہلم میں ایک جم غفیر کے سامنے مرزا اوج نے یہ قطعۂ تاریخ بھی پڑھا تھا ؎

خاک برسر کن صبا در ماتم سلطانِ غم | حیف شد بربادا قلیم بلاغت بے دبیر
نیست آں بسم اللہ دیباچہ معنی و لفظ | ہست اکنوں ابترا اجزائے طلاقت بے دبیر
بنگر اندر بوستاں بر سرو نخل ماتم است | در چمن نرگس سراپا چشم حیرت بے دبیر
غیر ممکن طالب دیدار در شام و سحر | اندریں فرقت سر ایک لحظہ راحت بے دبیر
نے دل مہجور را آرام بے وصل حبیب | نے مذاق زندگانی را حلاوت بے دبیر

مصرع تاریخ نوشتش منشی گردوں نوشت

آسماں بے مہر و ذہیم فصاحت بے دبیر ۱۲۹۲ھ

اودھ اخبار مورخہ ۱۷ مارچ ۱۸۷۵ء مطابق ۸ صفر ۱۲۹۲ھ ہجری روز چہارشنبہ کی اشاعت میں بہت سے شعرا نے دبیر کی تاریخ وفات کے سلسلے میں قطعات لکھے۔ ان میں ۱۲ شعر کا ایک قطعہ سید حسن لطافت کا شائع ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا دبیر میر ضمیر کے علاوہ میاں دلگیر کے بھی شاگرد تھے۔ ذیل میں تین شعر پیش کئے جاتے ہیں ؎

روز سہ شنبہ تھا اور سلخ محرم وقت صبح | ماتم شہ میں ہوئے یہ ماہ غم کے ساتھ اخیر
ہر طرح اللہ نے ان کو کیا تھا اہل دل | تھے رجوع قلب سے شاگردِ دلگیر و ضمیر

ہاں الم سے سر اٹھا کر لکھ دے تاریخ وفات

باغ بے بلبل ہے ہندوستان لطافت بے دبیر

۱۲ ۹۲ ہجری

اودھ اخبار مورخہ ۹ فروری ۱۸۷۵ء کی اشاعت میں کسی نامعلوم شخص نے

مرزا دبیر کے مادّہ تاریخ ؎

سال تاریخش بزبر و بیّنہ مرقوم شد　　　طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

پر اعتراض کیا تھا کہ اس سے مطلوب تاریخ ۱۲۹۲ سنہ ہجری میں انیس کی وفات کی درست نہیں نکلتی ہے۔ مصرع تاریخ کے بارے میں اخبار کے صـ۱۸۹ میں مرزا دبیر کا ایک رقعہ بھی شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی کہی ہوئی تاریخ کو درست ثابت کیا۔

مرزا دبیر کی تائید میں مرزا حاتم علی بیگ مہر اپنے رسالے "در ثبوت صحت تاریخ" صـ۳ میں لکھتے ہیں :۔

"دبیر نے جو تاریخ صاحب بیان سلیس و طبع نفیس جناب میر ببر علی صاحب انیس کے انتقال کے باقاعدہ زبر و بیّنہ کمال جدت کے ساتھ فرمائی اس کی سمجھ میں نابلدانِ کوچۂ تحقیق کو انتہائی پریشانی ہوئی کہ آخر سمجھانے کی نوبت آئی تو سید بادشاہ علی صاحب متخلص بہ بقا ابن وزیر علی صاحب صبا اسکنہ اللہ فی الجنۃ الماویٰ خویش مرزائے مغفور نے اس کی کیفیت واقعی ناواقفوں کے ذہنوں پر حالی کرنے کا طریقہ سوال و جواب کا ایجاد کیا اور افہام و تفہیم نکات و غوامض سے طبیعتِ متردّدین کو شاد کیا۔" ۳۴؎

تاریخی اعتبار سے جہاں تک معلوم ہو سکا مرزا دبیر نے عنفوان شباب میں ۲۷ سال کی عمر میں اردو نثر میں ایک کتاب ابواب المصائب کے نام ۱۲۴۵ سنہ ھ مطابق ۳۰-۱۸۲۹ء تصنیف کی۔ اس میں حضرت یوسف کے واقعات پر آل عبا کے مصائب بیان کئے۔ کتاب ۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ اب یہ نایاب ہے اور اس کا کوئی نسخہ جناب ثابت لکھنوی کو دستیاب نہیں ہوا تھا۔ کتاب مطبع یوسفی دہلی میں شائع ہوئی۔ کتاب پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔ ابتدا کے دس صفحوں میں دیباچۂ مصنف ہے۔ اس میں بادشاہ نصیر الدین حیدر کے کردار و اخلاق و سیرت اور ان کی عزاداری کی تعریف کی گئی ہے۔ کہتے ہیں :۔

"ہمارے بادشاہ عصر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کو جناب احدیت نے فخر سلاطین

سلف اور رشک بادشاہان عصر پیدا کیا۔ کہ ازل سے آج تک کسی نے بنائے تعزیہ داری تا اربعین نہ کی تھی۔ الّا اس بادشاہ خلائق پناہ نے یہ رسم حسنات مقرر فرمائی۔ اور اسی طرح سے ہزارہا امور حسنات اور آثار برکات ذات مجمع حسنات سے بنیاد پزیر ہوئے۔ اور ہوتے ہیں ؎

حق تعالیٰ اسے رکھے آباد   بحمد و آلہٖ الا مجاد
مہدیٔ دیں ہمیشہ یاور ہوں   حکم میں اس کے ہفت کشور ہوں"

اس کے بعد سبب تالیف کے تحت لکھتے ہیں:۔

"باعث تالیف اور سبب تصنیف یہ ہے کہ دریں ولا بتائید غیبی اور بالہام لاریبی بندۂ حقیر التقصیر اعنی دبیرؔ کا یہ عزم بالجزم ہوا کہ ترجمہ سورۂ یوسف کا مشتمل بمصائب جناب سید الشہداء علیہ التحیّۃ و الثناء بطریق تازہ اور بحسن بے اندازہ از روئے تفاسیر معتبرہ اور احادیث معتمدہ کے تعزیہ داران جناب ابا عبداللہ الحسینؑ کے مطالعہ کے واسطے زبان اردوئے معلّیٰ میں کرے۔"

کتاب میں کل ۱۶۸ صفحات ہیں۔ باب ششم فصل پانچویں پر ختم ہوتا ہے اور ہر باب میں ۵ فصل ہیں۔ خاتمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا دبیرؔ نے اسے ایک ہفتہ میں تصنیف کیا۔ لکھتے ہیں:۔

"بخدائے لایزال کہ شطط حواس اور تردد بے قیاس میں بہ تعجیل تمام اور بہ عجلت مالا کلام مدت ایک ہفتہ میں اس خود غلط نے یہ اوراق سفید سیاہ کئے ہیں۔ اور اس زمانے میں بھی اکثر اکتساب ثواب مجلس عزا میں اور تحصیل سعادت ملازمت احبّا میں حاضر اور موجود رہا ہے۔"

ابواب المصائب کے آخر میں ذیل کا قطعہ تاریخ صہ۱۶۸ میں درج ہے ؎

اے زہے ایں کتاب حزن اثر   کہ مزیں بنام آل عباست
در معانی و لفظ ہر درقش   محضر خون سید الشہداست
سطر سطرش بجلوۂ تاثیر   تمۂ آہ جناب خیر نساست

ہست آری عبارت از اغراق | چوں الف ہست حرف حرف راست
در کتابِ زمانہ ایں اوراق | یادگار دبیر بے سروپاست
چوں بلطف آئمہ گشت تمام | اے ہمیں لطف خضر منزل ماست
غور کردم بسالِ تالیفش | کہ زآئینِ فرقۂ شعراست
ناگہاں فوج فوج آمدہ عقل | ازجپ وراست داد مژدۂ راست

گفت بامن کہ سال تاریخیں
مصحف طاق چشم اہل غراست
۱۲۴۵ ہجری

دبیر کی نادر و نایاب جلدیں

مرزا دبیر قادر الکلام اور بسیار گو شاعر تھے۔ انھوں نے ۷۲ سال کی عمر پائی۔ ۱۲ سال کے سن میں مرثیہ کہنا شروع کیا تھا۔ اور ۶۲ سال تک کہتے رہے۔ اس طویل عرصے میں کتنے مرثیے کہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان کا سارا کلام دستیاب نہیں ہے۔ کچھ غدر میں تلف ہوا۔ کچھ شاگردوں کے نام چھپا ہے۔ اب بھی بہت سا کلام کتب خانوں میں قلمی صورت میں موجود ہے۔ جس کا بیشتر حصہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ دبیر نے مرثیہ گوئی میں پورے لکھنؤ میں اپنا سکہ بٹھا دیا تھا۔[۳۵] اور بقول آزاد کم سے کم تین ہزار مرثیہ لکھے ہوں گے۔ سلاموں، نوحوں اور رباعیوں کا شمار ہی نہیں[۳۶] میر صفدر حسین مرثیوں کی تعداد تقریباً دو ہزار لکھتے ہیں اور کہتے ہیں:۔

"قریب دو ہزار مرثیہ در مصائب و مناقب گفتہ کہ بعضے از آنہا مشتمل بر یک ہزار و پانصد بیت اند و ہر بیت یا در ذکر منقبت اہل عصمت است یا در ذکر مصیبت ذرّیہ جناب رسالت و از تعداد رباعیات و تضمینات و سلامیات محاسب و ہم بعجز و قصور است"۔[۳۷]

مرزا دبیر کے سلام کے مقطع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مہینے اپنے گھر کی مجلس میں ہمیشہ نیا مرثیہ پڑھتے تھے۔ لکھتے ہیں ؎

نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے ہر ماہ — دبیر اس کو سمجھو مہینہ ہمارا!

بعض مہینوں میں دو دو تین تین مرثیہ کہہ ڈالتے تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے مرثیے اس سے بھی زیادہ۔ اس لحاظ سے بھی نوبت سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہونچتی ہے۔ بعض

اوقات تین چار گھنٹوں میں ایک مرثیہ کہا اور پڑھ دیا۔ ایک مرثیہ کے مقطع میں کہتے ہیں ؎

کل چار ساعتوں میں ہے یہ مرثیہ کہا ؎

اور بعض موقعوں میں اس سے بھی کم وقت میں کہتے تھے۔ ایک غیر مطبوعہ مرثیہ کے مقطع میں فرماتے ہیں ؎

یہ مرثیہ ہر چند بہت جلد کہا ہے خاموش دبیر اب کہ عجب حشر بپا ہے

دبیر کا ایک بہت مشہور مرثیہ ہے۔ مطلع ہے۔ "کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے" ۱۱۱ بند میں ان کی زندگی میں مطبع مخدومی بمبئی میں چھپا تھا۔ مقطع کے آخری شعر میں کہتے ہیں ؎

ہر ہفتہ میں اک مرثیہ آقا کا کہوں میں مشغول سدا تعزیہ داری میں رہوں میں

زندگی میں مرزا صاحب کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کے علاوہ ان کے مرثئے مختلف ممالک میں ایام عزا میں لوگ تبرکاً پڑھتے تھے۔ میر صفدر حسین لکھتے ہیں:-

"مرثیہ ہا و کلامش فیض نظامش مشہور عالم است و دریں بلدۂ فاخرہ کہ الی یوم النشور معمور باد، خود آنجناب برسر منبر می خواند و قلوب مومنین را بذکر مناقب مسرور و شاداں و عیون اہل ایمان را بتذکرۂ مصائب گریاں می کردند، و اکثر سوز خواناں در مجالس و ذاکرین برسر منابر می خوانند، و ہزار ہا مومنین فیض اجتماع یافتہ بثواب و گریہ و بکا مستوجب نعمات الٰہیہ تعالیٰ شانہ، می کردند و ہمچنیں در دیگر امصار و بلدانِ ملک وسیع الفضائے ہندوستان و قصبات و قریات تا منتہائے کلکتہ و بمبئی و سورت و لاہور و ملتان و دکن و سندھ و کابل و کشمیر و لندن بلکہ در مکۂ معظمہ و مدینہ منورہ و جنت البقیع و در نجف اشرف و در کربلائے معلّٰی در رواقِ خاص، در روضۂ خیر النّاس حضرت عباسؑ و خیمہ گاہ و در کاظمین شریفین و سامرہ و در خراسان بروضۂ امام ثامن شاہ طوس علیہ السلام و بروضۂ زینبؑ و معصومۂ قم علیہما السلام کہ اہل ہند مجالس تعزیت منعقد می سازند، مراثی نظم نمودۂ آنجناب خواندہ می شود"[۲۸]

یہ امر مسلمہ ہے کہ مرزا دبیر کا سارا کلام ہم تک نہیں پہونچا ہے۔ ان کا بہت سا

کلام ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ان کے مطبوعہ کلام کے بارے میں سید افضل علی ضو بدایونی مصنف ردالموازنہ لکھتے ہیں ؎

عرفی و انوری و خاقانی ۔۔۔ ہیں یہ سب شاہد نکاتِ دبیر
ساتھ ان کے ہوا سخن بھی تمام ۔۔۔ جبکہ واقع ہوئی وفاتِ دبیر
ان کے بعد اہل نظر کی خاطر ۔۔۔ بس ہے دنیا میں کائناتِ دبیر
ہیں جو بائیس جلدوں میں مطبوع ۔۔۔ مرثیے اور نوحہ جاتِ دبیر
ہیں ورا ان کے مرثیئے اکثر
غیر مطبوعہ کلیاتِ دبیر [۳۹]

مطبع اسلامی

ضو بدایونی نے جن ۲۲ جلدوں کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دفترِ ماتم کی ۲۰ جلدیں اور دو جلدیں مطبع نولکشور کی۔ ان جلدوں کے علاوہ بقول ضو بدایونی ان کے زمانے میں مرزا دبیر کا غیر مطبوعہ کلام بھی لوگوں کے پاس موجود تھا۔ ہمیں آج سے ستّر اسّی سال کا حال معلوم نہیں ہے کہ دبیر کا کلام کس کے پاس غیر مطبوعہ موجود تھا۔ اتنا تو معلوم ہے کہ دھول پور کے ایک عالم فاضل اور شاعر نورالحسن کوکب عرف نور محمد کے پاس مرزا دبیر اور میر انیس کے جو سیکڑوں قلمی مرثیے تھے وہ اب لکھنؤ میں سید محمد رشید صاحب اور مرزا امیر علی جونپوری کے پاس ہیں۔ یہ مطبوعہ مرثیوں کے مقابلے میں درست اور مستند ہیں۔ راقم الحروف نے دونوں کتب خانوں کو خوب کھنگالا ہے۔

یہ بات غالباً لوگوں کو معلوم نہیں ہوگی۔ کہ مرزا دبیر کا کلام ان کی زندگی میں سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق سنہ ۱۸۵۱ء میں مطبع اسلامی بمبئی میں چھپا تھا۔ جناب رشید صاحب کے کتب خانہ میں راقم کی نظر سے مراثی کا ایک مجموعہ گزرا ہے۔ کتاب میں میر انیس، میر ضمیر اور میرزا فصیح کے چار مرثیہ شائع ہوئے ہیں۔ کتاب میں افسردہ، مقبل، حسرت (مرزا جعفر علی حسرت) اور مرزا دبیر کے سلام بھی چھپے ہیں۔ مرزا دبیر کے بارہ شعر ہیں۔ ذیل میں مطلع اور مقطع کے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں ؎

نمبر ۱۔ مجری پچھلی کس کے گل زخم تن کی بو — آلودہ خاک و خوں میں ہے ہر اک چمن کی بو

نمبر ۲۔ دلہائے مومنیں ہیں شگفتہ بسانِ گل — کیا خوب ہے دبیر یہ باغ چمن کی بو

کتاب کے صفحہ ۸۰ میں یہ ترقیمہ ہے:۔

"یہ نسخہ مجموعہ بکا جناب شاہ شہیدان شہدا مشتاقان عالیشان کی فرمائش سے تاریخ دوسری ذی الحجہ الحرام ۱۲۶۸ھ ہجری میں جزیرۂ بمبئی میں شہاب الدین ابن منشی کریم الدین کلکٹر نے مطبع اسلامی میں چھاپا"

ترقیمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۶۸ھ ہجری مطابق ۱۸۵۱ء میں بمبئی کے ساتھ "جزیرہ" بھی لکھا جاتا تھا۔

مطبع مخدومی

مطبع اسلامی کے علاوہ مرزا دبیر کے مرثیئے ان کی زندگی میں بمبئی میں مطبع مخدومی میں بھی چھپتے تھے۔ بعض مراثی کا انداز طباعت وہی ہے جو مطبع اسلامی کے مرثیوں کا ہے۔ ذیل میں ان مرثیوں کے مطلعے اور مقطعے درج کئے جاتے ہیں ؂

(۱) عباس علی جوہر شمشیر وفا ہے — ۵۲ بند

(مطلع) عباس علی جوہر شمشیر وفا ہے — یہ جوہر شمشیر خدا سیف خدا ہے
یہ سیف خدا سیفِ حیدرؑ کی دعا ہے — یہ سیفِ حیدرؑ کی دعا عقدہ کشا ہے
یہ عقدہ کشا وہ ہے کہ حیدرؑ کا خلف ہے
حیدرؑ کا خلف ہے تو دو عالم کا شرف ہے

(مقطع) کہنے کا دبیر اب نہیں یارا مجھے اصلا — خاموش ہو، کر عرض کہ اے سید والا
وہ عقدۂ امید مرے دل میں ہے مولا — جس کو کہ سوا تیرے کوئی کر نہ سکے وا
خود آؤں ترے در پہ یہ مقدور نہیں ہے
پر تم جو بلا بھیجو تو کچھ دور نہیں ہے

مرثیہ کے اختتام پر "مرثیہ چھ راگ و چند راگنی" کے ۸ بند ہیں۔ اس کے بعد سوز ہے۔ حاشیہ کی عبارت یہ ہے:۔

"یہ مرثیہ جناب حاجی قاضی ابراہیم صاحب پلندری کی دوکان پر ملے گا۔"

۲۔ مفتاح قفلِ بابِ سخن ہے زباں میری ۵۶ بند

(مطلع) مفتاح قفل باب سخن ہے زباں میری رکتی نہیں وہ بحر ہے طبع رواں میری
دُر ریز ہے زبان فصاحت بیاں میری تب قدر ہے کہ قدر کریں قدر داں میری
گوہر ہیں بے بہا پہ کوئی مشتری نہیں
یکساں ہے سنگ و لعل و گہر جوہری نہیں

(آخری بند) بالاتفاق سب نے لکھا ہے بصد ملال گھوڑے سے وقت عصر گرا فاطمہؑ کا لال
اس وقت شمر سے یہ عمر نے کیا مقال ہاں تن سے کاٹ لے سر سلطان خوش خصال
کس منہ سے اب کہوں کہ ستمگر نے کیا کیا
خنجر سے شاہ کا سر انور جدا کیا

ترقیمہ۔ "تمت تمام شد (۱۲۹۱ سنہ ہجری)" (۴، ۷، ۱۸)۔

حاشیہ۔ یہ مرثیہ شہر بمبئی میں بنا کہ کولسہ محلہ جناب قاضی ابراہیم کی دوکان سے ملے گا۔ نمبر مکان ۶۵ بمبئی خانہ"

۳۔ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔ ۱۱۱ بند

(مطلع) کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے اور قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبرئیل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

بند ۵۔ اے تیغِ زباں جوہر تقدیر دکھا دے اے دشتِ قلم قوت تحریر دکھا دے
اے ذہن رسا نظم کی توقیر دکھا دے اے حسن بیاں نور کی تصویر دکھا دے
صحبت ہے عجب گرم ہے دربار حسینیؑ
سب بزم ہے مشتاقِ علمدار حسینیؑ

یہ بند میر انیس کی جلد اول مطبع اودھ اخبار ہیں مطلع کے طور پر ایک مرثیہ میں درج ہے۔

مقطع۔ یہ کہتے ہی عباسؑ نے فردوس کی لی راہ ۳۲ سر جوم کے عباسؑ کا شبیرؑ نے کی آہ
خاموش دبیرؔ اب ہے دم نالۂ جانکاہ کر عرض یہ شبیرؑ سے اے سرورِ ذیجاہ
مشغول سدا تعزیہ داری میں رہوں میں
ہر ہفتہ میں اک مرثیہ آقا کا کہوں میں

اس کے بعد گویا وفا اور کامل کے تین سلام ہیں۔ حاشئے کی عبارت یہ ہے:۔

"شایقین پر واضح ہو کہ یہ مرثیہ جناب قاضی ابراہیم صاحب پلندری کی دوکان جو موروثہ بمبئی کے کوسیہ محلہ کے ناکے پر موجود ہے۔ اطلاع کرنے سے دستیاب ہوگا"

(۴) مطلع۔ وہ کون دو یوسف ہیں جو خوبی میں ہیں یکتا۔ ۱۱۵ بند

یہ دفتر ماتم کی جلد ہفتم میں آخر میں چھپا ہے۔ اور اس میں ۱۱۵ بند ہیں۔ اس میں اوپر کا مطلع دوسرے بند میں درج ہے یہ مرثیہ نایاب ہے۔ بہرحال، مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کے بند درج کئے جاتے ہیں۔

"مرثیہ من تصنیفات مرزا دبیرؔ صاحب"

وہ کون دو یوسف ہیں کہ خوبی میں ہیں یکتا جن کے لئے ہر فرد کا ثانی نہیں پیدا
حقا کہ شراکت سے ہے معبود مبرّا پر دیکھوں ان دونوں کی نسبت کا معمّا
کیا تثنیہ کو رتبۂ عالی دیا حق نے
دو حرف سے نام اپنا مرکب کیا حق نے

دفتر ماتم میں یہ بند اس طرح ہے۔

وہ کون دو یوسف ہیں کہ آوارہ وطن ہیں وہ کون دو عیسیٰ ہیں کہ بیمار محن ہیں
وہ کون دو گلرو ہیں کہ داغوں سے چمن ہیں وہ کون دو سیّد ہیں کہ بے گور و کفن ہیں
غربت میں تربت نہ کوئی فاتحہ خواں ہے
تابوت حیات ان کا کفن آب رواں ہے

مطبع نولکشور جلد اول مطبوعہ مارچ ۱۹۳۷ء میں بند کی ٹیپ یوں ہے۔

وہ کون دو بیکس ہیں کہ فخر دو جہاں ہیں
وہ کن کے ہیں دو لاشے کہ دریا میں رواں ہیں

مطلع ثانی۔ وہ کون دو مظلوم ازل ہیں دوسرا ہیں ۳۳ جو بسمل یک تیغ ہوئے راہ فنا ہیں

اعضائے بدن تثنیہ ہیں خلق خدا میں   اور صرف ہیں ان دونوں کی تعریف عزا میں

دو ہاتھ ہیں ماتم کو تو دو چشم بکا کو
دو گوش سماعت کو تو دو لب ہیں ثنا کو

نسخۂ مطبع مخزومی بمبئی اور دفتر ماتم میں مقطع ایک جیسا ہے

تا عرش دبیر اب تو ہے نالوں کی رسائی   مشتاق دعا ہو کہ اجابت ہے خدائی
کہہ اب کہ پئے روح شہہ کرب و بلائی   آقتیل یقول حسن رب دعائی
بس مجھ کو بھی اب مرثیہ گوئی کا صلا ہو
ہر لحظہ سوا دل کو آئمہ کی ولا ہو

مرثیہ مطبع مخزومی بمبئی کے بعد دسمبر ۱۸۷۵ء ۶ مطابق ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ ہجری یعنی دبیر کے انتقال کے صرف نو ماہ کے بعد اودھ اخبار (موسوم بہ مطبع نولکشور) میں صرف ۳۹ بند میں چھپا۔ اس کے بعد مرثیہ مطبع نولکشور کے تمام ایڈیشنوں میں جوں کا توں غلط غیر مربوط اور ناقص چھپا۔ آخر میں مرزا محمد طاہر تخلص رفیع کے توثیق نامہ کے ساتھ چھپا۔ اس میں بھی نامکمل رہا۔ اس میں اور پہلے کے ایڈیشنوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں بھی ۳۹ ہی بند ہیں۔ مقطع بھی غلط چھپا ہے۔ ملاحظہ ہو

تا عرش دبیر اب تو ہے آہوں کی رسائی   کر حق سے دعا بہر شہہ کرب و بلائی
کر دور اسے جو ہے بلا ہند پر آئی   ہو رنج و غم و درد سے شیعوں کو رہائی
بس مجھ کو یہی مرثیہ گوئی کا صلا ہو
ہر لحظہ سوا دل میں آئمہ کی ولا ہو

مرثیہ کا ایک قلمی نسخہ بھی ملا۔ اس میں ۶۰ بند ہیں۔ مرثیہ شاندار ہے۔ اس میں پسران مسلم کے سراپا بڑی عمدگی سے کھینچے گئے ہیں۔ چند بند ملاحظہ ہوں۔ یہ نادر و نایاب ہیں۔

گر حسن و جمال ان کے نسب سے بھی ہیں پیدا   پر دونوں کی الفت کا ہے مجھ پر یہ تقاضا
اک ایک کی تصویر جدا کھینچ کے دکھلا   دو کام ہیں ایک وقت میں کیوں کر کروں یکجا
تائید کریں کلک و زباں شرح رقم سے
اک شکل زباں سے کھینچے اک شکل قلم سے

لکھنے کو دو تصویروں کے ساماں ہے یہ بہتر
دو صفحہ ہوں یوسف کے دو رخسارۂ انور
اک خامۂ قدرت ہو اک انگشت پیمبر
نقاش ہوں جبرئیل و سرافیل سے بڑھکر
وہ نور خدا ہیں یہ ملک ہیں میں بشر ہوں
کامل یہ مصور ہیں میں بے علم و ہنر ہوں

گیسو و لب و خال پہ دونوں کے ہیں قرباں
یہ سنبل تر ہے تو وہ غنچہ ہے یہ ریحاں
ہے رخ پہ جو کاکل تو یہ ہے قدرت یزداں
دیکھو کہ شب و روز ہیں یاں دست و گریباں
رخسار پہ کیا زلفِ دوتا جلوہ کناں ہے
شب چہرۂ خورشید پہ یہ بوسہ زناں ہے

دفترِ ماتم میں بند نمبر ۶۳ غلط چھپا ہے۔ ذیل میں پہلے دو مصرعے پیش کیے جاتے ہیں ؎

شیعوں کے گھروں میں ابھی مسلم کی عزا ہے
ہر ایک سراپا ابھی باقی ہے وہ کیا ہے

مطبع مخدومی بمبئی کے نسخے میں مصرعہ اول یوں ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

ع دونوں کے سراپا میں عجب حسن و ضیا ہے

اب پورا بند ملاحظہ ہو ؎

دونوں کے سراپا میں عجب حسن و ضیا ہے
ہر ایک سراپا ابھی باقی ہے وہ کیا ہے
دریا پہ پئے قتل عدو لے کے چلا ہے
الجھی ہوئی زلفوں کو شقی کھینچ رہا ہے
بے رحم کھڑ کتا ہے ہر اک ماہ لقا کو
ڈر ڈر کے یہ کرتے ہیں سلام اہل جفا کو

مرثیہ کے آخر میں صدا۲۱ پر "سلام و تصنیفات مونس سلمہ" درج ہیں مطلعے یہ ہیں ؎

(۱) ذبح پیاسا جو کیا فاطمہؑ کے پیاروں کو ۳۰ شعر
(۲) عذاب نار سقر سے معاف ہم بھی ہیں ۲۰ شعر
(۳) غنی ہے دل سوئے دولت نظر نہیں کرتے ۲۴ شعر

صدا ۲۴ میں درج ہے۔ "تمام شد مرثیہ و سلام من تصنیف مرزا دبیر صاحب

دہیرمونس سلمہا۔ جس صاحب کو ضرورت ہو قاضی ابراہیم صاحب کی دوکان جو واقع کولسہ محلہ موجود ہے تشریف لے جاکر خرید فرمادیں۔"

مرثیہ نمبر ۵ ۔ جب رن میں ابن شیر خدا حملہ ور ہوا

مطلع ۔ جب رن میں ابن شیر خدا حملہ ور ہوا باہر نیام سے سر تیغ دو سر ہوا
چلایا آفتاب وہ شق القمر ہوا جو پیش تیغ آیا وہ زیر و زبر ہوا
مولا بڑھے جو تیغ دو پیکر کو تول کر
روح الامین سپر سوئے شہیر کو کھول کر

مقطع ۔ سر پیٹنے کی جا ہے اب آگے کہوں میں کیا چڑھتا ہے نیزے پر سر سلطان کربلا
تاراجی خیام کو جاتے ہیں اشقیا پر آگے آگے شمر ستمگار ہے چلا
بس اے دبیر حشر ہے اب کائنات میں
سادات کی ردائیں ہیں اعدا کے ہات میں

یہ مقطع غلطی سے دفتر ماتم جلد ششم کے ذیل کے مرثیے میں چھپا ہوا ملتا ہے۔

جب ربط خاک و آتش و آب و ہوا ہوا

ہم نے دیکھا ہے کہ یہ مطلع (جب رن میں ابن شیر خدا حملہ ور ہوا) کئی قلمی مرثیوں میں ضمنی مطلع کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ دبیر کے ایک اور مطبوعہ مرثیہ میں جس کا مطلع ہے ؎

اے فکر نظم آمد مضمون کا وقت ہے

یہ بند نقل کیا گیا ہے۔

دفتر ماتم جلد ۱۳ میں مرثیے کا دوسرا بند "جب رن میں ذوالفقار علم کی حسینؑ نے" مطلع کے طور پر درج ہوا ہے۔ یہ بند اصل میں اوپر کے مرثیے "جب رن میں ابن شیر خدا ....." کا دوسرا بند ہے۔ اور ضمنی مطلع کے طور پر دیا گیا ہے۔ مرثیہ نادر و نایاب ہے۔

دفتر ماتم جلد ۱۳ میں مرثیہ میں ذیل کے مطلعے بھی ہیں ؎

(۱) بند نمبر ۳۸ جب رن میں گوشوارۂ عرش بریں گرا

(۲) بند نمبر ۴۷ جب خوں میں لال شاہ نجف کا گہر گرا

(۳) بند نمبر ۵۱ جب خاک پر ستارۂ عرش بریں گرا

پہلا مطلع زیر نظر مرثیہ میں بند نمبر ۳۲ کے تحت موجود ہے۔ بقیہ سبھی ۶۶ بند بالکل جدا ہیں۔ اور یہ دفتر ماتم یا کسی مجموعہ مراثی دبیر میں نہیں ملتے ہیں مرثیہ غالباً دبیر کی زندگی میں چھپا تھا۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اس کے صرف دو نسخے برصغیر میں ملتے ہیں۔ ایک انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں اور دوسرا سید محمد رشید کے پاس۔ مزید تفصیلات آگے درج ہیں۔

نسخۂ مطبع مخدومی میں مرثیہ صد ۱۴ پر ختم ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد صد ۱۶ تک مرزا دبیر کے تین سلام ہیں۔ مطلعے یہ ہیں ؎

(۱) مجرائی مقام اب سر منبر ہے ہمارا ۱۷ شعر

(۲) بیت جنت میں ملے نظم سلام ایسا ہو ۱۵ شعر

(۳) سلامی مجھ کو قتل سرور یاد آتا ہے ۱۹ شعر

مرثیہ ۶۔ مطلع۔ عزیزو بخیۂ زخم جگر نہیں ہوتا ۳۲ بند

پہلا بند۔ عزیزو بخیۂ زخم جگر نہیں ہوتا کسی سے چارۂ داغ پسر نہیں ہوتا

یہ درد وہ ہے کہ چارۂ بشر نہیں ہوتا ہزار صبر کرے کوئی پر نہیں ہوتا

امام دیں سے برابر کا لال چھٹتا ہے

جوانی علی اکبرؑ کا باغ لٹتا ہے

مقطع۔ اب آگے ہوش بیاں کا نہیں خموش دبیر بشکل کعبہ حرم ہیں سیاہ پوش دبیر

ہر ایک دل کو ہے اکبرؑ کے غم کا جوش دبیر وداع لاشہ کا خیمہ میں ہے خروش دبیر

خیام شاہ سے اب شور تازہ اٹھتا ہے

رسول پاک کا گویا جنازہ اٹھتا ہے

صدؔ میں ایک ماتم اور چار رباعیاں ہیں۔ آخر میں یہ عبارت ہے:۔

"یہ مرثیہ شہر بمبئی کے کولسہ محلہ کے ناکے پر ۹۵ نمبر کے مکان میں قاضی ابراہیم صاحب تاجر کتب کی دوکان پر موجود ہے۔ جن صاحب کو طلب ہو خرید فرمائیں۔"

مرثیہ پر ریاض الاخبار خیر آباد نمبر ۳، جلد ۴ مطبوعہ ۲ جنوری ۱۸۸۳ء کے اخبار کا کور چڑھا ہوا ہے۔ یہ مرثیہ دفتر ماتم جلد نہم میں ۳۵ بند میں چھپا ہے۔ مقطع یکساں ہے۔

مرثیہ ۷۔ مطلع ؎ آمد گل مراد حسنؑ پر خزاں کی ہے۔ ۴۷ بند

یہ مرثیہ "مطبع ابو العلائی واقع شہر آگرہ" میں چھپا ہے۔ کاغذ بہت بوسیدہ ہے۔ تاریخ اشاعت درج نہیں۔ ہر صفحے میں چار بند ہیں۔ چار مصرعے آڑے ہیں اور بیت کے دو مصرعے اوپر تلے ہیں۔ مرثیہ ص ۱۹ میں ختم ہوتا ہے۔ صفحہ ۲۰ میں ایک سلام اور تضمین کا ایک بند ہے۔ سلام میں پانچ شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے۔

پنجتن کا خاتمہ ہوتا ہے کیا بیداد ہے

مرثیہ اودھ اخبار جلد دوم میں بھی ۱۸۶۷ء میں چھپا ہے۔ کاغذ کی بوسیدگی کی وجہ سے مطبع آگرہ کے نسخے کو تقدم زمانی حاصل ہے۔ بہر حال ذیل میں ۳ بند پیش کئے جاتے ہیں۔ مرثیہ نایاب ہے ؎

مطلع ؎ آمد گل مراد حسنؑ پر خزاں کی ہے — رخصت حرم سے قاسمؑ غنچہ دہن کی ہے
منظور دل کو سیر ریاض جناں کی ہے — ہر سمت دھوم خیمے میں آہ و فغاں کی ہے
سہرا ابھی سر پہ باندھے ہیں سر بھی کٹاتے ہیں
دولہا ابھی بنے ہیں ابھی مرنے جاتے ہیں

آمد ؎ مثل بہار رن کو چلا وہ حسنؑ کا پھول — یوں صدر زیں پہ تھا وہ جگر گوشۂ بتول
جیسے کلیم طور پہ اور عرش پر رسولؐ — ایمان شاد شاد تھا اور کفر دل ملول
بہر سلام گرد سواری فلک جھکے
اوج فلک سے مجرے کو حور و ملک جھکے

مقطع ؎ لاشے کے گرد ہو گئیں سر ننگے بی بیاں — آ کر دلہن تو پائینتی بیٹھی سرہانے ماں
بس اے دبیرؔ اب تو نہ کر آگے کچھ بیاں — مجلس میں ہر طرف کو قیامت ہوئی عیاں

کہہ حق سے سب ملائکہ مدح حسنؑ کریں
یہ ہے صِلہ قبول اِسے پنجتن کریں

مرثیہ دفتر ماتم جلد پنجم میں بھی اتنے ہی بند میں چھپا ہے۔ ایک اور مرثیہ مطبع حسینی واقع آگرہ میں باہتمام امیرالدین شائع ہوا ہے۔ مرثیہ میں مقطع نہیں ہے۔ لیکن طرز بیان سے مرزا دبیر کا ہی معلوم ہوتا ہے۔

مطلع یہ ہے۔ ہاں اے قلم مرقع قدرت دکھا تو دے ۸۴ بند

مرثیہ معرکہ آرا ہے۔ ذیل میں مطلع درج کیا جاتا ہے۔

ہاں اے قلم مرقع قدرت دکھا تو دے تنویر ماہ برج امامت دکھا تو دے
اے نطق ہاں کلام کی وسعت دکھا تو دے اے انس آج زور طبیعت دکھا تو دے
شاہانہ کر و فر کا سماں صاف دیکھ لیں
اس رنگ کو بھی صاحب انصاف دیکھ لیں

مطبع اودھ اخبار

محسن اردو منشی نولکشور آنجہانی کی فیاضی، رواداری اور علم دوستی کا کیا کہنا۔ انھوں نے مرزا دبیر کے انتقال کے چند ہی مہینوں کے بعد مراثی دبیر کی دو جلدیں مطبع اودھ اخبار لکھنؤ سے شائع کیں۔ جلد اول دسمبر ۱۸۷۵ء مطابق ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ میں اور جلد دوم ماہ اپریل ۱۸۷۶ء مطابق ماہ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ ہجری میں شائع ہوئیں۔

دونوں جلدوں کے آخر میں منشی غلام محمد خاں ایڈیٹر اودھ اخبار کی تقریظ درج ہے۔

تقریظ دونوں جلدوں میں ایک ہی ہے۔ صرف آخر میں جلد دوم میں تاریخ کا فرق ہے۔ یعنی "ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں" کے بعد دوسری جلد میں بائیسویں سطر کی عبارت یہ ہے:۔

"الحمدللہ کہ ماہ اپریل ۱۸۷۶ء مطابق ماہ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ ہجری مطبع اودھ اخبار میں شائع ہوا۔ اب شائقین جلد اس مجموعۂ خوبی کی خریداری کی درخواست بھیجیں۔ ورنہ یہ چیز بار بار میسر نہ آئے گی۔ حسرت دل کی دل میں رہ جائے گی"

اس تقریظ سے مرزا دبیر اور ان کے مرثیوں کے بارے میں بعض نئی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ مطبع اودھ اخبار کی یہ دونوں جلدیں اب ناپید ہیں۔ اس لئے ذیل میں تقریظ من وعن درج کی جاتی ہے:۔

"تقریظ ریختہ قلم منشی غلام محمد خاں صاحب ایڈیٹر اودھ اخبار"

"زمانہ کو ہمیشہ اس بات کی حسرت رہی کہ میر انیس اور مرزا دبیر کا کلام یکجا دیکھیں۔ طبع ہونا تو درکنار کیوں بھی کسی کو نہ ملتا تھا۔ پس یہ آرزو کیونکر حاصل ہو سکتی، اس واسطے کہ ہزاروں روپئے صرف کرنے کے بعد بھی ایسی امید کا بر آنا دشوار تھا۔ یہ دونوں شاعر جو مرثیہ گوئی میں بے نظیر تھے ان کا ایک ایک مرثیہ گنجینۂ گوہر شہوار تھا۔ لطف یہ ہے کہ باوصف اس بات کے کہ یہ نامی شاعر ہمیشہ اپنے کلام کو پوشیدہ کرتے رہے۔ تاہم تمام جہاں میں وہ شہرت پائی کہ شاید زمانے میں انوری اور خاقانی کو بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ اللہ اللہ یہ متاخرین کے افتخار اسی زمانے میں گزرے جن کا مثل نہ پیدا ہوا نہ ہوگا۔

مرزا دبیر کی فصاحت و بلاغت اور سخن سنجی کا بیان کرنا ایسا ہے جیسا کوئی سحبان وائل کا ذکر کرے۔ اور یہ کہے کہ وہ کس کا شاگرد تھا۔ اور کیسا فصیح اللسان گذرا گویا ایک فعل عبث ہے۔ مگر ہاں یادگار زمانہ کے لئے یہ لکھ دینا کافی ہوگا کہ حضرت مرزا دبیر علاوہ مرثیہ گوئی زبان اردو کے علم و فضل میں بھی پائگاہ عالی رکھتے تھے۔ اور بہت بڑے مرتاض اور عابد و پرہیز گار تھے۔ مخیّر ایسے بڑے کہ مدت العمر میں لاکھوں روپیہ پیدا کیا۔ مگر روپیہ کو خزف ریزہ سے بدتر سمجھا۔ ایسے شخص کو اگر اپنے وقت کا حاتم کہے تو سزاوار ہے۔ اکثر اوقات جب کچھ روپیہ پاس نہ ہوتا تھا تو نقد کلام یا گھر کے برتن سائل کی نذر کرتے تھے۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ ایک سائل کو حضرت دبیر نے اپنا مرثیہ عطا کیا۔ اور وہ حیدر آباد دکن لے گیا اور وہاں ایک ہزار روپیہ کو بیچ ڈالا۔

خلاصہ یہ کہ کبھی سوال سائل کا رد نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ توکل پر گزراں تھی۔ اکثر شاگرد آپ کے ازراہ دلسوزی کبھی کبھی گستاخ ہو کر عرض بھی کرتے کہ آپ اولاد کا حق تو رکھا کیجئے۔ تو فرماتے کہ بھئی خدا مالک ہے۔ غرض کہ ایک ہی مخیّر و متوکل تھے۔

اس برگزیدہ شاعر نے ۷۲ برس کے سن میں بعارضۂ اختلاج قلب و امراض کبد وغیرہ محرم الحرام ۱۲۹۲ھ ہجری کی ۲۹ تاریخ منگل کے دن وفات پائی تھی۔ چونکہ کلام فصاحت نظام اس بلبل ہندوستان کا ایک زمانہ مشتاق تھا۔ اس واسطے جناب مالک مطبع اودھ اخبار نے چاہا کہ جس طرح ہو سکے اس کو طبع کیجئے۔ چنانچہ مرزا اوج صاحب خلف الرشید حضرت دبیر کی توجہ سے اکثر مسودے مرثیوں کے مالک مطبع اودھ اخبار کو بہم پہونچے۔ پھر بہار کیا دیر تھی فی الفور مجموعہ مرثیہ ہائے دبیر طبع ہونا شروع ہوا چونکہ یہ مرثیئے مرزا اوج صاحب کے عنایت کیئے ہوئے ہیں اس واسطے یقین ہے کہ بلا تصرف ہوں گے۔ اس میں کلام نہیں کہ مرزا اوج صاحب نے اس خصوص میں نہایت فیاض چشمی کو کام فرمایا اور حفظِ وصیت کیا۔ کیونکہ کوئی کلام بدون طبع ہونے کے کامل طور پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کلام معجز نظام کی کیا تعریف ہو سکے۔ انصاف یہ ہے کہ اگر شاعری پیغمبری ہوتی اور اس کا اردو زبان کی فصاحت پہ انحصار اور دارومدار ہوتا تو مرزا دبیر ہی کا حق تھا۔ ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں۔

الحمد اللہ کہ ماہ دسمبر ۱۸۷۵ء مطابق ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ ہجری مطبع اودھ اخبار میں شائع ہوا۔ اب شائقین جلد اس مجموعۂ خوبی کی خریداری کی درخواست بھیجیں ورنہ یہ چیز بار بار میسر نہ آئے گی۔ حسرت دل کی دل ہی میں رہ جائے گی۔"

دونوں جلدوں کے سرورق پر "مجموعہ ہائے مراثی مرزا دبیر" لکھا ہوا ہے۔ لیکن کتاب کے اندر ہر گوشے پر دائیں اور بائیں "مرثیہ مرزا دبیر" درج ہے۔

دونوں جلدوں کا سائز ۵"×۷" ہے اور دونوں میں جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ایک ہی تقریظ ۲۴ سطروں پر مشتمل ہے۔ جلد اول میں ۳۵ اور جلد دوم میں ۴۳ مرثئے ہیں۔ دونوں جلدیں غیر مرتب اور ناقص ہیں۔ اکثر مرثیوں کے مطلعے اور مقطعے غلط ہیں۔ اور ان میں الحاقی کلام کی بہتات ہے۔ ان غلطیوں کا احساس خود مالکان طبع کو بھی ہوا تھا۔ اس کا اعتراف انھوں نے خاتمۂ طبع میں بار بار کیا ہے۔ چنانچہ سید تصدق حسین رضوی مصحح ملازم مطبع اودھ جلد اول کے دوسرے ایڈیشن کے خاتمہ میں صفحہ ۵۳۱ میں لکھتے ہیں:۔

"بار اول میں بہ سبب نزدیک ہونے ماہ محرم اور نیز بہ جہت عجلت شایقین کے ہر دو جلد مطبوعہ میں اکثر جا اغلاط اور چند جا محل اعتراض بعض صاحبان باقی رہ گیا تھا۔ پس واسطے رفع عیوب کے مرتبہ ثانی میں اہالی مطبع ممدوح نے اس ہیچدان کو مخصوص فرمایا۔ اس کمترین نے بھی باوصف اشغال کثیر اور فرصت قلیل کے جہاں جہاں ان جلدوں میں ربط کلام اور التزام ردیف و قافیہ بوجہ خرابی اصول کے تھا اور جس مقام پر اشعار بے معنی اور ناموزوں سہو نساخ سے رہ گئے تھے۔ حتی الوسع ان سب عیوب کو درست کیا۔"

جلد دوم بار سوم کے خاتمے میں مولانا حامد علی خاں حامدؔ کا طویل تاریخی قطعہ ۱۳۰۷ھ ہجری مطابق ۱۸۸۹ء درج ہے۔ اس میں انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی شاعرانہ عظمت اور دونوں جلدوں کے نقائص پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ چونکہ یہ جلد بھی نایاب ہے اس لئے ذیل میں انتخاب پیش کیا جاتا ہے:۔

"نغمہ سنجی در گلشن تاریخ طبع عندلیب گلستان فصاحت، بلبل چمنستان بلاغت۔ افضل الامثال مولانا محمد حامد علی خاں حامدؔ افسر مصحح مطبع ہذا، خلف اکبر حافظ غلام علی خاں رئیس شاہ آباد، ضلع ہردوئی شاگرد امیر الشعراء حضرت امیر مینائی لکھنوی مدظلہم جس میں تقریظ کا مزا ہے۔" (کل اشعار ۶۲)

کلام دبیرؔ عطارد منش — بفضل خداوند کون و مکاں
بخطِ جلی پھر بصحّت چھپا — بر آئی مُرادِ دل ذاکراں
لکھوں مرثیوں کے مصنف کا حال — کروں اس کی استادیوں کا بیاں
جناب سلامت علی دبیرؔ — کلیم سخن سرورِ شاعراں
تھے ہمعصر اس کے جناب انیسؔ — بلیغ اللساں اور فصیح البیاں
یہ دونوں زبردست استاد تھے — نظیر ان کا پیدا ہوا ہے کہاں
خدا نے دیا تھا وہ رتبہ انہیں — ہوئیں ختم دونوں پہ استادیاں
تھے مانند شیر و شکر متحد — یہ دونوں تھے دو قالب اور ایک جاں
ہوا دونوں کو مثلِ خورشید عروج — سپہرِ سخنگوئی پر بے گماں

یہ دونوں تھے باہم بڑے یارِ غار بڑا اتحاد ان کے تھا درمیاں
کہیں شاعرانہ کوئی نوک جھونک جو آئی سخن میں تو اے مہرباں
کرو اس کو محمول برِ اتحاد نہ کچھ اور اس میں کرو این و آں
کلام انکے سچے زباں ان کی صاف بری حشو سے انکے سارے بیاں
خدا انکو جنت میں داخل کرے طفیل جناب شہہ مرسلاں
چھپے ان کے جو مرثیے جب کبھی خریدار انہیں لے گئے دیکے جاں
چھپی دوسری جلد یہ تین بار اسی مطبع میں پہلے جس کا بیاں
بتفصیل میں نے لکھا پیشتر بہ تصحیح مخدوم ما خادماں
جناب محمد تصدق حسین مصحح ہیں مطبع کے وہ بے گماں
انھوں نے بڑے کام اس میں کئے کروں ان میں سے یاں میں دو اک بیاں
جو اغلاطِ بیجا چھپے بار بار وہ تھیں کاتبوں کی غلط فہمیاں
انہیں مولوی نے لگایا انہیں بڑی جانفشانی سے اے مہرباں
جو تھا غیر موزوں وہ موزوں کیا غرض تھیں جو لازم وہ کیں خوبیاں
کیا دوسرا کام اس سے بڑا کروں اس کو بھی اس جگہ میں بیاں
کئے تھے جنہوں نے جہاں اعتراض کلام دبیر سخنور پہ ہاں
مٹائے وہ حضرت نے اس طور سے ہوئے معترض بس کے بس مدح خواں
ہوئی ہو گی خوش روح مرزا دبیر خدا اجر دے انکو یاں اور واں
غرض اب چھپی جلد یہ پہلی بار اسی مطبع کی شاخ میں بے گماں
یہاں کا مصحح بلازم ہوں میں کہ ہیں منشی صاحب مرے قدرداں
جو کچھ ہو سکا میں نے صحت کیا جہاں دیکھا بگڑا بنایا وہاں
جہاں پر سمجھ نے کیا کچھ قصور کہ ہر دم طبیعت نہیں ایکساں
تو ایجنٹ مطبع سے مشورہ کیا کہ وہ بھی بڑا شخص ہے نکتہ داں
فنِ فارسی میں وہ استاد ہے اور اردو تو ہے خاص انکی زباں

غرض جلد جس دم یہ کل چھپ چکی | نظر آئیں اس میں بڑی خوبیاں
مہینا تھا انگریزی اپریل کا | اٹھارہ سو نوے تھی سن بے گماں
خیال آیا مجھ کو لکھوں سال طبع | کہ ہے اس سے یاد زباں آوراں
یکایک ہوئی میری مشکل یہ حل | ندا آئی یہ غیب سے ناگہاں

کہ حامد زروئے ادب سال طبع
لکھو ذکر آل رسول جہاں

۱۳۰۷ ہجری (۱۸۸۹ء)

بار چہارم ۔ مرثیہ کی یہ جلد چوتھی بار ماہ جون ۱۸۹۴ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۱۱ ہجری میں چھپی ۔ سید تصدق حسین رضوی اپنی تقریظ میں اس بات کا پھر انکشاف کرتے ہیں کہ مطبع نولکشور کی یہ جلدیں غلط چھپ چکی تھیں ۔ اور اس مرتبہ اب صحت و تصحیح کے ساتھ جلد اول چھاپی گئی ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

" الحمد اللہ الواحد .... سابق میں بوفور رغبت خواہش مندان .... بصرف زر کثیر بہ نقل مسودات متفرق مقامات کلام بلاغت ہے ۔ بلبل ہندوستان عرش آشیاں فردوسی نظیر مرزا سلامت علی صاحب دبیر متخلص دبیر .... یہ مطبع فیض مجمع مقبول ہر دیار المشتہر بہ اودھ اخبار دو جلدوں میں طبع ہوا تھا ۔ وہ اندک زمانہ میں کثرت خریداران اور ہجوم شائقان سے مثل گل ارمغان دست بدست ہو گیا ۔ اور چونکہ تعداد ان مجلد ہائے ہر دلعزیز کی روبروئے رغبت خاص و عام کالملح فی الطعام بھی اس سبب سے ان ہزاروں مجلد مطبوعہ سے کچھ باقی نہ رہا ۔ بازآنجا کہ اس کلام نادر الوجود کا ایک زمانہ مشتاق تھا ۔ اور تمامی اہل الرائے کا اس پر اتفاق تھا کہ اگر کلام مرزا صاحب مغفور کا پھر عرض طبع میں آئے تو باعث تسہیل ثواب اور باقیات صالحات اس ممدوح کا ہو جائے ۔ الحمد اللہ کہ اہالی مطبع موصوف کو طبع ثالث کا خیال آیا ۔ واضح ہو کہ بار اول میں بہ سبب نزدیک ہوتے ماہ محرم نیز بہ سبب عجلت شایقین کے ہر دو جلد مطبوعہ بار اول میں اکثر جا اغلاط اور چند جا محل اعتراض بعض صاحبان باقی رہ گیا تھا ۔ اور وجہ قوی یہ تھی کہ مختلف کاتبوں کی تحریر سے یہ اجزائے

مرثیہ فراہم ہوئے تھے۔ اور ان کاتبوں کو بھی متفرق اصلیں مرثیوں کی مختلف مقامات سے دستیاب ہوئی تھیں۔ چونکہ اہالی مطبع ممدوح کو لازم ہوا کہ غلط پردازی کاتبان غلط نویس کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو کلام غیر موزوں نہ رہے۔ لہٰذا مرثیہ ثانی میں ان مرثیوں کی صحت پر یہ ہیچمداں ـــ مخصوص ہوا...... جلد دوم مرثیہ مرزا دبیر صاحب مطبع فیض جناب منشی نولکشور ـــ لکھنؤ میں بماہ جون ۱۸۹۴ء مطابق ذالحجہ ۱۳۱۱ھ ہجری بار چہارم بعد نظر ثانی با اہتمام کمترین سید تصدق حسین طبع ہو کر رونق بزم عزا اور باعث افراط گریہ و بکا ہوئی"۔ ۴۴ھ

ان ایڈیشنوں کے بعد بھی یہ جلدیں کئی مرتبہ چھپ گئیں۔ راقم الحروف کے پیش نظر ان کے قدیم ترین نسخوں کے علاوہ پانچ دیگر ایڈیشن بھی رہ چکے ہیں۔ یہ سبھی ایڈیشن بار بار مطبع والوں کی صحت و تصحیح کے باوجود غلط، ناقص اور غیر مرتب چھپ گئے۔ سید تصدق حسین نے دوسرے ایڈیشنوں میں امکانی طور پر ناموزوں اور غلط اشعار کو موزوں تو بنایا لیکن مرثیے جوں کے توں نامکمل، ناقص، غلط اور الحاق رہ گئے ہیں۔ چونکہ مرثیوں کی اشاعت کے لئے خشت اول ہی غلط رکھی گئی۔ اس لئے قدرتی طور پر باقی ایڈیشنوں میں بھی یہ غلطیاں کارفرما رہی ہیں۔ انھیں اب دور کرنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ مطبع والوں کے بار بار اعلان کے باوجود کہ یہ مرثیے انہیں مرزا اوج کی وساطت سے دستیاب ہوئے اور اب انہیں صحت و صفائی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ ان جلدوں میں وہ غلطیاں برابر موجود ہیں۔ کارپردازانِ مطبع اگر ان مرثیوں کو اصل مسودات سے مقابلہ کر کے شائع کرتے تو انہیں اس کی صحت و تصحیح کے بارے میں بار بار اعلان نہ کرنا پڑتا۔ انہی غلط، ناقص اور بے ترتیب مرثیوں کی بنیاد پر مولوی عبدالغفور نسّاخ اور مولانا شبلی مرحوم نے دبیر پر اعتراض کی بوچھار کی تھی۔ ان باتوں کا اعتراف بار بار مطبع والوں نے تقریظوں میں کیا ہے۔ بقول ثابت لکھنوی مطبع اودھ جلدوں میں تو بعض مرثیے ایسے ہیں جن کا ایک بند بھی کلام مرزا صاحب سے نہیں ہے۔ اب یہ امتیاز کرنا کہ کون سا بند مرزا صاحب کا

ہے کون سا دوسرے کا ہے۔ بہت مشکل ہے ۱۴۱ھ

آخر کار کوئی ساٹھ سال کے بعد جلد اول پر مرزا دبیر کے پوتے مرزا محمد طاہر تخلص رفیع نے نظر ثانی کی اور انھوں نے اس جلد کے سبھی مرثیوں کو بقول ان کے اصل مسودہ کے ساتھ مقابلہ کر کے ایک ایک بند دیکھا یہ جلد ان کے توثیق نامہ کے ساتھ مارچ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی۔ خاتمۃ الطبع کے تحت صفحہ ۹۶ھ کے بعد اور غلط نامہ سے پہلے ذیل کی عبارت قابل توجہ ہے:۔

"خدائے سخن مرزا سلامت علی صاحب دبیر مغفور کے مرثیوں کی یہ جلد اوّل جو سابقاً اس مطبع عالی میں طبع ہوئی تھی تمام تر ان مرثیوں کا مجموعہ تھی جو دستیاب ہوئے تھے۔ فی الحال بعض مبصرین سے معلوم ہوا کہ اس مجموعہ مطبوعہ میں بہت کچھ تصرفاتِ غیر اور الحاقی کلام شامل ہے لہٰذا مطبع نے سعی تمام و کوشش مالا کلام اس جلد اول کو بغرض صحت و توثیق، مداح اہلبیت اطہار یگانہ روزگار، جانشین حضرت دبیر و اوج طاب ثراہما یعنی جناب مرزا محمد طاہر صاحب رفیع دام بقایہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور جناب ممدوح نے التماس مطبع کو شرف قبول عطا فرما کر از اول تا آخر کل مرثیوں کو اصل کلام جناب مرزا دبیر سے مطابق فرما کر الحاقی کلام سے پاک کر دیا۔ اور تقریظ و توثیق بھی تحریر فرمادی۔ مطبع کو فخر ہے کہ بحمد اللہ یہ جلد اول اب مکمل اور قابل اطمینان شائقین ہے۔ جسے بہ سرپرستی عالی وقار جناب منشی رام کمار صاحب دام اقبالہ مالک مطبع نولکشور اسٹیٹ ماہ مارچ ۱۹۳۷ء میں زیور طبع سے آراستہ کر کے شائع کیا گیا۔"

ذیل میں مرزا محمد طاہر رفیع کے توثیق نامہ کی نقل پیش کی جاتی ہے:۔

"جناب جدّ علام حضرت دبیر مغفور کی تصنیف کردہ یہ جلد اول جناب مولانا سید مظفر حسین قبلہ کی تحریک اور کارپردازان مطبع عالی جناب منشی نولکشور صاحب بغرض تقریظ و توثیق میرے پاس آئی۔ اول تا آخر دیکھنے سے منکشف ہوا کہ بے حد غلط اور بکثرت مشتمل بکلام الحاقی ہے۔ خدا جانے کن کن لوگوں نے اپنے ذاتی اغراض و منافع کے خیال سے یہ تصرفات

کئے ہیں۔ جس سے کہ اصل کلام جناب مرحوم شائع نہ ہوسکا۔ مطبع معذور تھا۔ جس طرح یہ ذخیرہ اسے دستیاب ہوا طبع کردیا۔ اور اپنی یادداشت کے موافق درست کردیا۔ بحمد اللہ اب یہ جلد اوّل بے عیب اور کلام الحاقی سے پاک ہے۔ امید ہے کہ ذاکرین والاتمکین و مومنین جناب جد مغفور کو ایصال ثواب اور اس ہیچمدان خادم آستان رسول کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے۔

کتبہ محمد طاہر رفیعؔ ۷ر مارچ ۱۹۳۷ء"

جناب رفیعؔ صاحب نے اس ایڈیشن میں ذیل کے دو مرثیہ خارج کئے ہیں ؎

(۱) کیوں عرش ذوالجلال کا سرتاج عین ہے ۔۔۔ ۱۳۰ بند

(۲) ماتم کا مرقع ہے کہ خاموش ہے مجلس ۔۔۔ ۱۳۴ بند

پہلا مرثیہ "کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے" کا تیسرا مطلع ہے ملاحظہ ہو "انتخاب مراثی دبیر ص۱۴۱ مرتبہ ڈاکٹر حیدری۔ دوسرا مرثیہ "اے شمس و قمر نور کی محفل ہے یہ محفل" کا چھٹا بند ہے۔ دیکھئے راقم کی کتاب انتخاب مراثی دبیر ص۴۴۳ مطبوعہ اترپردیش اردو اکاڈمی ۱۹۸۰ء۔ ان مرثیوں کے بدلے رفیعؔ صاحب نے بغیر حوالے کے ذیل کے مرثیوں کا اضافہ اس جلد میں کیا ہے۔ تینوں مرثیے مطبوعہ ہیں ؎

۱۔ آدم کا دادرس بنی آدم میں کون ہے ۔۔۔ ۱۶۶ بند

۲۔ انگشتری عرش کا یارب نگیں دکھا ۔۔۔ ۱۳۱ بند

۳۔ اے شمس و قمر نور کی محفل ہے یہ محفل ۔۔۔ ۱۳۲ بند

جناب رفیعؔ کے توثیق نامہ اور نظر ثانی کے بعد بھی اس جلد کے بعض مرثیے ناقص اور غلط ہیں۔ مثال کے طور پر یہ مرثیہ ملاحظہ ہو ؎

وہ کون دو یوسف ہیں کہ آوارہ وطن ہیں

مطبع مخدومی اور دفتر ماتم کی جلد ہفتم میں یہ ۱۱۵ بندوں میں چھپا ہے۔ اس کے کئی قلمی نسخے بھی دستیاب ہیں۔ رفیعؔ صاحب کی جلد میں یہ صرف ۳۹ بند میں چھپا ہے۔ اور مقطع بھی غلط ہے۔

مطبع نولکشور کی دوسری جلد کی تصحیح اور نظر ثانی کسی نے نہیں کی ہے۔ اس

لئے یہ جلد زیادہ معتبر نہیں ہے۔ اس میں غیر مرتب اور ناقص مرثیوں کے علاوہ ذیل کے مرثیے غالباً الحاقی ہیں۔

۱۔ اے مومنو شبیرؑ دو عالم کے شرف ہیں ۱۰۷ بند
(یہ میر صفدر کا ہے۔ دربار حسین صہ ۱۳۸)

۲۔ جب اربعین کو آئے حرم قتل گاہ میں ۳۴ بند

۳۔ جب کوچ کی شب قبر نبیؐ پر گئے شبیرؑ ۴۶ بند

۴۔ کیا اہل وفا حضرت زینبؑ کے سپر تھے ۷۰ بند

۵۔ گلگونۂ رخسار فلک گرد ہے رن کی ۱۲۰ بند یہ حاجی فقیر حسین تخلص عظیم شاگرد دبیر کا ہے۔ بحوالہ دربار حسین صہ ۱۷۳ ثابت لکھنوی۔ لیکن اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۰۵ بند میں دبیر کے نام ذخیرۂ ادیب مرحوم میں میری نظر سے گذرا ہے۔

ثابت حسین کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مرثیہ۔ "اے فکر نظم آمد مضمون کا وقت ہے" مرزا دبیر کے بھائی مرزا غلام محمد نظیر کی تصنیف ہے (دربار حسین صہ ۱۵۱)۔ اس کے متعدد قلمی نسخے مجھے مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اور یہ مرثیہ مرزا دبیر ہی کا ہے۔ اس قلمی نسخے میں جلد دوم مطبع نولکشور کے بھی متعدد بند موجود ہیں۔ ثابت لکھنوی (حیات دبیر صہ ۲۷۵ و دربار حسینؑ صہ ۱۵۱) اور مرزا کاظم علی خاں (تلاش دبیر صہ ۳۱۷ مرثیہ نمبر ۲) کہتے ہیں کہ یہ مرثیہ بھی غلام محمد نظیر کا ہے۔ "ہر آہ علم ہے یہ عزا خانہ ہے کس کا" ۱۶۱ بند۔

اس مرثیہ کے متعدد قلمی نسخے مجھے دبیر کے نام سے ملے ہیں۔ ایک نسخہ رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہے۔ یہ ۱۲۷۹ھ ہجری کا مکتوبہ ہے۔ یہ مرثیہ مطبع نولکشور کی جلد اول میں رفیع کے توثیق نامہ کے ساتھ مارچ ۱۹۳۷ء میں بھی چھپا ہے۔ اور یقیناً مرزا دبیر کا ہی ہے۔ (تفصیلات آگے ہیں)

دفتر ماتم

مطبع اودھ اخبار کے بعد مرزا دبیر کے مرثیے دفتر ماتم کے نام سے چھپنا شروع ہوئے۔ یہ جلدیں مختلف مطبعوں سے شائع ہوئیں۔ اب عنقا کا

حکم رکھتی ہیں۔ راقم کو جو نادر و نایاب جلدیں دستیاب ہوئیں ان کے مطبعوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مطبع شمس العلوم، کٹرہ ابوتراب خاں لکھنؤ۔ (۲) مطبع علوی لکھنؤ۔

۳۔ مطبع شوکت جعفری لکھنؤ۔ (۴) مطبع جعفری لکھنؤ۔ (۵) مطبع فیض احمدی لکھنؤ۔

۶۔ مطبع دبدبۂ احمدی مشک گنج لکھنؤ (۷) مطبع شاہی لکھنؤ۔

دفتر ماتم جلد دوم مطبع شوکت جعفری بفرمائش مرزا تصدق حسین تخلّص دلگیر اور قاری یعقوب علی خاں کے اہتمام سے بعد مقابلہ تمام و تصحیح مالا کلام چھپی تھی۔ اس کے آخر میں فہرست مراثی کے بعد جو اشتہار چھپا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جلد اول سب سے پہلے مطبع سبطیہ میں چھپی تھی۔ چونکہ دفتر ماتم کی پہلی جلدوں کے ایڈیشن نایاب ہیں اور جو چند جلدیں بعض لوگوں کے پاس ہیں وہ سید عبد الحسین کی شائع کردہ ہیں۔ دفتر ماتم جلد دوم مطبع شوکت جعفری کے آخر میں جو اشتہار درج ہے وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

اشتہار

"چار مرثیہ غلط مطبوعہ اودھ اخبار صحیح کر کے آخر میں داخل جلد دوم کئے گئے ہیں۔ واضح ہو کہ کلام معجز نظام استاد الکل فی الکل جناب مرزا دبیر صاحب مرحوم و مغفور کے دو ہزار مرثیوں سے زیادہ لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ پس بعض کلام کہ جن کا مقابلہ اصل مسودات سے ممکن ہوا اس کو بیس جلدوں پر منقسم کیا۔ حالانکہ یہ ایک عشر عشیر ہے۔ کلام جناب مرحوم منجملہ ان کے چودہ جلدیں مرثیوں کی ہیں۔ اوّل ہر جلد ایک مرثیہ حضرت معصوم کے حال کا مقدم کیا ہے۔ اور ہر جلد میں چار چار پانچ پانچ مرثیے مطبوعہ اودھ اخبار جو کہ سراپا غلط ہیں۔ بلکہ بعض کلام غیر سے ہیں۔ اور اکثر میں کمی و زیادتی ہے۔ پس کلام غیر نکال کر باقی مرثیہ بعد تصحیح و مقابلہ شامل کئے گئے ہیں۔ اور اس کا نام دفتر ماتم رکھا گیا۔

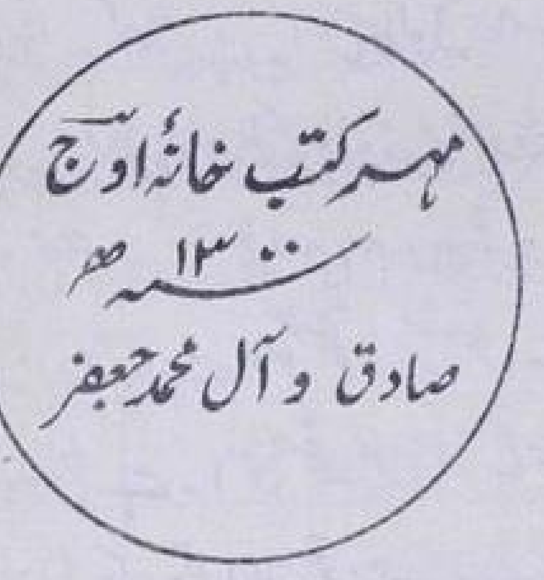
جس کی جلد اول مطبع سبطیہ میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اب ہم دوسری جلد بھی ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ تیسری جلد بھی زیر طبع ہے۔"

المشتہر قاری یعقوب علی خاں نصرت لکھنوی محلہ گولہ گنج۔

دفتر ماتم کی ہر جلد کی ابتدا میں مرزا محمد اوج کے کتاب خانہ کی مہر کا عکس اور ان کی تحریر درج ہے جو اس طرح ہے:۔

"نقل و دستخط مہر کتب خانۂ اکمل الکملا و افضل الشعراء، شاعر آل محمد عالی جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوج دام فیضہ" "بعض کلام معجز نظام جناب والد العلام طاب ثراہ ہے جو کہ منقسم ہے بیس جلدوں میں، ہم نے اپنے کتب خانہ سے دیا ہے۔ اور تصحیح و اقرار رضا فرمائش سے لیا ہے۔ باقی النقل کالاحصل اس بات کا صادق آنا کاتبوں کے ہاتھ ہے۔"

اس کے بعد یہ عبارت درج ہے۔



"تصنیف شریف افصح الفصحا ابلغ البلغا فخر المتقدمین استاد المتاخرین المحقق الکامل الادیب المدقق البارع الاریب برگزیدۂ رب قدیر جناب مرزا سلامت علی دبیر اعلی اللہ درجاتہ فی الجنان"

بیچ میں بیضوی شکل میں "دفتر ماتم مسمی بہ جلد دوم" کے بعد یہ عبارت درج ہے:۔

"حسب فرمائش جناب مکرمت انتساب مرزا تصدق حسین صاحب دلگیر باہتمام جناب قاری یعقوب علی خاں صاحب نصرت بعد مقابلہ تمام و تصحیح مالاکلام بمقام لکھنؤ گولہ گنج در مطبع شوکت جعفری باہتمام کارپردازان مطبع جیدہ طبع شد"

دفتر ماتم کی قدیم ترین جلدیں

راقم الحروف کو دفتر ماتم کی بعض ایسی نایاب جلدیں سید محمد رشید صاحب

کے ذخیرۂ مراثی سے دستیاب ہوئیں۔ جن کی بڑی اہمیت ہے۔ مطبع سبطیہ کی جلد اوّل، مطبع شمس العلوم کی جلد چہارم، مطبع علوی کی جلد ہفتم اور مطبع جعفری کی جلد ہشتم قابل ذکر ہیں۔ تفصیلات یہ ہیں:۔

۱۔ دفتر ماتم جلد اوّل۔ مطبع سبطیہ یہ جلد ۱۸۸۰ء مطابق ۱۳۰۰ھ ہجری میں شائع ہوئی اس کی خاص بات یہ ہے کہ ہر مرثیہ الگ الگ چھاپ کر اکٹھا کیا گیا اور پھر جلد بندی کر دی گئی ہے۔ ہر صفحے کے اوپر نمبر پڑے ہیں۔ ایک مرثیہ کا صفحہ نمبر اور دوسرا نمبر کتاب کا تسلسل دکھاتا ہے۔ ہر صفحے میں بیاضوں کی طرح پانچ پانچ بند آڑے درج ہیں۔ اور ہر مرثیے کی ابتدا میں سادہ صفحے میں تعداد بند، مرثیے کا مطلع اور مرثیہ جس کے حال میں درج ہے اس کا نام موجود ہے۔ مرثیے کے آخر میں "منقول عنہ" کی تاریخ بھی لکھی گئی ہے۔ یہ جلد ایک اہم مخطوطے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی کتب خانے میں موجود نہیں ہے۔ آخری مرثیہ "اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے" در حال امام حسینؑ و ملاقات زعفر جنّی و روایت آتش و دوزخ" ہے۔ یہ صفحہ ۴۱۴ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۴۵۳ پر ختم ہوتا ہے۔ الگ مرثیے کے اعتبار سے ۳۹ صفحوں پر مشتمل ہے۔ صفحہ ۴۵۴ تا ۴۵۸ غلط نامہ جلد اوّل دفتر ماتم" درج ہے۔ اسی صفحہ میں تاریخ طباعت اس عنوان سے ہے:۔

"چکیدہ قلم اعجاز رقم وحید دوراں شاعر شیوا زبان عالی جناب معلی القاب نواب محمد عباس علی خاں بہادر متخلص بہ محمد دام فیضہ"

گشت مطبوعہ جہاں نظم جناب مرزا
متخلص بہ دبیر است چو آں پاک نژاد

مرثیہ گوئے شہیدانِ جفا زینتِ بزم
مدح خوانِ نبیؐ و ذاکر آل امجاد

صاف ورع و سخا، متقی و شب بیدار
مجمع خلق و کرم و عابد و فیاض و جواد

رشکِ خاقانی و فردوسی و سعدی و کلیم
ہمسر بوذر و سلمان و اویس و مقداد

صید عنقائے مضامین و معانی می کرد
فکرِ او بود اگر دام طبیعت صیّاد

اثر نطق ببینید کلامش چو شنید
حسد از مہر بدل گشت بقلب حسّاد

بو نسیم اگر از مدح گل او صافش
نگہت مشک بر آید ز دوات و زمداد

الغرض بحرِ کمالاتِ محمدؐ و جعفرؑ   عمر او رمثل خضرؑ یاد الی یوم تناد
نیک طینت خلف الصدق جناب مغفور   پاک دل پاک نسب پاک حسب پاک نہاد
افصح واکمل و خلاق سخن مثل دبیر   باد اوج سخنش در ہمہ اقلیم و بلاد
رخصتی داد بصد جہد چو آں عالی طبع   زینت طبع شد ایں دفتر ماتم بنیاد
اشک ریزاں بشود دہر کہ ببیند ایں را   بالیقین معرکۂ کرب وبلا آید یاد
اے محمدؐ پئے تاریخ نمودم چوں فکر   ناگہاں کرد بمن ہاتفِ غیبی امداد

سال ایں طبع نوشتم بحروف منقوط
الحق استاد کلام است کلام استاد

۱۳۰۰ ہجری

مطبع سبطیہ کی جلد اول کے آخر میں جن مرثیوں کے اختتام میں "منقول عنہ" کی تاریخیں درج ہیں۔ ان کی تعداد دس ہے۔ "منقول عنہ" سے مراد مصنف کے وہ مسودے ہیں جن میں تاریخیں ڈالی گئی ہیں۔ ذیل میں ان مرثیوں کی فہرست تاریخ وار مرتب کی جاتی ہے۔ جن کے آخر میں "منقول عنہ" کی تاریخیں درج ہیں۔

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند	در حال	منقول عنہ سنہ
۱	جس وقت شمس شمسۂ برج فلک ہوا	۸۵	حضرت حُر	سنہ ۱۲۴۷ ہجری
۲	خیمۂ چرخ سے خورشید جو باہر نکلا	۴۵	امام حسینؑ	۹ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۸ھ
۳	ریاض خلد کو جبرئیل صاف کرتے ہیں	۴۹	(جانا شہدا کا جنت میں حال پوچھنا حسینؑ کا)	غرۂ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۸ھ
۴	کان میں نالۂ زہراؑ کی صدا آتی ہے	۵۳	کنوئیں کھودنے کا یوم عاشورہ	بست ویکم محرم سنہ ۱۲۴۹ھ
۵	ہیں آج سو منور تشنہ دہن کے پھول	۳۲	اہلبیت علیہا السّلام	سلخ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۹ھ
۶	خط کوفے سے آئے جو امام مدنی کو	۹۹	حضرت مسلمؑ	شانزدہم ماہ شعبان روز جمعہ سنہ ۱۲۵۵ھ
۷	فردوس بریں گلشن رخسار ہے کس کا	۱۱۴	جناب رسولؐ خدا	چہارم جمادی الاول سنہ ۱۲۵۶ھ
۸	معراج سخن کو ہے مرے ذہن رسا سے	۱۱۹	حضرت علی اکبرؑ	بست و ہفتم ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۵۸ھ

۹	جب رونق مرقع کون و مکاں ہوئی	۱۲۴	حضرت علی اکبرؑ و دختر شاہ حلب	بستم شعبان ۱۲۶۲ھ ہجری
۱۰	داغ غم حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے	۱۰۲	حضرت سید الشہداءؑ	دہم ماہ رجب ۱۲۶۲ھ "
۱۱	شمع طاق حرم لم یزلی ہے عباسؑ	۹۳	جناب عباسؑ	بست و ششم رجب سہ شنبہ ۱۲۶۳ھ

مطبع سبطیہ دفتر ماتم جلد اوّل کے یہ مرثیئے رشید صاحب کی جلد پنجم میں ہیں۔ اسی جلد میں ذیل کا مرثیہ بھی ہے ؎

"مرثیہ تصنیف جناب مرزا دبیر صاحب طاب ثرہ"

مطلع ۔ اے عرش بریں تیرے ستاروں کے تصدق ۔ ۱۷۹ بند ، در حال حضرت عونؑ محمدؑ ۔

یہ مرثیہ دفتر ماتم جلد ہفتم میں ۱۷۸ بند میں موجود ہے مرثیہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے ۔

"قرآں سے فضیلت دُرِ و مرجاں کی عیاں ہے" ۱۷۸ بند

اوپر کا مطلع "اے عرش بریں ......" تیسرے بند میں درج ہے ۔ یہ مرثیہ پہلی مرتبہ چہارم ماہ محرم ۱۲۹۴ھ ہجری میں مطبع اثنا عشری میں سید حامد علی مالک مطبع کے اہتمام سے لکھنؤ محلہ فراش خانہ وزیر گنج میں چھپا تھا۔ راقم کی نظر سے متعدد ایسے مرثیئے گذرے ہیں جو مطبع اثنا عشری میں شائع ہوئے تھے ۔ یہ مرثیے بہت ہی نایاب ہیں ۔

دفتر ماتم جلد ہفتم | یہ جلد مطبع علوی لکھنؤ میں حسب فرمائش جناب حسن مرزا صاحب تخلّص عاقل اور باہتمام جناب مرزا امام الدین صاحب سابق مالک مطبع سبطیہ کٹرہ میر اعظم خاں سنہ ۱۳۰۰ھ ہجری مطابق ۸۳-۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی یہ جلد بھی اب عنقا کے برابر ہے ۔ آخر میں صفحہ ۲۱۰ میں خاتمہ الطبع کی حسب ذیل عبارت درج ہے :۔

"الحمد اللہ العظیم ...... قطعہ ایں اما بعد پیروان و موالیان حضرت چہاردہ معصوم علیہم السّلام مژدہ باد کہ جلد ہفتم دفتر ماتم بحسن سعی کارپردازان مطبع علوی بتاریخ بستم شہر ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ ہجری حلیۂ الطبع در بر گرفتہ بر منصۂ شہود جلوہ گر گردید "

دفتر ماتم جلد ہشتم | یہ جلد مطبع جعفری میں بفرمائش حسن مرزا تخلص عاقل اور مرزا امام الدین سابق مالک مطبع سبطیہ ساکن کٹرہ میر اعظم

خاں منحلات شہر لکھنؤ قریب مکان مصنف چھپی تھی۔ اس کے آخر میں فہرست مراثی کے بعد ایک اشتہار چھپا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جلد مطبع سبطیہ میں دوسری اور تیسری جلد مطبع شوکت جعفری میں قاری یعقوب علی خاں تخلص نصرت کے اہتمام سے چھپی تھیں پانچویں جلد سے چودھویں جلد تک اسی مطبع میں زیر طبع تھیں۔ ہر جلد کی قیمت ۸؍ آنے تھی۔ یہ جلد ہشتم ۱۳۰۴ھ ہجری مطابق ۱۸۸۶ء میں چھپی تھی۔

دفتر ماتم کی قدیم ترین جلدیں نایاب ہیں۔ سید عبدالحسین نے بھی دفتر ماتم کی بیس ۲۰ جلدیں کئی مرتبہ شائع کی تھیں۔ یہ سبھی جلدیں دس ۱۰ روپئے میں ملتی تھیں۔ یہ جلدیں بھی اب نہیں مل رہی ہیں۔ میں نے حیدرآباد اور ہندوستان کے کتب خانے چھان ڈالے۔ بہت کم جلدیں بڑی مشکل سے ملی ہیں۔ بقول سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لاہور سے کراچی اور کراچی سے لکھنؤ تک سب جلدیں کہیں یکجا دستیاب نہیں ہیں۔ ۷۲ء میں سید محمد رشید صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے لئے نہ معلوم کہاں کہاں سے سبھی جلدیں فراہم کی تھیں۔ سید عبدالحسین جلد دہم مطبوعہ ۱۸۹۶ء کے آخری صفحہ ۴۳۶ میں لکھتے ہیں:۔

"اہلِ مطابع کو اطلاع دی جاتی ہے کہ دفتر ماتم ۲۰ جلد کا حق بنام راقم ہبہ ہے۔ لہٰذا کوئی صاحب بغیر اجازت راقم طبع نہ کریں۔ اور علٰحدہ علٰحدہ خواہ انتخاب کر کے بھی کسی مرثیہ کو نہ چھاپیں۔"

دفتر ماتم جلد چہارم جیسا کہ یہ مرقوم ہو چکا ہے یہ جلد بھی بڑی اہم ہے۔ یہ مطبع شمس العلوم لکھنؤ میں ۱۳۱۴ھ ہجری میں چھپی تھی۔ اب نایاب ہے۔ اس میں ذیل کے مرثیوں کے ساتھ تاریخ منقول درج ہیں:۔

	مطلع	بند	سنہ
۱	دشت جنگاہ میں جب آمد نوشاہ ہوئی	۷۱	منقول عنہ ۲۵ محرم ۱۲۴۰ھ
۲	قریب کوفہ جب رانڈوں کا کارواں آیا	۴۵	؍؍ ۱۲۴۷ھ
۳	جب رہے میدان میں تنہا حسین	۳۶	؍؍ صفر ۱۲۴۹ھ

۴ جب رن میں قطع رشتۂ وحیِ خدا ہوا	۸۷	۸ر صفر سنہ ۱۲۴۹ھ
۵ ہے کوچ فاطمہؑ کے چمن سے بہار کا	۸۲	۲ر ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۳ھ
۶ ہفتاد و دو تن کے لئے جب رو چکے عابدؑ	۳۳	بست و سوم ذیقعدہ سنہ ۱۲۵۴ھ
۷ آفاق میں مخصوص جو امت ہے نبیؐ کی۔	۱۰۴	۲ر جمادی الاول سنہ ۱۲۵۴ھ
۸ کیا خُلقِ حسن تھا حسنؑ سبز قبا میں	۸۵	سوم جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۶ھ
۹ لوں حالِ اسیریِ سکینہؑ ہے قلمبند	۸۱	بیستر دہم جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۷ھ
۱۰ مجموعہ صد واقعہ یہ ماہ سفر ہے۔	۱۷۰	پانزدہم رجب سنہ ۱۲۶۴ھ
۱۱ جب آسماں سے لشکر انجم رواں ہوا	۱۲۹	۶ر ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ

دفتر ماتم جلد ہشتم

یہ جلد مطبع جعفری میں سنہ ۱۳۰۴ ہجری (سنہ ۱۸۸۶ء) میں چھپی تھی۔ اس میں ذیل کے مرثیوں کے اختتام پر تاریخ منقول درج ہے:۔

	مطلع	بند	سنہ
۱	انساں کے لئے قید ہلاکت کا سبب ہے	۴۸	منقول عنہ مورخہ ۱۲ر صفر سنہ ۱۲۴۲ ہجری
۲	کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے	۱۳۹	بست و پنجم شہرِ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۵ ہجری
۳	پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی	۱۵۳	بست و ہشتم ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۸ ہجری
۴	جب سے مدینہ مسکن خیر الوریٰ ہوا	۴۶	بست و چہارم ذی الحجہ سنہ ۱۲۶۲ ہجری
۵	خنجرِ جو بوسہ گاہ پیمبرؐ پہ چل گیا	۵۹	بست و ہفتم ماہ صفر سنہ ۱۲۶۳ ہجری حررہ مرزا صفدر
۶	جس دم اسیر عترتِ مشکل کشاؑ ہوئے	۳۳	سلخ محرم الحرام سنہ ۱۲۶۴ ہجری
۷	جب لشکر اسلام کے کوفے میں سر آئے	۴۴	۱۰ر شعبان سنہ ۱۲۷۶ ہجری

دفتر ماتم جلد نہم مطبع علوی میں ایک مرثیہ ہے جس کا مطلع ہے سے

اے عرش و فلک لوحِ سرِ مشق قلم ہو ۔ ۲۲۴ بند

یہ مرثیہ سنہ ۱۳۱۰ ہجری (۱۸۹۲ء) میں چھپا تھا۔ اس کا مطلع ثانی بند نمبر ۴۷ کے تحت

درج ہے:۔

زنجیرِ جہنم سے جب آزاد ہوا حُر

مرثیہ کے آخر میں لکھا ہے۔ "منقول عنہ مورخہ پانزدہم ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۰؁ ہجری" مرثیہ (زنجیر جہنم) رشید صاحب کے قلمی ذخیرہ میں بھی ہے۔ اس مطلع سے مرزا محمد طاہر رفیع کے توثیق نامہ کے ساتھ نولکشور کی جلد اول مطبوعہ مارچ ۱۹۳۷؁ء میں ۱۵۳ بندیں چھپا ہے۔ مقطع ایک جیسا ہے۔ اس طرح دفتر ماتم کے چھپے ہوئے مرثیے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مقطع ایک جیسا ہے۔

جناب مولانا مرتضیٰ حسین فاضل صاحب مرحوم اپنے مقالے میں انکشاف کرتے ہیں کہ ان کے کتب خانے میں مرزا دبیرؔ کے ۲۷ مخطوطات ہیں۔ ان میں سے ذیل کے ۷ مرثیوں میں تاریخ کتابت بھی درج ہے[۴۳]

	مطلع	بند	سنہ
۱	جب قرب ہوگا آمد روز نشور کا	۱۱۱	۲۰ ربیع الثانی ۱۲۴۸؁ھ
۲	زنداں کی طرف ہند تجمل سے رواں ہے	۷۵	صحیح شدہ صفر ۱۲۵۵؁ھ مکتوبہ محبوب علی
۳	ہر سنگ بنا لعل وگہر مہر علی سے	۱۲۲	مکتوبہ جمادی الثانی ۱۲۷۰؁ھ
۴	قدرت کے حوصلے کا تحمل حسینؑ ہے	۸۴	مکتوبہ اکبر علی ۲۵ محرم ۱۲۷۳؁ھ
۵	جب موسم جوانی اکبر گذر گیا	۴۲	از قلم اشرف النساء ۱۲۸۲؁ھ
۶	عصیاں کے عارضے سے جو دل ناتوان ہے	۵۰	" " "
۷	آمد ہے بادشاہ فلک بارگاہ کی	۷۵	" سرفراز علی ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۹۲؁ھ

اوپر کے ان مرثیوں میں نمبر ۱ دفتر ماتم جلد چہاردہم، نمبر ۲ دفتر ماتم جلد پانزدہم، نمبر ۳ دفتر ماتم جلد پنجم، نمبر ۶ دفتر ماتم جلد چہاردہم میں ۱۰۰ بند میں چھپے ہیں۔ مرثیہ ۱ جلد ۱۴ میں ۱۰۹ بند میں ذیل کے مطلع کے تحت چھپا ہے ؎

ع جب قبل حشر ہوگا ظہور امام عصرؑ

اس کا ایک نسخہ رشید صاحب کی جلد دوم میں شامل ہے۔

مرثیہ نمبر ۱۳ اس مطلع کے تحت چھپا ہے ؎

ع کیا آمد جبرئیل تھی مرغوب نبیؐ کو

مزید مطلعے یہ ہیں۔ (۱) ہر سنگ کو مرغوب کیا مہر علیؑ نے بند نمبر ۵

(۲) ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علیؑ سے بند نمبر ۶

جہاں تک مرثیہ نمبر ۴ "قدرت کے حوصلے کا تجمل حسینؑ ہے" کا تعلق ہے یہ دفتر ماتم جلد ہفتم صد ۹۰ مطبع علوی لکھنؤ میں مرثیہ "حرز گلوئے مصحف یزداں حسینؑ ہے" کا ساتواں بند ہے۔ اس مرثیے میں یکے بعد دیگرے ۱۶ مطلعے ہیں۔ زیر نظر مرثیے کا مطلع اور مقطع یہ ہیں ؎

قدرت کے حوصلے کا تجمل حسینؑ ہے سب جزو ہیں مقابلے میں کل حسینؑ ہے

بو جس کی باغ خلد ہے وہ گل حسینؑ ہے گل جس کا عشق حق ہے وہ بلبل حسینؑ ہے

خوش ہو کے خاک میں چمن اپنا ملا دیا

ایماں کو حسینؑ نے مر کر جلا دیا

مقطع ؎

تھے عین اضطرار یہ خیر النساء کے بین بے ہوش تھے ملائکہ لاشے کے جانبین

بس اے دبیر کہہ یہ یہاں سے بشور و شین بلّغ تحیّتی و سلامی علی الحسینؑ

اور عرض کر کہ گنج تولاّ عطا کرو

جاگیر کربلائے معلّٰی عطا کرو

بند نمبر ۷، ۶ کے تحت ایک مطلع یہ بھی ہے ؎

برباد جب مرقعِ خیر النساء ہوا اور یک قلم، قلم چمن مصطفا ہوا

پھر اُقتُلوُا الحُسین کا غل جابجا ہوا سبطِ نبیؐ پہ نرغۂ اہلِ جفا ہوا

خنجر قلق کا فاطمہؑ کے دل پہ پھر گیا

زہرا کا چاند ظلم کے بادل میں گھر گیا

ثابت لکھنوی (دربار حسینؑ صد ۱۵۱) اور دوسرے ماہرین دبیر بات لکھتے ہیں کہ یہ مرثیہ (برباد جب ....) مرزا غلام محمد تخلص نیّر برادر دبیر کا ہے۔ راقم الحروف کو اس

مطلع کے تحت ایک پورا مرثیہ دریافت ہوا۔ جو مطبع جعفری لکھنؤ میں ۱۳۰۶ھ ہجری مطابق ۱۸۸۸ء میں مرزا اوجؔ کے نام سے چھپا ہے۔ سرورق کی عبارت یہ ہے:۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ/ تصنیف لطیف جناب محمد جعفر صاحب اوجؔ خلف الصدق جناب مرزا سلامت علی صاحب دبیرؔ مرحوم و مغفور/ بر باد جب مرقع خیر النساء ہوا۔ کاپی رائٹ اس کا محفوظ ہے۔ کوئی صاحب بغیر اجازت راقم کے نہ چھاپیں۔ راقم محمد مہدی۔ مطبع جعفری میں چھپا" مقطع یہ ہے:۔

مابین کربلا تھے یہ خیر النساء کے بین
حور و ملک تڑپتے تھے لاشے کے جانبین
اب کہہ یہ اوجؔ باد صبا سے بشور و شین
بلّغ تحیّتیّ و سلامی علی الحسینؑ
دنیا میں مجھ کو گنج تولّا عطا کرو
جاگیر کربلائے معلّٰی عطا کرو

یہ بات قابل توجہ ہے کہ راقم الحروف کو میر انیسؔ کے مرثیہ "شمشاد بوستان ہدایت حسین ہے" کا ایک قلمی نسخہ بخط نور الحسن تخلص کوکب عرف نور محمد ملا۔ اس میں کوکب نے یکے بعد دیگرے ۲۹ (بست ونہم) مطلعے لکھے ہیں۔ ان میں دفتر ماتم کے زیر بحث مرثیے کے سبھی مطلعے درج ہیں۔ مرثیہ میر انیسؔ کی حیات میں لکھا گیا ہے۔ ابتدا میں یہ عبارت ہے:۔

"بعونہ تعالیٰ مرثیہ ہذا تصنیف میاں انیسؔ صاحب۔ در حال شہادت جناب سید الشہداء علیہ السلام بدست خط بندۂ احقر خاکسار نور محمد برائے خواندن خود صورت تحریر یافت۔ امید از ناظرین و سامعین جمیع مومنین کہ بندہ را بدعا مغفرت یاد فرمائند۔ بحق دوازدہ امام و چہاردہ معصومین علیہا السلام"

مطلع "شمشاد بوستان ہدایت حسینؑ ہے" ۱۰۹ بند تمام از نبشتۂ حقیر نور محمد عفی عنہٗ"۔ تفصیلات کے لئے راقم کا مضمون "میر انیسؔ کا مرثیہ" مطبوعہ نیا دور بابت دسمبر ۱۹۷۷ء ملاحظہ ہو۔

سبع مثانی | دفترِ ماتم اور مطبع نولکشور کی جلدوں کے بعد سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی شاگرد مرزا اوج نے مرزا دبیر کے چودہ مرثیوں کا انتخاب سبع مثانی کے نام سے ۱۹۳۰ء میں شائع کیا۔ مرتب نے دو مرثیوں کا اضافہ بھی اس میں کیا۔ ان کے مطلعے یہ ہیں ؎

۱۔ اے صبح کیا ہوا جو تیرا جیب چاک ہے۔ ۱۱۲ بند

۲۔ جب حرم قلعۂ شیریں کے برابر آئے۔ ۵۸ بند

بقیہ بارہ مرثیے دفترِ ماتم کی جلدوں میں موجود ہیں۔

سبع مثانی نہایت کمیاب ہے۔ کتاب ۴۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے صفحۂ الف پر مرزا محمد طاہر رفیع فرزند مرزا محمد اوج کا توثیق نامہ ہے۔ اس کے بعد فہرست مراثی، انتساب اور عکس تحریر مصنف (دبیر) شامل ہے۔ اس کے بعد خبیر صاحب کی تمہید (ص۱ تا ص۱۸) پھر ثابت لکھنوی کا سیر حاصل مقالہ دبیر کے حالات زندگی اور فن پر مشتمل ص۹ سے ص۴۵ تک ہے۔ صفحہ ۵۶ اور ۵۷ میں غلط نامہ ہے۔ مراثی ص۱ سے ص۴۹۱ تک موجود ہیں۔ ہر صفحے میں چار بند آڑے درج ہیں۔ ذیل میں مرزا محمد طاہر کے توثیق نامہ کی نقل درج کی جاتی ہے۔

"عکس عبارت توثیق سبع مثانی از قلم استاد الاساتذہ حضرت رفیع مدظلہ العالی۔

بسم سبحانہ تعالیٰ

"مداح امام الکونین عزیزی سرفراز حسین خبیر سلمہ اللہ القدیر شاگرد رشید والد علام حضرت اوج طاب ثراہ وخاکسار ہیچمدان رفیع کا مدت سے تقاضا اور خود اس فقیر کا ارادہ تھا کہ تاجدار کشور حسن قبول مداح آل رسولؐ بندۂ درگاہ پنجتن خدائے سخن استاد بے نظیر جد امجد جناب مرزا سلامت علی صاحب دبیر علی اللہ مقامہ کے ان مشہور مرثیوں کی تصحیح اصل بستۂ دبیری سے کر دی جائے۔ جن پر اہل مطبع کی بے پروائی، دبیر ہمہ دان ونکتہ سنج کی بے نیازی، کلام دبیر

کی نکتہ نوازی اور قبول عام کی قدر افزائی کے ہاتھوں بڑے بڑے ستم ہو گئے الحمد اللہ کہ اب چودہ مرثیوں کی ایک جلد شائع ہو رہی ہے۔ اصل مرثیوں جو مصنف مرحوم کے پڑھے ہوئے ہیں۔ سے مقابلہ کرتے وقت قیامت نظر آئی مصرعوں اور بیتوں کا ذکر کیا۔ بند کے بند الحاقی، اکثر عمدہ بند ندارد، کہیں تحریف، کہیں تخفیف، سلسلہ کی زنجیریں شکستہ، کہیں کچھ کہیں کچھ۔ جابجا الفاظ میں بہار اور خزاں کا فرق۔ جہاں تک ممکن ہوا اصل مرثیوں سے تصیح کرکے ایک جلد مشتہ نمونہ از خروارے اہل نظر کے سامنے پیش کی جاتی۔ خلاق سخن آفریں اس طبع میں کوشش اور توجہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے۔ اگر قلب مومنین پر سعی خیبر کا کچھ اثر ہوا تو خاص خاص مرثیے بھی جن پر کاتبوں نے خوب خوب اصلاح کی ہے اسی طرح صحیح حالت میں طبع ہو کر لذت افزائے اہل ذوق ہوں گے۔ خاکسار محمد طاہر رفیعؔ ۔ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۰ء۔"

جناب محمد طاہر رفیعؔ کے توثیق نامے کے باوجود سبع مثانی کے بعض مرثیئے ناقص ہیں۔ ہم نے ان کا مقابلہ قلمی نسخوں کے ساتھ کیا تو اچھا خاصا فرق نظر آیا۔ مثال کے طور پر ذیل کے مرثیے دیکھئے ؎

پرچم ہے کس علم کا شعاعِ آفتاب کی

سبع مثانی میں اس کے ۲۳۰ بند درج ہیں۔ ہم نے اس کے چار نسخے دیکھے ہیں۔ دو قلمی اور ۲ مطبوعہ۔ قلمی نسخوں میں ۲۳۸ بند ہیں۔ ذیل کے بند زیادہ ہیں۔ انہیں سبع مثانی میں بند نمبر ۲۲۲ کے بعد ہونا چاہئے تھا۔

بند نمبر ۱۔ یاں بانوئے حزیں نے یہ لاشوں پہ کی فغاں ان کی کوئی بہن نہیں ہوئے جو نوحہ خواں
بہنوں کی طرح روئیں انہیں میری بیٹیاں قاسم کی ماں کو دیکھ کے پھر یہ کیا فغاں
گذری ہے ایک رات فقط بیاہ ہونے کو
اپنی بہو کو بھیجو گی لاشوں پہ رونے کو

بند نمبر ۲۳۱ ۔ سمدھن نہ خوف بدشگنی ہو تمھیں اگر — مُردوں پہ سو رہے جوڑے کو پھاڑے وہ خوش سیر
بالیں پہ بیٹھے دست حنائی سے اپنا سر — اس نے کہا مجھے تو نہ وسواس ہے نہ ڈر
یاں جو سہاگن آئی ہے وہ بیوہ ہوئے گی
پہلے دلہن ہی دونوں کی لاشوں پہ روئے گی

بند نمبر ۲۳۲ ۔ آئی دلہن جو لاشوں پہ حجلے سے اشکبار — زینبؑ ہوئیں محبت اکبرؑ سے بے قرار
بانو سے ہاتھ جوڑ کے بولیں وہ دل فگار — سمجھا دو تم سکینہؑ و کبریٰ کو میں نثار
ہر دکھ میں خیر پالے کی میں نے منائی ہے
بھائی نہ کہہ کے روئیں کہ اکبرؑ بھی بھائی ہے

بند نمبر ۲۳۳ ۔ جو روئے ان کو محسن بنت علیؑ کہے — سرباز و سرفروش و دلیر و جری کہے
غازی کہے فدائی سبط نبیؐ کہے — صابر کہے، شہید کہے، متقی کہے
بندوں میں خاص خالص اکبرؑ کے ہو گئے
بچپن میں فدیے اکبرؑ و اصغرؑ کے ہو گئے

بند نمبر ۲۳۴ ۔ کبراؑ کو اور سکینہؑ کو سکتہ عجب ہوا — میت کسی شہید کی دیکھی تھی گھر میں کب
پہلے پہل جو دیکھے تو دو لاشے ہے غضب — کلثوم بولیں سوتے ہیں واری یہ تشنہ لب
ششدر نہ ہو، ٹھہرو میں ان کو جگاتی ہوں
حضرت کے پاس جاؤ میں ان کو بھی لاتی ہوں

بند نمبر ۲۳۵ چلائیں اے فرشتہ صفا تو جواب دو — اے بے خودی کی نیند کے ماتو جواب دو
اے کم سنو، قلیل حیا تو جواب دو — یا تو کہو نہ بولیں گے یا تو جواب دو
پایا نہ اک جواب تمہارا سکینہؑ نے
تتلا کے کتنی بار پکارا سکینہؑ نے

بند نمبر ۲۳۶ آواز دو یہ قبلۂ عالم کی جائی ہے — کبراؑ پکارتی ہوئی حجلے سے آئی ہے
غصّہ ہو کس سے روٹھے ہو کس سے دہائی ہے — کیا سب سے بولنے کی قسم آج کھائی ہے
لڑنے کی مدح ہوتی ہے تسلیم کو اٹھو
ذریت حسینؑ کی تعظیم کو اٹھو

بند نمبر ۲۳/ لو تم جو کہتے تھے وہ ہوا، ہوشیار ہو حضرت چلے مدینے کو تم بھی سوار ہو
اس راہ سے چلو جو بہت استوار ہو بچھڑے ہوئے پدر سے ملو ہم کنار ہو

روضے میں مصطفیٰ کے بسو چل کے چین سے
صغرا تڑپ رہی ہے ملا دو حسینؑ سے

۲۔ مرثیہ۔ مطلع .... اے صبح کیا ہوا کہ تیرا جیب چاک ہے
مطلع ثانی بند نمبر ۲ .... اے آسماں زمین عدم میں نہاں ہو آج

سبع مثانی میں اس کے بارہ بند چھپے ہیں مجھے اس کا ایک قلمی نسخہ مرزا امیر علی جونپوری سے ملا۔ اس میں ۱۸ بند ہیں۔ اور ذیل کے ۶ بند زائد ہیں ؎

بند نمبر ۵۔ غل ہے کہ حرب گاہ سے شمر و عمر پھرے کیوں کر پھرے اجاڑ کے زہراؑ کا گھر پھرے
کیا قہر ہے حرم سے فلک القدر پھرے اونٹوں سے منزلوں میں گرے دربدر پھرے

منہ ڈھانپنے کو ہاتھ میں یا سر کے بال ہیں
کہتا نہیں کوئی یہ پیمبرؐ کی آل ہیں

بند نمبر ۱۷۔ آنسو بہا کے کہنے لگا وہ نکو سیر بابا پہ یا بزرگی جد پر کروں نظر
نعلین پہنے عرش پہ احمدؐ کا ہو گذر ہیں پا برہنہ اور رہوں ماں بہنیں ننگے سر

نا محرموں کی بھیڑ ستم پر ستم یہ ہیں
کیا منفعل وہ ہو گا کہ جس کے حرم یہ ہیں

بند نمبر ۱۸۔ اس کے حرم کہ کعبہ میں پیدا ہوا ہے آہ اس کے حرم کہ قبلۂ ارض و سما ہے آہ
اس کے حرم کہ بندوں میں مشکل کشا ہے آہ اس کے حرم کہ فخر خلیل خدا ہے آہ

اس کے حرم کہ جس پہ نبوت کا خاتمہ
خلق و حیا و علم و مروت کا خاتمہ

بند نمبر ۱۹۔ مشہور خلق حضرت خیر الانام ہے کلمے کی طرح اس کا یقیں لا کلام ہے
کندہ نگین عرش پہ مولا کا نام ہے خاتم پہ حسن خلق کا بھی احتشام ہے

غنچوں کا اس نسیم سے دل باغ باغ ہے
اس عطر سے گلوں کا معطر دماغ ہے

بند نمبر ۲۸۔ چلاتی تھی سکینہؑ ارے میرا دم گھٹا
اماں رسن کے حلقے کو کھلوا دو ذرا
سجادؑ بھائی بہر خدا بہر مصطفےٰ
تم وارثی کرو کہ نہ بابا ہیں نہ چچا
وہ سر جھکا کے کہتے تھے کیا تم کو دھیان ہے
خواہر مرے بھی بازوؤں میں ریسمان ہے

بند نمبر ۹۲۔ ہر حال میں مطیع امام عرب رہے
چو گرد خیمے کے یہ شہادت کی شب رہے
دریا میں بھی حسینؑ کے کیا کیا ادب رہے
مجھ کو تیرے نمک کی قسم تشنہ لب رہے
دم بھر نہ چھوڑتے تھے شہ نیک ذات کو
رہتے تھے سایہ دن کو یہ پروانہ رات کو

۳۔ سبع مثانی کا دسواں مرثیہ ہے "جب شامیوں میں صبح کی نوبت کا غل ہوا" اس کے ۱۳۱ بند ہیں۔ راقم کو اس کے آٹھ نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ پانچ قلمی اور تین مطبوعہ۔ دو قلمی نسخے مرزا دبیر کی زندگی میں نقل کئے گئے۔ دبیر کے نام کے ساتھ "سلم اللہ تعالیٰ" بھی درج ہے۔ مرثیہ دفتر ماتم جلد ہشتم مطبع جعفری (۱۸۸۵ء) اور مطبع نولکشور میں چھپا ہے۔ ذیل کے آٹھ غیر مطبوعہ بند ہم نے دریافت کئے ہیں ؂

بند نمبر ۸/ اس وقت چھپنے والوں میں محشر ہوا بپا
بے پردگی کے واقعے کا سامنا ہوا
بانو سے بولی فضہ کہ صاحب کو کیا ہوا
اٹھویں واری در پہ ہے دیور کھڑا ہوا
یہ سن کے وہ چھپی پر نہ قابو جگر پہ تھا
خود گوشہ میں تھی گوشۂ چادر نہ سر پہ تھا

بند نمبر ۹۔ بولی بلالو جعفر ثانی پہ میں فدا
طاعت ہے حکم شرع کی پردہ ہے ان سے کیا
ماں کہتے ہیں وہ مجھ کو میں فرزند دلربا
اور آج پردہ کیسا کہ ہونا ہے بے ردا
کل دو پہر کی دیر ہے قتل امام میں
پھر در بدر پھروں گی میں بلوائے عام میں

بند نمبر ۲۵۔ قبضہ کیا جو شام پہ سلطان روم نے
تھالے فلک کے کر دیئے خالی نجوم نے
اندھیر کربلا میں کیا فوج شوم نے
غل صور کا سنا دیا قرنا کی دھوم نے
رن کے ورق پہ جنگ کے آئین کھنچ گئے
ہندی سروہیاں عربی زین کھنچ گئے

مطلع بند نمبر ۵۵۔ تسبیح فاطمہؑ جو ادا کی امام نے جاسوس نے خبر یہ کہی آکے سامنے

کی سیر گھاٹ گھاٹ کی اس دم غلام نے آب رواں بھی بند کیا فوج شام نے

فوج خدا کو نہر سے دوری نصیب ہے

شہ بولے کیا مضائقہ، کوثر قریب ہے

بند نمبر ۵۶۔ جب شہ پہ رن میں نرغۂ جفا ہوا زخموں سے چور جان و دل مرتضیٰ ہوا

اور تشنگی کا شائبہ غلبہ سوا ہوا مصروف راہ حق میں شہ کربلا ہوا

نیزے لگائے ظالموں نے جانبیں سے

سنبھلا گیا نہ گھوڑے سے اس دم حسینؑ سے

بند نمبر ۱۱۶۔ جیتا چنیں زمیں میں کریں سنگسار اور وہ درد اور یہ قلق اے کردگار اور

تیغوں کی آنچ اور ہے گرمی نار اور پتھر کی چوٹ اور ہے خنجر کے وار اور

میں جانتا ہوں یا کہ مرا دل ہے جانتا

بہتر سبھوں سے خالق عادل ہے جانتا

بند نمبر ۱۲۱۔ جز جسمؑ کا نہ حال تھا فاقوں سے یوں تغیر ہفتم سے تشنہ لب تھا نہ وہ خاصۂ قدیر

کب خاک میں ملے تھے بہتر مہ منیر بچہ نہ کوئی ہاتھوں پہ تڑپا تھا کھا کے تیر

سن شباب میں کوئی بیٹا موا نہ تھا

عباسؑ سا جدا کوئی بھائی ہوا نہ تھا

بند نمبر ۱۲۶۔ یار و حمید کہتا ہے میں رن میں تھا کھڑا حیران ہو کے میں نے یہ اک شخص سے کہا

یہ کون بی بی نکلی ہے خیمے سے بے ردا اس نے کہا کہ ہائے غضب پوچھتا ہے کیا

یہ عاشق جمال شہ بے نظیر ہے

منہ ڈھانپ لے یہ بنت جناب امیرؑ ہے

شعار دبیر۔ جناب مہذب لکھنوی کے سات مرثیوں کا مجموعہ ہے۔ جو انہوں نے مارچ ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔ اس میں دبیر کے سات مرثیے ہیں۔ لیکن فہرست میں ایک مرثیہ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ اور اس کا مطلع ہے ۔

روشن ہے عرش پر کہ علی آفتاب ہے ۵۳ بند

بقول مرتب ذیل کے دو مرثیئے غیر مطبوعہ ہیں ؎

۱۔ ہاہم ہیں وطن میں اور طبیعت سفر میں ہے ۹۶ بند

۲۔ عباسؑ جبکہ جانب کوثر رواں ہوئے ۸۱ بند

مرتب یہ بھی کہتا ہے کہ شعار دبیر کا پہلا مرثیہ خبیر صاحب کی کوششوں سے دستیاب ہوا۔ دوسرا اور تیسرا موصوف نے اپنے ذاتی ذخیرہ سے مرحمت فرمایا۔ کتاب میں بندوں کی تعداد گھٹا کر پیش کی گئی ہے۔ پورے مرثیہ شائع ہوتے تو زیادہ بہتر رہتا۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی اور الہ آباد سے بھی مراثی دبیر کا انتخاب شائع ہوا۔ یہ مرثیے طالب علموں کے لئے ہیں۔ اور ان میں بھی انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ مرثیے غلط اور غیر مستند ہیں۔

نادرات دبیر۔ ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم نے پاکستان سے "نادرات دبیر" کے عنوان سے ۱۹۵۷ء میں ذیل کے پانچ مرثیے شائع کئے ہیں۔ ان کی رائے میں یہ سبھی مرثیے غیر مطبوعہ ہیں ؎

۱۔ کیوں چرخ میں گردوں کی طرح رن کی زمیں ہے۔ ۱۱۱ بند

۲۔ سبطین علیؑ رونق میدان وغا تھے۔ ۸۹ بند

۳۔ روشن کیا جو حق نے چراغ انتقام کا۔ ۱۵۷ بند

۴۔ جب تیغ انتقام برہنہ خدا نے کی۔ ۷۴ بند

۵۔ مہر علم سرورِ اکرم ہوا طالع۔ ۷۲ بند

دوسرا اور پانچواں مرثیہ نادرات دبیر سے بہت پہلے چھپ چکے تھے۔ تیسرا اور چوتھا مرثیہ جناب مختار تقی کے حال میں ہیں۔

راقم کو مرزا دبیر کے ایک مرثیہ کا "جب نخل انتقام میں تیغوں کے پھل لگے" تین قلمی نسخے نور الحسن کوکب کے ذخیرۂ مراثی سے دستیاب ہوئے۔ ڈاکٹر صفدر حسین

کے اوپر کے مرتب کردہ مرثیوں کے اکثر بند اس میں موجود ہیں۔ تفصیلات کے لئے مرثیہ کے ذیل میں آگے کہیں دیکھئے گا۔

جواہرِ دبیر

نادرات دبیر کے بعد مشہور غالبیات اور نامور ادیب، مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل نے چودہ مرثیوں کا انتخاب "جواہرِ دبیر" میں کیا۔ یہ کتاب لاہور کے مشہور پبلشرز شیخ غلام علی اینڈ سنز نے لاہور سے ۱۹۸۶ء میں شائع کی۔ مولانا مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اس کا ایک نسخہ تحفہ کے طور پر اس وقت عنایت فرمایا جب وہ مشہور عالم دین سید کلب عابد صاحب قبلہ کی مجلس چہلم کے سلسلے میں جنوری ۱۹۸۷ء میں لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ کتاب بہت ہی خوبصورت انداز میں ۵۶۳ صفحات میں شاندار جلد کے ساتھ چھپی ہے مولانائے موصوف نے دراصل اسی کام کو آگے بڑھا دیا جس کی ابتدا میں انھوں نے "نوادرِ مرزا دبیر" کے عنوان سے ماہ نو راولپنڈی کے دبیر نمبر مطبوعہ ۱۹۷۵ء میں کی تھی اس مضمون میں انہوں نے سات مرثیوں کا ذکر کیا تھا۔ چھٹے مرثیہ (عصیاں کے عارضے سے جو دل ناتوان ہے) کو چھوڑ کر باقی سبھی مرثیے جواہرِ دبیر میں شامل کئے گئے ہیں۔

موصوف نے ہر مرثیے کے "تحقیق متن" پر اپنا زور قلم صرف کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر مرثیے کے آخر میں "فرہنگ متن" بھی بڑی دیدہ ریزی سے مرتب کی ہے۔ ابتدا میں ہر مرثئے پر ناقدانہ نظر بھی ڈالی ہے۔ اور اس طرح ہر مرثیہ کی فنی خوبیاں بیان کی ہیں۔

کتاب کی ابتدا میں مرزا دبیر کے مستند حالات زندگی اور دبیر کے فن پر اہم معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ صہ ۴۸ اور صفحہ صہ ۴۹ کے درمیان مرزا دبیر کی ایک فرضی تصویر بھی شامل کی گئی ہے۔ اگر یہ شامل نہ ہوتی تو زیادہ بہتر رہتا۔ یہ وہی تصویر ہے جو 'ماہ نو' دبیر نمبر کے سرورق پر چھپی ہے۔ تصویر کی دوسری طرف مرزا دبیر

کے ایک مرثیہ "جب قرب ہو گا آمد روز نشور کا" کا عکس چھاپا گیا ہے۔ یہ عکس مرزا دبیرؔ کی تحریر کا ہے۔ جو ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۴۸ھ ہجری کی یادگار ہے۔

مولانا صاحب مرثیہ نمبر ۲ "ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علیؑ سے" کے بارے میں "تحقیق متن" میں صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں کہ مرثیہ کا ایک ہی قلمی نسخہ پیش نظر رہا۔ دوسرا دستیاب نہ ہو سکا۔ مولانا کی عبارت سے مراد یہ ہے کہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ دراصل یہ مرثیہ دفتر ماتم جلد پنجم میں اس مطلعے کے تحت چھپا ہے۔

"کیا آمد جبرئیل تھی مرغوب نبیؐ کو"

اس کے دو مزید مطلعے یہ ہیں۔ ۱۔ "ہر سنگ کو مرغوب کیا مہر علیؑ نے"۔ بند نمبر ۵

۲۔ "ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علیؑ سے"۔ بند نمبر ۶

مولانا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جلد پنجم کراچی اور لکھنؤ میں تلاش کے بعد عکس یا اصل جلد نہ مل سکی۔ راقمؔ کی نظر سے یہ جلد اور اس مرثیہ کا قلمی نسخہ ذخیرۂ رشید صاحب سے گزرے ہیں۔ ذیل میں جواہر دبیرؔ کی فہرست درج کی جاتی ہے:۔

۱۔ کوفے میں بہار آئی جو گلگشت چمن کو	۱۵۹	بند
۲۔ ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علیؑ سے	۱۲۲	"
۳۔ سیفی کا نمونہ مری شمشیر زباں ہے	۱۶۵	"
۴۔ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے	۱۴۹	"
۵۔ کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے	۱۳۷	"
۶۔ سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل	۱۳۷	" (مکتوبہ سنہ ۱۲۶۱ھ)
۷۔ جب موسم جوانی اکبر گذر گیا ؎	۴۳	" (مطبوعہ)
۸۔ روانہ نہر لبن کو جو شیر خوار ہوا	۴۱	
۹۔ بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے	۹۱	بند مکتوبہ ۴ فروری سنہ ۱۸۵۰ء

؎ مرثیہ دفتر ماتم جلد ۶ میں ۳۹ بند میں اس مطلع سے چھپا ہے۔ ع گم ہو گیا ہے کھا کے سناں یوسف حسینؑ (اکبر حیدری)

(۱۰) آمد ہے بادشاہ فلک بارگاہ کی ۱۰۰ بند

(۱۱) کس کی زباں سے پیاسی نے پائی ہے آبرو ۱۰۸ " ۱۲۷۰ھ

(۱۲) قدرت کے حوصلے کا تحمّل حسینؑ ہے ۸۵ "

(۱۳) زنداں کی طرف ہند تحمّل سے رواں ہے ۱۰۲ "

(۱۴) جب قرب ہوگا آمد روزِ نشور کا ۱۱۰ "

دفترِ ماتم کی تفصیلات

بعض لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مرزا دبیرؔ نے ہزاروں مرثیئے کہے ہیں۔ ان کے جو مرثیئے دفترِ ماتم اور مطبع اودھ اخبار لکھنؤ اور دوسرے مطابع میں چھپے ہیں ان کی تعداد چار سو سے بھی کم ہے۔ دفترِ ماتم کی جلدیں زبردست تکرار کا شکار ہوگئی ہیں۔ بہت سے مرثیئے ایسے ہیں جو ضمنی مطلعوں کی بدولت دو دو تین تین مرتبہ چھپ چکے ہیں۔ ثابت لکھنوی اور دوسرے ماہرینِ دبیریات بھی دبیرؔ کے مراثی کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے ہیں۔

انھوں نے بعض مرثیوں کو جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کلام غیر سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے لئے مراثی دبیرؔ کی تعداد کی نشاندہی کرنا ممکن تھا کیونکہ اس زمانے میں قلمی نسخے بھی موجود تھے۔ خود خاندانِ دبیرؔ کے افراد نے کلام دبیرؔ کے تحفظ کے بارے میں غفلت شعاری سے کام لیا ہے۔ ابھی دس بارہ سال کی بات ہے کہ میں نے دبیرؔ کے پرپوتے مرزا محمد صادق کے پاس دبیرؔ کے قلمی مرثیوں کی پیٹیاں بڑی کس مپرسی کی حالت میں دیکھیں۔ بہت خوشامد اور چاپلوسی کرنے کے بعد وہ اس بات پر کئی دن کے بعد آمادہ ہوگئے کہ انھوں نے مجھے ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں جہاں میرا دم گھٹنے لگا تھا وہ پیٹیاں دکھائیں۔ میری درخواست پر انھوں نے وہ پیٹیاں باہر صحن میں نکالیں جہاں میں نے اطمینان سے دیکھیں۔ ان میں ان مرثیوں کے ایک سے زیادہ نسخے بھی تھے جنھیں ثابت لکھنوی الحاق قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"تیسری قسم کلام مطبوعہ کی وہ بیس جلدیں دفترِ ماتم کی ہیں۔ جو یکجائی میر عبدالحسین صاحب دس روپے میں بیچتے ہیں۔ ان میں بعض کلام غیر (بعض مرثیے کے مرثیے اور بعض بند کلام غیر کے

شامل ہے۔ جن کا امتیاز مشکل ہے۔ ایسے مرثیہ چھپ جانے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ جب یہ مرثیے چھپنا شروع ہوئے تو مرزا اوجؔ صاحب قبلہ کے پاس بہت تھوڑے مرثیے تھے انھوں نے جابجا سے مرثیے منگوا کر مطبع کو دئے۔ وہ اکثر شاگردوں کے پاس تھے جن میں شاگرد پیوند لگا چکے تھے۔ ان کا علٰحدہ کرنا زیادہ دشوار تھا۔ اور وہ اسی طرح چھپ گئے۔ یہ حال مجھے یوں معلوم ہوا کہ اسی زمانے میں مرزا اوجؔ صاحب نے کچھ مرثیئے میرے نانا ظہیر (مرحوم) سے بھی منگائے تھے۔ اور بعض مقام سے بعض مرثیے غیر تسلسل نظر آتے ہیں"۔[۳۲]

راقم الحروف کی تحقیق ہے کہ دفتر ماتم کی ابتدائی پندرہ جلدیں جو مطبع سبطینیہ (سنہ ۱۳۰۰ھ) مطبع علوی (سنہ ۱۳۰۰ھ) مطبع جعفری (سنہ ۱۳۰۱ھ) اور مطبع شمس العلوم لکھنؤ (سنہ ۱۳۱۴ھ) سے چھپی تھیں اور جواب نادر و نایاب ہیں معتبر اور مستند ہیں۔ ان جلدوں کے بعد جو بیس[۲] جلدیں سید عبد الحسین نے وقتاً فوقتاً شائع کی تھیں وہ غیر معتبر ہیں۔

دفتر ماتم کی بیس جلدوں میں پہلی جلد سے لے کر چودھویں جلد تک مراثی شامل ہیں۔ ان کی تعداد بقول ثابت لکھنوی ۳۶۶ ہے۔ اور ان میں وہ مرثیہ بھی بغیر مقطع کے ہے۔ جس کے بارے میں مرزا کاظم علی کہتے ہیں کہ یہ سات بند والا مرثیہ ان کی تحقیق کے مطابق دبیرؔ کا مختصر ترین مرثیہ ہے۔ حالانکہ ہم نے یہ مکمل مرثیہ مقطع کے ساتھ ۴۴ بند میں اپنی کتاب انتخاب مراثی دبیرؔ میں شائع کیا ہے بہر حال دفتر ماتم کی تفصیلات یہ ہیں :۔

نمبر جلد	تعداد مراثی	نمبر جلد	تعداد مراثی
جلد اول	۲۵	جلد دوم	۲۵
جلد سوم	۲۹	جلد چہارم	۲۷
جلد پنجم	۲۷	جلد ششم	۲۹
جلد ہفتم	۲۵	جلد ہشتم	۳۰
جلد نہم	۲۶	جلد دہم	۲۷

جلد یازدہم	۲۵	جلد دوازدہم	۲۹
جلد سیزدہم	۳۰	جلد چہاردہم	۱۹
میزان کل = ۳۶۶	۱۸۰		۱۸۶

دفتر ماتم جلد پانزدہم راقم کے پیش نظر مطبع جعفری کا ایڈیشن ہے جسے حسن مرزا صاحب تخلص عاقل اور مرزا امام الدین سابق، مالک مطبع سبطیہ کی فرمائش سے مرزا محمد مہدی نے شائع کیا تھا۔ سرورق پر عبدالحسین کی (دفتر ماتم والے) کے دستخط لال روشنائی سے تقریباً ایک سو سال گذرنے کے بعد بھی نمایاں ہیں موجود ہیں۔ سرورق پر دفتر ماتم کا نام درج نہیں ہے۔ بلکہ یہ عنوان ہے۔ "مثنوی مسمّیٰ بہ احسن القصص"

مثنوی کی یہ جلد ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں ۲۱ شعر ہیں۔ مثنوی احسن القصص صفحہ ۱۶۲ میں ختم ہوتی ہے۔ اس میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حالاتِ ولادت و فضائل اور معجزات نظم کئے گئے ہیں۔ مثنوی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے ؎

جسے حق نے بخشی ہے قدر رفیع — وہ برحق یہ پہلا ہے ماہ ربیع
خصوص آج کا روز کیا روز ہے — کہ شاہد ہے ہفتہ یہ نوروز ہے
جھکے ہیں فلک کس کی تسلیم کو — کھڑی ہے زمیں کس کی تعظیم کو

تینتیسویں ۳۳ شعر میں دبیر تخلص درج ہے ؎

دبیر اب کمیتِ قلم روک لے — نظامی کو اس نظم میں ٹوک لے

مثنوی کے ص ۱۴۴ میں جناب حسن عسکری علیہ السلام کے حال میں آخر میں پھر تخلص درج ہے ؎

حسن سے دبیر اب یہ ہے التجا
کہ اس نظم تازہ کا ہے یہ صلا

اس کے بعد اسی صفحہ میں حضرت امام مہدی الزماں علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا حال نظم کیا گیا ہے۔ ابتدا اشعار ذیل سے ہوتی ہے ؎

پلا ساقیا وہ مئے مشکِ فام — ہرن جس سے خورشید ہو وقت شام

رُخِ روز روشن ہے نظروں میں تار | شبِ عید کا ہے مجھے انتظار
مئے نور جام قمر میں پلا | گزک کے عوض نقل تاروں کے لا
شتاب آ کے ہے وقت عیش و سُرور | امام الزماں کا ہے گویا ظہور
پلا مجھکو وہ بادۂ خوش شیم | فراموش جس سے ہو ہر ایک کا غم
وہ ساغر کہ غم جس سے بھولا رہے | گل عیش نظروں میں پھولا رہے

مثنوی کا یہ حصہ ان اشعار پر ختم ہوتا ہے ؎

اس شخص نے پھر اشارا کیا | کہ یہ ہیں وصیِ حبیبِ خدا
نظر کی جو میں نے بشوق تمام | تو تھا گندمی رنگِ روئے امام

صفحہ ۱۶۲ سے "معراج نامہ" شروع ہوتا ہے۔ پہلا شعر ہے ؎

زہے صنعت ربّ لوح و قلم | کئے بے ورق جس نے چہرے رقم

مثنوی "احسن القصص" معراج نامہ کے ذیل کے اشعار پر ختم ہوتی ہے ؎

مقام مناجات ہے اے دبیرؔ | یہ کہہ سوئے درگاہ رب قدیر
بحق رسولانِ عالی وقار | بحق امامان والا تبار
رہے جب تلک سیر باغ جہاں | رہے جب تلک آب قلزم رواں
رہیں جب تلک روز و شب مہر و ماہ | رہے جب تلک چرخ انجم سپاہ

بری رنج و غم سے رہیں مومنین
فرحناک و شاداں رہیں اہلِ دیں

دفتر ماتم جلد شانزدہم

مجموعہ سلام حصہ اول۔ ردیف الف سے ن تک راقم کے پیش نظر دبدبۂ احمدی لکھنؤ کی جلد ہے۔ جو ۱۸۹۶ء میں سید عبد الحسین کی فرمائش سے چھپی تھی۔ سرورق پر مرزا اوج کی تحریر کے ساتھ ان کے کتب خانے کی مہر بھی ثبت ہے جس میں ۱۳۱۴ ہجری درج ہے۔ اس میں ۱۱۰ سلام شامل ہیں۔ اور یہ ۲۰۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔ سلاموں کا مجموعہ ردیف الف سے نون تک ہے۔ اس میں مرزا دبیرؔ کے صرف ۳۸ سلام ہیں۔ باقی

ان کے شاگردوں کے ہیں۔ پہلا سلام دبیرؔ کے بھائی مرزا غلام محمد نظیرؔ کا ہے۔ مطلع اور مقطع پیش کئے جاتے ہیں ؎

اے سلامی عشق مولا ہو گیا　　توشۂ عقبیٰ مہیا ہو گیا
اٹھ گئی مہر و محبت اے نظیرؔ　　الحذر کیا حالِ دنیا ہو گیا

دفترِ ماتم جلد ہفتدہم

مجموعہ سلام حصہ دوم۔ ردیف ن سے یا تک

یہ جلد بھی مطبع دیدبۂ احمدی لکھنؤ اپریل ۱۸۹۷ء میں چھپی تھی۔ کل صفحات ۲۵۴ ہیں۔ پہلا سلام سلطان عالیہ بیگم تخلص سلطانؔ کا ہے۔ مطلع اور مقطع پیش کئے جاتے ہیں۔ ؎

سلام ان پر جو غم میں مبتلا ہیں　　وطن سے دور کنبے سے جدا ہیں
محرّم کا کرو ساماں سلطانؔ　　کہ اب حضرت قریبِ کربلا ہیں

آخری سلام صفحہ ۲۵۱ میں ختم ہوتا ہے۔ اور وہ بھی سلطانؔ کا ہے۔ مقطع یہ ہے ؎

سلطانؔ مستعدِ ہے شب و روز یا حسینؑ　　کیا دیر اب حضور ہمارے سفر میں ہے

اس کے بعد اسی صفحے میں ذیل کی عبارت درج ہے :۔

"تمام شد دفترِ ماتم جلد ہفتدہم۔ حررہٗ محمد یعقوب مطبوعہ ماہ مئی ۱۸۹۷ء"

ص ۲۵۲ سے ص ۲۵۴ تک فہرست سلام درج ہے جس کی تعداد ۱۳۴ ہے۔ ان میں دبیرؔ کے ساٹھ سلام ہیں۔

دفترِ ماتم جلد ہیجدہم

مجموعہ سلام حصہ سوم۔ ردیف یا

یہ جلد بھی دیدبۂ احمدی مطبوعہ جون ۱۸۹۷ء کی ۱۸۴ صفحوں میں ہے۔ اس میں ۹۸ سلام ہیں۔ جلد میں مرزا دبیرؔ کے صرف ۲۶ سلام ہیں۔ ابتدا میں سلطانؔ کا سلام ہے۔ مطلع اور مقطع یہ ہیں ؎

خمیدہ درِ شاہ پر سر رہے　　سلامی جو سیدھا مقدر رہے
دعا ہے یہ سلطانؔ کی یا کریم　　تقی پر سدا ظلِّ داور رہے

دفترِ ماتم کی ان تینوں جلدوں (شانزدہم تا ہیجدہم) میں مسلسل ردیف وار سلاموں کی

تعداد ۳۴۲ ہے۔ ان میں سے مرزا دبیر کے صرف ۱۲۴ سلام ہیں۔ باقی ۲۱۸ سلام ان کے شاگردوں کے ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

مرزا اعلام محمد نظیر، حکیم میر محمد حسین برادر نسبتی مرزا دبیر، میر صفدر علی خاں صفدر، نواب حاجی بیگم حاجی دختر محمد علی شاہ بادشاہ، سلطان عالیہ بیگم دختر نصیر الدین حیدر بادشاہ، نواب امام باندی صاحبہ تخلص عفت، شبیر، نظیر، حر، ثواب، والا قدر، قدیر، مریخ، منیر، عظیم، تسخیر، ثابت، لطیف، فہیم، فدا، سلیم، شمیم۔

دفتر ماتم جلد نوزدہم یہ جلد مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ میں مئی ۱۸۹۷ء میں ۴۰۴ صفحوں میں چھپی تھی۔ اس میں ۴۶ مخمس سلام ہیں مخمسات میں وہ مخمس بھی ہے جو ہفت بند ملا کاشی علیہ الرحمۃ پر فارسی میں مصرع لگا کر دبیر نے مخمس کیا ہے۔ یہ پہلے شمس المشرقین کے نام سے چھپ چکا تھا۔ اور اس جلد میں دوبارہ شامل کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں میر صفدر حسین لکھتے ہیں:۔

"ملا حسن کاشی در مناقب امیر المومنین ہفت بند نظم نمودہ۔ مرزا دبیر ہر بیتش را مخمس نمودہ وبر ہر دو مصرع سہ مصراع افزودۂ لاریب آں جناب در فارسی و اردو و عربی در ہمہ زبان نظم فرماید۔"[۴۵]

دفتر ماتم جلد بستم مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ جولائی ۱۸۹۷ء میں ۴۸۲ صفحوں میں چھپی تھی۔ اس میں ردیف وار رباعیاں، نوحے، واقعات، تضمینیں، مناجات، واقعات وغیرہ متفرق کلام ہے۔

پروفیسر ادیب مرحوم نے مراثی دبیر کے متعلق چند اہم یادداشتیں درج کی ہیں۔ انھوں نے دفتر ماتم کی ۱۴ جلدوں میں ہر مرثیے کے بندوں کی تعداد بھی لکھی ہے۔ اس طرح ان تمام ۱۴ جلدوں میں ۴۰۶۰ بند ہیں۔ موصوف نے مطبوعہ مراثی انیس کے بندوں کی تعداد بھی ۲۵۹۶ لکھی ہے۔ اور نتیجہ میں دبیر کے ۱۴۶۴ بند زیادہ دکھائے ہیں۔ جدید تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ دفتر ماتم کی جلدوں میں بندوں کی تکرار اچھی خاصی موجود ہے۔ دفتر ماتم کی پانزدہم جلد "مثنوی احسن القصص" کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

کہ شاعر نے اس میں ایسے ایسے مضامین لطیفہ و قصص عجیبیہ و غریبیہ کو نظم فرمایا ہے کہ جس کے پڑھنے کا کمال درجہ فرح و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور معراج نامہ کے مضامین بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ موصوف نے دفترِ ماتم کی جملہ ۲۰ جلدوں کی تعداد ۴۴۰۲ لکھی ہے۔ ۱۴ جلدوں میں مرثیے ہیں اور ان کے صفحات کی مجموعی تعداد ۳۰۱۲ ہے۔ یہ جلدیں مطبع شاہی، مطبع فیض احمدی، مطبع شمس العلوم، مطبع دبدبۂ احمدی اور مطبع جعفری میں چھپی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی جلد مطبع سبطینیہ، مطبع علوی، مطبع شوکت جعفری لکھنؤ میں نہیں چھپی ہے۔ یہ قدیم ترین جلدیں ہیں جو ہماری نظر سے گزری ہیں۔ دبیر کے مرثیوں کی تکرار کے بارے میں ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی کی کتاب سبع مثانی کا عکس ہے جو پروفیسر محمد زماں آزردہ صاحب نے زرِ کثیر خرچ کر کے حاصل کیا ہے۔ خبیر صاحب ص۲ اور ص۳ میں لکھتے ہیں:-

"اکثر بند دو دو چار چار مرثیوں میں مشترک۔ مثلاً دفتر ماتم کی چھٹی جلد اس میں ایک مرثیہ طبع ہوا ہے۔ "ملتا ہے مزار روح کو حیدرؑ کی شان سے" نویں بند کے بعد سے جتنے بند ہیں وہ دوسرے مرثیے (مطلع) "فرزند علی برج امامت کا قمر ہے" میں بھی دوسرے بند کے بعد وہی بند ہیں۔ قریب قریب یہی عالم ہر مرثیہ کا ہے۔ دبیر کا ایک مشہور مرثیہ "کوہ رقیم پہ جو علیؑ کا گزر ہوا" اکثر بند جو اس مرثیے کے اوّل میں ہیں وہی آخر میں۔ اول میں ایک مطلع بھی لگا ہوا ہے۔ "اے منبر حسینؑ نیا اوج آج دے" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتبوں نے اجرت کتابت بڑھانے کے واسطے یہ بند مکرر لکھ دیئے۔ اور صاحبان مطبع نے کچھ اعتنا نہ کی بعض مختصر مرثیے طولانی اور طولانی مرثیے مختصر نظر آتے ہیں۔ کسی مرثیے میں خود مرزا دبیر کے کسی دوسرے مرثیے سے پیوند دیا گیا ہے۔ کسی میں ان کے کسی شاگرد یا کسی اور مرثیے گو کے بند مخلوط کر دیئے گئے ہیں۔ بعض مرثیے ایسے بھی ملے جن کے بند بالکل غیر مربوط ہیں۔ عجب نہیں کہ چند آدمیوں نے مل کر یہ مرثیے مجلسوں میں نقل کئے ہوں۔ اور اپنی رائے کے موافق کل مرثیہ ترتیب دے لیا ہو۔ جو مرثیے یا بند چھوٹ گئے وہ تصنیف کر کے مرثیہ مکمل کر لیا اور کسی رنگین کے ہاتھ

فروخت کر لیا۔ ۔۔۔۔ اکثر مطبوعہ مرثیے ایسے بھی ملتے ہیں جن میں دس دس بیس بیس بند ندارد اور مرثیہ بے ربط۔ ان کی بھی وہی صورت ہوئی تو عجب نہیں کہ مصنف نے بر بنائے اختصار چند بند اول سے یا درمیان سے چھوڑ کر کچھ کلمات نثر بیان کر کے تھوڑا بہت مرثیہ پڑھ دیا۔ وہ مرثیہ اس طرح مجلس میں نقل ہوگیا جسے اہل مطبع نے چھاپ دیا۔"

جناب خبیر لکھنوی کے بعد جناب ضمیر اختر نقوی صاحب نے اشاریۂ مرزا دبیر ص ۲۰-۲۱ مطبوعہ اگست ۱۹۷۶ء میں مکرر مرثیوں کی اور بھی مثالیں پیش کی ہیں کہتے ہیں:۔

"جلد یازدہم میں یہ مرثیہ ۱۰۲ بند کا ہے۔

"ہوتا ہے عیاں مصحف رب دوسرا سے"

اسی مرثیے کے آخری ۵ بند لے کر نیا مطلع لگا کر اسی مرثیہ کے بعد مکرر درج کیا گیا ہے

"شبیر وقار شرف آل عبا ہے"

جلد سیزدہم کا یہ مرثیہ

"تسبیح امامت جو گری خاک شفا پر" ۱۲۲ بند کا شائع ہوا ہے

اسی جلد میں یہ مرثیہ "خاصان خدا کو جو محبت ہے خدا سے"

۱۴ بند کے بعد پھر یہی مرثیہ شروع ہو جاتا ہے۔

"تسبیح امامت جو گری خاک شفا پر" اور یہ مرثیہ

"خاصان خدا کو جو محبت ہے خدا سے" ایک اور مرثیے کا ٹکڑا ہے۔ جو اس جلد میں اس مطلع سے شائع ہوا ہے۔

"اے مومنو سب خلق پہ احسان علیؑ ہے" جلد دہم کا یہ مرثیہ

"جس روز سے ہے ملک خضر آب بقا پر"

۴۶ بند کا ہے۔ اس کے بعد بند نمبر ۷ سے دوسرا مطلع شروع ہوتا ہے اور یہاں سے پورا مرثیہ دوسری مرثیہ اسی جلد میں شائع ہوا ہے۔

"حرز علم احمد مختار ہے عباسؑ"

جلد یازدہم کا یہ مرثیہ الگ شائع ہوا ہے اور ایک دوسرے مرثیہ میں بھی شامل ہے۔

ع "شبیہ وقار مشرف آل عبا ہے"

اور اس مرثیہ کا ایک مطلع ثانی بھی ہے۔ بند نمبر ۹۵ سے اس مرثیہ کے ساتھ شامل ہے۔

ع "ہوتا ہے عیاں مصحف رب دوسرا ہے"

جلد دوازدہم میں ۴۳ بند کا مرثیہ شائع ہوا ہے۔

ع "کوفے میں جو پابند بلا ہو گئے مسلم"

دراصل یہ ایک مشہور مرثیہ کا ٹکڑا ہے جس کا مطلع ہے

"کوفہ جو ہوا رشک چمن فصل چمن میں"

یہ مرثیہ جلد ششم میں اس مطلعے سے درج ہے

"کوفے میں بہار آئی جو گلگشت چمن کو"

یہ مرثیہ مختصر جلد ششم میں چھپا ہے اور جلد دوازدہم میں طولانی ہے جس کا مطلع ہے۔

"اے مومنو کرلو علی اکبرؑ کی زیارت"

جناب کاظم علی خاں نے تلاش دبیر ص ۳۰۲ میں دفتر ماتم جلد ۱۱ کا مرثیہ نمبر ۴ درج کیا ہے۔

"زنداں میں جب کہ بند عزاں حرم ہوئے" ۵۲ بند

یہ مرثیہ دراصل اس مرثیہ کا ضمنی مطلع ہے جو دفتر ماتم جلد ۱۱ میں ہے اور وہ یہ ہے۔

"عاشور محرم سے یہ نیرنگ جہاں ہے"

اسی طرح انھوں نے تلاش دبیر کے ص ۲۸۶ مرثیہ نمبر ۳۴ اور ص ۳۱۴ کے مرثیہ نمبر ۱۰ کو دو مرثیے قرار دئے ہیں۔ حالانکہ ان میں مشترک بند ہیں۔ ان کی نشاندہی کرنی چاہیے تھی۔ مرثیہ ۱۱۶ بند میں علحدہ بھی چھپا تھا۔ صفحہ ۲۵ میں یہ عبارت ہے:۔

"بتاریخ نویں ماہ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہجری مطبوعہ اثنا عشری بحسن اہتمام سید سجاد علی مقام لکھنؤ محلہ فراش خانہ وزیر گنج"

قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں بندوں کی تعداد زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک مرثیہ ہے "جب پریشان ہوئی مولا کی جماعت رن میں" یہ تلاش

دبیر صفحہ ۲۹۰ میں ۳۵ بند کا دکھایا گیا ہے۔ امیر علی صاحب (اردو پبلشرز لکھنؤ) کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ اس میں ۳۷ بند ہیں۔ اور یہ ۱۲۸۹ھ ہجری کا مکتوبہ ہے۔

مرثیہ۔ "ہے قصد کچھ فضائل باقر رقم کروں"۔ تلاش دبیر میں اس میں صرف ۳۲ بند دکھائے گئے ہیں جب کہ ایک قلمی نسخے میں اس کے ۵۰ بند موجود ہیں۔

مرثیہ "جب متصل مسجد کوفہ حرم آئے"۔ تلاش دبیر ص ۲۹۷ میں اس کے ساتھ ۶۱ بند درج کئے گئے ہیں۔ ہم نے دو قلمی نسخوں میں اس کے ۷۴ بند دیکھے ہیں۔ یہ ۱۲۵۳ھ اور ۱۲۵۸ھ کے مکتوبے ہیں۔

مرثیہ۔ جب ہو گیا تباہ سفینہ نجات کا۔ تلاش دبیر ص ۲۹۷ میں اس کے صرف ۴۳ بند دکھائے گئے ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں اس میں ۶۵ بند ہیں۔ اور یہ مرثیہ ۱۲۶۱ھ ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے نسخے میں ۷۹ بند ہیں۔

دبیر کے مطبوعہ مرثیوں اور قلمی نسخوں میں بڑا فرق ہے۔ دفتر ماتم کی جلدوں کی ترتیب میں کئی نقائص ہیں۔ یہ مرثیے مربوط نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر یہ مرثیے دیکھئے۔

مرثیہ۔ طغرا نویس کن فیکون ذوالجلال ہے ۔ ۶۴ بند

یہ مرثیہ دفتر ماتم جلد اول میں چھپا ہوا ملتا ہے۔ ایک بند میں امجد علی شاہ کی تعریف ملتی ہے

ع امجد علی شاہ فلک بارگاہ ہے۔

تلاش دبیر ص ۵۹ میں مرقوم ہے کہ مرثیہ امجد علی شاہ کے عہد حکومت (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۷ء) میں لکھا گیا ہے۔ راقم الحروف کو ذخیرہ رشید صاحب (مراثی دبیر) کی جلد ۷ میں اس کا ایک قلمی نسخہ ملا۔ اس میں ۱۶۸ بند ہیں۔ امجد علی شاہ والا بند میری نظر سے نہیں گذرا ہے۔ مرثیہ کا مطلع ثانی یہ ہے۔ ؎

برج شرف کے شمس و قمر ہیں حسنؑ حسینؑ ۔۔۔ دُرِ نجف کے لعل و گہر ہیں حسنؑ حسینؑ
خیر الورا کے لخت جگر ہیں حسنؑ حسینؑ ۔۔۔ خیر النسا کے نور نظر ہیں حسنؑ حسینؑ
دو گل ہیں ایک باغ دل مرتضیٰ کے ہیں
دو شعلے اک چراغ رخ مصطفیٰ کے ہیں

بند نمبر ۲۴ کے تحت یہ مطلع ہے ؎

سرتاج کائنات حسنؑ اور حسینؑ ہیں

یہ مطلع دفتر ماتم اور سبع مثانی میں غلطی سے ایک الگ مرثیئے کے تحت ۱۴۲ اور ۱۳۳ بند میں چھپا ہے۔ قلمی نسخہ درست ہے اور یہ نورالحسن کوکب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

کتابیات

مقدمہ کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:-

لہ حیات دبیر از سید ثابت حسین لکھنوی، شاعر اعظم مرزا سلامت علی دبیر (اکبر حیدری)، تحقیقی نوادر (اکبر حیدری)، ماہنامہ کتاب نما مطبوعہ اگست ۱۹۷۷ء مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی (مضمون مرزا دبیر تحقیقی مطالعہ از اکبر حیدری)، مرزا سلامت علی دبیر، ڈاکٹر محمد زمان آزردہ، جواہر دبیر از سید مرتضیٰ حسین فاضل، مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور ۱۹۸۶ء۔ ۲ہ حیات دبیر ص ۳۸۹، ۳ہ آب حیات ص ۵۳۶ محمد حسین آزاد، ۴ہ شمس الضحیٰ ص ۹۷ از مولوی میر صفدر علی مطبوعہ ۱۲۹۸ھ، ۵ہ آب حیات ص ۵۳۶، ۶ہ شمس الاضحیٰ ص ۹۷، ۷ہ حیات دبیر ص ۲۸۰، ۸ہ یہ اشعار دیوان دبیر (مملوکہ مرزا محمد صادق مرحوم) قلمی غیر مطبوعہ سے لئے گئے ہیں۔ ۹ہ بہار گلشن ہند حصہ دوم مولفہ حافظ برکت اللہ رضا لکھنوی فرنگی محل مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱۹۰۵ء، ۱۰ہ یہ غزل دبیر نے برق لکھنوی (متوفی ۱۸۵۷ء) کے مشاعرے میں بادشاہ غازی الدین حیدر (متوفی ۱۸۲۷ء) کے عہد سلطنت میں پڑھی تھی۔ مرزا کلب حسین نادر (متوفی ۱۸۷۷ء) نے اس غزل کو مخمس کیا اور دیوان غریب (۱۲۸۳ھ) میں شامل کیا۔ ۱۱ہ خوش معرکۂ زیبا ص ۳۸۴ مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونوی۔

۱۲ہ نواب محسن الدولہ۔ بادشاہ غازی الدین حیدر کے نواسے اور محمد علی شاہ کے داماد تھے۔ نواب صاحب لکھنؤ کے رئیس اعظم تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۹۴ھ ہجری میں ہوا۔ اور ملکۂ آفاق کے امام باڑے گومتی پار (ڈالی گنج) میں اپنی زوجہ کے پہلو میں دفن ہیں۔ قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

گفت ہاتف بہر تاریخ وفات آں جناب

کوکب اوج جلالت شد نہاں اندر زمیں

۱۳ہ فسانۂ عجائب ص ۱۵، ۱۴ہ سرور ریاض ص ۲۳ از محمد ریاض الدین تخلص ریاض مطبوعہ ۱۸۶۲ء مطبع حیدری آگرہ

۱۵؎ میر محمد باقر۔ محمد علی شاہ کے زمانے میں مشہور و معروف تاجر تھے۔ عزاداری دل و جان سے کرتے تھے۔ انھوں نے چوک لکھنؤ میں ایک خوبصورت امامباڑہ ۱۲۵۳ھ میں تعمیر کیا۔ جو اب تک اچھی اور مضبوط حالت میں موجود ہے۔ اس میں میر ضمیر اور مرزا دبیر وغیرہ پڑھتے تھے۔ برق نے امامباڑہ کی تاریخ کہی۔ دو شعر درج ہیں ؎

میر باقر در دریائے سخا بحرِ عطا　　سیدِ باقر و عالی نسب و ذی جاہی
گفت تاریخ بنا روحِ امین مکرم　　قبلۂ اہلِ جہاں مسند شاہنشاہی

(دیوان برق ص۶۵۴ مطبوعہ ۱۸۵۳ء)

۱۶؎ سوانح لکھنؤ (قلمی)، مملوکہ ادیب مرحوم، ۱۷؎ ایضاً، ۱۸؎ خوش معرکۂ زیبا ص۳۸۴، ۱۹؎ انشائے فرقانی ص۳ احمد حسین فرقانی، ۲۰؎ ایضاً، ۲۱؎ اودھ اخبار لکھنؤ مطبوعہ ۱۴ مارچ ۱۸۷۵ء، ۲۲؎ شمس الضحیٰ ص۱۶۸ ۲۳؎ حیاتِ دبیر جلد دوم ص۸۵ مطبوعہ جارج اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۵ء، ۲۴؎ خوش معرکۂ زیبا ص۳۸۴، ۲۵؎ سوانح لکھنؤ (قلمی)، ۲۶؎ مثنوی معراج المضامین ص۱۷ مطبع گلشن باقری لکھنؤ، ۲۷؎ کلیاتِ منیر ص۱۲۶ مطبع ثمر ہند ۱۲۹۶ھ، ۲۸؎ شمس الضحیٰ ص۱۲۷۔ ۲۹؎ حیاتِ دبیر ص۱۰۷، ۳۰؎ اودھ اخبار مطبوعہ ۱۴ دسمبر ۱۸۷۴ء ۳۱؎ حیاتِ دبیر ص۱۲۹، ۳۲؎ کلیات منیر ص۵۴۵ تا ص۵۴۷، ۳۳؎ ریاض لطافت ص۳۶۳ مطبع شوکت جعفری لکھنؤ۔ ۳۴؎ ماہِ نو راولپنڈی دبیر نمبر ص۶۱ ۱۹۷۵ء، ۳۵؎ صبحِ گلشن ص۳۰ نواب صدیق حسن خاں مطبوعہ ۱۸۷۸ء مطبع شاہی بھوپال، ۳۶؎ آبحیات ص۵۴۱، ۳۷؎ شمس الضحیٰ ص۹۸، ۳۸؎ ایضاً ص۱۰۶، ۳۹؎ حیات دبیر ص۶۳۳ ۴۰؎ مرثیہ ہائے مرزا دبیر جلد دوم ص۳۳۸، ۴۱؎ حیات دبیر جلد دوم ص۲۷۵، ۴۲؎ ماہِ نو راولپنڈی مرزا دبیر نمبر ص۳۳۸، ۴۳؎ نوادر مرزا دبیر ص۶۲ مطبوعہ ماہ نو راولپنڈی مرزا دبیر نمبر۔ ۴۴؎ حیات دبیر ص۲۷۶، ۴۵؎ شمس الضحیٰ ص۹۹۔

مراثی دبیر کے بارے میں حیرت انگیز انکشاف

جناب کاظم علی خاں صاحب نے تلاشِ دبیر میں دو مقامات پر یعنی صفحہ ۴۴ - ۴۵، اور صفحہ ۲۷۹ - ۲۸۱ میں ذیل کے مراثی الحاق قرار دیئے ہیں۔ کاش وہ اور دوسرے لوگ ان کے مصنّف کے بارے میں تحقیق و جستجو فرماتے۔

(۱) جو زائر حسین علیہ السلام ہو۔

یہ مرثیہ پہلی مرتبہ دفتر ماتم جلد چہارم مطبع شمس العلوم لکھنؤ میں ۱۳۱۴ ہجری مطابق ۱۸۹۶ء میں چھپا تھا۔ ہماری رائے میں یہ مرثیہ غالباً مرزا دبیر ہی کی تصنیف ہے۔ اس کے تین قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ دو ذخیرۂ ادیب مرحوم میں مراثی دبیر میں ۴۷ بند میں ہیں اور ایک نسخہ ذخیرۂ رشید میں ہے۔ مطلع کا یہ مصرعہ دبیر کے ایک قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیہ جس کا مطلع ہے۔

"انگشتری عرش کا یارب نگیں دکھا"

جو "باقیاتِ دبیر میں شامل کیا گیا ہے۔ بند نمبر ۸۲ میں مصرعہ ثالث کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

(۲) شیر خدا کا شیر ہے آہوئے مصطفےٰؐ

یہ دفتر ماتم جلد پنجم مطبع جعفری میں ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) میں چھپا تھا۔ اس کے دو قلمی نسخے ذخیرۂ رشید میں دبیر کے نام سے موجود ہیں۔ مرثیہ دبیر ہی کا ہے۔

(۳) عباس کو جو سبطِ نبیؐ نے علم دیا

مرثیہ دفتر ماتم جلد ہفتم مطبع علوی لکھنؤ میں ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) کو چھپا تھا۔ ثابت لکھنوی نے اس کے الحاقی ہونے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا ہے۔

(۴) شاہوں سے کم نہیں ہیں غلامانِ مصطفےٰؐ

مرثیہ دفتر ماتم جلد ہشتم مطبع شوکت جعفری میں پہلی مرتبہ ۱۸۸۶ء میں ۶۱ بند میں چھپا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دبیر کے نام سے ذخیرۂ رشید میں موجود ہے۔ میں نے قلمی اور مطبوعہ دونوں نسخوں کا مقابلہ بھی کیا ہے۔ ثابت لکھنوی (حیاتِ دبیر) ص ۲۷۹ اور دوسرے لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مرثیہ میاں مشیر شاگرد دبیر کا ہے۔

مطلع اور مقطع۔

مطلع:
شاہوں سے کم نہیں ہیں غلامانِ مرتضیٰ ۔۔۔ تھامے ہوئے ہیں گوشۂ دامانِ مرتضیٰ
شہزادیاں ہیں جملہ کنیزانِ مرتضیٰ ۔۔۔ ہردم ہر ایک آن ہیں قربانِ مرتضیٰ

کیا الفت جناب شہِ مشرقین ہے
مال ایک سمت جان بھی نذرِ حسینؑ ہے

مقطع:
سر تو یہ کہتا تھا کہ قیامت ہوئی بپا ۔۔۔ بے ہوش فرطِ غم سے ہوئی بنتِ مصطفیٰ
بس اے دبیر اب ہے تجھے شدتِ بکا ۔۔۔ زہراؑ سے عرض کر کہ بخونِ شہِ ہدا

اہلِ سخن کے آگے ہو میرا سخن درست
آزار نے ستایا ہے فرماؤ تن درست

مرثیہ کے دو اور قلمی نسخے رشید صاحب کے پاس ہیں۔ ایک میں انیس اور دوسرے میں مشیر تخلص ہے۔ بقول رشید صاحب یہ مشیر شاگرد دبیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جس نسخے میں انیس تخلص ہے۔ اس میں ۶۴ بند ہیں اور یہ ۱۲۷۸ھ ہجری (۱۸۶۱ء) کا مکتوبہ ہے۔ مقطع یہ ہے:

سر کا یہ کہنا تھا کہ قیامت ہوئی بپا ۔۔۔ غش آگیا بتولؑ کو تھرائے مصطفیٰؐ
بس اے انیس اب ہے تجھے شدتِ بکا ۔۔۔ زہراؑ سے عرض کر کہ بخونِ شہِ ہدا

اہلِ سخن کے آگے ہو میرا سخن درست
آزار نے ستایا ہے کہ دیجئے تن درست

آخر میں ترقیمہ بھی موجود ہے:

"تمت تمام شد۔ بدست خط بے ربط بندہ نور محمد بمقام باڑی علاقہ رانا صاحب بہادر

بمقام جناب قاضی صاحب سید نوازش علی صاحب برائے خواندن خود صورت اتمام پذیرفت - مورخہ بست ویکم شہر رجب المرجب ۱۲۷۸ھ ہجری"۔

(۵) یارو غمِ حسینؑ کی عزت عظیم ہے۔

یہ مرثیہ پہلی مرتبہ دفتر ماتم جلد نہم مطبع شوکت جعفری میں ۱۸۸۶ء میں چھپا تھا۔ اس کے دو قلمی نسخے امیر علی کے پاس موجود ہیں۔ پہلے میں ۳۹، اور دوسرے میں ۴۲ بند ہیں۔

(۶) کیا ذات ذوالجلال غفور و رحیم ہے۔

یہ جلد یازدہم مطبع دبدبۂ احمدی میں ۱۸۹۶ء میں چھپا تھا۔ امیر علی کے پاس قلمی نسخہ ہے۔ اس میں دبیر تخلص ہے۔ غالباً انہی کا ہے۔

(۷) ہر آہ علم ہے یہ عزا خانہ ہے کس کا

مرثیہ پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ میں دسمبر ۱۸۷۵ء جلد اول میں چھپا تھا۔ اسے آخری مرتبہ مرزا محمد طاہر رفیع نے اپنے توثیق نامے کے ساتھ مطبع نولکشور میں مارچ ۱۹۳۷ء میں شائع کیا تھا۔ مرثیہ یقیناً مرزا دبیر کا ہی ہے۔ اس کے تین قلمی نسخے مجھے ملے۔ ایک ۱۲۷۲ھ اور دوسرا ۱۲۷۹ھ کا ہے۔ دونوں میں دبیر تخلص ہے۔ یہ نسخے ذخیرۂ رشید میں موجود ہیں۔

مقطع یہ ہے ؎

خاموش دبیر اب کہ پھٹا جاتا ہے سینہ   شبیرؑ سے کر عرض کہ اے شاہِ مدینہ
امداد مری کیجیے از بہر سکینہؑ   دریائے تباہی میں ہے خادم کا سفینہ
تم نوحِ غربیاں ہو ہر ایک دکھ کی دوا ہو
روضے پہ بلا لو مجھے اعجاز نما ہو

تیسرا نسخہ ذخیرۂ ادیب میں ہے۔ اس میں ۳۰ بند ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ ثابت لکھنوی نے (حیاتِ دبیر ص ۱۰۶، دربارِ حسین ص ۱۵۱) اسے بغیر کسی ثبوت اور تحقیق کے مرزا دبیر کے بھائی مرزا غلام محمد نظیر کا کلام قرار دیا ہے۔ جناب کاظم علی خان صاحب نے بھی اسے دبیر کا الحاقی مرثیہ تسلیم کیا ہے۔

(۸) ہم طالع ہما مرادِ ہم رسا ہوا

اس مرثیے کو دبیر کا کہنا گمراہ کن ہے۔ یہ محمد تقی خان اختر شاگرد مرزا دبیر کا ہے اور پہلی مرتبہ ۱۸۸۸ء میں مطبع اثنا عشری وزیر گنج لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک نسخہ رشید صاحب کے کتب خانے میں میری نظر سے گذرا ہے۔ یہ مرثیہ غلطی سے سید صغیر حسن شمسی زیدی دہلوی نے مرزا دبیر کے نام سے ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) میں مطبع یوسفی دہلی سے شائع کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ بھی ذخیرۂ ادیب مرحوم میں موجود ہے۔

(۹) برباد جب مرقعِ خیر النساءؑ ہوا

مرثیہ کے مصنف کے بارے میں عجیب روایتیں گھڑی گئی ہیں۔ بقول کاظم علی خان "ضمیر اختر نقوی کے مطابق یہ "حرز گلوئے مصحف یزداں حسینؑ ہے" (مشمولہ دفتر ماتم جلد ۷) کا ایک ضمنی مطلع ہے۔ اس ضمنی مطلع کو ثابت لکھنوی نے "دربارِ حسینؑ" ص ۱۵۱ میں دبیر کے بجائے دبیر کے بھائی نظیر کا بتایا ہے۔ ضمیر اختر نقوی صاحب ثابت لکھنوی کی رائے سے متفق نہیں (اشاریہ مراثی مرزا دبیر ص ۱۶ تا ص ۱۸")۔ خان صاحب پھر فرماتے ہیں :-

"راقم کی تحقیق کے مطابق "برباد جب مرقعِ خیر النساءؑ ہوا" مرثیہ "بانوئے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے"۔ (مشمولہ مرثیہ مرزا دبیر ۲ مطبع نول کشور، کا نپور طبع اپریل ۱۹۰۵ء طبع دوم ص ۲۱۶) میں ضمنی مطلع کی حیثیت سے طبع ہوا ہے"۔ (تلاشِ دبیر ص ۲۸)

دفتر ماتم جلد ہفتم مطبع علوی لکھنؤ مطبوعہ بستم شہر ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۳ء) کے ص ۹۰ میں مرزا دبیر کا ایک مرثیہ ۸۹ بند میں چھپا ہے۔ مطلع یہ ہے۔

ع "حرز گلوئے مصحف یزداں حسینؑ ہے"

مقطع بند نمبر ۸۹ کے تحت اس طرح درج ہے۔

تھے بین اضطراریہ خیر النساءؑ کے بین ۔۔ حور و ملک تڑپتے تھے لاشے کے جانبین
اب اے دبیر کہہ یہ صبا سے بشور و شین ۔۔ بَلِّغْ تَحِیَّتِیْ وَ سَلَامِیْ اِلَی الْحُسَیْن

اور عرض کر کہ گنج تولا عطا کرو
جاگیرِ کربلائے معلیٰ عطا کرو

مرثیے میں مطلع کے علاوہ یکے بعد دیگرے ۱۶ مطلعے ہیں۔ مگر دفتر ماتم میں کسی بند کے

ساتھ "مطلع" نہیں لکھا گیا ہے۔ ص۹۲ میں مطلع ثانی یہ دکھایا گیا ہے۔

"جب عازم جہاد امام مبیں ہوا"

بند ۶۷ کے تحت ص۹۷ میں مطلع ثالث درج ہے ؎

برباد جب مرقعِ خیر النساء ہوا — اور یک قلم، قلم چمن مصطفٰؐ ہوا
پھر اُقتلوا الحُسینؑ کا غل جا بجا ہوا — سبطِ نبیؐ پہ نرغۂ اہلِ جفا ہوا
خنجر قلق کا فاطمہؑ کے دل پہ پھر گیا
زہراؑ کا چاند ظلم کے بادل میں گھر گیا

جناب سید محمد رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں مرزا دبیر کے قلمی مراثی کی سات ضخیم جلدیں ہیں۔ قلمی جلد ششم میں کچھ قلمی مرثیے مرزا اوجؔ اور افضل حسین ثابتؔ (مصنف حیاتِ دبیر) کے ہیں۔ اسی جلد میں تیسرا مرثیہ جس کا مطلع ہے۔ ع

برباد جب مرقعِ خیر النساء ہوا

چھپا ہوا ملتا ہے۔ اس میں ۲۰ بند ہیں۔ اٹھارہ۱۸ بند وہی ہیں جو دفتر ماتم کی جلد ہفتم مطبع علوی میں مرثیہ "حرز گلوئے مصحف یزداں حسینؑ ہے" میں بند ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۸، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵ اور ۸۹ کے تحت درج ہیں۔ مقطع میں اوجؔ تخلص ہے ؎

مابینِ کربلا تھے یہ خیر النساء کے بین — حور و ملک تڑپتے تھے لاشے کے جانبین
اب کہہ یہ اوجؔ بادِ صبا سے بشور و شین — بَلِّغْ تَحِیَّتِیْ وَ سَلَامِیْ اِلَی الْحُسَیْن
دنیا میں مجھ کو گنج تولا عطا کرو
جاگیر کربلائے معلیٰ عطا کرو

مقطع کے بعد یہ رباعی بھی ہے ؎

خاطر کو کبھی نہ مطمئن دیکھا — اے عمر دراز خوب یہ سن دیکھا
ہلتا ہے جو سر تو کہتے ہیں موئے سفید — راتوں نے شباب کے یہ دن دیکھا

اوجؔ کا یہ مرثیہ ۱۳۰۶ھ ہجری مطابق ۱۸۸۸ء میں خود ان کی اور ثابتؔ لکھنوی کی

زندگی میں مطبع جعفری لکھنؤ میں چھپا تھا۔ سرورق پر یہ عبارت ہے۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن"

"تصنیف لطیف جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوج خلف الصدق جناب مرزا سلامت علی صاحب دبیر مرحوم۔ ع "بر باد جب مرقع خیر النسار ہوا"

کاپی رائٹ اس مرثیے کا محفوظ ہے۔ کوئی صاحب بغیر اجازت راقم کے نہ چھاپیں۔

راقم محمد مہدی، مطبع جعفری لکھنؤ میں چھپا۔

یہ بند (بر باد جب مرقع خیر النسار ہوا) پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ کی جلد اول مطبوعہ دسمبر ۱۸۷۵ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ (مجموعہ مرثیہ ہائے مرزا دبیر) میں ذیل کے مرثیہ میں چھپا تھا۔ ع

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے۔

یہ بند مرزا محمد طاہر رفیع نے توثیق نامے کے ساتھ نولکشور کی جلد اول مطبوعہ مارچ ۱۹۳۷ء میں اوپر کے مرثیہ (بانو کے شیر خوار کو ......) میں شامل کیا ہے۔ مگر ایک قلمی اور مستند نسخے میں یہ بند غائب ہے۔ مرثیہ (بانو کے شیر خوار کو .....) ہم نے انتخاب مراثی مرزا دبیر میں ذیل کے مطلع سے ص۴۵ میں درج کیا ہے۔ ع

"اصغر پہ جب کہ پیاس کی شدتِ سوا ہوئی"

اس میں اوپر کا بند نہیں ہے۔

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم نے مرثیہ ع

"حرز گلوئے مصحف یزداں حسینؑ ہے"

جواہر دبیر میں ص۴۷۳ تا ص۴۸۷ شائع کیا ہے۔ ان کے پیش نظر دفتر ماتم جلد ہفتم طبع دوم مطبع شاہی لکھنؤ ۱۹۱۲ء کے علاوہ ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۵ محرم ۱۲۷۳ھ بھی تھا۔ موصوف نے اوپر کا بند (بر باد جب مرقع خیر النسار ہوا) مرثیہ کے متن میں شامل نہیں کیا ہے بلکہ اسے دفتر ماتم کے حوالے سے ص۴۹۳ میں "تحقیق متن" میں شامل کیا ہے۔

ہماری رائے میں زیر بحث بند کسی علیحدہ مرثیے کا مطلع نہیں ہے۔ بلکہ ضمنی مطلع

مرزا دبیرؔ کے مرثیہ (حرز گلوئے مصحفِ یزداں حسین ہے) کا ہی ہے۔

جناب رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میر انیسؔ میں ایک مرثیہ (قلمی) ہے۔ مطلع یہ ہے۔ ع

"شمشادِ بوستانِ ہدایت حسین ہے۔ ۱۰۹ بند مکمل"

قلمی جلد سوم، سائز ۸ × ۵، اوراق ۱۲، کاتب مرثیہ نور الحسن کوکب۔ کوکب خود بھی اعلیٰ پایہ کے مرثیہ گو اور صاحب تصانیف تھے۔ ان کی قلمی کتابیں ایک درجن سے زیادہ رشید صاحب کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ کوکب میر انیسؔ کے بھی ہمعصر تھے۔ مرثیہ کے سرورق پر ذیل کی عبارت نمایاں ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"بعونہ تعالیٰ مرثیہ ہذا تصنیف میاں انیسؔ صاحب در حال شہادت جناب سید الشہدا علیہ السلام بدست خط بندۂ احقر خاکسار نور محمد برائے خواندن خود صورت تحریر یافت۔ امید از ناظرین و سامعین و جمیع مومنین کہ بندہ را بدعائے مغفرت یاد فرمائند۔ بحق دوازدہ امام و چہاردہ معصومین علیہم السلام"

۱۰۹ بند تمام۔ از بستہ حقیر نور محمد عفی عنہ

شمشاد بوستان ہدایت حسینؑ ہے۔

اس نسخے کی خاص بات یہ ہے کہ چہرے میں یکے بعد دیگرے ۲۹ مطلعے ہیں۔ ان میں سے پہلے اور چھٹے مطلع کو چھوڑ کر باقی ۱۶ مطلعے وہی ہیں جو دفتر ماتم اور جواہر دبیر میں دبیر کے نام سے منسوب ہیں۔ البتہ اس نسخے میں یہ مطلع نہیں ہے۔ ع

" حرز گلوئے مصحف یزداں حسینؑ ہے "

انیسؔ کے مطبوعہ نسخوں میں یکے بعد دیگرے صرف آٹھ مطلعے ہیں۔ ذیل کے مطلعے قلمی نسخے میں زیادہ ہیں۔

(۱) دریائے معرفت کا شناور حسینؑ ہے۔

(۲) مختار کارخانۂ یزداں حسینؑ ہے۔

اس بات کا فیصلہ کرنا اب دشوار ہے کہ یہ مطلع دبیر کے ہیں یا انیس کے۔ مزید تفصیلات کے لئے ہمارا مضمون "میر انیس کا ایک مرثیہ" مطبوعہ نیا دور لکھنؤ بابت دسمبر ۱۹۷۷ء ملاحظہ ہو۔

(۱۰) اے مومنو کس باغ میں عالم ہے خزاں کا

مرثیہ پہلی مرتبہ دفتر ماتم جلد یازدہم مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ ۱۸۹۶ء میں چھپا۔ اس کے بعد دو سال یہ غلطی سے مجموعہ مرثیہ میر ضمیر میں شائع ہوا۔ یہ مرثیہ ذخیرۂ ادیب مرحوم کے قلمی مراثی دبیر میں ۳۵ بند میں مقطع سمیت درج ہے۔ میری رائے میں مرثیہ دبیر ہی کا ہے اور مجموعہ مرثیہ میر ضمیر صـ ۲۵۹ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ میں غلطی سے دوبارہ شائع ہوا ہے۔

(۱۱) جب فوج حسینی گئی گلزار ارم میں

مرثیہ پہلے دفتر ماتم جلد دہم مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ میں دسمبر ۱۸۹۶ء میں ۵۶ بند میں چھپا تھا اس کے بعد یہ مجموعہ مرثیہ میر ضمیر صـ ۶۰ میں دوبارہ ۴۵ بند میں چھپا۔ مرثیہ دبیر کا ہے۔

(۱۲) غل ہے میداں میں کہ عباس علی آتے ہیں

یہ سب سے پہلے دفتر ماتم جلد ہشتم مطبع شوکت جعفری لکھنؤ میں ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) میں ۶۴ بند میں چھپا تھا۔ اس کے ۱۲ سال کے بعد دوبارہ غلطی سے مجموعہ مرثیہ میر ضمیر صـ ۲۴۵ میں اتنے ہی بند میں شائع ہوا۔ مرثیہ دبیر کی تصنیف ہے۔

(۱۳) یارو غم شہ کے لئے اعضائے بشر ہیں

مرثیہ پہلی مرتبہ دفتر ماتم جلد یازدہم (مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ ۱۸۹۶ء) میں ۵۳ بند میں چھپا تھا۔ کاظم علی خان (تلاش دبیر صـ ۲۸۱) اور ضمیر اختر نقوی کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مرثیہ کلیات ضمیر میں چھپا ہے۔ میرے پاس مجموعہ مراثی کی جلد اول ہے۔ اس میں یہ نہیں ملتا ہے۔ البتہ ایک قلمی نسخے میں موجود ہے۔ اس میں ۴۶ بند ہیں۔ مرثیہ دبیر ہی کا ہے۔

(۱۴) گلگونۂ رخسار فلک گرد ہے رن کی

مرثیہ پہلی مرتبہ اپریل ۱۸۷۶ء میں مرزا دبیر کی وفات کے کوئی ایک سال بعد مطبع اودھ اخبار لکھنؤ کی جلد دوم میں ۱۲۰ بند میں چھپا تھا۔ ثابت لکھنوی (دربار حسینؑ ص ۱۷۳) اسے حاجی فقیر حسین عظیم شاگرد مرزا دبیر کا تسلیم کرتے ہیں۔ مطبوعہ کے علاوہ اس کے ۲ دو قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک ذخیرۂ ادیب مرحوم مراثی دبیر میں ۱۰۵ بند پر مشتمل ہے۔ دوسرا راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ یہ ۱۸۶۸ء کا لکھا ہوا ہے اور کم و بیش مطبوعہ نسخے کے مطابق ہے۔ مرثیے کا انتخاب آگے دیا جائے گا۔ مقطع میں دبیر تخلص ہے۔

(۱۵) کیا شور آمد آمد عباس رن میں ہے

یہ مرثیہ پہلی مرتبہ دفتر ماتم جلد سیزدہم مطبع دبدبۂ احمدی ۱۸۹۶ء میں ۷۲ بند میں چھپا تھا۔ اس کے دو سال بعد یہ مجموعہ مرثیہ میر ضمیر ص ۲۳۹ میں ۵۰ بند میں غلطی سے دوبارہ چھپ گیا۔ اس کا ایک مخطوطہ مجھے ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد کے کتب خانے میں دستیاب ہوا مقطع میں دبیر تخلص موجود ہے اور مخطوطہ ۲۸ جمادی الاول ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) کا مکتوبہ ہے۔ کاش جناب کاظم علی خان صاحب اس مرثیے کے بارے میں ہماری کتاب "شاعر اعظم مرزا سلامت علی دبیر" ص ۱۸۹ مطبوعہ اگست ۱۹۷۶ء دیکھنے کی زحمت فرماتے۔

(۱۶) اے مومنو شبیرؑ دو عالم کے شرف ہیں

یہ مرثیہ اپریل ۱۸۷۶ء میں مطبع اودھ اخبار لکھنؤ کی جلد دوم میں ۱۰۷ بند میں چھپا تھا۔ مقطع ذیل میں دیا جاتا ہے ؎

زینبؑ تو چلی خیمے کو کرتی ہوئی زاری — یاں سجدۂ خالق میں جھکا عاشق باری
سجدے میں چڑھا سینے پہ خنجر لئے ناری — اب دم شمشیر کیا حلق پہ جاری
ظالم نے دبیر آہ بڑی بے ادبی کی
کی لاش بھی پامال حسینؑ ابن علیؑ کی

اس کا کوئی قلمی نسخہ مجھے دستیاب نہ ہوسکا۔ اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ واقعی میر صفدر علی کا کلام ہے جیسا کہ تلاشِ دبیر ص ۲۸۲ میں ضمیر اختر نقوی کے حوالے سے لکھا

؎ اس مرثیے کو تلاشِ دبیر ص ۲۸۱ کے مطابق نمبر ۱۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیگا اور مرثیہ نمبر ۱۵ کو مرثیہ نمبر ۱۶ کے تحت دیکھنے لگا۔

گیا ہے۔

(۱۷) عزیزو آج شہادت کی رات آتی ہے۔ ۴۰ بند

اس مرثیے کے بارے میں کاظم علی خان "تلاشِ دبیر" ص۳۰۷ میں خاموش ہیں۔ یہ پہلی بار دفترِ ماتم جلد پنجم مطبوعہ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) میں دبیر کے تخلص سے شائع ہوا تھا۔ بعد میں غلطی سے مجموعۂ مرثیہ میر ضمیر میں ۴۷ بند میں بغیر مقطع کے شائع ہوا۔ ایک قلمی نسخہ نظر سے گذرا جو امیر علی صاحب کے پاس موجود ہے۔ اس میں ۴۵ بند ہیں۔ دوسرا نسخہ ۲۵ بند میں ذخیرۂ ادیب مرحوم۔ کے مراثی مرزا دبیر میں محفوظ ہے۔ دونوں قلمی نسخوں میں تخلص دبیر موجود ہے۔

(۱۸) جب بہرِ وغا عازمِ میداں ہوئے اکبر

مرثیہ دفترِ ماتم جلد سوم مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ کے دوسرے ایڈیشن ۱۸۹۶ء میں ۴۹ بند میں چھپا تھا۔ جناب کاظم علی خان نے تلاشِ دبیر ص۲۹۰ میں اسے مرزا دبیر کا تسلیم کیا ہے۔ یہ مرثیہ دراصل الحاقی ہے اور اسے مرزا دبیر کی طرف منسوب کرنا گمراہ کن ہے۔ یہ مرثیہ حقیقت میں میر خلیق کا ہے اور ذخیرۂ ادیب مرحوم (مراثی میر خلیق) میں اس کے کئی نسخے راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔ ایک نسخے پر ۲ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) کی تاریخ بھی درج ہے۔ اس میں ۶۲ بند ہیں۔ بند نمبر ۴۵ کے تیسرے اور چوتھے مصرعوں پر اصلاح بھی موجود ہے۔ جو بقول ادیب مرحوم میر خلیق کی ہے۔ دوسرا نسخہ بھی ۶۲ بند پر مشتمل ہے۔ اول الذکر نسخہ ادیب مرحوم نے "اسلافِ میر انیس ص۱۵۵ میں مرثیہ نمبر ۲۷ کے تحت درج کیا ہے۔ مرثیہ اس وقت شعبۂ اردو مخطوطات مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔ ذیل میں دو بند (مطلع اور مقطع) پیش کئے جاتے ہیں ؎

جب بہرِ وغا عازمِ میداں ہوئے اکبر اور دیدۂ شبیرؑ سے پنہاں ہوئے اکبر
میداں میں عجب سج سے نمایاں ہوئے اکبر نیزے کو ہلا جنگ کے خواہاں ہوئے اکبر

اعدا میں بڑا شور کہ یہ کون جواں ہے
جو حسنِ محمدؐ کی تجلی سے عیاں ہے

لاشے کو لِٹا لاشوں میں شہ روئے نہایت — زینبؑ نے وہاں سینہ و سر پیٹے بشدت
پھر آئے بہن کو لیے خیمے میں جو حضرت — برپا ہوا ماتم سے عجب شورِ قیامت
نظم ایسی غم انگیز خلیقؔ اب کوئی کیا ہو
بس خاتمہ کے بعد تو مشغولِ دعا ہو

(۱۹) ثابت غمِ شبیرؑ ہے قرآنِ خدا سے

مرثیہ پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ کی جلد اول (اپریل ۱۸۷۶ء) میں ۴۸ بند میں چھپا۔ تھا۔ اس کے بعد دفترِ ماتم جلد پنجم مطبع شوکت جعفری میں دوبارہ شائع ہوا۔ تلاشِ دبیر ص ۲۸۹ میں مرثیہ جناب کاظم علی خان نے درج کیا ہے اور وہ بھی اِسے دبیر کا ہی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ مرثیہ بھی دراصل میر خلیقؔ ہی کا ہے۔ راجہ صاحب محمود آباد کے نادر الوجود کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ ۵۹ بند میں موجود ہے۔ اس کا عکس مجھے مہاراجکمار صاحب نے عنایت فرمایا تھا۔ ذیل میں مطلع اور مقطع درج کئے جاتے ہیں ؎

مطلع ؎ ثابت غمِ شبیرؑ ہے قرآنِ خدا سے — ہر سطر ہر ایک لفظ ہر آیاتِ عُلا سے
کب ماتمِ شبیرؑ بھلا ہو دوسرا سے — مملو ہے قرآن غمِ شاہِ شہدا سے
فرمانِ الٰہی جو سیاہی سے لکھا ہے
قرآن غمِ سرور میں سیہ پوش ہوا ہے

مقطع ؎ خاموش خلیقؔ اب کہ ہے حق تو سے روانا — اللہ سے کر عرض کہ اے ربِّ زمانا
از بہرِ حسینؑ و حسنؑ اے خالقِ دانا — جو مجھ سے جلیس تو انھیں دنیا میں جلانا
مرتا ہوں غم و رنج سے اللہ جلا دے
جلدی مجھے اب شاہِ مطلب سے ملا دے

نسخۂ خلیقؔ میں مرثیے کے چھ بند زیادہ ہیں۔ یعنی بند نمبر ۱۵، ۲۷، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸۔ کاظم علی خان بھی اسے دبیر کا سمجھتے ہیں۔ دونوں نسخوں میں قدرے اختلاف بھی ہے۔

ذخیرۂ ادیب میں ذیل کے دبیر کے مرثیے دوسروں کے نام دکھائے گئے ہیں ؎

(۱) اے صبحِ وفا کون ترا شمس و قمر ہے۔ ۱۴۲ بند۔ عشرت

(۲) جب رن میں آستیں چڑھائی حضور نے - ۱۲۲ بند - میر عشق

(۳) اے قہر خدا اردمیوں کو زیر و زبر کر - ۱۲۴ بند - عظیم

(۲۰) "جب اہلِ بیت بے سر و سامان ہو گئے"

اس کا ایک نسخہ ذخیرۂ ادیب (مراثی دبیر) میں ۲۱ بند میں موجود ہے - دراصل یہ مرثیہ میر خلیق کا ہے - ذخیرۂ ادیب (مراثی میر خلیق) میں اس کے چار نسخے موجود ہیں تفصیلات کے لئے راقم کی کتاب "اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقا" کے صفحات ۳۷۹ (مرثیہ نمبر ۱۰) ۳۸۳ (نمبر ۱۵) ۳۸۹ (نمبر ۲۶) اور ۳۹۰ (نمبر ۵۲) ملاحظہ ہو - یہ مرثیہ "اسلاف میر انیس" کے صفحہ ۱۵۴ میں مرثیہ نمبر ۲۲ کے تحت درج ہے -

(۲۱) سحر کو آلِ نبیؐ جب میان شام آئے - ۲۴ بند

مرثیہ تلاشِ دبیر ص۳۶۶ میں نمبر ۱۱ کے تحت درج ہے - اصل میں یہ ایک قلمی نسخے (نسخہ امیر علی) میں ۵۵ بند میں ذیل کے مطلع سے موجود ہے ؎

کوئی جہاں میں نہ محتاج بے وطن ہوئے

تلاشِ دبیر میں مقطع بھی یوں غلط لکھا گیا ہے -

دبیر تیغ جگر (کذا؟ الم) سے ہوا اشگاف جگر

قلمی نسخے کا مقطع یوں ہے ؎

بیانِ دختر شبیرؑ سے ہوا محشر — زمیں پہ گر پڑی بانو بھی کہہ کے ہائے پسر
دبیر تیغ سخن سے ہوا اشگاف جگر — اٹھا و ہاتھ بسوئے نجف یہ رو رو کر

زمانہ بر سرِ جنگ است یا علیؑ مددی
کمک بغیر تو ننگ است یا علیؑ مددی

تلاشِ دبیر ص۳۶۵ میں مرثیہ نمبر ۸ کے تحت دبیر کا ایک اور مرثیہ دفتر ماتم جلد ششم کے حوالے سے درج کیا گیا ہے - مطلع ہے ؎

"محل سے ہند کا زنداں میں جب ورود ہوا"

مقطع کا مصرعہ اوّل یہ دیا گیا ہے ؎

"دبیر بسکہ ہے تیغ عزا سے چاک جگر"

کتاب میں مزید عبارت یہ بھی ملتی ہے کہ :-

"مرثیہ ۸ کے مقطع کو دفترِ ماتم جلد ۶ فراہم کردہ برادرم دلشاد حسین زیدپوری میں کسی نے اپنے قلم سے بدل کر "دبیر تیغ الم سے ہوا اشگاف جگر" لکھ دیا ہے۔ یہ تحریر دبیر کے فرزند مرزا محمد اوج کی بتائی جاتی ہے۔ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔"

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ تلاشِ دبیر میں مقطع غلط لکھا گیا ہے اور اسکی اصلاح کو مرزا اوج کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ مقطع کے مصرعۂ اول "بیانِ دخترِ شبیرؑ سے ہوا محشر" کی مناسبت سے "دبیر تیغ سخن سے ہوا اشگاف جگر" موزوں ہے۔

ہم نے بہت سے ایسے قلمی مرثیے دیکھے ہیں جو میرزا فصیحؔ، میر خلیقؔ، میر ضمیرؔ، میاں دلگیرؔ، مرزا دبیر اور میر انیسؔ وغیرہ کی تصانیف ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اہلِ مطبع اور کاتبوں نے ان کے تخلص میں ردوبدل کر کے الجھنیں پیدا کی ہیں۔ ہمیں ثابتؔ لکھنوی پر افسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے مرزا دبیر کے بعض شاندار مرثیوں کو الحاقی قرار دیا۔ اس سے بڑھکر موصوف کی غیر ذمہ داری اور غلط اندازِ فکر کا اور کیا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بغیر کسی تحقیق و جستجو کے ان مرثیوں کو مرزا دبیر کے شاگردوں کے نام منسوب کیا ہے۔ اور بعض ایسی باتوں کا انکشاف کیا ہے جو نہ صرف مضحکہ خیز ہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ محققین بھی ایسی بے بنیاد باتوں کو آگے بڑھانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ جناب ثابتؔ لکھنوی کی ایک اور فاش غلطی ملاحظہ فرمائیے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی اپنے تحقیقی مقالہ "دبستانِ دبیر" کے صفحہ ۲۱۵ میں ثابتؔ لکھنوی کی کتاب "حیاتِ دبیر" کے حوالے سے لالہ رام پرشاد تخلص بشیرؔ شاگرد مرزا دبیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

"جب انہوں نے (بشیر نے) اپنا وہ مرثیہ جس کا مطلع ہے ؎

بے چین تھی صغرا جو فراقِ پدری سے

مرزا صاحب کے سامنے بغرضِ اصلاح پیش کیا تو پہلے ہی بند میں ایک ایسا

لفظ تھا جسے مرزا صاحب ٹکسال باہر تصوّر کرتے تھے۔ اس لئے چاہا کہ اس سے بدل دیں۔ اس پر بشیرؔ نے عرض کی "حضور میں کایتھ ہوں۔ اس لفظ سے میری اصلی زبان کا پتہ چلتا ہے۔ اس کو میرا تمغۂ قومی سمجھ کے رہنے دیجئے۔"

مرزا صاحب نے بند جوں کا توں رہنے دیا۔ بند درج ذیل ہے ؂

بے چین تھی صغرا جو فراقِ پدری سے
نت اٹھ یہی کہتی تھی نسیم سحری سے
اے بادِ صبا مرتی ہوں دردِ جگری سے
کہیو جو ملے تو مرے بابا سفری سے
نرگس کی طرح چشم سوئے در نگراں ہے
جلد آؤ کہ ہستی کا چمن صرف خزاں ہے"

اس مرثیے کو لالہ رام پرشاد تخلّص بشیرؔ کے نام منسوب کرنا غلط اور گمراہ کن ہے۔ یہ مرثیہ بھی میر خلیقؔ ہی کی تصانیف سے ہے۔ ناسخؔ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ بھئی! اگر زبان سیکھنی ہو تو میر خلیقؔ کے گھر جایا کرو۔ ذخیرۂ ادیب (مراثی خلیقؔ قلمی و غیر مطبوعہ) میں اس مرثیے کے کئی نسخے راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔ اس کا پہلا مصرعہ مطلع کے طور پر "اسلاف میر انیسؔ" ص ۱۵۴ میں نمبر ۱۳ کے تحت درج ہے۔ ذیل میں مطلع اور مقطع کے دو بند درج کئے جاتے ہیں ؂

بے چین تھی صغرا جو فراقِ پدری سے
نت اٹھ یہی کہتی تھی نسیم سحری سے
اے بادِ سحر مرتی ہوں دردِ جگری سے
کہیو جو ملے گی مرے بابا سفری سے
نرگس کی طرح چشم سوئے در نگراں ہے
جلد آؤ کہ ہستی کا چمن اپنی خزاں ہے

صغرا نے کہا دل تو سنبھلتا نہیں بھائی
کیا جانئے کب ہووے گی بابا سے جدائی
یہ کہتی تھی جو روتی ہوئی بانو بھی آئی
ماں بہنوں نے وہ لاڈلی چھاتی سے لگائی
کیا بولوں خلیقؔ آگے جو ہنگامہ وہاں تھا
تھی سینہ زنی روضے پہ اور شور فغاں تھا

(۲۲) ارشاد مجھے آج ہے یہ لوح و قلم سے - ۱۰۶ بند

ثابت لکھنوی نے دربار حسینؑ صہ ۲۳۷ (مطبع اثنا عشری دہلی ۱۳۳۸ھ) میں یہ مرثیہ نواب سید محمد جعفر عرف پیارے صاحب تخلص قدیر شاگرد دبیر شامل کیا ہے - بند نمبر ۲۳ کے تحت وہ مشہور مصرع بھی ملتا ہے جو غلطی سے مرزا دبیر کی طرف شبلی نعمانی نے موازنہ انیس و دبیر میں منسوب کیا ہے - یعنی کہ

ع زیرِ قدم والدہ فردوس علاؔ ہے

مقطع یہ ہے سے

خاموش قدیر اب مجھے رقت بہت آئی　　اس مرثیے میں تو نے کرامات دکھائی
ہر عقدۂ مضموں کی ہوئی عقدہ کشائی　　تنویر یہ نیر کی عنایات سے پائی
جادو جسے کہتے ہیں وہ تقریر یہی ہے
فرمائش استاد کی تاثیر یہی ہے

سید محمد رشید کے قلمی ذخیرۂ مراثی دبیر کی جلد دوم میں اس مرثیے کا مطلع مرزا دبیر کے نام سے میری نظر سے گذرا ہے - اس میں بھی ۱۰۶ بند ہیں اور سبھی بند مطلع کے سوا قدیر کے مطبوعہ مرثیے سے بالکل جدا ہیں - یہ مرثیہ غالباً دبیر کا ہے - ذیل میں چند بند پیش کیے جاتے ہیں سے

ہاں نورِ رخِ دارد شنی طبع کر افزوں　　ہاں انوری طبع دکھا نور کے مضموں
ہاں سعدی فکر آج گلستاں ہو وہ موزوں　　جس باغ پہ فردوسی و فردوس ہو مفتوں
اے عیسیٰ لب تازہ دمی آج عیاں کر
جاں قالب الفاظ میں معنوں کے رواں کر

کیا خوب کھینچا چہرۂ اکبر کا مرقع　　آنکھوں میں پھرا دئے پیمبرؐ کا مرقع
اب سامنے مجلس کے ہے محشر کا مرقع　　وہ کیا جگر و نیزۂ شبیرؑ کا مرقع

ع شبلی نے "بریں" لکھا ہے -

ہمسن تھے جو اکبر کے وہ بے گور پڑے ہیں
ہمشکل نبیؐ صورت تصویر کھڑے ہیں

وہ تیغ گہے عرش بریں پر نظر آئی   گہہ عرش سے قدسی کے پروں پر نظر آئی
قدسی کے پروں سے سپہر مہر پر آئی   کاٹی سپہر مہر قریب قمر آئی
دو کر کے قمر کو وہ در آئی جو ہوا میں
پھر تیر گئی نیزۂ ارباب جفا میں

گرز و تبر و تیر و کماں آٹھ برابر   خود و سپر و تیغ و سناں آٹھ برابر
چار آئینہ بے وہم و گماں آٹھ برابر   صدر و کمر و قلب و جواں آٹھ برابر
کیا جوہر شمشیر شہ عقدہ کشا تھے
تن ایک طرف روح کے بھی بند جدا تھے

مقطع سے :-

خاموش دبیر آگے قیامت کا ہے انداز   یہ شور و فغاں نوحۂ زہراؑ کا ہے انداز
کہہ شہ سے فقط ہوں تیری تائید سے ممتاز   اس مرثیہ گوئی پہ نہ دعویٰ ہے نہ کچھ ناز
مرقوم غلاموں میں تیرے نام ہو میرا
مقبلؔ کی طرح خیر سے انجام ہو میرا

اس مرثیے کا ذکر ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی صاحب نے بھی دبستان دبیر میں قدیر کے تحت کیا ہے۔ انھوں نے صفحہ ۲۸ میں قدیر کا وہ پورا بند بھی لکھا ہے جس میں یہ مصرعہ (زیر قدم والدہ فردوس عُلا ہے) ہے ؎

اماں کی اطاعت نہ کروں میں تو خطا ہے   زیر قدمِ والدہ فردوسِ عُلا ہے
زینبؑ کا ادب والدہ صاحب سے سوا ہے   بیٹا مجھے اپنا، پھوپھی اماں نے کیا ہے
تو جانتا ہے مجھ پہ جو احسان کئے ہیں
پالا بھی ہے دو بیٹے بھی قربان کئے ہیں

نسخۂ رشید میں یہ بند نہیں ملتا ہے۔ مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں زمین آسمان کا

فرق ہے۔ اور دونوں مختلف ہیں۔ صرف مطلع یکساں ہے۔ اس طرح کے اور بھی مرثیے ملتے ہیں جن میں دبیر تخلص ہے۔ زبان و لہجہ بھی دبیر کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور دبیر کے ہی ہو سکتے ہیں۔

(۲۳) مرثیہ ۔ گلگونۂ رخسارِ فلک گرد ہے رن کی

مرثیہ پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار جلد دوم (اپریل ۱۸۷۶ء) میں ۱۲۰ بند میں چھپا تھا۔ ثابت لکھنوی (دربار حسین ص ۱۷۵) اور دوسرے لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مرثیہ حاجی فقیر حسین عظیم شاگرد دبیر کی تصنیف ہے۔ مطبوعہ کے علاوہ اس کے دو مخطوطے بھی دستیاب ہیں۔ ایک ذخیرۂ ادیب میں اور دوسرا راقم کی ملکیت میں ہے۔ مرثیہ شاندار ہے اور مرزا دبیر کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ماہرین دبیریات نے محض اپنے محدود مطالعہ کے سبب اِسے الحاقی سمجھ کر نظر انداز کیا ہے۔ مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں کہیں کہیں اختلاف بھی ہے۔ مطبوعہ مرثیہ کے اکثر بند قلمی نسخوں میں نہیں ہیں۔ اور قلمی نسخوں کے متعدد بند مطبوعہ میں نہیں ہیں۔ ذیل میں نسخہ راقم کے وہ بند درج کئے جاتے ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔

بند ۴ سے خورشید ہے دن کو مہ نو شرم سے گھٹ کر — اغلب ہے کہ سیدھا فلکِ کج ہوا اٹ کر

پانی ہوئی جاتی ہے گھٹا ڈھالوں کی پھٹ کر — اک سمت نے کانگ بن گئی ہے دھوپ سمٹ کر

ثابت ہے کہ سیارہ ہر اک ماند ہوا ہے

سیارے ہیں کیا شہر بدر چاند ہوا ہے

بند ۵ سے دیتی ہے فقط بے خبری کی خبر آمد — یاں شور وہاں غل ادھر آمد ادھر آمد

بالائے سر آفت ہے تو پیش نظر آمد — اب سینے میں دم کے نہ بر آمد نہ در آمد

ہر تن کو ہے دشوار بچانا دل و جاں کا

آنا شہِ والا کا ہے جانا دل و جاں کا

بند ۶ جن دیکھ کے شمشیر دو سر کانپ رہے ہیں — ہیں جن پری قاف میں پر کانپ رہے ہیں

دریا میں نہنگوں کے جگر کانپ رہے ہیں — پوشیدہ ہیں پانی میں مگر کانپ رہے ہیں

سب تیر جفا کیش ہیں پر ہل نہیں سکتے
سوفار پہ نالاں ہیں کہ لب مل نہیں سکتے

بند۹ توسن وہ تہ ران کہ حیران ہے گردوں ٹھوکر سے ہلا دیتا ہے کوہ سر قاروں
عنقا کو نشاں سم کا ہے یہ ظل ہمایوں شہروں میں یہ لیلیٰ ہے بیابانوں میں مجنوں
منہ پر کبھی سورج کے کبھی چاند کے دوڑا
گہہ عرش پہ گردوں کا محل پھاند کے دوڑا

بند۱۰ ہے رعد صدا میں تو یہ ہے کبک ادا میں یہ موج ہے دریا میں یہ بجلی ہے ہوا میں
یہ حور ہے فردوس میں بلقیس صبا میں آہو ہے تگاپو میں تو شیر وغا میں
دل اس پہ سلیمان کا پروانہ ہوا ہے
کہیے جو پری کہتا ہے دیوانہ ہوا ہے

بند۱۱ کیا نسبت شبدیز فلک سے ہو یہ خرسند وہ شوخ یہ شائستہ وہ پیر اور یہ نا کند
بدلے کئی رنگ ابلق ایام نے ہر چند جو تھا دم خلقت ہے وہی اب یہ ہنرمند
اس رخش کے منہ پر کوئی دن چڑھ نہیں سکتا
چلنے میں یہ سرعت ہے کہ سن بڑھ نہیں سکتا

بند۱۲ اللہ رے حسن رخ پر نور کا عالم ظلمات کے عالم کو کیا نور کا عالم
اک سنگ میں سو طور کی طلعت ہے فراہم اک ذرّے میں روشن ہیں کئی نیّر اعظم
قابیل نے ہابیل کو جو قتل کیا ہے
نعم البدل آدم کو یہ خالق نے دیا ہے

بند۱۳ ہر جلوۂ حق حصّے میں اس چشم کے آیا صانع نے کمال آنکھ کے پردے میں دکھایا
نورِ نظر اس چشم سے آفاق نے پایا یہ وجہ ہے جو آنکھ میں سرمہ نہ سمایا
سرمے کی سلائی اسے درکار نہیں ہے
محتاج عصا مردم بیمار نہیں ہے

بند۱۴ اس چشم کا بندہ ہر اک آہوئے خطا ہے آنکھ اسے جو پھیرے وہی مادر بخطا ہے

اس چشم میں نور نظر شیر خدا ہے — ہر اہل خطا کے لئے یہ عین عطا ہے
پلکوں کا یہ احسان ہے ہر بندۂ حق پر
مد کھینچتے ہیں سرمے کا آنکھوں کے ورق پر

بند ۱۶؎ چہرہ چمن قدرت خلاق دو عالم — خورشید ہے اس باغ کا اک قطرۂ شبنم
عیسیٰ[۴۱] ہے سخن ہونٹ طہارت میں ہیں مریم — اور روح مسیحا لب جاں بخش کا اک دم
ہر صنعت حق اک رخ روشن سے عیاں ہے
جاں قالب آئینہ میں اس رو سے رواں ہے

بند ۱۷؎ سرگوشی ادھر الہام الٰہی (کذا) — واں کان میں کچھ کہتے ہیں احکام الٰہی
لینے کو چلے آتے ہیں پیغام الٰہی — ہونٹوں کا نشاں کیا ہے فقط نام الٰہی
یا ذکر ہے یا شکر اسی رب ہُدا ہے
سانچے میں یہ منہ نام خدا نام خدا ہے

بند ۱۸؎ کیا غلغلہ ابروئے پیوستہ اٹھے ہیں — تعریف کو مداح کمربستہ اٹھے ہیں
ہاتھوں پہ لئے نظم کا گلدستہ اٹھے ہیں — سیزاں کی طرح مصرعہ برجستہ اٹھے ہیں
ابرو کا رخ صاف میں پرتو نظر آیا
خورشید کے پہلے میں مہ نو نظر آیا

بند ۱۹؎ شب کے ہیں فقط چار پہر خلق میں مشہور — انتیس کا اور تیس کا ہے چاند بدستور
ہر ماہ کئی سال کا ہے یہ رخ پرنور — طول شب کامل سے تحیر میں ہیں جمہور
بڑھ کر رخ روشن سے یہ کاندھے پہ پڑی ہے
لو قدرت حق ماہ سے یہ رات بڑی ہے

بند ۲۰؎ بالوں سے محاسن کے محاسن ہیں فراواں — زلفوں پہ شب بدر و شب قدر ہے قرباں
پیدا ہے میان خط و کاکل رخ تاباں — ثابت ہے کہ آیا ہے ان ہی راتوں میں قرآں
تازہ ہے یہ رخ چشمۂ امید کے مانند
اک رُو ہے بد و نیک سے خورشید کے مانند

بند۲۱ شیریں رقموں میں رقم اس لب سے جدا ہے   اک نے شکر اور ایک نے یاقوت لکھا ہے
یاقوت کا لکھنا مگر انسب ہی بجا ہے   یاقوت سے بڑھکر جو لکھوں میں تو مزا ہے
چوسا ہے یہ لب مثل رطب حق کے ولی نے
یاقوت کا بوسہ لیا کس روز علیؑ نے

بند۲۲ منہ غرق عرق دیکھ کے خورشید ہوا تر   ابرو سے ٹپکتا ہے ذرا تیغ کا جوہر
آنکھوں سے تری روغن بادام ہے بہتر   عارض کے پسینے سے دو عالم ہیں معطر
قطرے رخ پر نور سے ڈھلتے ہوئے دیکھو
عطر گل خورشید نکلتے ہوئے دیکھو

بند۲۳ رن کی تو صفیں جاتی ہیں دریا کے کنارے   دریا کے پرے آتے ہیں یاں خوف کے مارے
اک ایک کو ٹھہرا کے یہ کرتا ہے اشارے   عباسؑ بہادر تھے سو دنیا سے سدھارے
اب رن میں یہ کس معرکہ آرا کی ہے آمد
وہ کہتا ہے عباسؑ کے آقا کی ہے آمد

بند۲۴ روکا شہِ دیں نے فرس حور لقا کو   ٹھہرا لیا سرتاج سلیماں نے ہوا کو
اور چار طرف دی یہ صدا اہلِ جفا کو   بندے جو خدا کے ہو تو بھولو نہ خدا کو
فردوس کی رغبت نہ جہنم سے حذر ہے
اے بے خبرو تم کو بھلا کچھ بھی خبر ہے

بند۲۵ توریت میں فرماتا ہے یہ خالقِ عادل   ہے اسے عجب یہ کہ جو ہے موت کا قائل
کس طرح وہ دنیا میں ہے پھر خرم و خوش دل   سوتا ہے وہ کیونکر جسے درپیش ہے منزل
تنہا جسے مرقد کی سکونت کا یقیں ہے
کیوں خلق کی الفت سے وہ بیزار نہیں ہے

بند۲۶ ہر صبح زمیں سب سے یہ کہتی ہے کہ ہشیار   کیا آج میری پشت پہ ہے قوت رفتار
کل ہوگے شکم میں مرے سب راہوں سے ناچار   یاں ہنستے ہو ہر مرتبہ واں روؤ گے ہر بار

مشغول طعام آج ہو تم بخل و کرم میں
کل ہو گی غذا کرم کی خود میرے شکم میں

بند ۴۰؎ تم آج تو سر پہ مرے مشغولِ خطا ہو   کل زیر زمیں موردِ تعذیر و سزا ہو
آدم کے پسر ملتِ شیطاں سے جدا ہو   آ ہوش میں جا طالبِ مرضیٔ خدا ہو
کیا چھانتا ہے خاک عمارت کی مدد میں
کل ہوں گے وہاں غیر تو سوئے گا لحد میں

بند ۴۱؎ میں خانۂ وحدت ہوں میں ہوں خانۂ ظلمت   میں خانۂ وحشت ہوں میں ہوں خانۂ غربت
میں چاہِ جہنم ہوں میں ہوں کوثر و جنت   جس طرح کے اعمال اسی طرح کی اجرت
سمجھے ہو وہ گھر کوچ کا جس گھر سے یقیں ہے
جس گھر میں سدا رہنا ہے واں کچھ بھی نہیں ہے

بند ۴۲؎ آگے جو رسولانِ ہدایت شیم آئے   لیکن خبرِ آمدِ خیر الامم آئے
گمراہ مگر راہ پہ ان سے بھی کم آئے   اللہ کو سب جان گئے جبکہ ہم آئے
اک لات میں عزا کو کیا دور حرم سے
بت خاک پہ سجدے کو جھکے اپنے قدم سے

بند ۴۳؎ شاہوں کا چراغ آتے ہی گل کر دیا ہم نے   ہر جا عمل ختمِ رسلؐ کر دیا ہم نے
ہر شہر میں تکبیر کا غل کر دیا ہم نے   خندق پہ درِ قلعہ کو پل کر دیا ہم نے
ہاروت کو اندوہ دیا ہم نے دھوئیں سے
یوسفؑ کو شہِ مصر کیا لا کے کنوئیں سے

بند ۴۴؎ آتا ہے جو قبروں میں وہ ہے حق کا ولی کون   فرماتا ہے مردوں کی بھلا داد رسی کون
پوچھیں گے نکیرین خدا کون نبیؐ کون   حل کرتا ہے ان مشکلوں کو غیر علیؑ کون
پرسش میں اماموں کے علیؑ پیچھے رہیں گے
قایل جو ہمارے ہیں یہ وہ آپ کہیں گے

بند ۴۵؎ سنکر یہ رجز تیغ زنوں کو ہوا دھڑکا   دل شامیوں کا شعلہ صفت رشک سے بھڑکا

ناگاہ ہوا جنگ کے میدان میں کڑکا　　کڑکا ہوا اور جنگ کا نقارہ بھی کڑکا
قبضوں کو دلیران قوی چوم کے نکلے
نامرد بھی رستم کی طرح جھوم کے نکلے

بند ۵۰ ناگاہ شجاعت نے کیا دور سے مجرا　　اقبال نے شقہ علم فتح کا کھولا
ہمت نے کہا ہاں مرے آقا مرے مولا　　تڑپا تہہ راں برق روش توسن زیبا
تیغ دو زباں نکلی تو کس شان سے نکلی
خود ناد علیؑ پڑھتی ہوئی میاں سے نکلی

بند ۵۱ وہ تیغ کی سج اور وہ قبضے کی سجاوٹ　　معشوقوں کی صورت سرِ اعدا سی لگاوٹ
بگڑی تو کسی سے نہ بنے کوئی بناوٹ　　محشر تھا ملاپ اس کا قیامت تھی رکاوٹ
چمکی کبھی گردوں پہ کبھی عرش بریں پر
بجلی کبھی کوندی پرِ جبرئیل امیں پر

بند ۵۲ دم کس چم و خم فتح کا جس حسن کا جوہر　　کیا خوبیاں شمشیر دو سر میں تھیں سراسر
بھاری تھی ہزاروں پہ وہ اک تیغ دو پیکر　　ہلکی تھی مگر ہاتھ میں ناخن کے برابر
پر کٹنے سے جبرئیل تلک جان گئے تھے
اس تیغ کی لوہی کو ملک مان گئے تھے

بند ۵۳ گہہ مثل نگہ چشم لعیں سے نکل آئی　　گہہ چین جبیں بن کے جبیں سے نکل آئی
مانند ہوا دامنِ زیں سے نکل آئی　　گردوں میں چھپی اور زمیں سے نکل آئی
باندھی وہ ہوا جیسے پتنگا ہوئے ناری
شرمائی جلی آگ بھبھولا ہوئے ناری

بند ۵۴ کیا ضرب لگاتی تھی دم حرب یہ صمصام　　پڑتا تھا دل کفر پہ بھی سکۂ اسلام
قرضوں نہ چلا نقدِ حیاتِ سپہ شام　　صراف اجل صاف یہ کہتا تھا سرِ عام
کھوٹا نہ کھرا کچھ سر بازار رہے گا
اب نار میں ہر قلب کا دینار رہے گا

بند۶۹ تقدیر نے حسن اس کے خدا ساز بنائے   خورشید و قمر بدلے رکابوں کے لگائے
سرعت کے ہنر اس نے زمیں پر جو دکھائے   حلقے وہ رکابوں کے فلک پر نظر آئے
دکھلاتی ہیں گھوڑے کی کرامات رکابیں
بے رخش پھرا کرتی ہیں دن رات رکابیں

بند۸۵ آئی یہ ندا جاؤ اجازت ہے خدا کی   امداد کرو مالک تسلیم و رضا کی
پائی جو فرشتوں نے رضا ربِّ ہُدا کی   بیساختہ پرواز سوئے دشت بلا کی
یہ شوق مددگاریٔ شاہِ دوجہاں تھا
رستے میں انھیں سانس کا لینا بھی گراں تھا

بند۸۶ کہتا تھا کوئی لوں گا قصاص علی اکبرؑ   اک کہتا تھا کاٹوں گا سرِ قاتلِ اصغر
کہتا تھا کوئی ہائے نہ تکیہ ہے نہ بستر   زیرِ بدنِ پاک بچھاؤں گا میں شہپر
کہتا تھا کوئی صدقے حسینؑ ابن علیؑ کے
میں کاندھے پہ لے جاؤں گا روضے میں نبیؐ کے

بند۸۸ افسوس فرشتوں کو رہی حسرتِ امداد   رستے میں خبر پائی کہ زہراؑ ہوئی برباد
وارد ہوئے رن میں تو نظر آئی یہ روداد   سر کاٹ کے سیّدؑ کا لئے جاتا ہے جلّاد
زہراؑ و پیمبرؐ نے کفن خوں میں بھرے ہیں
منہ اپنا علیؑ حلقِ بریدہ پہ دھرے ہیں

بند۸۹ کیوں بھائی کیا تھا یہی اقرار بہن سے   لاشے پہ رلاؤں گا تجھے لا کے وطن سے
بے رحم جو باندھیں مرے شانوں کو رسن سے   کیوں بھائی پکاروں میں تمہیں آؤ گے رن سے
کیا جان کے سختی سے خجل ہوتی ہے زینبؑ
تم روئے نہ زینبؑ کو تمہیں روتی ہے زینبؑ

مرثیہ کے سبھی نسخوں میں مطلع اور مقطع اس طرح ہیں ؎

مطلع ؎ گلگونۂ رخسار فلک گرد ہے رن کی   ہر خار میں خوشبو ہے بہشتوں کے چمن کی
خورشید نقیبانہ لئے چوب کرن کی   کہتا ہے کہ آمد ہے شہنشاہِ زمن کی

مانند براق نبوی رخش ہے رو میں
روح القدس آتے ہیں خوزادے کی جلو میں

مقطع سے کیا تم کو دبیر اور مضامین بتائیں ہر بند پہ دیتے ہیں عزادار دعائیں
اللہ کرے ہم بھی اب اس رو پہ جائیں یہ مرثیہ پڑھ پڑھ کے فرشتوں کو سنائیں
دنیا میں اگر دولت عقبا ہے تو یہ ہے
باقی میرے دل میں جو تمنا ہے تو یہ ہے

مطبوعہ نسخے میں ۶۴ بند وہ ہیں جو قلمی نسخوں میں نہیں ہیں۔ گھوڑے کی تعریف میں ذیل کا بند قابل تعریف ہے ؎

اک حسن کی تصویر تھا نک سکھ میں وہ توسن دہرا بدن آہو کی نگہ شیر کی چتون
شہباز کا سینہ تو طاؤس کی گردن دم رشک دہ سنبلہ سم بدر سے روشن
جادو تھا کہ اعجاز و کرامات تھا گھوڑا
چھل بل تھا چھلاوا تھا طلسمات تھا گھوڑا

مرثیہ — معراج سخن کو ہے میرے ذہن رسا سے — ۱۱۹ بند

مرثیہ سب سے پہلے دفتر ماتم جلد اول مطبع سبطیہ لکھنؤ میں ۱۳۰۰ھ ہجری میں شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ بحیات دبیر دستیاب ہوا۔ اس میں ذیل کے بند زیادہ اور غیر مطبوعہ ہیں ؎

کیوں مومنو اکبرؑ سا جواں کوئی سنا ہے اس حسن کا محبوب جہاں کوئی سنا ہے
اس دبدبے کا شیر ژیاں کوئی سنا ہے اس عمر میں مجروح سناں کوئی سنا ہے
لکھا ہے کہ جس دم موئے پانی کو ترس کے
سن میں علی اکبرؑ تھے کل اٹھارہ برس کے

جب رن میں خزاں آئی محمدؐ کے چمن پر صدمہ ہوا روح علیؑ و روحِ حسنؑ پر
کھلاتے تھے جراحت رفقا شہ کے بدن پر پانی کی منادی تھی شہ تشنہ دہن پر

واں ندیاں خوں کی جو لب نہر بہی تھیں
سیدانیاں خیمے میں یہاں پیٹ رہی تھیں

بے صبر عبث بانوئے بیکس کو کیا آہ   اس وقت ہوا درد سے بانو کے میں آگاہ
یا تو ابھی کہتا تھا کہ میدان کی لو راہ   یا کہتا ہوں پھر اٹھ کے گلے سے لگو ﷲ
اس وقت تجمل تھا اور اب آہ و بکا ہے
کچھ ذہن میں آتا نہیں وہ کیا تھا یہ کیا ہے

(۲۴) - مرثیہ - اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلادے -

دفتر ماتم جلد اول مطبع سبطیہ میں مرثیے کا آغاز ذیل کے بند سے ہوتا ہے ؎

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلادے   اے طنطنۂ طبع، جزو کل کو ملادے
اے معجزۂ فکر فصاحت کو جِلادے   اے زمزمۂ نطق بلاغت کو ہلادے
اے بائے بیاں معنیٔ تسخیر کو حل کر
اے سین سخن قاف سے تا قاف عمل کر

مجھے اس کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۲۷۴ھ کا ملا - اس میں مطلع یوں ہے اور کچھ بند بھی زیادہ ہیں ؎

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلادے   اے رعب سخن دفتر روبہ کو مٹادے
اے طبع رسا حملۂ شیران دکھادے   اے ذہن ہما طائر سدرہ کو اڑادے
ہو دھوم جہاں میں کہ یہ تائید خدا ہے
نہ بندش مضموں نہ دیکھا نہ سنا ہے

اب زائد بند ملاحظہ فرمائیے ؎

میں مجتہد نظم زمانہ میں ہوں مشہور   نورِ نظر خلق سرورِ دل جمہور
تقلید ہے شعرائے جہاں کو مری منظور   وزدانِ مضامیں کو نہیں بات کا مقدور
جی بھر کے چرالے کوئی یہ طرز تو کیا ہے
سینے میں مرے گوہرِ مقصود بھرا ہے

ہاتھوں میں ہے یہ رشک عطارد قلم اپنا — لشکر ہے فصاحت کا بلاغت علم اپنا
آفاق میں گردوں سے سوا چشم ہے اپنا — ہر دم دم عیسیٰ کا ہے ہمدم یہ دم اپنا
شہرہ ہے یہ تائید شہ جن و ملک سے
مضموں مرا گھر ڈھونڈتے پھرتے ہیں فلک سے

احسنت کی آواز دل حور سے نکلے — مضموں کا شرارہ شجر طور سے نکلے
روحی بفداکم دہن نور سے نکلے — اک نور کی بیرق دل جمہور سے نکلے
نظارہ کہاں عرش سے اختر نکل آئے
ہر کان سے غل سن کے جواہر نکل آئے

ہر بیت سے ہو کیوں نہ زبان فصحا بند — یہ شعر ہیں شیریں زنبات و شکر قند
تحسین ہر اک بیت یہ کہتے ہیں خرد مند — ہر نقطے پہ مضموں کے ترے کھاتے ہیں سوگند
شاعر کوئی کیوں میرے مقابل نہیں ہوتا
ہوتا ہے مقابل بھی تو قابل نہیں ہوتا

سرو چمنستان سخن ہے سخن اپنا — اقلیم فصاحت میں ہے گویا چمن اپنا
پُر ہے نئے مضموں کا گلستان چمن اپنا — ہو فخر کہ آقا ہے امام زمن اپنا
ہوں ہیچمداں جانے خدا کیوں ہوں کیا ہوں
پر خازن گنجینۂ اسرار خدا ہوں

دفتر ماتم میں مرثیے کا مقطع غائب ہے۔ ہم نے پہلی مرتبہ دریافت کیا اور یہ ہے

اے ماتمیوں شاہ کا ماتم ہوا آخر — روئے نہ دبیر آہ محرم ہوا آخر
و چہلم سلطان دو عالم ہوا آخر — غم رہ گیا پر غم کا وہ موسم ہوا آخر
سر کھول دو اور پھاڑو گریبانوں کو اپنے
اے مومنو! رخصت کرو مہمانوں کو اپنے

مرثیہ - (۲۵) آدم کا دادرس بنی آدم میں کون ہے۔

یہ دفتر ماتم جلد دوم (۱۶۲ بند) اور سبع مثانی (۱۶۴ بند) میں بغیر مقطع کے شائع ہوا۔

ہم نے ایک قلمی نسخے کی مدد سے اسے مقطع سمیت ۱۷۷ بند میں مرتب کیا ہے۔ ذیل کے بند
سبع مثانی میں نہیں ہیں ۔

بند ۷۶ ناگاہ آئی کان میں آواز بال و پر — اک طائر سفید پھرا آ کے گرد سر
قرباں شاہ پر تھا کہ پروانہ شمع پر — سب وحش و طیر اس کی فغاں پر تھے نوحہ گر
یوں لوٹتا تھا ماتھے کو رکھ کے وہ زین پر
جیسے نکل کے پانی سے مچھلی زمین پر

بند ۷۷ باقی رہا نہ عذر سواری جناب کو — چمکارا ذوالجناح رسالت مآب کو
طاہر جھکا ادب سے حصول ثواب کو — منقار اپنی کھول کے تھاما رکاب کو
کیوں قابل اس شرف کے نہ وہ شہسوار ہو
جس کا رسولؐ ناقہ ہو، گیسو مہار ہو

بند ۸۳ دیتا ہے اب غضب کی خبرداری حزیں — سدرے کو جبرئیل گئے رن کو شاہ دیں
ناگہ مع فلک تہ و بالا ہوئی زمیں — کیا دیکھتے ہیں مڑ کے امام فلک نشیں
بیٹی نکل پڑی ہے جناب بتولؑ کی
آتی ہے ننگے پاؤں نواسی رسولؐ کی

بند ۸۴ یہ سنتے ہی ٹھہر گئے مولائے بے وطن — پہنچی جو وہ قریب کیا رو کے یہ سخن
کیا احتیاج ہے جو یہاں آئیں اے بہن — لے کر بلائیں بولی وہ مخدومۂ زمن
حاجت یہی بہن کی ہے روا کرو
نانا کی بوسہ گاہ کا بوسہ عطا کرو

بند ۸۵ پھر گود میں بٹھا کے لگے چومنے گلا — دے دے کے بوسے کرنے لگے گریہ و بکا
حیراں ہوئی یہ دیکھ کے وہ شہ کی مہ لقا — کی عرض اے غریب پدر، تم پہ میں فدا
لونڈی یہ اور فرط ملال و تعب یہ ہے
کیوں آپ چومتے ہیں گلا، کیا سبب یہ ہے

بند ۸۶ رو کر یہ کی حسینؑ نے گفتار میں نثار — کیوں کر کروں زبان سے اظہار میں نثار

سیلی شمر اور یہ رخسار، میں نثار　　آخر ہے اس گلے کا یہ اب پیار، میں نثار
کیا کیا جفا و ظلم سہے گا گلا تیرا
رسّی میں اے سکینہؑ بندھے گا گلا تیرا

بند ۹۹ خیر النساء سے ماں کا خلف ایسا چاہیئے　　مہر مبینِ برج شرف ایسا چاہیئے
شاہِ نجف کو درِ نجف ایسا چاہیئے　　سرتاج صابرانِ سلف ایسا چاہیئے
زہراؑ سی ماں پدر شہ بدر و حنین کا
نانا حبیبؐ حق سا، نواسا حسینؑ سا

بند ۱۰۹ ابجد میں اس کا وصف نہ ہوا کسے تا ہزار　　آیہ یہ کون سا ہے کہ پہلو میں بے شمار
قاری وصف وقف کرے تو گناہگار　　اعراب دو تو ثُم کو ہے پیش اپنا ناگوار
مداحوں پر یہ اس کا ہے قدغن جہان میں
ساکن نہ ہو میری حرکت کے بیان میں

بند ۱۴۴ غل تھا ہوا میں کٹ کے وہ پریوں کے سر گرے　　وہ جن وہ دیو وہ ملکِ تیز پر گرے
رن میں اٹھی یہ دھوم وہ شمر و عمر گرے　　وہ سرو جسم و سینہ وہ دل وہ جگر گرے
مردوں کے ڈھیر رن میں یہ تلوار سے لگے
کشتوں کے پشتے چرخ کی دیوار سے لگے

بند ۱۴۶ کھولے یہ جوہر اپنے کہ دم بند کر دیا　　بے کار فند بازوں کو پُر فند کر دیا
پٹکا جسے زمیں کا کمر بند کر دیا　　تن پر زرے کر کے خاک کا پیوند کر دیا
برق حسد سے کوزہ گر چرخ جل گئے
منکے سب ایک تیغ کے سانچے میں ڈھل گئے

بند ۱۷۲ ہوتے جو اس زمانے میں یار و تم اور ہم　　اور گرد لاشۂ شہداؑ تھے وہاں حرم
غش ہوتے تھے حسینؑ کے لاشے پہ دمبدم　　واں لاش تھی یہاں ہے عزائے شہ امم
اپنے محبوں سے یہ خطاب بتولؑ ہے
بیٹھو محبو عشرۂ سبط رسولؐ ہے

بند ۷۷ کا مقطع ہے :-

بس اے دبیر کانپتا ہے عرش کبریا　　مجلس میں شور گریہ سے اک حشر ہے بپا
اب کیا کہوں کہ پھٹتا ہے دل وا مصیبتا　　کس طرح شہ کی لاش سے زینبؑ ہوئیں جدا
ایسا کہیں بھی ظلم ہوا کائنات میں
تھا تازیانہ شمر ستم گر کے ہات میں

(۲۶) مرثیہ - اے فکرِ نظم آمد مضموں کا وقت ہے -
(ثابت لکھنوی (دربار حسینؑ ص ۱۵۱) اور ان کے مقلدین اسے مرزا دبیر کے بھائی مرزا غلام محمد تخلص نظیر کا بتاتے ہیں۔ جو درست نہیں ہے۔ اس کے کئی قلمی نسخے راقم کی نظر سے گزرے ہیں اور ان میں دبیر تخلص موجود ہے۔ ایک میں یہ مطلع ثانی کے طور پر اس طرح درج ہے ؎

اے فکر نظم آمد مضمون کا وقت ہے　　اوج ہلال مصرعۂ موزوں کا وقت ہے
دور قمر پہ گردش گردوں کا وقت ہے　　فوج امیر شام پہ شبخوں کا وقت ہے
تسلیم فتح کرتی ہے جھک جھک کے راہ میں
آمد امام دیں کی ہے ناورد گاہ میں

سب سے پرانا نسخہ ۳ رمضان ۱۲۷۰ھ کا ہے جو مرشد آباد میں لکھا گیا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎

آتا ہے رن میں کون کہ ایماں کا زور ہے　　باطل کے چشم حق کی تجلّی کا زور ہے
بہرام آسمان پہ جو پائے گور ہے　　شیر خدا کے شیر کی آمد کا زور ہے
جھکتا ہے عرش، فرش پہ تسلیم کے لئے
اٹھتا ہے رن زمین سے تعظیم کے لئے

اس میں ۱۰۹ بند ہیں اور ان میں سے ۹۹ بند اوپر کے مرثیے (اے فکرِ نظم آمد مضمون کا وقت ہے) میں موجود ہیں۔ مرثیہ (اے فکر نظم .....) پہلی مرتبہ ۱۱۵ بند میں مطبع اودھ اخبار لکھنؤ کی جلد دوم (اپریل ۱۸۷۶ء) میں ص ۹۷ سے ص ۱۰۹ تک چھپا تھا۔
مرثیہ (آتا ہے رن میں کون کہ ایماں کا زور ہے) میں مزید مطلعے یہ ہیں ؎

(۱) بند نمبر ۴۰ سے — جب رن میں شیرِ حق کا پسر حملہ ور ہوا

(۲) بند نمبر ۷۷ سے — جب لشکرِ خدا کے جواں کام آچکے

(۳) بند نمبر ۸۳ سے — جب رن میں فخرِ عیسیٰ گردوں نشیں ہوا

پہلے دو مطلع "اے فکرِ نظم ......" میں بند نمبر ۴۶ اور ۸۱ کے تحت موجود ہیں۔ دونوں نسخوں کا مقطع ایک جیسا ہے ؎

مایوس ہو کے خیمے کو زینبؑ رواں ہوئی — بس اے دبیرؔ بسکہ قیامت عیاں ہوئی
کس کس کی یاں زباں نہ صرفِ بیاں ہوئی — لیکن کسی سے ختم نہ یہ داستاں ہوئی
آقا سے عرض کر میری امداد کیجیے
ناشاد ہوں خدا کے لئے شاد کیجیے

اس وقت میرے پیش نظر مرثیہ دبیر جلد دوم (نولکشور) مطبوعہ مارچ ۱۹۰۴ء ہے۔ اس میں ذیل کے بند قلمی نسخے میں نہیں ہیں :۔

بند نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۹۱، ۹۲، ۱۰۴، ۱۱۳، ۱۱۴ ۔

قلمی نسخے کے ذیل کے ۹ بند جو "آتا ہے رن میں ......" میں موجود ہیں مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں۔ اس طرح یہ سبھی بند ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ پہلا بند مطلع کے تحت ہے۔

بند ۲ سے اللہ رے رعب آس ہے دور آسمان سے — ہر اک پرے میں شانِ خدا ہے نشان سے
تدبیر الگ ہے پیر سے قوت جوان سے — تیروں کی طرح چھٹتے ہیں چلّے کمان سے
دھچکا فلک پر شیرِ فلک کے جگر کو ہے
لچکا زمیں میں گاؤ زمیں کی کمر کو ہے

بند ۳ سے مڑ مڑ کے تیغ دیکھتی ہے چہرۂ سیاہ — جھک جھک کے ڈھونڈتی ہے کماں گوشۂ پناہ
مچھلی سے جال بھاگتا ہے بے خبر سے چاہ — شیشے سے سنگ سبزے سے بجلی کتاں سے ماہ
ہیبت سے نقشِ سنگ دلوں کے بگڑتے ہیں
پتھر جگر پہ دل کے دھڑکنے سے پڑتے ہیں

بند ۴ سے شمس و قمر کے قرعوں کو رمال روز و شب — کہتے ہیں پھینک پھینک کے وقت وغا ہے اب

تیار قہر و طیش کے ساماں ہیں سبکے سب　　حاضر نجوم سبعہ جلو میں بصد ادب
ثابت ہے قطب کو غضب آیا جہان پر
اک پاؤں ہے زمین پر ایک آسمان پر

بند ۵ پریوں میں ذوالجناح کی گرمی سے جان نہیں　　زیر قدم زمیں نہیں آسماں نہیں
سُم سے صداعیاں ہے مگر خود عیاں نہیں　　عنقا کی طرح نام تو ہے اور نشاں نہیں
سیف رواں ہے فرقۂ سفاک کے لئے
سیفی ہے یہ پلٹنے میں ناپاک کے لئے

بند ۶ مردوں کو کرب زندوں کو ہیبت سے جانکنی　　بگڑی ہے شکل زیست کی ہے جان پر بنی
سینے میں دم کی آمد و شد نیزے کی انی　　خود زندگی کے چہرے پہ چھائی ہے مردنی
یاں فتح کی ہے دھوم ادھر کو شکست کی
بت بن گئے ہیں پتلیاں ہر بت پرست کی

بند ۷ گوشوں میں چھپتے ہیں قدر انداز جا بجا　　سہمے ہوئے ہیں ترکشوں میں ناوک جفا
کھنچنے کو جانتی ہے کماں اس گھڑی خطا　　اترا ہوا ہے چلّے کا منہ سست ہیں تو ا
برچھی وہ کون سی ہے جو جھک کر کماں نہیں
اس وقت نیزہ بازوں سے سیدھے سناں نہیں

بند ۸ سب کچھ کہا مگر نہ پسیجا وہ بدگہر　　لکھا ہے تیغ تند رکھی حلق شاہ پر
اٹھ کر گلے سے تیغ پکاری کہ الحذر　　کیا کام مجھ سے لیتا ہے ظالم خدا سے ڈر
کس دل سے تو نے بے ادبی یہ قبول کی
ہے ہے یہ بوسہ گاہ ہے تیرے رسولؐ کی

بند ۹ بھیا بچا لو تم مجھے کوفہ کے جانے سے　　ڈرتی ہوں اہل ظلم سے اور قید خانے سے
کہدو ملے گا کیا تمہیں در در پھرانے سے　　زینبؑ کو لے نہ جائیو میرے سرہانے سے
کہدو ابھی زمین کا پیوند ہوئے گی
کہدو یہ میری لاش پہ جنگل میں روئے گی

(۲۷) مرثیہ - خنجر جو بوسہ گاہ پیمبر ؐ چلا گیا -

اس کے چار نسخے دستیاب ہیں - دو قلمی اور دو مطبوعہ - یہ پہلی مرتبہ مرثیہ مرزا دبیر جلد اول دسمبر ۱۸۷۵ء میں ۵۸ بند میں چھپا تھا - دوسری مرتبہ دفتر ماتم جلد ہشتم میں اتنے ہی بند میں چھپا - مطبوعہ نسخوں میں مقطع یوں ہے ؎

آگے دبیر کر نہ الم شاہ کا بیاں بے انتہا ہے ماتم سلطان انس و جاں
درگاہ حق میں کر یہ دعا ہو کے خونفشاں آئیں مدد کو شیر خدا وقت قبض جاں
صدقے سے شاہ کے نہ عذاب فشار ہو
داغِ غمِ حسین ؑ چراغِ مزار ہو

قلمی نسخوں میں انیس تخلص ہے - ایک میں ۵۰ اور دوسرے میں ۲۶ بند ہیں - اول الذکر نسخے میں دو طرح کے مقطعے ہیں ؎

(۱) آگے انیس کر نہ غمِ شاہ کا بیاں بے انتہا ہے ماتم سلطانِ انس و جاں
درگاہ حق میں کر یہ دعا ہو کے خونفشاں آویں مدد کو شیر خدا وقت قبضِ جاں
صدقے سے شاہ کے نہ عذاب فشار ہو
داغِ غمِ حسین ؑ چراغِ مزار ہو

(۲) بس اے انیس آتشِ غم سے جگر جلا کر عرض اب خدا سے کہ اے ربّ دوسرا
غمگیں بہت ہوں ہند میں میں غم کا مبتلا مشتاق ہوں بلاد عرب کا اب اے خدا
یارب نہ غم سے اب دل وحشی ملول ہو
پہنچوں جو کربلا میں تو مطلب حصول ہو

مطبع اودھ اخبار جلد اول کے ذیل کے بند قلمی نسخوں میں نہیں ہیں -

بند نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۲۰، ۳۰، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۸، ۵۲، ۵۳، ۵۴ -

نسخۂ انیس کے ذیل کے بند مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں -

بند نمبر ۳، ۴، ۱۱، ۱۵، ۲۰، ۲۶، ۲۸، ۳۵، ۴۰، ۴۱ -

سید نائب حسین نقوی مرحوم نے "آجکل" دہلی کے میر انیس نمبر مطبوعہ جون ۱۹۷۵ء (صفحہ ۵۷ تا ۶۰) میں اس مرثیے کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ ۲۹ بند کا بتایا گیا ہے موصوف اسے انیس کا غیر مطبوعہ قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

"اس مرثیے کے تین خطی نسخے نظر سے گذرے ہیں اور تینوں حیاتِ انیس کے نقل شدہ ہیں۔ بلکہ ایک نقل ۱۲۴۴ھ کی ہے جس وقت میر صاحب کی عمر ۲۶ سال کی کہی جاسکتی ہے۔"

راقم الحروف نے انیس کے سیکڑوں قلمی نسخے دیکھے ہیں۔ ان میں اکثر و بیشتر نسخوں پر تاریخ کتابت بھی موجود ہے۔ لیکن کوئی نسخہ ۱۲۴۷ھ ہجری سے پہلے کا نظر سے نہیں گذرا۔ ذخیرۂ ادیب (متفرقات) میں یہ مرثیہ اسیر کا دکھایا گیا ہے۔ اس میں بھی ۵۰ بند ہیں۔ مرثیہ اتنا مشکوک ہو گیا ہے کہ اس کے مصنف کی نشاندہی کرنا دشوار ہے۔ دشواری اس لئے ہے کہ انیس، دبیر، خلیق، ضمیر، مونس، انس، وغیرہ کے کچھ مراثی دوسروں کے نام منسوب کئے گئے ہیں۔ زیر نظر مرثیہ جس میں انیس تخلص موجود ہے سال کتابت درج نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں مرثیہ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ میں آج سے تقریباً ۱۲۵ سال پہلے چھپ چکا ہے۔ لہٰذا اسے دبیر کی تصنیف سے خارج از امکان نہیں کیا جاسکتا۔

کلامِ دبیر کی خصوصیّات

دبیر کا پہلا مرثیہ ثابت لکھنوی (حیات دبیر جلد دوم ص۸۵) کے قول کے مطابق دبیر نے سب سے پہلے جو معرکے کا مرثیہ پڑھا تھا اس کا مطلع یہ ہے ؎

بانو پچھلے پہر اصغرؑ کے لئے روتی ہے

مرثیہ دفتر ماتم جلد چہارم طبع اول (مطبع شمس العلوم لکھنؤ) میں شائع ہو چکا ہے۔ ڈیڑھ بند درج ہیں ؎

بانو پچھلے پہر اصغرؑ کے لئے روتی ہے ایک وہ جاگتی ہے خلق خدا سوتی ہے
سر کو بھی پیٹتی ہے جان کو بھی کھوتی ہے پر عجب غم ہے کہ تسکیں نہیں ہوتی ہے
پیٹتے پیٹتے بے ہوش جو ہو جاتی ہے
دل سے ہے ہے علی اصغرؑ کی صدا آتی ہے

سوگ کا فرش ہے اور سامنے جلتا ہے چراغ بازو میں داغِ رسن سینے میں اولاد کا داغ
جاں اندوہ میں، دل رنج میں، آشفتہ دماغ نہ وہ گل ہیں نہ وہ غنچے نہ وہ زہرؑا کا باغ
گوشۂ چادر کا اگر سر سے سرک جاتا ہے
ننگے سر کوفے میں پھرنا اسے یاد آتا ہے

دبیر نے اس مرثیے میں مصائب کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے ہیں۔ شبلی (موازنہ انیس و دبیر ص۲۷۹) شہادت علی اصغرؑ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اس واقعے کو میر ضمیر سے لیکر آج تک نئے نئے موثر پیرایوں میں ادا کیا جاتا ہے۔ میر انیس صاحب نے مختلف مرثیوں میں یہ واقعہ لکھا ہے اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے۔ لیکن مرزا دبیر نے اس واقعہ کے بیان میں جو بلاغت صرف کی ہے اور جو دردانگیز سماں دکھایا ہے کسی سے آج تک ادا نہ ہو سکا"

ثابت لکھنوی (حیات دبیر ص۳۰) لکھتے ہیں کہ دبیر نے عنفوان شباب یعنی بیس[۲۰] بائیس[۲۲] سال کی عمر میں بادشاہ غازی الدین حیدر (متوفی ۱۲۴۳ھ) کے امامباڑے میں ایک مجلس پڑھی۔ آغاز میں کہا تھا ؂

واجب ہے حمد و شکر جناب الاہ میں ۔۔۔ فضل خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
مجھ سا گدا اور انجمن بادشاہ میں ۔۔۔ چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں
ذرے پہ چشم مہر ہے مہر منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیر کو

اس کے بعد مرثیہ پڑھا۔ مطلع یہ ہے ؂

داغ غم حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے ۔۔۔ اس داغ کے چراغ کا گل آفتاب ہے
یہ گل وہ گل ہے جس کا کہ بلبل ثواب ہے ۔۔۔ یہ داغ لالۂ چمن بوتراب ہے
پروانے میں جناں کے لحد کے چراغ ہیں
نام خدا نجات کی مہریں یہ داغ ہیں

جب مرثیے میں ٹیپ کے اس شعر کے بعد ؂

امداد اہل بیت رسالت کا وقت ہے
اے بادشاہِ عصر عدالت کا وقت ہے

یہ بند پڑھا ؂

جب روز کبریا کی عدالت کا آئے گا ۔۔۔ جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا
انصاف و عدل ان سے بہت پوچھا جائیگا ۔۔۔ تو آج داد دے کہ وہاں داد پائے گا
گل کر دیا ہے دونوں جہاں کے چراغ کو
لوٹا ہے تیرے عہد میں زہرؑا کے باغ کو

تو بادشاہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے وزیر نواب معتمد الدولہ آغا میر (متوفی ۱۲۴۷ھ) کو انصاف و عدالت کے باب میں تاکید کی۔

مرثیہ پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار کی جلد دوم (اپریل ۱۸۷۶ء) میں ۵۱ بند میں غلط

اور بے ترتیب چھپا تھا۔ اس کے بعد اسے حسن مرزا صاحب عاقل نے مرزا امام الدین سے ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں ۱۰۲ بند میں دفتر ماتم جلد اول مطبع سبطیہ میں ۱۲۶۲ھ کے مسودے سے نقل کر کے شائع کرایا۔ راقم الحروف کو اس کے دو نسخے مکتوبہ بحیات دبیر دستیاب ہوئے۔ ان میں ۸۴ بند ہیں۔ ذیل کے دو بند علی اصغر کی دلدوز شہادت کے بارے میں ملاحظہ ہو ں ؎

نیزے پہ حرملہ کے چمکتا ہے اک ہلال
بکھرے ہوئے ہیں چاند سے منہ پر جھنڈولے بال
اولاد والے کہتے ہیں اے رب ذو الجلال
اس بے زباں کے خون کا کس نے لیا وبال
گردش میں ہائے ہائے یہ کس کا ستارہ ہے
لے کر بلائیں کہتی ہے بانو ہمارا ہے

منت کے بال بڑھنے نہ پائے یہ مر گئے
ہنسلی گلے کی تیر ہوا طوق اتر گئے
پیکاں سے ایسے سہمے کہ دادی کے گھر گئے
خالی کیا کٹورا مرا خوں میں بھر گئے
دکھ جتنے پائے چین بھی اتنا کیا نہ تھا
خوں اتنا اگلا دودھ بھی جتنا پیا نہ تھا

میر ضمیر نے ۱۲۴۹ھ میں پہلی مرتبہ حضرت علی اکبرؑ کا سراپا نظم کیا تھا۔ راقم کے پیش نظر اس وقت سید محمد رشید صاحب کے قلمی مراثی کی جلد سوم ہے۔ اس میں یہ مرثیہ "کس نور کی مجلس میں مری جلوہ گری ہے" ۹۹ بند میں موجود ہے۔ اور یہ میر ضمیر کی حیات کا مکتوبہ ہے۔ مقطع یہ ہے ؎

جس سال لکھے وصف یہ ہمشکل نبیؐ کے
بارہ سے انچاس تھے ہجری نبویؐ کے
آگے تو یہ انداز سخن تھے نہ کسی کے
اب سب یہ مقلد ہوئے اس طرز نوی کے
دس میں کہوں سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا
جو جو کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

ناقدین نے اس مرثیے کی رو سے میر ضمیر کو جدید مرثیہ نگاری کا موجد قرار دیا ہے۔ مرزا دبیر نے اس سے زیادہ کہیں شاندار اور پُر وقار مرثیے کہے ہیں۔ انہیں

سراپا نگاری میں ید طولیٰ حاصل تھا اور اس فن میں اپنے استاد میر ضمیرؔ سے بھی سبقت لے گئے تھے۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے حُرؔ کا سراپا نظم کیا تھا۔ ان کا ایک مشہور مرثیہ ہے۔

ع جب ماہ نے نوافلِ شب کو ادا کیا

اس میں دعویٰ کرتے ہیں ؎

اب ہے یہاں اشارۂ تائید کبریا   شکل ہر اولِ شہ دیں کھینچ کر دکھا
قربان اس اشارے کے اس لطف پر فدا   اب تک کسی نے حُرؔ کا سراپا کہا نہ تھا
گنجینہ فیض سے ہے خدا کا بھرا ہوا
مضموں تیرے حصّے کا یہ تھا دھرا ہوا

ایک قلمی نسخہ حبیب ابن مظاہر کے حال کا ملا۔ مطلع یہ ہے ؎

پیری میں اگر بخت جواں ہو تو مزا ہے   ہم پلۂ ناوک جو کماں ہو تو مزا ہے
سر کے لیے معراجِ سناں ہو تو مزا ہے   جاں فدیۂ خلّاق جہاں ہو تو مزا ہے
پیری میں گل زخم سے ہے حسن بدن کا
ہنگام سحر لطف ہے گلگشتِ چمن کا

مطلع ثانی بھی ملاحظہ ہو ؎

اب مشکِ قلم جلوۂ کافور دکھا دے   اے شام سیاہی سحرِ نور دکھا دے
اے مطلع روشن، شجرِ طور دکھا دے   اے رنگ سخن صاف رخِ حور دکھا دے
اس مرثیے میں اس کے فضائل کا بیاں ہے
جو سن میں مُسن اور ارادے میں جواں ہے

بند کی ٹیپ سے شائبہ ہوتا ہے کہ دبیرؔ ہی نے سب سے پہلے حبیب ابن مظاہر کا مرثیہ نظم کیا ہے۔ لیکن آگے چل کر اس شبہے کو یوں رفع کیا ہے ؎

گو میں ہی مروّج ہوں کئی حال کا اِلّا   اس مرثیۂ خاص میں دعویٰ نہیں زیبا
پر حق ہے یہ ایجادِ ضمیرؔ سخن آرا   خلّاقِ معانی لقبِ خاص ہے جن کا

ان کے در ہر بیت سے مضموں کی عطا ہے
خاقانی و فخر الشعراء ان کا گدا ہے

گویا کہ ہیں استاد میرے عیسیٔ ثانی   دم کرتے ہیں الفاظ میں ارواحِ معانی
ہیں مرثیۂ ابن مظاہر کے وہ بانی   پر منصفوں کے ہاتھ ہے یہ مرثیہ دانی
کیا مدح ہے استاد کی دل شاد ہے میرا
وہ ان کا ہے ایجاد یہ ایجاد ہے میرا

دبیر حبیب ابن مظاہر کا سراپا یوں کھینچتے ہیں ؎

تشبیہہ رخ ان دونوں پہ صادق اگر آئے   گل باغ میں خورشید فلک میں نہ سمائے
اک بار طواف اس رخِ انور کا جو پائے   سر شمع کو پروانہ کبھی منہ نہ لگائے
گر بیچ میں قرآں گل عارض کے دھریں ہم
قصۂ گل و بلبل کا ابھی پاک کریں ہم

مرثیہ کے آخر میں جو روایت نظم ہوئی ہے اس کی اوّلیت کا سہرا دبیر کے ہی ہے۔ کہتے ہیں ؎

ہر چند کہ بے حصّہ ہے مضمونِ روایت   آگے نہ کسی کو ہوئی پر ایسی ہدایت
واللہ نہ ہے بخل نہ کینہ نہ شکایت   منظور ہے پر زور طبیعت کی رعایت
کہتے ہیں کہ گنجائشِ احوال نہیں ہے
ہر ماہ اگر کہیے تو اشکال نہیں ہے

ایک اور جگہ انکساری کے طور پر اپنے مقابلے میں میر ضمیرؔ کو ترجیح دیتے اور اسی مرثیے میں کہتے ہیں ؎

معنیٔ ضمیرؔ اہل زباں سے نہیں خفا   روشن ہے دلوں پر شرف نام سراپا
ہیں غیر بھی جو پیرو نظم ان کے میں سمجھا   یعنی کہ سخن سب کو پسند آتا ہے دل کا
شاہی ضمیرؔ اوج پہ ہے ملک سخن میں
جس شکل سے دل حاکم اعضا ہے بدن میں

دفترِ ماتم جلد یازدہم میں مرزا دبیر کا ایک مرثیہ ۱۲۲ بند میں زہیر بن قین کے حال میں ہے۔ مطلع ہے ؎

جب نقشِ کن سے زینتِ لوح و بقا ہوئی

راقم کو زہیر کے حال کا مرثیہ کسی اور شاعر کے یہاں نظر سے نہیں گذرا۔ شاید اس کی اوّلیت کا سہرا بھی مرزا دبیر ہی کے سر ہے۔ کہتے ہیں ؎

ہے قصدِ اہلِ فہم سے اب داد چاہیئے | داد ان سے اور حسینؑ سے امداد چاہیئے
ہر مرثیے میں صنعتِ ایجاد چاہیئے | اور نورِ عینِ فاطمہؑ کا صاد چاہیئے

جب یا علیؑ مدد میں قلم سے رقم کروں
مضمونِ غیب مثلِ الف بے رقم کروں

دبیر نے ہی سب سے پہلے وہب کلبی کے حال کا مرثیہ نظم کیا یہ دفترِ ماتم جلد پنجم کے پہلے ایڈیشن ص ۹۷ میں درج ہے اور ابتدائی زمانے کا معلوم ہوتا ہے۔ مطلع ہے ؎

مومنو! بے کس و بے یار ہے مظلوم حسینؑ

ایک جگہ وہب کی بہادری اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

حملہ ور وہب ہوا کھینچ کے تیغِ براں | کس کا یاور تھا لڑا خوب عدو سے وہ جواں
حق پہ لڑتا تھا مددگار تھا اس کا یزداں | آفریں کہتے تھے ہر وار پہ شاہِ ذی شاں

بے حواسی میں جو ہر ایک لعیں گرتا تھا
وہ کہیں گرتا تھا اور سایہ کہیں گرتا تھا

راقم کو دبیر کے ایک مرثیے کے تین قلمی نسخے دستیاب ہوئے۔ ان میں سے ایک ۱۰ رجب ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء) کا اور دوسرا ۱۸۶۶ء کے لکھے ہوئے ہیں۔ مطلع ہے ؎

رن کی زمیں نمونۂ عرشِ جلیل ہے

مرثیہ پہلی مرتبہ دفترِ ماتم جلد چہارم مطبع شمس العلوم واقع کٹرہ ابو تراب خان ۱۳۱۴ھ میں ۱۵۹ بند میں چھپا تھا پہلے نسخے کی کتابت بمبئی میں ہوئی ہے۔ ترقیمہ یہ ہے۔ "تمت تمام شد بتاریخ دہم رجب ۱۲۶۹ ہجری در بمبئی"۔ مرثیے میں ذیل کے مطلعے ہیں ؎

(۱) بند نمبر ۲ ۔ اے دشت قتل دامن صد کوہ طور ہو

(۲) بند نمبر ۳ ۔ آتا ہے رن میں نیّر اکبر، حسینؑ کا

(۳) بند نمبر ۱۱۲ ۔ اکبرؑ نے کچھ بہار نہ دیکھی شباب کی

(۴) بند نمبر ۱۱۵ ۔ اکبرؑ ہوئے شہید جو عہد شباب میں

مرثیے کا بند نمبر ۱۷ قابل غور ہے ؎

یکتا کا مدح خواں ہوں سو یکتائے نظم ہوں ابر قلم سے میں چمن آرائے نظم ہوں
میں آج بام خطبۂ انشائے نظم ہوں حسنِ بیاں سے مرتبہ افزائے نظم ہوں
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہوں
ہر مرثیے میں موجد طرزِ جدید ہوں

مرثیہ میر ضمیرؔ کی زندگی کا مکتوبہ ہے ۔ نہ معلوم اس کا سال تصنیف کیا تھا ۔ بند کے آخری مصرعے سے راقم کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ مرثیہ گوئی میں "طرز جدید" کے موجد دراصل مرزا دبیرؔ ہی ہیں ۔ مزید ثبوت کے لئے چند اور مرثیے درج کئے جاتے ہیں ۔ جو میر ضمیرؔ کے "طرز نوی" مرثیہ سال تصنیف سنہ ۱۲۴۹ھ سے بہت پہلے تصنیف کئے گئے تھے ۔ چونکہ دفتر ماتم کی اولین جلدیں نایاب ہیں اس لئے دبیرؔ کی اہمیت پوشیدہ رہ گئی ۔

(۱) مرثیہ ۔ دشت جنگاہ میں جب آمد نوشاہ ہوئی ۔ ۱۷ بند

یہ جناب قاسمؑ کے حال کا مرثیہ دفتر ماتم جلد چہارم صـ۵۲ مطبع شمس العلوم لکھنؤ میں سنہ ۱۳۱۴ھ میں چھپا تھا ۔ آخر میں مقطع کے ساتھ ذیل کی تاریخ بھی درج ہے :۔

"منقول عنہ مرقومہ ۲۵ محرم سنہ ۱۲۴۰ ہجری"

مرثیے کا سال تصنیف معلوم نہیں ۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ مذکورہ بالا عبارت کی رو سے مرزا دبیرؔ نے اِسے سنہ ۱۲۴۰ھ سے قبل تصنیف کیا تھا ۔ اس زمانے میں موصوف بقول رجب علی بیگ سرورؔ نامی استادوں میں شمار ہوتے تھے ۔ مرثیہ فنّی لحاظ سے مکمل ہے ۔ اس میں اجزائے ترکیبی یعنی آمد، سراپا، گھوڑا، تلوار، شہادت اور بین کے مضامین خوش اسلوبی سے نظم کئے گئے ہیں اور اپنے استاد گرامی میر ضمیرؔ سے عالم شباب میں مرثیہ

گوئی میں سبقت لے گئے تھے - مرثیہ نادر و نایاب ہے اور اس کی تاریخی اہمیت غیر معمولی ہے،
اس لئے ذیل میں چند بند درج کئے جاتے ہیں ؎

مطلع ؎ دشتِ جنگاہ میں جب آمد نوشاہ ہوئی — ہر طرف جلوہ گر ایک روشنیِ ماہ ہوئی
محوِ دیدار صفِ لشکرِ گمراہ ہوئی — رخِ قاسمؑ پہ فدا قدرت اللہ ہوئی
نور سے ساغرِ خورشید تو معمور ہوا
ذرّہ ریگِ رواں بھی شررِ طور ہوا

آمد ؎ مسکراتا ہوا یہ رن کی طرف آتا ہے — دبدبہ حیدرِ کرار کا دکھلاتا ہے
مرگ کے نام سے دل شاد ہوا جاتا ہے — زلف کو دستِ حنائی سے یہ سلجھاتا ہے
اللہ اللہ کیا وضعِ جوانانہ ہے
زلف میں پنجۂ مرجاں کا عیاں شانہ ہے

سراپا ؎ وصف میں دیدۂ پُر نور کے قاصر ہیں زباں — داغ لالہ کا ہوا کاسۂ نرگس میں عیاں
دیکھ کر مردمکِ چشم میں مردم حیراں — سرمہ مثلِ شبِ قدر آنکھوں سے ہے جلوہ کناں
گوشۂ چشم میں دنبالوں کی زیبائی ہے
کیوں نہ ہو غزالاں آنکھوں میں جگہ پائی ہے

سبزۂ خطِ رخِ روشن پہ نہیں جلوہ نما — ہے عیاں جوہر آئینۂ خورشید ہوا
زیرِ لب اس کے خطِ سبز کی دیکھو تو صفا — طوطیِ حُسن نے کی ہے شکرستاں میں جا
رونق اس خط سے عجب عارضِ پُر تاب کو ہے
روزِ روشن میں گرہ دی شبِ مہتاب کو ہے

خود میں ہے سرِ پُر نور کی کس درجہ صفا — سرِ شمشاد پہ ہے برق چمکتی گویا
اور زرہ میں تنِ پُر نور جو ہے جلوہ نما — گویا امواج میں ہے سایۂ خورشید پڑا
وصف چار آئینے میں فکر کی طغیانی ہے
مثلِ آئینہ مگر عقل کو حیرانی ہے

گھوڑے کی تعریف ؎

مرکب تیز قدم پر جو ہے نوشاہ سوار　　تولتا شاہ سواری کا ہے رتبہ رہوار
ان رکابوں سے ترازو کا ہے نقشہ اظہار　　دیکھکر حال ہرن بھول گئے ہیں رفتار
شوخی آہو سے بھی بے حد و حساب اس کی ہے
حلقۂ دیدۂ آہو سے رکاب اس کی ہے

ہے یہ رہوار کہ ہے قدرت رب اکبر　　مثل سیماب قرار اس کو نہیں اک جا پر
گہہ نہاں مثل تصور ہے کبھی پیش نظر　　یہ چھلاوہ ہے کہ چھل بل ہے دیا برق و شرر
نازک اندام و سبک رو جو یہ گھوڑا ہے
دم رفتار اسے ہر رگ تن کوڑا ہے

تلوار ؎ جب ہوئے تیر کئی جسم سے نوشاہ کے پار　　تب تو پوتے نے یداللہ کی کھینچی تلوار
یا علی کہہ کے کیا فوج پہ حملہ اک بار　　صفت برش شمشیر میں ہو کیا گفتار
تھا بروں عقل سے واں کاٹ وہ جو کرتے تھے
کاٹ کر جسم کو سایہ کو بھی دو کرتے تھے

شہادت ؎ کہکے یہ بات چلے رن کی طرف سبط نبیؐ　　اور ہمراہ ہوئے اکبر و عباسِ علی
پھر صدا قاسمؑ نوشاہ کی شہ نے یہ سنی　　اے چچا جاں مری لاش پہ آؤ جلدی
آپ تو لاشۂ قاسمؑ پہ نہیں آتے ہیں
اور یہ ظالم ہمیں گھوڑوں سے کچلواتے ہیں

بین ؎ بین یہ کرکے جو منہ ڈھانپ کے روئی کبرا　　مادر قاسم نوشاہ کو غش آنے لگا
لاش پر قاسم نوشاہ کے گر کے وہ دکھیا　　سہرا وہ خون بھرا رو رو کے آنکھوں سے ملا
لیں جو لاشے کی بلائیں اسے غش آنے لگے
ہاتھ بھی مادر نوشاہ کے تھرانے لگے

(۲) مرثیہ - جب محفل حاکم میں شہ دیں کا سر آیا - ۸۳ بند

یہ دفتر ماتم جلد یازدہم میں پہلی مرتبہ چھپا۔ اس کے دو نسخے راقم کی نظر سے گذرے۔

ایک راجہ صاحب محمود آباد اور دوسرا نسخہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد کے کتب خانے میں۔ ایک نسخے پر ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ ہجری کا سال کتابت بھی درج ہے۔ مرثیہ مکمل ہے دو بند (مطلع اور مقطع) درج کیے جاتے ہیں ؂

جب محفلِ حاکم میں شہ دیں کا سر آیا — سر آیا کہ خورشید فلک سے اتر آیا
جبرئیل بھی بالائے ہوا نوحہ گر آیا — سایہ کیے شہپر کا سر شاہ پر آیا
نہ تاج ہے نہ عمامہ نہ مندیل تھی سر پر
صدقے سروساماں شہؑ جنّ و بشر پر

زینبؑ کی فغاں سے ہوا اک حشر کا ساماں — خاموش دبیرؔ اب نہیں تقریر کا امکاں
رو رو کے یہ کی عرض کہ اے سیدِ ذیشاں — سو جان سے میں تیرے تصدق ترے قرباں
اس مرثیے پر صاد کرو اے مرے آقا
اور جلد مجھے یاد کرو اے مرے آقا

(۳) مرثیہ ۔ کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے ۔ ۱۴۱ بند

اس کے پانچ نسخے دستیاب ہوئے۔ دو قلمی اور تین مطبوعہ۔ ایک قلمی نسخہ مکتوبہ بجیات دبیرؔ جناب رشید صاحب اور دوسرا مرزا امیر علی جونپوری کے پاس ہے۔ نسخۂ امیر علی بخط نور الحسن کوکب انہی کے بستے کا ہے۔ اس کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:۔

"نور محمد عفی عنہ من تصنیف میاں دبیرؔ صاحب سلمہ"

مرثیہ جناب عباسؑ کے حال کا ہے اور پہلی مرتبہ مطبع اودھ اخبار جلد اول (دسمبر ۱۸۷۵ء) میں غلط اور بے ترتیب چھپا تھا۔ اس کے بعد ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) میں مطبع جعفری لکھنؤ میں ۱۳۷ بند میں شائع ہوا۔ مقطع کے بعد ترقیمہ کی یہ عبارت بھی چھپی ہے ۔

("منقول عنہ مورخہ بست و پنجم شہر ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ ہجری")

یہ مرثیہ بھی دبیرؔ کے عالم شباب کی یادگار ہے۔ راقم نے ایسا شاندار مرثیہ میر خلیق، میرزا فصیح، میاں دلگیرؔ اور ضمیرؔ کے یہاں نہیں دیکھا ہے۔ مطلع اول کے علاوہ ذیل کے مطلعوں نے بھی مرثیے میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

(۱)	کس کے علم کے سایے سے طوبیٰ نہال ہے	بند نمبر ۲
(۲)	درگاہ ہے کس جناب کی عالم پناہ ہے	″ ۳
(۳)	کیوں عرش ذوالجلال کا سرتاج عین ہے	″ ۴
(۴)	کیوں حرف عین افسر عرش جلیل ہے	″ ۵
(۵)	فولاد کی ضریح میں کس کا مزار ہے	″ ۷
(۶)	عرش بریں غبار ہے کس بارگاہ کا	″ ۸
(۷)	کس کے علم کے پنجے سے خورشید زرد ہے	″ ۹
(۸)	جب رن میں گل چراغ مزار حسن ہوا	بند نمبر ۳۲
(۹)	عباسؑ جبکہ جانب باغِ جناں چلے	″ ۵۵
(۱۰)	خیبر شکن کے لال کی آمد ہے صف شکن	″ ۶۰
(۱۱)	پڑھتی ہوئی زبان سے یہ لافتیٰ چلی	″ ۸۵
(۱۲)	جب سرکشوں پہ سایۂ تیغ اجل گرا	″ ۱۰۶

یہ مرثیہ ہم نے "انتخاب مراثی مرزا دبیرؔ" مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ میں شامل کیا ہے۔ اس لئے ذیل میں تلوار کی تعریف میں صرف دو بند طرز اسلوب کے بارے میں درج کرتے ہیں ؎

نکلی غلافِ نور سے تفسیر جوہری　　یا آکے دست بوس سلیماں ہوئی پری
یا حجلے سے عروس نے کی جلوہ گستری　　یا تھی یہ شاخ میوۂ طوبیٰ ہری بھری
اس ہاتھ سے مرادیں تھیں جو جو وہ مل گئیں
باچھیں خوشی سے تیغ کے قبضے کی کھل گئیں

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا　　بیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا　　مریخ الگ زمیں پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جاں نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیاں نہیں

(۴) مرثیہ ۔ جس وقت شمس، شمسۂ برج فلک ہوا ۔ ۸۵ بند

یہ دفتر ماتم جلد اول مطبع سبطیہ صا۷ میں ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں سب سے پہلے چھپا تھا۔ مقطع کے بعد ذیل کا ترقیمہ موجود ہے :۔

("منقول عنہ مرقومہ ۱۲۴۷ھ ہجری")

ذیل میں چند بند درج کیے جاتے ہیں ؎

جس وقت شمس، شمسۂ برجِ فلک ہوا　　مشرق سے فرشِ نور کا مغرب تلک ہوا
شرمندہ ماہ دیکھ کے اس کی جھلک ہوا　　عالم میں ذکر خالق جن و ملک ہوا
شب کی روانگی تھی سحر کا ظہور تھا
ہر جا پہ روشنی تھی ہر اک جا پہ نور تھا

سجادۂ ماہتاب کا دن چرخ سے اٹھا　　اور کعبۂ زباں کا مصلیٰ یہاں بچھا
تسبیح دستِ پاک میں اور لب پہ تھی دعا　　روشن تھے دل نے اختر تابندہ سے سوا
نورِ جبین شہ سے عجب آب و تاب تھی
پر نورِ سجدہ گہہ صفت آفتاب تھی

وہ صبح کا ظہور وہ میدان کربلا　　بجنا ہر اک سمت کو وہ طبل جنگ کا
فوجِ عدو میں ایک کو تھا ایک جگا رہا　　اور پیک سونے والوں کو دیتے تھے یہ صدا
جاگو درست فوج اُدھر اور ادھر ہوئی
لو گردن حسینؑ کو کاٹو سحر ہوئی

یا صف کشیِ فوج خدا کا کہوں میں حال　　قربان ہو رہی تھی وہاں شوکت و جلال
عالم تھا حسن کا علم شاہ پر کمال　　وہ پرچم سیاہ وہ دامان لال لال
شہرہ علم کا تھا فلک نیل پوش پر
عباسؑ نے رکھا تھا اسے اپنے دوش پر

(۵) مرثیہ ۔ پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی ۔ ۱۵۹ بند

یہ پہلے مطبع اودھ اخبار میں بے ربط اور غلط چھپا تھا۔ مقطع بھی غلط ہے۔ اس

کے بعد یہ دفتر ماتم جلد ہشتم مطبع جعفری میں ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) میں ۱۵۳ بند میں چھپا تھا۔ آخر میں یہ ترقیمہ ملتا ہے :۔

("منقول عنہ مورخہ بست و ہشتم ذی الحجہ ۱۲۴۸ ہجری یوم سہ شنبہ")

ہم نے یہ مرثیہ کئی قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کر کے اپنی کتاب "انتخاب مراثی مرزا دبیر" میں شائع کیا ہے۔ اس میں کئی غیر مطبوعہ بندوں کا بھی پہلی مرتبہ اضافہ کیا گیا ہے۔

مرثیہ دبیر کے شہکاروں میں ہے۔ ذیل میں چند بند پیش کئے جاتے ہیں ؎

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی　　پنہاں درازی پر طاؤس شب ہوئی
اور قطع زلفِ لیلیٰ زہرہ لقب ہوئی　　مجنوں صفت قبائے سحر چاک سب ہوئی
فکرِ رفو تھی چرخِ ہنر مند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے

تلوار کی تعریف :۔

شامی کباب بھتے یہ ہوئی جب شرر فشاں　　اہل تتار بن کے ہرن ہو گئے رواں
مصری نبات کر سکے یوں قطع کی زباں　　بت بن کے گبر رہ گئے بھرائیں پتلیاں
صحرا کے ذرّے صورت قاروں دنی بنے
نصرانی خاک ہو گئے گل ارمنی بنے

ناز و ادا سے لیلیٰ فتح و ظفر چلی　　مجنوں ہزاروں ہو گئے اس کے جدھر چلی
فوج عدو میں موت کی بن کر خبر چلی　　مغرور خود سروں پہ جو تیغ دو سر چلی
شفاف و صاف جنگ کا میدان کر دیا
توڑے پرے صفوں کو پریشان کر دیا

(۶) مرثیہ — جب قرب ہوگا آمد شہ رو نشور کا — ۱۱۰ بند

اس کے کئی قلمی نسخے راقم الحروف کی نظر سے گذرے ہیں۔ یہ پہلی مرتبہ دفتر ماتم جلد چہاردہم مطبع دبدبۂ احمدی میں مارچ ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اسے سید مرتضیٰ حسین فاضل نے بھی "جواہر دبیر" میں دوبارہ مرتب کر کے زیور طبع سے آراستہ کیا۔ بقول مرتب،

اس کے پیش نظر ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۴۸ھ ہجری کا مخطوطہ تھا جس کے ۱۰ بند مرزا دبیر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب نے پہلی مرتبہ جناب امام مہدی علیہ السّلام اور دجال کا سراپا کھینچے ہیں۔ دیکھئے جناب مہدیؑ کا سراپا کس طرح پیش کرتے ہیں ؎

وصف دہانِ تنگ بھلا کیا کرے زباں   وہ ہوگا مثل غیبت مولائے دوجہاں
موجود ہر نگاہِ خلائق سے وہ نہاں   وصف دہن میں عقل کرے کی یہی بیاں
عہد ظہور میں بھی دہن ہے چھپا ہوا
اک رازِ حق نہاں ہے اور اک راز وا ہوا

گیسو دلیل شرع کے دو لام لا کلام   رخ پر ہوا سے آگئی گر زلف مشک فام
اس میں نمود یوں الف بینی اِمام   جس طرح لام میں ہے الف اور الف میں لام
یوں لائق درود شبیہہ امام ہے
جس طرح سے نماز میں واجب سلام ہے

اب دجّال کا سراپا بھی دیکھئے ؎

یارو سنو! اب آمد دجال روسیاہ   سگ اس کی شکل نحس سے مشتق خدا گواہ
ریش دراز جس میں شیاطین کی پناہ   بینا جو ایک چشم تو اک چشم کور وہ
گو کفر سب ملا تھا ازل میں مرید کو
باقی جو کچھ رہا تو ملا اس پلید کو

بے شبہ لام ظلم وہ گیسوئے پیچدار   عصیاں کا نون ابروئے دجال نابکار
اور لام دونوں میں چشم تھی یوں اس کے آشکار   جوں درمیان لعن کی ہے عین برقرار
اس منہ پر پھر عروج وہ اہل ستم کرے
جس پر کہ لعن خامۂ قدرت رقم کرے

مرثیے کا ایک اور قلمی نسخہ مرزا امیر علی جونپوری کے پاس ہے۔ وہ کسی فخر الدین حسین نے ۹ شوال المکرم روز یکشنبہ ۱۲۷۴ھ کو نقل کیا ہے۔ اس میں ذیل کے دو مطلعے زیادہ اور غیر مطبوعہ ہیں ؎

جب گرم عدل و داد کا بازار ہوئے گا — یعنی ظہورِ سید ابرار ہوئے گا
ہر ذرہ آفتاب ضیا بار ہوئے گا — روشن بشان احمد مختار ہوئے گا
ہاہم ندا یہ ہو گی فلک اور زمین کی
اب ہے شکست کفر کی اور فتح دین کی

بزم غم حسینؑ کا رتبہ عظیم ہے — موجودیاں پہ روح رسولِ کریم ہے
فرماتے ہیں نبیؐ جو یہاں کا مقیم ہے — بے شک حرام اس پہ شرارِ جہیم ہے
روئے گا یاں جو آکے شہ تشنہ کام کو
ہنستا ہوا اٹھے گا وہ روز قیام کو

(۷) مرثیہ — کیا شور آمد آمد عباسؑ رن میں ہے۔ ۷۲ بند

یہ مرثیہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے میر ضمیرؔ کی مطبوعہ جلد ص ۲۳۹ میں غلطی سے چھپ گیا ہے۔ یہ دراصل مرزا دبیرؔ کی تصنیف ہے۔ مجھے اس کا ایک قلمی نسخہ ۲۸ جمادی الاول ۱۲۴۴ھ ہجری کا راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں ملا۔ یہ دفتر ماتم جلد سیزدہم میں بھی چھپا ہے۔ اس میں چہرہ، آمد، سراپا، گھوڑا، تلوار اور بین وغیرہ کے مضامین بڑی عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں۔ صرف تلوار کی تعریف میں ایک بند پیش کرتا ہوں ؎

وہ تیغ شعلہ وار اگر فرق پر گئی — دو کر کے جسم ناخنِ پا تک اتر گئی
مسکن سے اپنے گاؤ زمیں کو بچ کر گئی — آئی ادھر ادھر سے اُدھر سے ادھر گئی
فق رنگِ آسمان بسان سحر ہوا
خود آفتاب خوف سے مثل سپر ہوا

(۸) مرثیہ۔ اے شمس و قمر نور کی محفل ہے یہ محفل۔ ۱۳۲ بند

میر ضمیرؔ کے "طرز نوی" والے مرثیہ (سال تصنیف ۱۲۴۹ھ) کی تقلید میں یہ مرثیہ کہا گیا تھا۔ ضمیرؔ نے اسے ۱۰۱ بند میں تصنیف کیا۔ اسی زمانے میں میر خلیقؔ نے بھی ضمیرؔ کی تقلید میں ضمیرؔ کے ہی مطلع کے ساتھ اسے ۷۱ بند میں کہا تھا۔ مرثیہ علی اکبرؑ کے حال میں ہے

اور تینوں شاعروں نے اس میں علی اکبر کا سراپا نظم کیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ دبیر کے مرثیے میں جو خوبیاں ہیں وہ خلیق اور ضمیر میں کہاں ہیں؟۔ دبیر نے مرثیہ ۱۲۵۰ھ میں کہا تھا۔ جس مجلس میں بقول ثابت لکھنوی (حیات دبیر ص ۱۵۲) دبیر نے یہ مرثیہ پڑھا تھا اس میں آتش لکھنوی بھی موجود تھے۔ جب دبیر نے ذیل کا بند اسپ علی اکبرؑ کی تعریف میں پڑھا تو خواجہ صاحب نے بے ساختہ داد دی ؎

وہ رخش تھا یا ابلق ایام کا اقبال نکھ سکھ سے درست اور جواں بخت و جواں سال
جادو کی نری آنکھ فقط معجزے کی چال خورشید سے سُم برق کی دم، سنبلہ کی یال
قوت کی طبیعت تھی دلیری کا جگر تھا
سرعت کا بدن، فہم کا دل عقل کا سر تھا

اسی طرح سال ۱۲۴۹ھ یعنی ضمیر کے "طرز نوی" تک مرزا دبیر کے متعدد مرثیے راقم کی نظر سے گذرے ہیں جو میر ضمیر کے مرثیوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہیں۔ یہ مرثیے مکمل فن کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ اگر یہ مرثیے علامہ شبلی دیکھتے تو دبیر کے ساتھ انصاف کرتے۔

دبیر کا آخری مرثیہ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر نے لکھنؤ میں ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۹۱ھ کو آخری مجلس پڑھی تھی۔ اس میں ثابت لکھنوی نے بھی شرکت کی تھی۔ جو مرثیہ پڑھا گیا تھا اس کا مطلع ہے ؎

ع انجیلِ مسیحِ لبِ شبیر ہیں عباس

مرثیہ ناتمام تھا۔ جب پڑھتے پڑھتے آپ ساکت ہوئے لوگوں نے عرض کی۔ حضور کچھ اور عنایت ہو۔ تو مرثیے کا آخری سادہ ورق دکھا کر فرمایا کہ بس اتنا ہی کہا ہے۔

(حیاتِ دبیر ص ۱۲۹)

مرثیہ پہلی مرتبہ دفتر ماتم کی جلد دوم میں مرزا تصدق حسین تخلص دلگیر کی فرمائش اور قاری یعقوب علی خان تخلص نصرت کے اہتمام سے ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں ۸۱ بند میں چھپا تھا۔ آخری بند یہ ہے ؎

یہ شانہ ترازو میں دھریں گے جو پیمبرؐ آئے گا تلاطم میں یم رحمت داور
فرمان یہ پہنچے گا کہ اے شافع محشر اس غول کو بھی ہم نے جناں دی مع کوثر
کہہ دو یہ دلاور بھی مرا خاص ولی ہے
بندوں پہ فقط خاطر عباس علیؑ ہے

بند کے آخر میں حاشیے میں یہ عبارت بھی درج ہے :۔

"یہ مرثیہ بوجہ انتقال جناب مصنف مرحوم ناتمام رہا۔"

جناب سید محمد رشید صاحب کی قلمی جلد اول میں اس مرثیے کے سبھی بند ایک علیحدہ مرثیے میں درج ہیں جس کا مطلع یہ ہے ۔ ع "ذی قعدہ میں وہ قاعدۂ نو ہو سخن میں[1]" اس میں ۲۱۴ بند ہیں ۔ مقطع درج نہیں ہے ۔ مرثیہ جناب عباسؑ کے حال کا ہے اور بڑے جوش و خروش کا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دبیر کے زمانۂ پیری کا ہے ۔ چہرے کے تین بند درج کئے جاتے ہیں ۔

ذی قعدہ میں وہ قاعدۂ نو ہو سخن میں مصرعہ نو بن کے لگے چرخ کہن میں
ہر ایک طرف واہ کا افواہ ہو رن میں شیروں کا پتا ہو نہ ترائی میں نہ بن میں
وہ حشر کہ شیرازہ کشائے جزو کل ہے
عباسؑ کی تلوار کے اک وار کا غل ہے

یا حضرت روح القدس امداد کو آؤ تائید زبانِ سخن ایجاد کو آؤ
آرائش مضمونِ خداداد کو آؤ لے کر قلم وحیِ رقم، صاد کو آؤ
نقشے وہ کھینچیں مصرعۂ اسرار نما کے
غل ہو کہ مرقع ہیں یہ الہام خدا کے

انجیلِ مسیح غم شبیرؑ ہیں عباسؑ سرخی سرِ سورۂ تقدیر ہیں عباس
ہر مصحفِ اخلاص کی تفسیر ہیں عباس ہر جزو و کل آیۂ تسخیر ہیں عباس

---

[1] دوسرے نسخے میں مصرعہ یوں ہے "یارب ہو وہ تاثیر عطا میرے سخن میں"

شمشیرِ خدا ہیں سپرِ شاہِ عرب ہیں
خالق کے سوا قبضے میں اس تیغ کے سب ہیں

مرثیے کا ستروں بند مطلع ثانی سے شروع ہوتا ہے اور وہ یہ ہے :-

اے صبحِ وفا کون ترا شمس ضحیٰ ہے — اے شامِ ولا کون ترا بدرِ دجیٰ ہے
اے راہِ رضا کون ترا راہ نما ہے — اے خضرِ حیا کون ترا آبِ بقا ہے
لو ہم سے سنو فخر تمہارا جو ولی ہے
تا حشر کہے جاؤ وہ عباسؑ علیؑ ہے

یہ مطلع ثانی دفترِ ماتم جلد اول میں ۱۴۲ بند میں چھپا ہے۔ مرثیے کے مزید مطلعے یہ ہیں :-

بند نمبر ۱۰۰ — آئی جو خزاں حیدرؑ و جعفرؑ کے چمن میں
بند نمبر ۱۱۴ — چوبیس پہر پیاس میں گزرے جو حرم کو

مرزا دبیر کا عقیدہ تھا کہ شاعری میں جو عروج انہیں حاصل ہوا تھا وہ آلِ رسولؐ کے طفیل سے تھا۔ مثال میں زیرِ نظر مرثیہ کے تین بند پیش کئے جاتے ہیں :-

بند نمبر ۱۳۴ :-

پھر جوش میں تائیدِ خدا لائی ہے مجھ کو — پیری میں جوانی کی امنگ آئی ہے مجھ کو
حیدرؑ کے تولا کی توانائی ہے مجھ کو — مضموں کے جلانے میں مسیحائی ہے مجھ کو
دو ہی ہیں دبیرؔ اس میں نہیں ایک کو شک ہے[1]
میں زینتِ منبر ہوں وہ بالائے فلک ہے

بند نمبر ۱۳۵ :-

شاگردِ حسامِ دو زباں کلک مرا ہے — ہر خیبرِ مضموں کا یہی قلعہ کشا ہے
گر شاہ و گدا ہوں ہمہ تن گوش بجا ہے — شہنامہ نہیں مرثیۂ سیفِ خدا ہے
پڑھتا ہوں صفِ نظم میں ہٹنا نہیں آتا
سب آتا ہے مضمون کا لڑنا نہیں آتا

---

[1] نسخۂ ثانی :- ہر وقت اسی ذکر اسی فکر میں کد ہے
یا حضرتِ عباسؑ علیؑ وقتِ مدد ہے

خاقانی و فردوسی و سعدی و نظامی   شاہوں کی مدد سے ہوئے آفاق میں نامی
عباسؑ ہیں اس بندۂ درگاہ کے حامی   دیتا ہے سخن لکھ کے مجھے خط غلامی
کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضموں بھی ہمارا نہیں لڑتا ہے کسی سے   (بند نمبر ۱۳۶)

ثابت لکھنوی نے بند کا شعر یوں غلط لکھا ہے ؎

ہیں وہ ہی دبیر اس میں نہیں ایک کو شک ہے
منبر میری جاگیر مقام اس کا فلک ہے

قلمی نسخہ نورالحسن کوکب کے بستے میں تھا۔ کاغذ کسی انگریزی فرم کا بنا ہوا ہے۔ ہر صفحے پر ۱۸۸۲ء کی تاریخ اور مہر چھپاں ہے۔

مرثیہ (انجیلِ مسیحِ غمِ شبیرؑ ہیں عباس) کا ایک اور قلمی نسخہ ۱۹۲ بند کا پیش نظر ہے بند نمبر ۱۹۳ کے صرف دو مصرعے درج ہیں۔ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں ؎

بند نمبر ۱۹۲ :-

شہ رونے لگے اور یہ کی رحم کی تقریر   آخر ہے علیؑ پھر سزائے بیکس و دستگیر
کر عفو خدا کے لئے تو اس کی یہ تقصیر   میں کام کروں گا تیرا بے حجت و تاخیر
حیدر کے عوض میں ترے فرزند کو پالوں
یا مشک مجھے دے کہ میں کاندھے یہ اٹھا لوں

نمبر ۱۹۳ وہ کہنے لگے مجھ سے ہلا ہے مرا ناداں   پر مشک اٹھائے تو ترا ہوئے گا احساں

مرثیہ میں مقطع درج نہیں ہے۔ اور نامکمل ہے۔ ابتدا میں سادے ورق پر نورالحسن کوکب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارت ہے :-

"از بستۂ نورالحسن، حال جناب شہادتِ عباسؑ و شادی مادرِ عباسؑ تصنیف دبیر ۱۳۰۵ ہجری"

مرثیہ جس کاغذ پر لکھا ہوا ہے وہ انگریزی فرم کا بنا ہوا ہے۔ ہر ورق پر ۱۸۸۶ء کی تاریخ

؎ نسخۂ ثانی :-   ہر وقت اسی ذکر اسی فکر میں کد ہے
یا حضرت عباسؑ علیؑ وقت مدد ہے

درج ہے۔ اسی سال مرثیہ بھی اس پر نقل کیا گیا ہے۔ کیونکہ ۱۳۰۵ھ ۱۸۸۶ء
کے مطابق ہوتے ہیں۔

مرزا دبیر کے قلمی آثار[1]

(۱) **ذخیرۂ ادیب مرحوم** اردو کے مشہور و معروف اور مستند محقق و نقاد پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم نے بڑی دیدہ ریزی اور جستجو سے متعدد مرثیے جمع کر کے ایک بے مثال کتب خانہ قائم کیا اور اس میں عمر بھر اضافہ کرتے رہے۔ اس کتب خانہ کے بارے میں مجھے خواجہ غلام السیدین اور سید علی اکبر کاظمی (پٹنہ) ناظم تعلیمات حکومت جموں و کشمیر نے آج سے کوئی تیس سال پہلے مطلع کیا تھا۔ جب میں نے کتب خانہ دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ یہاں قلمی مرثیوں کے سیکڑوں نسخے اور مطبوعات میں متعدد نادر و نایاب چیزیں موجود تھیں۔ میں نے ادیب مرحوم کی نگرانی میں سالہا سال کتب خانہ سے استفادہ کیا۔

(۲) **ذخیرۂ سید محمد رشید صاحب** دوسرا کتب خانہ سید محمد رشید صاحب مدظلہٗ کا ہے۔ یہاں بھی بیش بہا نادر و نایاب نوادرات ہیں۔ جو چیزیں ادیب مرحوم کے پاس نہیں تھیں، وہ یہاں آسانی سے ملتی ہیں۔ موصوف بڑے خوش اخلاق اور مددگار ہیں۔ کتب خانہ میں بیٹھ کر میں نے کئی کتابیں مرتب کر کے شائع کی ہیں۔

(۳) قلمی مرثیوں کا ایک بڑا ذخیرہ راجہ صاحب محمود آباد کی ملکیت میں ہے۔ یہاں وہ قیمتی اور نایاب چیزیں ہیں جو اور کہیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ میں کوئی پندرہ سال تک اس نادر الوجود کتب خانے کو کھنگالتا رہا اور کئی کتابیں مرتب کر کے شائع کیں۔ انمیں دیوان میر، دیوان دلگیر، دیوان نامی اور میر ضمیر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

(۴) قلمی مراثی کا ایک قابلِ ذکر ذخیرہ مشہور و معروف اردو پبلشرز مرزا امیر علی جونپوری کا ہے۔ اس میں میر انیس اور مرزا دبیر وغیرہ کے نادر و نایاب مرثیے موجود ہیں۔ یہ کتب خانہ

---

[1] یہ مضمون دو سال قبل شائع ہو چکا تھا۔ (اکبر حیدری)

بھی عرصۂ دراز تک میری دست رس میں رہا۔

ان سبھی کتب خانوں نے میرے ادبی سفر میں سنگِ میل کا کردار ادا کیا اور مجھے اس قابل بنا دیا کہ میں نے رثائی ادب میں کئی کتابیں اور بے شمار مضامین شائع کیے۔ ان میں باقیاتِ انیس، میر انیس نمبر نقوش لاہور، اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقاء، مراثی دبیر (مطبوعہ اردو اکادمی لکھنؤ) اور شاعرِ اعظم مرزا سلامت علی دبیر وغیرہ پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی گئیں۔ مزید برآں ان کتب خانوں میں بیٹھ کر میں نے تین اور اہم کتابیں مرتب کرکے تیار کی ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) باقیاتِ دبیر:۔ اس میں مرزا دبیر کی قدیم ترین نادر و نایاب مطبوعات اور مخطوطات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مرزا دبیر کے کوئی پچیس ۲۵ نایاب اور غیر مطبوعہ مرثیے شامل کیے گئے ہیں۔ کلامِ دبیر کے سیکڑوں غیر مطبوعہ بندوں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ کتاب ۲۲×۱۸ سائز میں ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگی۔

(۲) مراثی میر خلیق:۔ خلیق کے مرثیے نادر و نایاب ہیں اور آج تک ان کا کوئی مرثیہ شائع نہیں ہو سکا ہے۔ اوپر کے کتب خانوں میں ان کے سیکڑوں غیر مطبوعہ مرثیے موجود ہیں۔ ۳۰ مرثیے مجھے مرحوم مہاراجکمار صاحب نے استفادہ کے لئے دیئے تھے جن کا زیراکس لیا گیا ہے۔ کئی مرثیے خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقاء" میں خلیق کے مراثی کی تفصیلی فہرست شائع کی ہے۔ کتاب ۵۵۶ صفحات میں ہوگی۔

(۳) ہندو مرثیہ گو شعراء:۔ آج سے دس سال قبل یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے یہ پروجیکٹ مجھے دیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ کتاب ۴۴۸ صفحات میں مکمل ہو گئی ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حیدرآباد کے بے نظیر کتب خانوں نے میری تحقیق کی پیاس کسی حد تک بجھائی ہے۔ یہاں مجھے انیس اور دبیر کے غیر مطبوعہ مرثیے دستیاب ہوئے ہیں۔

خدا بخش لائبریری پٹنہ اور خانقاہ پھلواری شریف کے بیش بہا اور غیر مطبوعہ

مرثیے بھی میں نے دیکھے ہیں۔ یہاں بھی اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔

(۱) مراثی دبیرؔ (قلمی) ذخیرۂ ادیبؔ مرحوم

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۔	آفاق میں مخصوص جو امّت ہے نبیؐ کی	۹۰
۲۔	انیسویں شب آئی جو ماہِ رمضاں کی	۳۱
۳۔	اے ابر تر بتا گہر بے بہا ہے کیا	۳۹
۴۔	اے خالقِ سبحاں تو مری عقل رسا کر	۹۳
	(نسخۂ محمود آباد میں ۱۰۶ بند ہیں اور ۱۲۶۱ھ کا ہے)	
۵۔	اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے	۱۹۰
۶۔	اے شمع قلم انجمن افروز رقم ہو	۹۵
۷۔	اے لوح و قلم زیب دہ لوح و قلم ہو	۹۵
۸۔	اے مومنو! سب خلق پہ احسان علیؑ ہے	۶۲
۹۔	اے مومنو! شاہِ شہدا ہوتے ہیں شبیرؑ	۵۲
۱۰۔	اے مومنو! کس باغ میں عالم ہے خزاں کا	۳۵
	(مجموعہ مرثیہ میر ضمیر ص ۲۵۹ میں غلطی سے چھپا ہے)	
۱۱۔	اے مومنو! کیا باعثِ ایجاد زمیں ہے	۱۱۰
۱۲۔	بانو پچھلے پہر اصغرؑ کے لئے روتی ہے	۲۷
	(مالک ایں مرثیہ بلاس رائے ذاکر سید الشہداؑ۔)	
۱۳۔	بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے	۹۲
۱۴۔	برگشتہ ہے چرخ ستم ایجاد دوبارہ	۳۰
	(ناتمام۔ تخلص ندارد)	
۱۵۔	بزم عزا میں روحِ حسنؑ کا ورود ہے	۱۲۶
۱۶۔	بلا سے چھٹ کے حرم کربلا میں آئے ہیں	۵۲

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۷۔	بلقیس پاسباں ہے یہ کس کی جناب ہے	۱۰۰
۱۸۔	پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی	۱۰۲
۱۹۔	پڑھتا ہے رجز رن میں رجز خوانِ پیمبرؐ	۳۴
۲۰۔	تھے حسن میں یوسفؑ سے بھی بہتر علی اکبرؑ	۷۵
۲۱۔	ثابت جو انتقال نجوم و قمر ہوا	۱۳۷
۲۲۔	جانبازیِ حُر کی جو حرم میں خبر آئی	۶۸
۲۳۔	جب آفتابِ برجِ امامت ہوا غروب (نسخۂ دوم ۶۲ بند)	۷۱
۲۴۔	جب اخترِ یعقوبؑ پہ کی مہر خدا نے	۱۱۰
۲۵۔	جب اہلِ بیت بے سروسامان ہو گئے (نسخۂ دیگر خلیقؔ تخلص ہے اس میں ۵۱ بند ہیں)	۲۱
۲۶۔	جب پریشان ہوئی مولا کی جماعت رن میں	۲۱
۲۷۔	جب پشتِ زیں سے دوشِ نبیؐ کا مکیں گرا (نسخۂ ثانی میں خطیرؔ تخلص ہے)	۶۳
۲۸۔	جب تیغ انتقام برہنہ خدا نے کی	۷۷
۲۹۔	جب چمن خاک میں اکبرؑ کی جوانی کا ملا	۴۶
۳۰۔	جب حرم قلعۂ شیریں کے برابر آئے	۵۰
۳۱۔	جب خانۂ زنداں میں سکینہؑ نے قضا کی	۲۱
۳۲۔	جب داخل وطن حرمِ مصطفیٰؐ ہوئے	۴۹
۳۳۔	جب دخترِ خاتونِ قیامت ہوئی پیدا (نسخۂ دوم ۵۹ بند)	۶۶
۳۴۔	جب دولتِ اولادِ شہِ دیں نے لٹا دی۔	۲۸

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۳۵-	جب رن میں بوسہ گاہِ پیمبرؐ ہوئی قلم	۵۸
۳۶-	جب رن میں ذوالفقار عَلَم کی حسینؑ نے	۹۴
	(نسخۂ دوم میں ۹۲ بند اور نسخۂ سوم میں ۹۱ بند ہیں)	
۳۷-	جب رن میں شیرِ حق کا پسر حملہ ور ہوا	۳۸
۳۸-	جب رن میں صبح خاتمۂ پنجتن ہوا	۳۵
۳۹-	جب رونقِ مرقعِ کون و مکاں ہوئی	۸۴
	(موافق اصل است، سرِ مو فرق نیست نسخۂ دوم ۵۱ بند، سوم میں ۳۹ بند)	
۴۰-	جب سرنگوں ہوا علم کہکشانِ شب	۱۵۰
	(نسخۂ دوم میں ۱۱۵ بند)	
۴۱-	جب سے کہ ہوا سلسلہ تولیدِ بشر کا	۶۲
۴۲-	جب شام میں سیپارۂ صبحِ الم آئے	۷۵
۴۳-	جب صبح کو مشرق سے نمایاں ہوا خورشید	۹۰
۴۴-	جب عابد مریض کو داغِ پدر ملا	۴۵
۴۵-	جب فوجِ حسینی کے علمدار کو مارا	۳۵
۴۶-	جب قطع کیا روز کی منزل کو قمر نے	۱۲
	(ناقص)	
۴۷-	جب کربلا کو شام سے لشکر ہوا رواں	۲۷
۴۸-	جب طے سفرِ شام ہوا ماہِ صفر میں	۵۹
۴۹-	جب کہ دوپہر میں زہراؐ کا چمن رن میں لٹا	۲۳
۵۰-	جب لشکرِ خدا کے جواں کام آچکے	۳۳
۵۱-	جب مبتلا بلا میں شہِ کربلا ہوئے	۳۹-۷۸
	(شروع میں ۳۸ بند نہیں ہیں۔ مرثیہ مطلع ثانی سے شروع ہے)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۵۲-	جب محفلِ حاکم میں شہِ دیں کا سر آیا	۶۹
۵۳-	جب نیزے کی خواہش ہوئی اکبر کے جگر کو	۸۱
۵۴-	جب وعدے پہ شبیرؑ نہ پھر آئے سفر سے	۳۰
۵۵-	جب ہو گیا تباہ سفینہ نجات کا	۸۰
۵۶-	جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہِ شبیرؑ	۵۱
۵۷-	جب یزید اپنے گناہوں سے پشیمان ہوا	۶۷
	(نسخۂ دوم ۳۶ بند)	
۵۸-	جو زائرِ حسین علیہ السلام ہو	۴۵
	(دو نسخے)	
۵۹-	چھانٹے گئے جب نخلِ گلستانِ پیمبرؐ	۲۰
۶۰-	حسینؑ جب کہ چلے بعد دوپہر رن کو	۳۰
۶۱-	خاصانِ خدا کو جو محبت ہے خدا سے	۵۳
	(نسخۂ ثانی ۴۰ بند)	
۶۲-	خورشید نے برہم جو کیا دفترِ انجم	۱۲۰
	(نسخۂ دوم ۱۱۴، نسخۂ سوم ۱۱۳ بند)	
۶۳-	داخل ہوئے جب ماریہ میں ابنِ یداللہ	۲۷
۶۴-	دنیا جو بنتِ خسروِ کنعاں کا نام تھا	۱۱۰
۶۵-	دنیا کا عجب حال کتابوں میں لکھا ہے	۱۴۷
۶۶-	دوپہر میں چمن فاطمہ مقتل میں لٹا	۲۳
۶۷-	دیکھا جو حُرؑ نے احمدِ مرسلؐ کو خواب میں	۳۰
۶۸-	ذرہ ہے آفتاب درِ بوتراب کا	۸۱
۶۹-	رن میں باندھے ہوئے سہرے کو جو آئے قاسمؑ	۴۶
	(نسخۂ دوم ۳۱ بند)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۷۰۔	رن میں زوالِ مہرِ نبوت کا وقت ہے	۶۴
۷۱۔	زنداں سے اسیروں کو رہا کرتے تھے حیدرؑ	۳۷
۷۲۔	زندانِ شام میں جو حرم کو سحر ہوئی	۷۵
	(نسخۂ دوم ۳۷ بند)	
۷۳۔	زوالِ فوجِ خدا جب دمِ زوال ہوا	۲۹
۷۴۔	زینبؑ کو نہایت غمِ شاہِ شہدا تھا	۳۲
۷۵۔	زینبؑ کے پسر معرکہ آرائے وغا تھے	۹۴
	(نسخۂ دوم ۸۸ بند)	
۷۶۔	سیفی کا نمونہ مری شمشیرِ زباں ہے	۱۵۴
۷۷۔	شاہِ شہدا مطلعِ تسلیم و رضا ہے	۱۱۱
	(نسخۂ دوم ۹۳ بند)	
۷۸۔	شرف ازل سے جو ازواجِ مرتضیٰ کو ملا	۱۱۰
۷۹۔	شیریں کو جب حسینؑ نے آزاد کر دیا	۴۱
۸۰۔	صبحِ عاشور نے جب چاک گریبان کیا	۳۸
۸۱۔	صغرا کو عجب فرصتِ شبیرؑ کا غم تھا	۳۷
۸۲۔	صغرا کے لیے تحفۂ غم لاتی ہے زینبؑ	۴۳
۸۳۔	ظلمات کے چشمے پہ سکندر کی ہے آمد	۶۰
۸۴۔	عاشور کو برہم جو ہوا دفترِ ایماں	۲۴
	(نسخۂ دوم ۱۰ بند)	
۸۵۔	عباسؑ دلاور گہرِ اہلِ وفا ہے	۸۰
۸۶۔	عزیزو! آج شہادت کی رات آئی ہے	۲۵
	(بغیر مقطع کے مجموعۂ مرثیۂ میر ضمیر ص ۱۵۹ میں چھپا ہے)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۸۷۔	عزیزو! بخیۂ زخمِ جگر نہیں ہوتا	۳۸
۸۸۔	غمِ شبیر میں جو آہ و بکا کرتے ہیں	۳۸
۸۹۔	فرزندِ علی برجِ سخاوت کا قمر ہے	۳۲
۹۰۔	فرزند کو امت پہ فدا کرتے ہیں شبیرؑ	۲۵
۹۱۔	فلک نے کارِ قضا سے جب انفراغ کیا	۳۴
۹۲۔	فولاد کی ضریح میں کس کا مزار ہے	۱۲۶
۹۳۔	قدرت کے آفتاب کا مطلع حسینؑ ہے	۸۴
۹۴۔	قید خانے میں تلاطم ہے کہ ہند آتی ہے	۴۶
۹۵۔	قید سے یوسفِؑ شبیر رہا ہوتا ہے	۹۶
۹۶۔	کب خلد ہے بزمِ غمِ مولا کے برابر	۷۵
۹۷۔	کرسی نشینِ عرشِ منور حسینؑ ہے	۹۰ (نسخۂ دیگر ۴۲ بند)
۹۸۔	کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو	۱۰۲
۹۹۔	کوفے میں بہار آئی جو گلگشتِ حسن کو	۱۲۸ (نسخۂ دیگر ۱۱۸ بند)
۱۰۰۔	کوہِ رقیم پر جو علی کا گذر ہوا	۸۴
۱۰۱	کیا آمدِ جبریل تھی مرغوبِ نبیؐ کو	۱۱۱ (نسخۂ دیگر ۱۰۷ بند)
۱۰۲۔	کیا خاطرِ شبیرؑ ہے درگاہِ خدا میں	۴۰
۱۰۳۔	کیا خلقِ حسن تھا حسنؑ سبز قبا میں	۸۵
۱۰۴۔	کیا شاہِ خراساں کی زیارت کا شرف ہے	۴۵ (نسخۂ دیگر ۴۴ بند)

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۰۵-	کیا شیعانِ شیرِ خدا کا وقار ہے	۱۰۲
۱۰۶-	کیا فضلِ حق سے فوجِ حسینی کا اوج ہے	۸۴
۱۰۷-	کی عاملِ فلک نے جو تسخیر آفتاب	۷۲
۱۰۸-	گلگونۂ رخسارِ فلک گرد ہے رن کی	۱۰۵
۱۰۹-	گلگونۂ شفق جو مَلا حورِ صبح نے	۱۵۹
۱۱۰-	گم ہو گیا ہے کھا کے سناں یوسفِ حسینؑ	۳۲
۱۱۱-	محبوس جبکہ نائبِ مشکل کشا ہوئے	۳۰
۱۱۲-	محوِ قضا جو قاسمِ گل پیرہن ہوا	۲۳
۱۱۳-	معراجِ سخن کو ہے مرے ذہنِ رسا سے	۶۴
۱۱۴-	مقتل ہے چمن فصلِ بہاری کی ہے آمد	۱۰۰
۱۱۵-	ملتا ہے مزا روح کو حیدرؑ کی ثنا سے	۴۶
۱۱۶-	ممکن نجوم ہفت فلک کا شمار ہے	۴۶
۱۱۷-	منبر نشینِ انجمنِ شاہِ دیں ہوں میں	۱۳۴
۱۱۸-	مومنو! احمدِ مرسلؐ پہ نبوت ہے ختم	۳۳
۱۱۹-	مومنو! اشک بہاؤ کہ محرم آیا (۳ نسخے)	۴۵
۱۲۰-	مومنو! بے کس و بے یار ہے مظلوم حسینؑ	۹۲
۱۲۱-	میداں میں صفیں جو بندھیں فوجِ شام کی	۵۹
۱۲۲-	نمازِ عصر کو جب شاہ [illegible]م کیا	۳۳
۱۲۳-	وہ درد ہے کیا درد جو درماں نہیں [illegible]کھتا	۱۱۰
۱۲۴-	وہ کون وہ مظلوم ازل ہیں دو سرا میں	۷۷
۱۲۵-	وہ کون دو یوسفؑ ہیں جو آوارہ وطن ہیں	۱۰۲

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۲۶-	وہ کون ہے جو یوسفِ بازار شاہ ہے	۷۸
۱۲۷-	ہوتا ہے عیاں مصحفِ رب دوسرا سے (نسخۂ ثانی ۸۷ بند)	۱۰۲
۱۲۸-	ہے یوسفِ کنعان فصاحت سخن اپنا	۹۹
۱۲۹-	یارب صغیر سن میں کوئی بے پدر نہ ہو	۳۸

(۲) مراثی دبیرؔ (قلمی) ذخیرۂ سید محمد رشید

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱-	آتا ہے رن میں کون کہ ایماں کا زور ہے (مکتوبہ ۱۶ دسمبر ۱۸۷۲ء بقلم سید مرتضیٰ کوتوالی دھولپور)	۴۵
۲-	آدم کا دادرس بنی آدم میں کون ہے	۱۵۶
۳-	آمد گلِ مرادِ حسنؑ پر خزاں کی ہے	۷۴
۴-	آمد ہے بادشاہِ فلک بارگاہ کی (مقطع ندارد)	۶۷
۵-	آمد ہے تاجدار ثریا جناب کی (۳ نسخے) (۳ جمادی الآخر ۱۲۹۶ھ بقلم افضل حسین ثابتؔ) دربار حسین ص ۱۳۸ میں اسے صفدرؔ شاگرد دبیرؔ کا دکھایا گیا ہے)	۱۳۰
۶-	آیا خط مسلم جو امام مدنی کو	۴۸
۷-	ارشاد مجھے آج ہے یہ لوح و قلم سے (دربار حسین ص ۳۳۷ میں قدیرؔ شاگرد دبیرؔ کا دکھایا گیا ہے)	۱۰۶
۸-	اصغرؑ پہ جب کہ پیاس کی شدت سوا ہوئی (۲ نسخے)	۱۰۸
۹-	اسٹرو ہے شہ بے کس و بے یار کی آمد	۷۲
۱۰-	اسٹر نے پیدا جو کیا رنج و بلا کو (پٹیالہ اخبار مطبوعہ ۲۳ جون ۱۸۷۳ء کا کورچڑھا ہوا ہے)	۱۳۵

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۱۔	اے باغِ طبع رنگِ بہارِ سخن دکھا	۱۲۶
۱۲۔	اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے (دو نسخے)	۱۹۰
۱۳۔	اے دشتِ قتل دامن صد کوہ طور ہو (مکتوبہ بحیاتِ مصنّف)	۵۲
۱۴۔	اے روزہ دارو! آہ و بکا کے یہ روز ہیں	۳۷
۱۵۔	اے طبعِ رواں سیفِ قلم جلد علم کر	۱۲۰
۱۶۔	اے مومنو! کس عہد سے یہ بزمِ عزا ہے (مکتوبہ بحیاتِ مصنف، مالک مرثیہ قربان حسین)	۸۳
۱۷۔	اے مومنو! کیا باعثِ ایجادِ زمین ہے	۱۰۰
۱۸	اے نظم رزم بزم میں عالم پسند ہو (بغیر مقطع نوشتہ میر عابد حسین ۲ جون ۱۸۸۰ء "دربار حسین" صفحہ ۱۵۹ میں اسے سید محمد شمیم کا بتایا گیا ہے)	۹۷
۱۹۔	برہم ہیں صفیں شاہِ شہیداں کی ہے آمد	۱۲۰
۲۰۔	پامال جب کہ گلشنِ خیر الوریٰ ہوا (مکتوبہ ۲۵ محرم ۱۲۹۲ھ در اکبر آباد)	۲۷
۲۱۔	پرچم کشا ہوا علم زر فشانِ مہر	۱۵۰
۲۲۔	پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی	۲۴۵
۲۳۔	پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی (نوشتہ بحیاتِ دبیر)	۹۴
۲۴۔	پیری میں اگر بخت جواں ہو تو مزا ہے (مقطع ندارد)	۹۹

"مرثیہ مصنفہ مرزا دبیر سلمہٗ"

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۲۵-	تسبیح امامت جو گری خاک شفا پر (مکتوبہ ۱۰ شہر صفر روز سہ شنبہ ۱۲۶۴ھ)	۱۰۸
۲۶-	ثابت جو انتقال نجوم و قمر ہوا (مقطع ندارد۔ نوشتہ ۱۹ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ)	۱۰۹
۲۷-	جب آسماں سے لشکرِ انجم رواں ہوا (مکتوبہ ۱۳۰۵ھ)	۱۲۴
۲۸-	جب اخترِ یعقوبؑ پہ کی مہر خدا نے	۱۲۷
۲۹-	جب داخل وطن حرم مصطفےٰ ہوئے	۲۶
۳۰-	جب ربط خاک و آتش و آب و ہوا ہوا (از بستۂ نور الحسن)	۸۰
۳۱-	جب رن میں آستیں چڑھائی حضور نے	۶۲
۳۲-	جب رن میں ابنِ شیرِ خدا حملہ ور ہوا	۶۹
۳۳-	جب رن میں بعد فتح عدو ایک شب رہے	۵۶
۳۴-	جب رن میں ذوالفقار علم کی حسینؑ نے	۹۷
۳۵-	جب رن میں شاخ نخل امامت قلم ہوئی	۹۵
۳۶-	جب رو چکے شبیرؑ عزیز و رفقا کو (مکتوبہ ۱۲۵۳ھ)	۳۱
۳۷-	جب رونق مرقعِ کون و مکاں ہوئی (بخطِ نور الحسن کوکب۔ ۱۲۷۹ھ)	۱۰۹
۳۸-	جب زہر سے شہید امام رضاؑ ہوئے	۲۷
۳۹-	جب زیب دہِ منزل اوّل ہوئے شبیرؑ	۶۹
۴۰-	جب سرنگوں ہوا علم کہکشانِ شب (مکتوبہ ذی الحجہ ۱۸۹۲ء نسخہ ثانی ۱۱۳ بند یکم اپریل ۱۸۷۵ء)	۲۵۵

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۴۱-	جب سکّہ زن اشرفی مہر ہوا روز	۱۸۲
	(مکتوبہ ۱۹ر فروری ۱۸۶۸ء)	
۴۲-	جب شامیوں میں صبح کی نوبت کا غل ہوا	۱۳۵
۴۳-	جب قبلِ حشر ہوگا ظہور امام عصر	۱۰۹
۴۴-	جس روز سے ہے ملک خضر آبِ بقا پر	۱۱۹
	(مکتوبہ ۲ مئی سنہ ۱۹۰۱ء)	
۴۵-	جب کوزۂ خورشید بھرا شیر سحر سے	۱۰۰
۴۶-	جب لالۂ شفق نے دکھائی بہارِ صبح	۱۴۰
۴۷-	جب ماہ نے نوافل شب کو ادا کیا	۲۲۷
	(ذی الحجہ ۱۸۹۲ء - از بستۂ نور الحسن - نسخۂ ثانی ۲۲۶ بند)	
۴۸-	جب نخلِ انتقام میں تیغوں کے پھل لگے	۱۷۰
	(دو نسخے)	
۴۹-	جب نہر پر حسینؑ برادر کو رو چکے	۵۵
	(مکتوبہ بحیاتِ مصنف، اخبار کارنامہ - مطبوعہ ۳۰ اپریل ۱۸۷۷ء کا کور چڑھا ہے)	
۵۰-	خورشید نے برہم جو کیا دفتر انجم	۱۱۱
	(مکتوبہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ بخط سید علی)	
۵۱-	دستِ خدا کا قوتِ بازو حسینؑ ہے	۱۳۹
۵۲-	ذرّہ ہے آفتاب درِ بوترابؑ کا	۸۱
	(نسخۂ ثانی ۸۰، بند از بستۂ نور الحسن ۱۳۰۵ھ)	
۵۳-	ذیقعدہ میں وہ قاعدۂ نو ہو سخن میں (مقطع ندارد)	۲۱۴
۵۴-	رن کی زمیں نمونۂ عرشِ جلیل ہے	۹۰
	(مکتوبہ دہم رجب ۱۲۶۹ھ در بمبئی)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۵۵-	زنداں میں جبکہ بند غزالِ حرم ہوئے	۴۵
۵۶-	زنجیرِ جہنم سے جب آزاد ہوا حُر	۹۱
	(نسخہ ثانی ۷۰ بند مکتوبہ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ)	
۵۷-	شاہِ شہداء مطلعِ تسلیم و رضا ہے	۹۲
	مطلعِ ثانی :—	
	جب زیب دہِ منزلِ اوّل ہوئے شبیرؑ	
	(مکتوبہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ)	
۵۸-	صغرا کو عجب فرقتِ شبیرؑ کا غم تھا	۷۸
	(مکتوبہ ۱۲۴۸ھ)	
۵۹-	طغرا نویس کن فیکوں ذو الجلال ہے	۱۶۸
۶۰-	فلک نے کار قضا سے جب انفراغ کیا	۶۴
	(تمام شد بتاریخ بست و چہارم محرم ۱۲۵۳ھ)	
۶۱-	قرآں میں یک سورۂ یک آیہ ہے کس کا	۲۰۰
۶۲-	کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے	۱۳۸
۶۳-	کس کی زباں سے پیاس نے پائی ہے آبرو	۱۶۱
۶۴-	کوفے میں بہار آئی جو گلگشت چمن کو	۱۵۹
۶۵-	کیا شاہ خراساں کی زیارت کا شرف ہے	۴۵
	(نسخہ ثانی مکتوبہ ۹ ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ)	
۶۶-	کیا فضل حق سے فوجِ حسینیؑ کا اوج ہے	۸۳
۶۷-	مسافروں کی مدینے میں جب رسید آئی	۱۳۰
	(مکتوبہ ۱۲۸۶ھ)	
۶۸-	معراجِ سخن کو ہے مرے ذہن رسا سے	۱۱۲
	("مرثیہ میاں دبیر سلمہ اللہ تعالیٰ")	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۶۹۔	مفتاح قفل باب سخن ہے زباں میری (اتمام شد ۱۲۹۱ھ)	۵۶
۷۰۔	موسیٰ کو سرِ طور پر معراج ہوئی ہے (مکتوبہ بحیات دبیر)	۷۵
۷۱۔	مومنو! احمد مرسلؐ پہ نبوّت ہے ختم (مکتوبہ ۱۲۹۶ھ)	۳۳
۷۲۔	مومنو! اشک بہاؤ کہ محرم آیا ("مرثیہ دبیر سلمہ اللہ تعالیٰ")	۳۳
۷۳	مومنو! نور سے معمور قلم ہوتا ہے (مکتوبہ یکم ستمبر ۱۸۹۸ء بخط میر باقر حسین جعفری)	۱۰۹
۷۴۔	واحسرتا کہ ماہِ محرم گزر گیا (مکتوبہ یکم ربیع الاول ۱۲۷۸ھ مقابلہ نمودہ)	۴۶
۷۵۔	ہوتا ہے عیاں مصحف رب دوسرا سے (مکتوبہ ۱۲۶۷ھ)	۸۸
۷۶۔	ہر جلسے میں مشتاق یہ سب کہتے تھے رو رو	۶۸
۷۷۔	یہ ترجمہ آیۂ لولاک سنا ہے (مکتوبہ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۲۶۰ھ بخط سید عنایت علی پھرسری)	۷۸

(۳) مراثی دبیر (قلمی) ذخیرۂ مرزا امیر علی جونپوری

۱۔	آفاق میں مخصوص جو امت ہے نبیؐ کی	۷۶
۲۔	آہوئے کعبہ قربانی داور ہے حسینؑ	۲۹
۳۔	آیا خط مسلم جو امام مدنی کو	۹۷

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۴-	اعدا جو باغِ فاطمہ تاراج کر چکے (مکتوبہ ۵ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ)	۴۰
۵-	اللہ نے پیدا جو کیا رنج و بلا کو (بخط نورالحسن کوکب، نسخۂ ثانی ۹۷ بند)	۱۳۱
۶-	انجیلِ مسیح لبِ شیریں ہیں عباسؑ (بغیر مقطع، نامکمل)	۱۹۲
۷-	اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے (مکتوبہ ۱۲۷۴ھ از بستہ سید نثار علی)	۹۸
۸-	اے دشت قتل دامن صد کوہِ طور ہو	۱۱۳
۹-	اے ساقیِ دوراں تو مے فخر پلا دے	۵۵
۱۰-	اے عزیزو! دہم ماہِ محرم ہے آج (مکتوبہ ۱۲۹۲ھ نسخۂ ثانی ۱۲۹۵ھ)	۴۵
۱۱-	اے لوح و قلم رشک دہِ لوح و قلم ہو	۸۵
۱۲-	اے مومنو! سب خلق پہ احسانِ علیؑ ہے (مکتوبہ ۱۲۸۹ھ)	۵۴
۱۳-	اے مومنو! کس عہد سے یہ بزمِ عزا ہے (بحیاتِ مصنف)	۷۷
۱۴-	اے مومنو! کیا صاحبِ اعجاز ہے عباس (مکتوبہ ۱۳۳۰ھ بمقام کربلائے معلیٰ در سرائے ناظم صاحب لکھنوی۔ نسخۂ ثانی ۵۰ بند)	۱۲۱
۱۵-	اے مومنو! وہ سرو گلستانِ رسالت (بحیاتِ مصنف)	۳۸
۱۶-	اے یارو! سنو حادثۂ گردشِ دوراں (مکتوبہ ۱۵ رذی الحجہ ۱۲۸۰ھ نسخۂ ثانی ۴۰ بند ۱۲۸۰ھ)	۴۶

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۷۔	باغِ فردوس سے یہ بزم عزا بہتر ہے	۲۷
۱۸۔	بحرِ ثنائے شاہِ شہیداں کا جوش ہے	۱۰۵
۱۹۔	برہم ہیں صفیں شاہِ شہیداں کی ہے آمد	۱۲۰
	(نسخہ ثانی ۱۱۸ بند بمقام بٹالہ ۔ ۲ رمضان ۱۲۸۴ھ ۔ نسخہ سوم ۱۱۵ بند)	
۲۰۔	بزم عزا میں روحِ حسنؑ کا ورود ہے	۱۳۷
۲۱۔	بلا اٹھا کے حرم کربلا میں آتے ہیں	۵۶
۲۲۔	بلقیس پاسباں ہے یہ کس کی جناب کا	۴۸
۲۳۔	بے حکمِ علی ابر دُرافشاں نہیں ہوتا	۱۳۰
۲۴۔	پرچم ہے کس علم کا شعاعِ آفتاب کی	۱۰۵
	(مالک عبد القدیر سید محمود علی بقتیر)	
۲۵۔	پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی	۱۳۱
۲۶۔	پڑھتا ہے رجز رن میں رجز خوانِ پیمبرؐ	۵۵
	(۳) نسخے ۔ ایک نسخہ بخط سید محمد ذکی ابن مولوی علی رضا مکتوبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ)	
۲۷۔	پیدا کیا خالق نے جو کعبے کی زمیں کو	۶۹
	(دو نسخے)	
۲۸۔	تسبیحِ فاطمہؑ جو ادا کی امام نے	۷۶
۲۹۔	تقسیم وفا روزِ ازل کی جو خدا نے	۷۸
۳۰۔	توڑا غمِ عباسؑ نے جب شہ کی کمر کو	۶۰
	(ابحیات مصنف)	
۳۱۔	تیغوں سے جب قلم چمن مرتضیٰؑ ہوا	۵۰
۳۲۔	جب آفتاب تاج سرِ آسماں ہوا	۵۶
	(مطبع نول کشور جلد دوم میں انیس کے نام ملتا ہے)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۳۳۔	جب آ کے حرم باغِ فلک میں رہے شب کو	۳۴
۳۴۔	جانبازیِ حُر کی جو حرم میں خبر آئی	۱۵۹
۳۵۔	جب احمدِ ثانی کو پیامِ اجل آیا	۴۷
	(اس پر اخبار پٹیالہ مطبوعہ ۱۳ مارچ ۱۸۷۳ء کا کور چڑھا ہوا ہے)	
۳۶۔	جب اہلِ بیت بے سروسامان ہوگئے	۳۲
	(نسخۂ ثانی مطبوعہ۔ اسلاف میر انیس صفحہ ۱۵۴ میں خلیق کے نام سے موجود ہے)	
۳۷۔	جب باغِ حسینی پہ خزاں آگئی رن میں	۶۸
	(مطبع نول کشور جلد ۴ میں انیس کے نام چھپا ہے)	
۳۸۔	جب بامِ آسماں پہ بچھا فرشِ نورِ صبح	۴۸
	(مقطع ندارد)	
۳۹۔	جب بخت ابن زعفرِ جنّی رسا ہوا	۷۷
۴۰۔	جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت رن میں	۳۷
	(مکتوبہ ۱۲۸۹ھ نسخۂ ثانی ۳۵ بند)	
۴۱۔	جب حد سے بڑھا کفرِ یہودی و نصاریٰ	۶۶
۴۲۔	جب ختم کیا سورۂ واللیل قمر نے	۷۷
	(نسخۂ دیگر مکتوبہ ۱۲۹۱ھ ۴۸ بند)	
۴۳۔	جب ربط خاک و آتش و آب و ہوا ہوا	۸۰
۴۴۔	جب رن میں ذوالفقار علم کی حسینؑ نے	۱۱۸
	(مکتوبہ ۱۸۹۶ء نسخۂ ثانی ۱۲۷۲ھ ۵۰ بند)	
۴۵۔	جب رونقِ مرقعِ کون و مکاں ہوئی	۱۱۲
۴۶۔	جب سامنے ظالم نے اسیروں کو بلایا	۵۲
	(نسخۂ ثانی میں ۳۶ بند ہیں اور اس میں دیگر تخلّص ہے)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۴۷۔	جب سرنگوں ہوا علمِ کہکشانِ شب	۱۲۰
	(مکتوبہ ۱۲۹۱ھ نسخۂ ثانی ۶ اگست ۱۸۷۴ء)	
۴۸۔	جب شام کے کشور میں چراغاں ہوا شب کو	۱۴۶
۴۹۔	جب شہ کے رفیقوں کا ہوا خاتمہ بخیر	۳۴
	(مکتوبہ ۱۲۸۰ھ)	
۵۰۔	جب عابدِ مریض کو داغِ پدر ملا	۳۰
۵۱۔	جب فاطمہؑ سے عقدِ شہِ لافتیٰ ہوا	۸۱
۵۲۔	جب فتح نامہ فوجِ عدو نے رقم کیا	۳۶
	(نسخۂ ثانی ۳۰ بند)	
۵۳۔	جب فوجِ حسینی کے علمدار کو مارا	۳۶
	(مکتوبہ ۱۲۹۱ھ)	
۵۴۔	جب قتل رن میں فاطمہؑ کا لال ہو گیا	۳۵
۵۵۔	جب قطع رن میں رشتۂ وحیِ خدا ہوا	۴۸
۵۶۔	جب کربلا میں عترتِ اطہار لٹ گئی	۳۴
۵۷۔	جب گرم عدل وداد کا بازار ہوئے گا	۱۰۷
	(مکتوبہ ۱۲۷۴ھ)	
۵۸۔	جب متصل مسجدِ کوفہ حرم آئے	۶۴
	(مکتوبہ ۱۲۵۳ھ نسخۂ دیگر ۱۲۵۸ھ)	
۵۹۔	جب مدینے میں بہتر کی سنائی آئی	۱۶
	(بغیر مقطع)	
۶۰۔	جب موسمِ جوانیِ اکبرؑ گزر گیا	۳۶
	(نوشتہ سید محمد حسن بھرسری)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۶۱۔	جب کہ زنداں میں نبی زادیوں کو رات ہوئی	۴۶
۶۲۔	جب کہ سجادؑ حزیں قیدِ ستم سے چھوٹے	۳۲
۶۳۔	جس وقت پڑا اسکرِ شب سیم قمر پر	۱۲۰
۶۴۔	جعفر صادقؑ کا رتبہ خلق میں مشہور ہے	۴۱
	(دو ۲ نسخے)	
۶۵۔	جنت میں جہنم سے خدا لاتا ہے حُر کو	۸۳
۶۶۔	حرزِ علم احمد مختار ہے عباسؑ	۱۴۲
	(مکتوبہ ۱۲۸۱ھ بخط عابد علی نسخہ ثانی ۱۰۸ بند)	
۶۷۔	حضرت کو ہوا ماہِ محرم جو سفر میں	۴۸
۶۸۔	خط کوفے سے آئے جو امامِ مدنی کو	۹۹
۶۹۔	خورشیدِ امامت جو گرا روئے زمیں پر	۴۸
۷۰۔	خورشیدِ صبح کشورِ مہر و وفا ہے حُر	
	(مکتوبہ ۱۲۹۱ھ)	
۷۱۔	خورشید کا عروج ہے برجِ خیام سے	۷۰
۷۲۔	خورشید نے کیا جو مقام آسمان میں	۴۷
۷۳۔	داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے	۸۴
	(پٹیالہ اخبار مورخہ ۱۴ اپریل ۱۸۷۳ء مطبوعہ نولکشور کا کور چڑھا ہوا ہے۔ ایڈیٹر: سید رونق علی)	
۷۴۔	دستِ خدا کا قوتِ بازو حسینؑ ہے	۹۹
	(اخبار مرقع تہذیب لکھنؤ۔ یکم فروری ۱۸۷۵ء کا کور چڑھا ہے۔ دو ۲ نسخے)	
۷۵۔	دنیا جو بنتِ خسروِ کنعاں کا نام تھا	۱۲۶
۷۶۔	رخ سے عروسِ شب نے جو الٹی نقابِ شب	۱۴۳
۷۷۔	رکنِ دینِ نبیؐ جب کہ گرا یا رن میں	۲۴
	(کور۔ ناصر الاخبار مطبوعہ نومبر ۱۸۷۳ء)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۷۸-	رن کو رواں ہے سیفِ خدا آج خیر ہو	۷۵
	(دو نسخے - مکتوبہ ۱۲۷۲ھ)	
۷۹-	رن کی زمیں نمونۂ عرشِ جلیل ہے	۱۳۱
	(کور - اخبار انجمن ہند مطبوعہ ۲۵ اپریل ۱۸۷۴ء)	
۸۰-	زنداں کی طرف ہند تجمل سے رواں ہے	۷۱
۸۱-	زنداں میں چہلم جو ہوا اہلِ حرم کو	۸۶
	(کور - اخبار پٹیالہ ۹ جون ۱۸۷۳ء - مکتوبہ ۱۲۹۵ھ)	
۸۲-	زہرا کے مرقع کو مٹایا جو قضا نے	۱۸
۸۳-	زیبا یہ تخت و تاج ہے اکبر کے واسطے	۲۴
۸۴-	زینب کو نہایت غمِ شاہِ شہدا تھا	۳۲
۸۵-	سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل	۱۳۱
۸۶-	سجاد کو فرصت جو ملی دفنِ پدر سے	۲۷
۸۷-	سرتاجِ کائنات حسنؑ اور حسینؑ ہیں	۱۴۰
۸۸-	سقائے سکینہ جو گیا باغِ ارم کو	۳۰
	(مکتوبہ ۱۲۸۱ھ)	
۸۹-	سیفی کا نمونہ مری شمشیر زباں ہے	۱۷۱
۹۰-	شق کیا چاند کو انگشت سے پیمبرؐ نے	۴۸
۹۱-	شہرہ جہان میں حسنِ عسکریؑ کا ہے	۲۲
۹۲-	شہید ہو گئے جب رن میں سیدِ والا	۲۶
۹۳-	شیریں کو عجب الفتِ سلطانِ امم تھی	۵۰
۹۴-	شیریں کو جب حسینؑ نے آزاد کر دیا	۳۵
۹۵-	صغریٰ کو نہ امید رہی جبکہ شفا کی	۲۵

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۹۶۔	صغریٰ کو عجب فرقتِ شبیرؑ کا غم تھا	۴۵
۹۷۔	صغریٰ کے لئے تحفۂ غم لاتی ہے زینبؑ	۴۰
	(دوسرا نسخہ ۱۳۰۸ھ کا مکتوبہ ہے)	
۹۸۔	عابدؑ کو جب یزید سے بابا کا سر ملا	۲۰
	(مکتوبہ ۱۳۰۵ھ)	
۹۹۔	عباسؑ کے حصے میں وفا حق نے ادا کی	۴۰
۱۰۰۔	عباسؑ نے جب کوچ کیا باغِ ارم کو	۳۸
۱۰۱۔	عزیزو! آج شہادت کی رات آئی ہے	۴۵
	(مرثیہ ضمیر کے نام سے چھپا ہے)	
۱۰۲۔	عزیزو! فکر کرو تعزیہ اٹھانے کی	۴۷
	(مقابلہ نمودہ۔ دفتر ماتم جلد ہشتم میں صرف ۷ بند ہیں)	
۱۰۳۔	عصیاں کے عارضے سے جو دل ناتواں ہوا (دو نسخے)	۷۷
۱۰۴۔	فرزند کو امت پہ فدا کرتے ہیں شبیرؑ	۷۹
	(تمام شد بخط سید مظہر علی عظیم آبادی)	
۱۰۵۔	قاسمؑ کو جو رن میں فدیۂ شاہ زمن ہوا	۲۷
	(بخط سید برخوردار حسین)	
۱۰۶۔	قید خانے میں تلاطم ہے کہ ہند آتی ہے	۴۰
۱۰۷۔	کرسی نشین عرش منور حسین ہے	۸۹
	(بخط سید محمد حسنین ولد سید لطافت علی ساکنہ بھڑسر)	
۱۰۸۔	کس صاحبِ شمشیر کے ماتم میں سپر ہے	۱۰۴
	(دو نسخے)	
۱۰۹۔	کعبہ کے لئے قبلہ نما روحِ حسنؑ ہے	۴۰

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۱۰-	کعبہ ہے اک دریچۂ ایوانِ کربلا	۵۸
۱۱۱-	کعبہ ہے وہ دل جس میں غمِ آلِ عبا ہے	۴۲
۱۱۲-	کوفے میں بہار آئی جو گل گشتِ چمن کو	۱۲۹
۱۱۳-	کوہِ رقیم پر جو علیؑ کا گذر ہوا	۸۳
	(کور۔ ناصر الاخبار دہلی مورخہ ۲۷ر نومبر ۱۸۷۳ء)	
۱۱۴-	کوئی جہاں میں نہ محتاج بے وطن ہوئے	۵۵
۱۱۵-	کی عاملِ فلک نے جو تسخیر آفتاب	۴۱
	(مکتوبہ ۲۲ر صفر ۱۳۰۳ھ در مقام کربلائے معلیٰ)	
۱۱۶-	کیا آمدِ جبریلؑ تھی مرغوب نبیؐ کو	۹۲
۱۱۷-	کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہراؑ	۱۰۳
	(انیسؔ کے نام چھپا ہے)	
۱۱۸-	کیا تشنگی روزۂ ماہِ رمضاں ہے	۳۰
۱۱۹-	کیا خلق حسنؑ تھا حسن سبز قبا میں	۸۶
	(نوشتہ ۱۸۶۵ء نسخۂ ثانی ۸۴ بند مرثیہ من تصنیف مرزا سلامت علی)	
۱۲۰-	کیا خوب روایت ہے یہ بنیاد عزا کی	۳۶
۱۲۱-	کیا شاہِ خراساں کی زیارت کا شرف ہے	۴۶
۱۲۲-	کیا شیعانِ شیر خدا کا وقار ہے	۷۳
	(مکتوبہ ۱۳ر صفر ۱۲۶۱ھ مطابق یکم فروری ۱۸۴۵ء بمقام تھانہ ضلع آگرہ)	
۱۲۳-	کیا فضلِ حق سے فوجِ حسینی کا اوج ہے	۷۵
۱۲۴-	کیوں قالبِ صد مہر ہر اک ذرّہ ہے رن کا	۱۳۰
۱۲۵-	گم ہو گیا ہے کھا کے سناں یوسفِ حسینؑ	۴۲
	(کور۔ اخبار مرقع تہذیب لکھنؤ، یکم فروری ۱۸۷۵ء)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۲۶-	گھیرا جو ماہِ فاطمہ کو فوجِ شام نے	۶۰
۱۲۷-	مارا گیا جو یوسفِ کنعانِ فاطمہؑ	۳۶
۱۲۸-	محبوبِ خدا فخرِ رسولانِ سلف ہے	۱۰۶
۱۲۹-	محبوس جنگ نائبِ مشکل کشا ہوئے	۶۳
	(مقطع ندارد)	
۱۳۰-	مداحِ بادشاہِ ذوالاقتدار ہوں	۸۳
	(بخط سید اصغر حسین جونپوری ۱۲۸۲ھ)	
۱۳۱-	مسافروں کی مدینے میں جب رسید آئی	۱۴۸
	(دو[۲] نسخے)	
۱۳۲-	معراجِ سخن کو ہے مرے ذہن رسا سے	۷۹
۱۳۳-	مغرب میں جبکہ غرق جہازِ قمر ہوا	۱۶۹
۱۳۴-	ممتاز جو بانو ہوئی عقدِ شہِ دیں سے	۷۶
	(دو[۲] نسخے)	
۱۳۵-	ممکن نجوم ہفت فلک کا شمار ہے	۶۴
	(بخط سید اکبر حسین ۱۲۹۱ھ)	
۱۳۶-	میداں میں آمد آمدِ شاہِ جلیل ہے	۵۳
	(بحیاتِ مصنف)	
۱۳۷-	میں بھی جہاں میں وائل سحباں سے کم نہیں	۶۷
	(مکتوبہ ۱۶ رمضان روز پنجشنبہ ۱۲۷۲ھ مقابلہ کیا گیا)	
۱۳۸-	ناجی بخدا فرقۂ اثنا عشری ہے	۶۲
۱۳۹-	نکہت جو بہشتوں کی فراہم ہو تو کیا ہو	۱۴۲
	(مکتوبہ ۲۱ رمضان ۱۲۹۳ھ)	

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۴۰ -	واجب ہے شش جہت پہ تولائے پنجتنؑ	۱۲۹
۱۴۱ -	واحسرتا کہ ماہِ محرم گزر گیا	۲۶
۱۴۲ -	وطن میں شقۂ مولا کا جب نزول ہوا	۱۴۶
۱۴۳ -	وہ درد ہے کیا درد کہ درماں نہیں رکھتا	۱۱۲
	(نوشتہ پنجم جمادی الاول ۱۲۶۷ھ)	
۱۴۴ -	وہ کون دوؑ یوسف ہیں کہ آوارہ وطن ہیں	۶۰
۱۴۵ -	ہم شکل نبیؐ فخرِ حسینان جہاں ہے	۷۷
۱۴۶ -	ہند آتی ہے زنداں میں بڑے جاہ و حشم سے	۷۱
	(مکتوبہ ۱۸۷۰ء - انیس کی جلدوں میں چھپا ہے)	
۱۴۷ -	ہے قصد کچھ فضائل باقر رقم کروں	۵۰
	(دفتر ماتم جلد ہفتم میں ۳۲ بند ہیں)	
۱۴۸ -	ہے یوسف کنعان فصاحت سخن اپنا	۹۹
	(نوشتہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۶۷ھ)	
۱۴۹ -	یارب شرر نارِ جہنم سے اماں دے	۴۰
۱۵۰ -	یارب گلِ امید کسی کا خزاں نہ ہو	۷۸
	(مکتوبہ بحیات مصنف)	
۱۵۱ -	یارو! غمِ حسینؑ کی عزت عظیم ہے	۴۲
	(دو نسخے)	
۱۵۲ -	یارو! کریم وہ ہے جو وعدہ وفا کرے	۱۱۹
	(بخط سید احمد حسین شہیدی ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۹۹ھ)	
۱۵۳ -	یا فاطمہ فریاد کرو شیرِ خدا سے	۱۲۳
	(بحیات مصنف نوشتہ)	

تعداد بند	مطلع	نمبر شمار
۹۸	یثرب کے چمن سے گلِ زہرا کا سفر ہے (منقول عنہ بخطِ سید محمد - ۱۵ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ مقام دھولپور)	۱۵۴-
۷۳	یعقوبؑ سے یوسفؑ کی جدائی ہے محبّو! (منقول عنہ مکتوبہ جون ۱۸۷۴ء)	۱۵۵-
۵۰	یہ نظمِ سخن نظمِ ثریا سے ہے بہتر (منقول عنہ نوشتہ بحیاتِ مصنف مالک سید حسین علی)	۱۵۶-

ذیل میں وہ مرثیے درج کیے جاتے ہیں جو دفترِ ماتم کی قدیم ترین جلدوں یعنی جلد اول مطبع سبطیہ لکھنؤ مطبوعہ سنہ ۱۳۰ھ، جلد چہارم مطبع شمس العلوم لکھنؤ ۱۳۱۴ ہجری اور جلد ہشتم مطبع جعفری ۱۳۰۴ھ میں درج ہیں اور جن کے آخر میں تاریخیں بھی موجود ہیں۔ یہ مرثیے ان مسوّدوں سے نقل کیے گئے تھے جن کے ساتھ سالِ کتابت بھی لکھا گیا تھا۔

"دفترِ ماتم" کی یہ جلدیں نہ صرف کمیاب ہیں بلکہ نادر و نایاب ہیں۔ ان کا ذکر غالباً آج تک کسی نے نہیں کیا ہے۔ راقم کی نظر میں ان جلدوں کو وہی غیر معمولی اہمیت حاصل ہے جو کسی بیش بہا اور نادرالوجود مخطوطے کی ہوتی ہے۔ یہ جلدیں سید محمد رشید صاحب کے کتب خانے میں آج سے پندرہ سال قبل میری نظر سے گزری ہیں۔ (ہر مرثیہ کے آخر میں منقول عنہ لکھا گیا ہے)

تعداد بند	مطلع	نمبر شمار
۷۱	دشتِ جنگاہ میں جب آمدِ نوشاہ ہوئی (منقول عنہ ۲۵ محرم ۱۲۴۰ھ - اگست ۱۸۲۴ء)	۱-
۴۸	انساں کے لیے قید ہلاکت کا سبب ہے (منقول عنہ ۱۲ صفر ۱۲۴۲ھ - ستمبر ۱۸۲۶ء)	۲-
۱۳۹	کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے (منقول عنہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۴۵ھ - اپریل ۱۸۳۰ء)	۳-
۸۵	جس وقت شمس شمسۂ برجِ فلک ہوا (منقول عنہ ۱۲۴۷ھ - ۱۸۳۱ء)	۴-

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۵۔	قریبِ کوفہ جب رانڈوں کا کارواں آیا (منقول عنہ ۱۲۴۷ھ - ۱۸۳۱ء)	۴۵
۶۔	ریاضِ خلد کو جبرئیل صاف کرتے ہیں (منقول عنہ غرۂ ذی الحجہ ۱۲۴۸ھ - اپریل ۱۸۳۳ء)	۴۹
۷۔	پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی (منقول عنہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۴۸ھ - مئی ۱۸۳۳ء)	۱۵۳
۸۔	کان میں نالۂ زہرا کی صدا آتی ہے (منقول عنہ ۲۱ محرم ۱۲۴۹ھ - مئی ۱۸۳۳ء)	۵۳
۹۔	جب رہے میداں میں تنہا حسینؑ (منقول عنہ ۸ صفر ۱۲۴۹ھ - جون ۱۸۳۳ء)	۳۶
۱۰۔	ہیں آج مومنو! شہِ تشنہ دہن کے پھول (منقول عنہ سلخ ذی الحجہ ۱۲۴۹ھ - اپریل ۱۸۳۴ء)	۳۲
۱۱۔	جب رن میں قطع رشتۂ وحیِ خدا ہوا (منقول عنہ ۱۲۴۹ھ - ۱۸۳۳ء)	۸۷
۱۲۔	ہے کوچ فاطمہؑ کے چمن سے بہار کا (منقول عنہ ۲ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ - جنوری ۱۸۳۷ء)	۸۲
۱۳۔	آفاق میں مخصوص جو امت ہے نبیؐ کی (منقول عنہ ۲ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ - جولائی ۱۸۳۸ء)	۱۰۴
۱۴۔	ہفتاد و دو تن کے لئے جب رو چکے عابد (منقول عنہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۲۵۴ھ - فروری ۱۸۳۹ء)	۳۳
۱۵۔	خط کوفے سے آئے جو امامِ مدنی کو (منقول عنہ ۱۶ شعبان روز جمعہ ۱۲۵۵ھ - اکتوبر ۱۸۳۹ء)	۹۹

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۱۶۔	فردوسِ بریں گلشنِ رخسار ہے کس کا (۴ جمادی الاول ۱۲۵۶ھ - جولائی ۱۸۴۰ء)	۱۱۴
۱۷۔	کی خلق حسن تھا حسنِ سبز قبا میں (۳ جمادی الثانی ۱۲۵۷ھ - جولائی ۱۸۴۱ء)	۸۵
۱۸۔	یوں حالِ اسیریٔ سکینہؑ ہے قلم بند (۱۳ جمادی الثانی ۱۲۵۷ھ - جولائی ۱۸۴۱ء)	۸۱
۱۹۔	معراج سخن کو ہے مرے ذہنِ رسا سے (۲۷ ربیع الاول ۱۲۵۸ھ - مئی ۱۸۴۲ء)	۱۱۹
۲۰۔	اے عرش و فلک لوحِ سرِ مشق قلم ہو (۱۵ ذیقعدہ ۱۲۶۰ھ - نومبر ۱۸۴۴ء)	۲۲۴
۲۱۔	داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے (۱۰ رجب ۱۲۶۲ھ - جون ۱۸۴۶ء)	۱۰۲
۲۲۔	جب رونقِ مرقع کون و مکاں ہوئی (۲۰ شعبان ۱۲۶۲ھ - جولائی ۱۸۴۶ء)	۱۲۴
۲۳۔	جب سے مدینہ مسکنِ خیر الوریٰ ہوا (۲۴ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ - نومبر ۱۸۴۶ء)	۴۶
۲۴۔	خنجر جو بوسہ گاہِ پیمبرؐ پہ چل گیا (۲۷ صفر ۱۲۶۳ھ - جنوری ۱۸۴۷ء) (محررہ صفدر مرزا)	۵۹
۲۵۔	شمعِ طاق حرم لم یزلی ہے عباسؑ (۲۶ رجب سہ شنبہ ۱۲۶۳ھ - جون ۱۸۴۷ء)	۹۳
۲۶۔	مجموعۂ صد واقعہ یہ ماہِ صفر ہے (۱۵ رجب ۱۲۶۴ھ - جون ۱۸۴۸ء)	۱۷۰

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند
۲۷-	جس دم اسیر عترتِ مشکل کشا ہوئے (سلخ محرم الحرام ۱۲۶۴ھ - جنوری ۱۸۴۸ء)	۳۳
۲۸-	جب آسماں سے لشکرِ انجم رواں ہوا (۶ ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ - دسمبر ۱۸۵۴ء)	۱۲۹
۲۹-	جب لشکرِ اسلام کے کوفے میں سر آئے (۱۰ شعبان ۱۲۷۶ھ - فروری ۱۸۶۰ء)	۴۴

مرزا دبیرؔ کے غیر مطبوعہ مرثیے

راقم الحروف کے زیر مطالعہ مرزا دبیرؔ کے سیکڑوں قلمی مرثیے رہے ہیں۔ مراثی کا سب سے بڑا ذخیرہ لکھنؤ میں ادیب مرحوم، سید محمد رشید اور مرزا امیر علی جونپوری کے پاس موجود ہے۔ ادیب کا ذخیرۂ مراثی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں منتقل ہو چکا ہے۔ مرزا دبیرؔ کے پر پوتے مرزا محمد صادق کے پاس بھی اچھا خاصا ذخیرہ تھا، ان کا انتقال حال ہی میں ہوا۔ معلوم نہیں کہ مراثی کا کیا حشر ہوا۔ بہت سے قلمی اور پرانے مطبوعہ مرثیے حیدر آباد (دکن)، میں بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ ہم نے ان سبھی نسخوں کا تقابلی موازنہ بھی کیا اور یہ رائے قائم کی کہ دفتر ماتم اور مطبع اودھ اخبار کی جلدوں میں متعدد مرثیے غلط، ناقص اور غیر مربوط چھپے ہیں۔ دفتر ماتم میں الحاقی کلام بھی شامل کیا گیا ہے جس کی نشان دہی ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ ثابت لکھنوی نے دبیرؔ کے کئی پر وقار اور شاندار مرثیے نہ معلوم کس غلط فہمی کی بنیاد پر دبیرؔ کے شاگردوں کے نام منسوب کیے ہیں۔ ان کے شاگردوں مثلاً صفدرؔ، قدیرؔ۔ نظیرؔ۔ عظیمؔ۔ وغیرہ کا کوئی قلمی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا، جس میں دبیرؔ کے کسی شاگرد کا تخلص موجود ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مرثیوں کے ایک سے زیادہ قلمی نسخے ہم نے دیکھے ہیں جن میں دبیرؔ تخلص موجود ہے اور جو دبیرؔ کے بستوں میں موجود ہیں۔ دبیرؔ کے نام سے ایک سے زیادہ نسخوں کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مرثیے مقبول ہو چکے تھے۔ ہم نے امکانی طور پر ان مرثیوں کی چھان پھٹک کی اور اس نتیجے پر پہونچے کہ جب تک ان میں سے کوئی بھی نسخہ شاگردِ دبیرؔ کے نام نہیں ملتا یہ دبیرؔ کے ہی کہے جا سکتے ہیں۔ کچھ مرثیے دبیرؔ کی زندگی میں چھپے ہیں اور نہایت ہی نادر ہیں۔ اس قسم کے چند مرثیے باقیاتِ دبیرؔ میں پہلی مرتبہ جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ ذیل میں ان نادر الوجود اور غیر مطبوعہ مراثی کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) مرثیہ: رخ سے عروس شب نے جو الٹی نقاب صبح (۱۴۳ بند)

پورا مرثیہ نور الحسن کوکب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خطِ شکست میں ہے۔ اس کا پڑھنا اور نقل کرنا دشوار ہے۔ اس پر ایک پرانا اخبار بطورِ کور چڑھا ہوا ہے جس پر نمبر ۲ جلد ۱۳ درج ہے۔ صـ ۵ میں "انتخاب احکامات گورنمنٹ گزٹ الہ آباد مخصوصہ اودھ مطبوعہ ۱۲ اپریل ۱۸۷۷ء" کے عنوان کے تحت سپرنٹنڈنٹ پولیس لکھنؤ اور ڈپٹی کمشنر لکھنؤ کی رخصت کے بارے میں احکام درج ہیں۔ اخبار کے داہنی طرف کوکب نے اپنے قلم سے لکھا ہے:

"درحال علی اکبرؑ۔ دبیر"

مقطع میں تخلص کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ آخر میں ترقیمہ ہے "تمام شد ۲۷ ر ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ"۔ ذیل میں چند بند نمونے کے طور پر درج کیے جاتے ہیں ؎

رُخ سے عروسِ شب نے جو الٹی نقابِ صبح
مشاطۂ سحر نے اٹھایا حجابِ صبح
طغریٰ نویسِ شمس نے کھولی کتابِ صبح
سیارگان نے بڑھ کے سنایا حسابِ صبح
خورشید کا ظہور ہوا اس جلوس سے
رونق مکاں میں ہوتی ہے جیسے عروس سے

چھپنا ستارۂ سحری کا حجاب سے
ذرّوں کی وہ زمیں پہ چمک آب و تاب سے
بلبل کا وہ دماغ معطّر گلاب سے
مخمور چشمِ نرگسِ شہلا تھی خواب سے
مشعل کی روشنی ہوئی لالے کے داغ میں
سرو سہی اکڑ گئے تن تن کے باغ میں

گرمی کی وہ سحر وہ ترارے ہزار کے
رنگین وہ سُرخ سُرخ چمن لالہ زار کے
نکھرے ہوئے وہ پھول وہ جوبن بہار کے
شبنم نثار کرتی تھی موتی اتار کے
لالے کے داغ فصلِ جنوں میں ہرے ہوئے
دامن تھے عندلیب کے گل سے بھرے ہوئے

شبنم کی وہ بہار درختوں کا وہ نکھار
شرمندگی سے دشت میں پانی ہوا غبار
تھے فرشِ مخملی پہ گہر ہائے آبدار
وہ بھینی بھینی پھولوں کی بو، بیلے کی وہ بہار

صحبت جو عیش کی گل و بلبل میں ٹھن گئی
دن پھر گئے نصیب کے جنگل کی بن گئی

غل قمریوں کا دشت سہانا وہ سبزہ زار
دریا کا وہ نکھار ترائی کی وہ کچھار
پانی کی وہ صفائی کدورت نہ کچھ غبار
شیرین و صاف سرد و سبک قدرِ نامدار
پرتو سے نورِ حسنِ رخِ آفتاب کے
دریا میں قمقمے ہوئے روشن حباب کے

پھرتی تھی جھومتی ہوئی کس ناز سے صبا
اور اک طرف گلوں کی وہ بو باس وہ فضا
سبزے پہ آب پاشی شبنم وہ جابجا
بلبل کے چہچہانے کی اک قدرتِ خدا
کوکو کے قمریوں کی بھی جوش و خروش تھے
سروِ سہی کھڑے ادبانہ خموش تھے

بیٹھے تھے جانماز پہ یاں قبلۂ انام
صف بستہ سامنے تھے نمازی پئے سلام
تسبیح جانماز پہ رکھ کر اُٹھے امام
خم ہو گئے رکوع کی صورت وہ تشنہ کام
تیاریِ سپاہ کا احکام دے گئے
شبیرؑ بارگاہ میں تشریف لے گئے

پردہ اُدھر اُٹھا کہ کھلا آسماں کا باب
خیمے میں آیا برجِ امامت کا آفتاب
کرسی پہ جلوہ گر جو ہوا وہ فلک جناب
حاضر ہوئی حضور میں زینب جگر کباب
بھائی کے رنج و غم سے بہن نیم جان تھی
بنتِ علی میں فاطمہؑ زہرا کی شان تھی

مقطع ؎ خاموش بس (دوبیرؔ) نہ لکھ اب حرم کے بین
مجلس میں رو رہے ہیں شہنشاہِ مشرقین
اب عرض کر خدا سے کہ یا رب پئے حسینؑ
تشویش میں نہ رکھ مجھے اے قین
اکبرؑ کا صدقہ اب نہ مجھے انتشار ہو
حاصل درِ مراد مرے کردگار ہو

مرثیہ (۲) ؎ اے یارو سنو حادثۂ گردشِ دوراں (۴۶ بند بمکتوبہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ)

مقطع ۔ خاموش دبیر اب تو ہوئی طاقتِ دل طاق — خالق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ آفاق
گو گردشِ گردوں سے مجھے زیست ہے اب شاق — ہر لحظہ ترے لطف ترحم کا ہوں مشتاق
گو غرقِ گنہ ہوں میں گنہ میرے بحل کر
اور عقدۂ مشکل مرا ہر ایک تو حل کر

مرثیہ (۳)، میں بھی جہاں میں وائلِ سحباں سے کم نہیں ۔ ۸۷ بند (نسخۂ امیر علی)

سال کتابت: "۱۶ رمضان روز پنجشنبہ ۱۲۷۲ ہجری"

مطلع ۔ میں بھی جہاں میں وائل سحباں سے کم نہیں — حُسنِ کلام یوسفِ کنعاں سے کم نہیں
مضمونِ درخشاں مرا نیساں سے کم نہیں — طبعِ رسا ہزار غزل خواں سے کم نہیں
لاف و گزاف سے مری شاید جہان ہے
جس کا یہ وصف ہے وہ خدا کی زبان ہے

مقطع ۔ بس اے دبیر بسکہ ہوئی شدتِ بُکا — مشہور ہو کلام مرا کیوں نہ جا بجا
تائیدِ حق ہے اور مدد شاہِ لافتا — وقتِ دعا ہے حق سے یہی کر تو اب دعا
پاویں نجات غم سے محبانِ مرتضےٰ
محشر تلک رہوں میں ثنا خوانِ مرتضےٰ

مرثیہ (۴)، ہم شکلِ نبیؐ فخرِ حسینانِ جہان ہے ۔ (۷۷ بند)

مطلع ۔ ہم شکلِ نبیؐ فخرِ حسینانِ جہاں ہے — خورشید زمیں ہے مہِ تابانِ جہاں ہے
ماں باپ کا ہے جان و جگر جانِ جہاں ہے — وہ غیرتِ شمشاد و گلستانِ جہاں ہے
تصویر بعینہ ہے رسولِؐ دوسرا کی
ہے چہرۂ پُرنور کہ قدرت ہے خدا کی

مقطع ۔ اس بین سے زینبؑ کے ہوا رانڈوں میں کہرام — غش ہو گئی رو رو کے دُلہن بیکس و ناکام
کر ختم دبیر اب کہ نہیں طاقتِ ارقام — آغاز سے اس مرثیے کا خوب ہے انجام
شادی کا تو حال اور بھی لوگوں نے لکھا ہے
بندش ہے مگر اس کی نئی ڈھنگ نیا ہے

مرثیہ (۵) جب رو چکے شبیرؑ عزیز و رفقا کو۔ (۳۱ بند، مکتوبہ ۱۲۵۳ ہجری)

مرثیہ دفتر ماتم جلد ہفتم میں غلط مطلع اور مقطع چھپا ہے۔ مطبوعہ اور مخطوطہ میں بڑا فرق ہے۔ ذیل میں مطلع اور مقطع درج کئے جاتے ہیں :۔

مطلع ؎ جب رو چکے شبیرؑ عزیز و رفقا کو اک ایک کا صدمہ تھا شہ ارض و سما کو
مقتل میں برابر جو لٹایا شہدا کو شاہد کیا تب اپنی غریبی پہ خدا کو
کہتے تھے بڑا غم مجھے اکبرؑ کا ہوا ہے
اک میرے لئے خون بہتر کا ہوا ہے

مقطع ؎ اس دم دہل فتح بجانے لگے گمراہ زینبؑ نے جو کی مڑ کے نظر جانب جنگاہ
کیا دیکھتی ہے شمر لعیں قاتل بدخواہ پکڑے ہوئے گیسو لئے جاتا ہے سر شاہ
خاموش دبیر آگے کہوں کیا میں زباں سے
زلفیں سر اقدس کی بندھیں چوب سناں سے

مرثیہ (۶) جس وقت بڑا اسکۂ شب سیم قمر پر (۱۳۰ بند)

یہ مرزا امیر علی جون پوری کے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہے۔ مرثیہ شاندار اور پرشکوہ ہے، مرزا دبیر کی زندگی میں ۱۲۸۹ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ ذیل میں دو بند (پہلا اور آخری) پیش کئے جاتے ہیں :۔

مطلع ؎ جس وقت بڑا اسکۂ شب سیم قمر پر پھر کوئی نہ راضی ہوا خورشید کے زر پر
خورشید کا خنجر جو چلا رگ سحر پر بن بن کے شفق خوں چڑھا چرخ کے سر پر
کیواں علم ایواں فلک اور چاند کہیں تھا
آفاق سلیماں کی طرح زیر نگیں تھا

مقطع ؎ ہے دل پہ دبیر اب غم مولا کا بہت رنج یہ رنج ہی دلوائے گا راحت کا مجھے گنج
یہ پنجتن پاک کی خدمت ہے سخن سنج افراط تفکر سے کہیں کر نہ شش و پنج
بالکل جو شش و ہشت ہیں معصوم ازل سے
ہر دم ہوئے حامی ہیں میرے عزّ و جل سے

مرثیہ (۷) غل ہے کوفے میں اسیرانِ حرم آتے ہیں ۔ (۳۶ بند)

اس کا ایک نسخہ ذخیرۂ ادیب میں میر خلیق کے نام سے ۲۲ بند پر مشتمل ہے اور مطلع اس طرح ہے ؎

"غل تھا کوفے میں اسیرانِ حرم آتے ہیں"

راقم کی نظر سے دبیر کے نام دو نسخے گزرے ہیں۔ مرثیہ تحقیق طلب ہے کہ دبیر کا ہے یا خلیق کا۔ بہرحال مطلع اور مقطع پیش کئے جاتے ہیں:۔

مطلع ؎ غل ہے کوفے میں اسیرانِ حرم آتے ہیں سر شہیدوں کے بھی نیزوں پہ علم آتے ہیں
سر کھلے بیچ میں وہ صاحبِ غم آتے ہیں گرد انبوہ کئی اہلِ ستم آتے ہیں
خلد سے نعرۂ زناں روحِ پیمبرؐ نکلی
دخترِ فاطمہؑ بلوے میں کھلے سر نکلی

مقطع ؎ آگے تحریر کی طاقت نہیں خاموش دبیر بزمِ ماتم میں تو فریاد کا ہے جوش دبیر
وہ نہ اک دم غمِ سرورؑ سے فراموش دبیر بارِ عصیاں سے تو ہوئے گا سبکدوش دبیر
دارِ فانی میں تجھے عزت و توقیر ملے
حشر کو اس کے عوض خلد کی جاگیر ملے

مرثیہ (۸) بلا اٹھا کے حرم کربلا میں آتے ہیں (۵۸ بند)

اس کے دو نسخے دستیاب ہیں۔ ایک مرزا امیر علی جونپوری اور دوسرا ذخیرۂ ادیب میں ہے مؤخر الذکر نسخے میں ۵۲ بند ہیں اور مطلع یوں ہے ؎

"بلا سے چھٹ کے حرم کربلا میں آتے ہیں"

مطلع ؎ بلا اٹھا کے حرم کربلا میں آتے ہیں مریض شام کے دار الشفا میں آتے ہیں
غمِ حسینؑ میں یادِ خدا میں آتے ہیں عجب شکوہ سے دشتِ بلا میں آتے ہیں
جگر کے ٹکڑے بھرے دامنوں میں لائے ہیں
یہ قبرِ شہ پہ چڑھانے کو پھول آئے ہیں

مقطع ؎ ندا یہ سُن کے ہوئے قبر سے وداع حرم میانِ حجرۂ زہراؑ بپا کیا ماتم
دبیر بسکہ ہوئی مختصر حیاتِ قلم دراز عمرِ غمِ شاہ کم ہے بہرِ رقم

بیانِ حادثۂ اہلِ بیت آساں نیست
حکایتے است کہ اندر شرح پایاں نیست

مرثیہ (۹) یہ ترجمۂ آیۂ لولاک سنا ہے (۷۸ بند)

اس کے دو نسخے ذخیرۂ رشید میں محفوظ ہیں۔ ایک ۶ر صفر ۱۲۷۴ھ کا مکتوبہ ہے، دوسرے کا ترقیمہ یہ ہے:

"تمام شد بخط خام فقیر حقیر سراسیم، بندۂ خاکسار درگاہِ مرتضوی سید عنایت علی ولد تہور علی زیدی، پچا سید مظفر علی ساکن موضع پھر سر محلہ بھوٹھ مرقومہ بتاریخ ربیع الاول بست و دوم ۱۲۶۰ ہجری تحریر یافت۔"

مطلع —
یہ ترجمۂ آیۂ لولاک سنا ہے — یعنی کہ فلک بہر نبیؐ خلق ہوا ہے
برحق وہ نبیؐ بادشہ ارض و سما ہے — لیکن یہ ستم گردشِ دوراں کا نیا ہے
مختار زمیں اور فلک کا تو نبیؐ ہو
پھر قبر کو محتاج حسینؑ ابن علیؑ ہو

شبیرؑ کے احوال میں حیرت ہے سراسر — یہ پانی کو محتاج، پدر ساقیٔ کوثر
یہ بھوک کی شدت سے سراسیمہ و مضطر — اور قاسم روزی دو جہاں حیدرِ صفدر
خود بےکس و مظلوم گرفتارِ بلا ہیں
پر سارے غریبوں کے لئے عقدہ کشا ہیں

دریا تو ہر اک فاطمہؑ کے مہر میں آیا — شبیرؑ لبِ نہر اتر نے بھی نہ پایا
نانا کے سدا سر پہ رہا ابر کا سایا — اور دھوپ سے لاشہ نہ گیا ان کا اٹھایا
جوان پہ مصیبت ہوئی کس پر یہ ہوئی ہے
بے غسل و کفن لاش کسی کی بھی گڑی ہے

شبیرؑ کا رتبہ بھی کسی نے نہیں پایا — دن عید کے کاندھے پہ محمدؐ نے چڑھایا
خاتونِ قیامت نے اسے دودھ پلایا — اور حضرتِ جبرئیلؑ نے جھولے میں جھلایا
کیا حضرتِ شبیرؑ کی عالی نسبی ہے
ماں فاطمہؑ نانا ہے نبیؐ باپ علیؑ ہے

اک دن شہِ دیں بیٹھے تھے زانوئے نبیؐ پر   اور جمع تھے اصحاب خوش اخلاق پیمبرؐ
ناگاہ نواسے سے نبیؐ نے کہا ہنس کر   میں پوچھتا ہوں تم سے بتاؤ میرے دلبر
افضل ہے کیا حق نے مجھے قوم عرب میں
میں تجھ سے ہوں بہتر کہ تو بہتر ہے نسب میں

شبیرؑ نے کی عرض میں ہوں آپ سے بہتر   ہوکر متبسم یہ نبیؐ بولے کہ کیوں کر؟
شبیرؑ نے کی عرض کہ اے عاشقِ داور   کچھ شرح کی حاجت نہیں ظاہر ہے یہ سب پہ
جد میرا تو حضرت سارؐ سولِ عربی ہے
معراج کہاں آپ کے نانا کو ہوئی ہے

کیا وحیِ خدا آتی تھی نانا کو تمہارے   جبرئیل تو آتے ہیں سدا گھر میں ہمارے
گنجینۂ عرفاں تمہیں حق نے دیے سارے   کب آپ کے جد ایسے تھے اللہ کو پیارے
مصحف تمہیں اللہ نے ارسال کیا ہے
جد آپ کا کیا صاحبِ قرآں ہوا ہے

اک روز تھے مشغول نماز احمدؐ مختار   اصحاب بھی صف بستہ پسِ پشت تھے تیار
مسجد میں حسینؑ اتنے میں وارد ہوئے یکبار   اور پشت پہ نانا کی ہوئے سجدے میں اسوار
جبرئیلؑ نے آکر یہ کہا خیرِ بشرؐ کو
شبیرؑ گرے گا نہ اٹھانا ابھی سر کو

اے شاہِ رسلؐ کہتا ہے یہ خالقِ دانا   یہ سجدہ ہے مقبول کچھ اندیشہ نہ لانا
لیکن میرے شبیرؑ کے دل کو نہ کڑھانا   سر کو نہ اٹھانا نہ اٹھانا نہ اٹھانا
لازم ہے خوشی فاطمہ کے ماہِ لقا کی
شبیرؑ کی خاطر سے عبادت ہے خدا کی

ہے بادِ سموم اور بہت گرم ہے صحرا   جلاد ہزاروں پسرِ فاطمہؑ تنہا
ہے دھوپ بھی اور تیروں کا مینہ بھی ہے برستا   لگتی ہے جو لُو زخموں کو تو ہوتی ہے ایذا
یہ دکھ جو سہے شہ نے تو مطلب کہو کیا ہے
منظور فقط امت عاصی کا بھلا ہے

کہتا ہے بدن تیغوں سے ٹکڑے میں ہوا ہوں کہتا ہے جگر پیاس کی گرمی سے جلا ہوں
دل کہتا ہے میں داغِ عزیزاں سے بھرا ہوں فرماتے ہیں شبیرؑ میں راضی بہ رضا ہوں
ہوش اپنے تن و سر کا بھلا اب مجھے کب ہے
اللہ سے اب بخششِ امت کی طلب ہے

مقطع ؎ خاموش دبیرؔ اب نہ بیاں کر تو وہ احوال جس ظلم سے شبیرؑ کا لاشہ ہوا پامال
جس جور سے سر ننگے ہوئی فاطمہؑ کی آل اب شہ سے یہ کر عرض کہ اے شاہِ خوش اقبال
اصغرؑ کے لئے میری مدد کیجئے حضرت
تکلیف میں ہوں چین مجھے دیجئے حضرت

مرثیہ (۱۰) کیا مظہر العجائب و معجز نما علیؑ (۶۷ بند)

یہ ذخیرۂ رشید میں مراثی دبیرؔ (قلمی) جلد سوم میں موجود ہے۔ سرورق پر یہ عبارت موجود ہے:۔

"از بستۂ نور الحسن ۱۳۰۲ھ ہجری"

مرثیے میں مقطع لکھنے سے رہ گیا ہے۔ چند بند یہ ہیں:۔

مطلع ؎ کیا مظہر العجائب و معجز نما علیؑ بے فصل جانشینِ رسولِ خدا علیؑ
کیوں منصفو! اگر نہیں مشکل کشا علیؑ مشکل میں کیوں زباں سے نکلتا ہے یا علیؑ
جس دم لیا یہ نام خدا کی مدد ہوئی
انساں پہ جو بلا ہوئی نازل وہ رد ہوئی

مختارِ خلد و مالکِ خلدِ بریں علیؑ الحق معین و حافظ و حبل المتین علیؑ
بابِ علوم و مقصدِ دنیا و دیں علیؑ یٰسیں گواہ ہے کہ امامِ مبیں علیؑ
وصفِ بشر سے منزلت ان کی زیادہ ہے
قرآنِ حق سے ان کا عدو بے سواد ہے

کیوں مومنو! یہ جس کے پدر کا ہو مرتبا ہوں کربلا میں اس پہ ستم وامصیبتا
یارو مقامِ غور ہے انصاف کی ہے جا پیکانِ ظلم اور تنِ ابنِ مرتضاؑ
فوجوں میں یوں گھرے تھے کہ مولا کا بس نہ تھا
عالم کے دادرس کا کوئی دادرس نہ تھا

جناب سید محمد رشید صاحب کے نادر الوجود کتب خانے میں مجموعہ مراثی دبیر کی ایک ضخیم جلد ہے جو ناقص الطرفین ہے۔ تاریخ اشاعت اور کتاب کا نام وغیرہ معلوم نہ ہو سکا۔ اندازے کے مطابق ایک سو سال سے زیادہ پرانا نسخہ لگتا ہے۔ کاغذ انتہائی خستہ اور بوسیدہ ہے اس کا رنگ بھی امتداد زمانہ کے باعث بدل چکا ہے۔ کتاب میں بعض نادر و نایاب مرثیے بھی ہیں جو دفتر ماتم یا مطبع اودھ اخبار وغیرہ جلدوں میں نہیں ہیں۔ ہر صفحے میں "مجلس" کا نمبر، مرثیہ در حال ..... اور دبیر تخلص موجود ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا ہے غالباً واحد نسخہ ہے۔ بعض مرثیے قلمی نسخوں میں بھی موجود ہیں۔ دبیریات کے سلسلے میں یہ کتاب انتہائی مفید ہے۔ اوپر کے غیر مطبوعہ مرثیوں کو ہم کسی وقت مکمل طور پر شائع کریں گے۔ فی الحال ان مرثیوں کی مختصر تفصیلات درج کرتے ہیں جو ہنوز غیر مطبوعہ اور نادر و نایاب ہیں اور پہلی مرتبہ باقیاتِ دبیر میں شامل کرنے کا فخر محسوس کرتے ہیں:

مرثیہ (۱) جب نخلِ انتقام میں تیغوں کے پھل لگے (۱۷۸ بند)

اس وقت میرے سامنے ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم کی کتاب "نادرات مرزا دبیر" کا ہندستانی ایڈیشن مطبوعہ چمن بکڈپو دہلی ۱۹۷۷ء ہے۔ اس میں ذیل کے دو مرثیے غیر مطبوعہ کے طور پر شائع ہوئے ہیں:

(۱) روشن کیا جو حق نے چراغ انتقام کا (۱۵۷ بند)

(۲) جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی (۷۴ بند)

ڈاکٹر مرحوم نے قلمی مرثیوں کا ماخذ نہیں بتایا ہے۔ ہماری رائے میں دونوں مرثیے ناقص، غلط اور غیر مربوط چھپے ہیں۔ پہلے مرثیے کے بند نمبر ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷۔ دوسرے مرثیے میں بند نمبر ۴۰، ۴۱، ۵۱، ۶۸، ۷۰، ۷۱، اور ۷۲ کے تحت دوبارہ شامل کیے گئے ہیں۔ دونوں کے مقطعے اس طرح غلط چھپے ہیں:-

(۱) بس اے دبیرؔ، بہر فغاں یہ بھی کم نہیں قصے کو مرثیہ کیا، روتے ہیں اہلِ دیں
کس حال میں یہ حال کیا نظم آفریں نزدیک بزم یازدہم عارضہ قریں

یارب نہ مجھ کو رنج ہو، کوئی نہ فکر ہو
دل میں غم حسینؑ ہو، لب پہ یہ ذکر ہو

(۲) خاموش اب دبیرؔ ہے بس شدتِ بکا　　قطعے کو مرثیہ کیا تحسین و مرحبا

کس حال میں یہ مرثیہ موزوں مگر ہوا　　ہر سمت سے ہے مجھ پہ یورش موجِ اشک کا

یارب نہ مجھ کو رنج ہو کوئی نہ فکر ہو

دل میں غمِ حسینؑ ہو لب پر یہ ذکر ہو

اصل میں دبیرؔ نے یہ مرثیہ (جب نخلِ انتقام میں تیغوں کے پھل لگے) کے مطلع کے تحت نظم کیا ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے، اور اب پہلی مرتبہ ہم "باقیاتِ دبیر" میں شائع کر رہے ہیں۔ مرثیہ مختار ثقفی کے حال کا ہے۔ اس کے چار قلمی نسخے رشید صاحب اور مرزا امیر علی کی ملکیت میں ہیں۔ ایک نسخہ حیدر آباد میں ملا۔ ایک سے زائد نسخے مرزا دبیرؔ کے پرپوتے مرزا محمد صادق مرحوم کے پاس راقم نے دیکھے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ مرثیہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اسکے جملہ قلمی نسخے مکمل اور خوش خط ہیں۔ رشید صاحب کے نسخۂ دوم میں ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۶ء) میں نور الحسن کوکبؔ نے اپنے قلم سے سرورق پر ذیل کی عبارت لکھی ہے:

"مرثیہ کامل حال مختار دبند از تصنیف مرزا دبیرؔ صاحب۔ قبل ازیں کم تقسیم ہوا تھا۔"

مرثیہ کا ایک نسخہ ۱۸۶۶ء کا مکتوبہ ہے۔

ثابت لکھنوی لکھتے ہیں کہ مرزا دبیرؔ نے صرف ایک ہی مرثیہ مختار ثقفی کے حال کا لکھا ہے۔ مطلع یہ ہے:

مطلع: جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی

اور اس میں دبیرؔ کے شاگردوں نے بند لگائے ہیں۔ اس لئے مرثیہ "پنچایتی" ہے۔

(حیاتِ دبیر ص ۲۶۷)

اوپر کا یہ مطلع (جب تیغِ انتقام .....) زیر نظر مرثیہ (جب نخلِ انتقام .....) کا مطلع سوم ہے۔ اس کے تحت جو بند ہیں وہ بالکل مختلف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ثابت لکھنوی نے مرثیہ کا کوئی بھی نسخہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مزید حیاتِ دبیر ص ۲۸۲ میں لکھتے ہیں:-

"مختار کے حال میں ایک غیر تقسیمی مرثیہ (جب تیغِ انتقام برہنہ .....) ہے جس کی نسبت مرزا صاحب کے شاگردوں و طرفداروں کا خیال ہے کہ تمام تصنیفات مرزا صاحب کی ایک پلّے میں اور یہ مرثیہ دوسرے پلے میں رکھنے پر بھی شاید بھی پلہ

جھکتا ہوا ہوگا ۔"

ڈاکٹر صفدر حسین کے پہلے دیئے ہوئے مرثیے (روشن کیا جو حق نے .....) کے بند نمبر ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶ ہمارے دریافت کئے ہوئے زیر نظر مرثیہ میں موجود ہیں ۔ اسی طرح دوسرے مرثیے (جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی) کے بند نمبر ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳ ہمارے مرثیے (جب نخلِ انتقام میں تیغوں کے پھل لگے) میں ہیں ۔ اس کا مقطع یہ ہے :

خاموش اے دبیر کہ ہے شدت بکا　　　قصے کو مرثیہ کیا تحسین و مرحبا
کس حال میں یہ مرثیہ موزوں مگر ہوا　　　مژگاں پہ فوج اشک صف آرا ہیں جابجا
افواج لختِ دل بھی مہیائے رزم ہے
اس مرثیے سے جنگ کا میداں یہ بزم ہے

سبھی قلمی نسخوں میں یہی مقطع ہے ۔ مرثیہ ترتیب دیا گیا ہے ۔

مرثیہ (۲)　　جب شام کے کشور میں چراغاں ہوا شب کو　　(۱۴۶ بند)

دبیر کا شاندار مرثیہ ہے ۔ لیکن بدقسمتی سے یہ ناقص، غیر مربوط اور بغیر مقطع کے دفتر ماتم جلد پنجم میں پہلی مرتبہ ۹۴ بند میں ۸۳ ۔ ۱۸۸۲ء میں چھپا تھا ۔ یہ جلد اب نیست و نابود ہو گئی ہے اور اس کا کوئی نسخہ برصغیر میں نہیں ملتا ہے ۔ زیر نظر مرثیے کو اب گویا بیش بہا اور نایاب مخطوطے کی سی اہمیت حاصل ہے ۔ اس کے تین قلمی نسخے دستیاب ہوئے ۔ دو دبیر کی زندگی میں نقل کئے گئے ہیں ایک میں ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ کی تاریخ ہے دوسرے کے اختتام میں یہ عبارت درج ہے :

"مرثیہ ہذا من تصنیف مرزا سلامت علی بیگ صاحب متخلص بہ دبیر ساکن لکھنؤ"

تیسرا نسخہ حیدر آباد سے ملا ۔ یہ نہایت ہی خوش خط اور صحیح نسخہ ہے اس کا کاغذ بہت ہی پرانا اور خستہ حالت میں ہے ۔ اس کے ۱۶ بند غیر مطبوعہ ہیں ۔ گویا پورا مرثیہ ناپید اور غیر مطبوعہ ہے ۔ قلمی نسخہ کسی پڑھے لکھے اور صاحبِ ذوق کاتب نے لکھا ہے ۔ مرثیہ مرزا امیر علی اور نسخہ حیدر آباد سے ترتیب دیا گیا ہے ۔ تینوں نسخوں میں ذیل کا مقطع درج ہے

غش ہو گئیں سیدانیاں زہرؑا کی ندا سے　　اب حشر ہے محفل میں دبیر آہ و بکا سے
ہو ملتمس ارواحِ امامانِ ھُدا سے　　بہرِ سفارش کرو اب ربِّ علا سے
جاری میرے عصیاں یہ معافی کا قلم ہو
دفتر میں شہیدوں کے مرا نام رقم ہو

مرثیہ (۳)　جب لالۂ شفق نے دکھائی بہارِ صبح　۱۴۰ بند (قلمی نسخۂ راقم)

بقول ثابت لکھنوی (دربارِ حسین ص ۱۳۸) یہ مرثیہ صفدر شاگرد مرزا دبیر کا ہے۔ موصوف نے اپنی تائید میں کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا۔ صرف مطلع کا پہلا مصرعہ دیا ہے۔ راقم کو اس کے دو قلمی نسخے اور ایک بہت ہی پرانا مطبوعہ نسخہ دستیاب ہوا۔ ان میں دبیر تخلص درج ہے۔ مطبوعہ نسخہ خستہ اور بوسیدہ کاغذ پر چھپا ہے۔ ہم نے اس کا عکس بھی حاصل کیا ہے۔ یہ صفحہ ۲۸۹ سے ۳۱۶ تک ہے۔ مرثیے کا انداز بیان شان دار ہے۔ شاید دبیر کی تصانیف سے ہی ہے

مطلع ؎ جب لالۂ شفق نے دکھائی بہارِ صبح　　پھیلا جہاں میں رنگِ گلِ شاخسارِ صبح
برپا ہوا جو غلغلۂ اقتدارِ صبح　　بیدار خواب شب سے ہوا تاجدارِ صبح
پرچہ پڑھا نجوم و قمر کی شکست کا
نورِ سحر کو حکم دیا بندوبست کا

مقطع ؎ اتنے میں آئے روتے ہوئے شاہِ دوجہاں　　پُرسا دیا بہن کو بصد نالہ و فغاں
لاشوں کو لے کے جانبِ میداں ہوئے رواں　　بس اے دبیر خامے کی اب روک لے عناں
محشر کا شور خیمۂ شاہِ زمن میں ہے
اب گفتگو جدائی کی دولہا دلہن میں ہے

مرثیہ (۴)　یہ بزم علینک چمنستانِ خلد ہے (۱۳۹ بند) اس کے مزید مطلعے یہ ہیں:

(۲) بند ۱۲　یارو کریم وہ بھی جو وعدہ وفا کرے
(۳) بند ۱۳　شاہد ہے صبح صادق الاقرار ہے حسینؑ
(۴) بند ۱۷　یارو حسینؑ بیکس و بے یار رن میں ہے
(۵) بند ۲۸　غربت کا داغ یوسفِ کنعاں سے پوچھئے

مرثیہ پہلی مرتبہ دوسرے مطلع کے تحت دفترِ ماتم کی جلد ہفتم میں غلط، ناقص اور بے ترتیب

۸۵ بند میں چھپا ہے۔ یہ جلد بھی اب نہیں مل رہی ہے۔ اس کے ۶ بند (بند نمبر ۷۴ تا ۷۹)
قلمی نسخے میں درج نہیں ہیں۔ اور قلمی نسخے کے ۵۴ بند مطبوعہ نسخے میں غائب ہیں۔ مرثیہ
میں امام حسینؑ کی شہادت اور شیریں کی روایت نظم کی گئی ہے۔ ابتدا میں سرورق پر مطلع
(یہ بزم عینکِ چمنستان خلد ہے) کے بعد دبیر کی یہ رباعی بھی ملتی ہے ؎

شاہد ہے وفا پہ داستانِ شیریں — شیریں نے فدا کی شہ پہ جانِ شیریں
شبیرؑ کی ہے وعدہ وفائی کا بیاں — گویا ہے میرے منہ میں زبانِ شیریں

مرثیہ (۵) انگشتریِ عرش کا یارب نگیں دکھا — ۱۳۷ بند

اس کے تحت ہم نے "انتخابِ مراثی دبیر" ص۳۸۷ میں ایک مرثیہ ۱۳۶ بند میں ترتیب دے کر
شائع کیا ہے۔ یہ سب سے پہلے دفترِ ماتم جلد پنجم میں ۱۰۹ بند میں بغیر مقطع کے ذیل کے مطلع کے
تحت چھپا تھا ؎

یارب مجھے مرقعِ خلدِ بریں دکھا

اس کے بعد مرثیہ دوسری مرتبہ سبع مثانی میں بغیر مقطع چھپا تیسری مرتبہ یہ مطبع نول کشور
جلد اول ۱۹۳۷ء میں ۱۳۱ بند میں اس مطلع کے تحت شائع ہوا ؎

انگشتریِ عرش کا یارب نگیں دکھا

اس دفعہ اس کے ساتھ ذیل کا مقطع بھی شامل کیا گیا ہے ؎

بس اے دبیر بسکہ نہیں طاقتِ کلام — ہر چند ابھی نہیں ہے روایت کا اختتام
ہے بیس ظلم و جور و ستم بر سپاہ شام — مدنظر ہے کوششِ قتلِ شہِ انام
محشر بپا ہے آل رسالت پناہ میں
غل اُقتُلو الحُسَینؑ کا ہے رزم گاہ میں

مرزا کاظم علی خاں اس مرثیے (انگشتریِ عرش کا یارب نگیں دکھا) کے بارے میں "تلاش دبیر"
ص۲۵ میں لکھتے ہیں کہ:

"اس مرثیے کا مقطع "بس اے دبیر بسکہ نہیں طاقتِ کلام" درج ملتا ہے۔
بالکل یہی مقطع دبیر کے مرثیے "غربت کا داغ یوسفِ کنعاں سے پوچھئے" (مشمولہ
دفترِ ماتم ص۱۱) میں بھی موجود ہے۔ دونوں مرثیوں میں حضرت امام حسینؑ کا حال ہے

موضوع اور مقطع کے باعث دونوں مرثیوں کا باہمی تقابل ضروری ہے تا کہ پتہ چلے کہ یہ ایک ہی مرثیے کے دو نسخے ہیں یا دو الگ الگ مرثیے شمار کیے جائیں۔

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ مطبوعہ مرثیے غلط اور ناقص ہیں۔ ایک ہی مطلع اور ایک ہی مقطع کئی مرثیوں میں غلطی سے درج کئے گئے ہیں۔ ہم نے "انتخابِ مراثی دبیر" کے ص ۲۷ میں لکھا ہے کہ:

"زیرِ نظر کتاب کے مسودے پر نظرِ ثانی کر رہا تھا کہ مرثیے کا ایک بہت ہی پرانا قلمی نسخہ دریافت ہوا۔ اس پر تاریخ کتابت درج نہیں ہے اور کسی محتاط اور پڑھے لکھے کاتب نے نقل کیا ہے۔ یہ کشمیری کاغذ پر لکھا ہوا ہے اور نور الحسن کو کب کے کتب خانے میں رہ چکا ہے۔"

مرثیے کی ابتدا میں ۲۸ رباعیاں موضوع کے اعتبار سے درج ہیں۔ پہلی رباعی نمونے کے طور پر درج کی جاتی ہے ؎

عالم کو شفا خاک شفا دیتی ہے　　عیسٰی یہ مریضوں کو بنا دیتی ہے
کیوں سینوں پہ مُردوں کے نہ رکھیں دم دفن　　ایمان کو یہ خاک جِلا دیتی ہے

مطبوعہ مرثیے کا مطلع اور اس کا نسخہ (بند نمبر ۲) ملاحظہ فرمائیے ؎

انگشتریِ عرش کا یارب نگیں دکھا　　ایوانِ بارگاہِ سلیمانِ دیں دکھا
اگتا ہے تخمِ عفو جہاں وہ زمیں دکھا　　سرکار شاہزادۂ روح الامیں دکھا
مٹی مری عزیز اگر وہ زمیں کرے
پھر خلد بھی بُلائے تو بندہ نہیں کرے

نسخہ ؎ یارب مجھے مرقعِ خلدِ بریں دکھا　　تصویر زندگانیِ دنیا و دیں دکھا
اگتا ہے تخمِ عفو جہاں وہ زمیں دکھا　　سرکار شاہزادۂ روح الامیں دکھا
مٹی مری عزیز اگر وہ زمیں کرے
جنت بھی پھر بلائے تو بندہ نہیں کرے

اب قلمی نسخے کا مطلع، اس کا نسخہ اور مقطع تینوں بند درج کیے جاتے ہیں ؎

انگشتریِ عرش کا یارب نگیں دکھا　　اگتا ہے تخمِ عفو جہاں وہ زمیں دکھا

دربار شاہزادۂ روح الامیں دکھا　　آرام گاہِ قبلۂ دنیا و دیں دکھا

مٹی مری عزیز اگر وہ زمیں کرے

فردوس بھی بلائے تو بندہ نہیں کرے

یارب مجھے نمونۂ عرشِ بریں دکھا　　اوج رواق نورِ جہاں آفریں دکھا

سجدے کو خم جہاں ہیں فلک وہ زمیں دکھا　　دربارِ عرش جاہِ امامِ مبیں دکھا

بے چین ہوں فراقِ شہِ مشرقین میں

پہنچا دے اب کے سال رواقِ حسینؑ میں

اب مقطع ملاحظہ ہو ؎

بس اے دبیر بسکہ نہیں طاقتِ بیاں　　روحِ بتول بزمِ عزا میں ہے نوحہ خواں

خالق سے عرض کر کہ پئے سرورِ زماں　　پہنچا دے کربلا مجھے اے ربِّ دو جہاں

اب بخت ہو رسامرا یاور نصیب ہو

یارب مجھے زیارتِ سرور نصیب ہو

مرثیہ بالکل نیا اور دبیر کے کسی بھی مطبوعہ مجموعے میں نہیں ملتا ہے۔

مرثیہ (۶)　　آمد ہے تاجدارِ ثریا جناب کی　　(۱۳۰ بند)

اس کے تین قلمی نسخے دریافت ہوئے ہیں اور رشید صاحب کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ تینوں کے مقطعے یکساں ہیں اور ان میں دبیر تخلص ملتا ہے۔ ایک نسخے پر ۳ جمادی الآخر ۱۲۹۶ ہجری کی تاریخ کتابت درج ہے۔ کاتب کا نام سید افضل حسین ہے۔ شاید ثابت لکھنوی ہیں۔ دربارِ حسین ص۱۳۸ میں اسے صفدر کا دکھایا گیا ہے۔ صرف مطلع کا پہلا مصرعہ دیا گیا ہے اور کوئی بند یا مقطع نہیں ہے۔ بندوں کی تعداد بھی نہیں بتائی گئی ہے۔ ذخیرۂ ادیب کے ایک نسخے میں بھی اسے صفدر کا ہی دکھایا گیا ہے اور اس میں ۱۱۶ بند ہیں۔ مرثیے میں دیگر قلمی نسخوں کے مقابلے میں بڑا اختلاف ہے۔ چونکہ زیادہ نسخوں میں دبیر تخلص موجود ہے اس لئے ہم نے بھی اسے دبیر کے ہی کھاتے میں جمع کیا ہے، جب تک کہ صفدر کے نام سے کوئی دوسرا نسخہ (مکمل) نہیں ملتا، دبیر کا ہی کہا جا سکتا ہے اس میں ذیل کے مطلعے بھی ہیں ؎

(۱) بند ۲ سے　　آمد ہے نورِ چشمِ رسولؐ اللہ کی

(۲) بند ۲۶ سے آمد ہے بوستانِ اجل میں بہار کی

(۳) بند ۹۹ سے جب صرفِ کارزار امام زماں ہوئے

مطلع اوّل سے

آمد ہے تاجدار ثریا جناب کی ذرّے دکھا رہے ہیں چمک آفتاب کی
مژگاں شعاع مہر ہے چشم رکاب کی مہرِ خدا لگائے ہے چھتری سحاب کی
رستے میں بندِ فتح کا در ہے کھلا ہوا
لشکر جہاد پر ہے ظفر کا تلا ہوا

مقطع سے یہ دیکھ کر تڑپ گئی وہ غم کی مبتلا گودی میں لے کے خاک سے کرنے لگی بکا
ناگاہ آئے خیمے کی غارت کو اشقیا خاموش اے دبیر کہ محشر ہے جابجا
اعدائے دیں خیامِ امامِ امم میں ہیں
برقع نبیؐ کی آل کے دستِ ستم میں ہیں

مرثیہ (۷) عباسؑ دلاور کا لقب سیفِ خدا ہے (۱۱۷ بند)

اسی بحر اور موضوع کا ایک مرثیہ مطبع اودھ اخبار، دفتر ماتم جلد دوم اور سبع مثانی میں شائع ہوا۔ حال ہی میں اسے مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے اپنی کتاب "جواہر دبیر" (۱۹۸۶ء) میں شامل کیا۔ موصوف نے اس کی ترتیب میں کسی قلمی نسخے کا ذکر نہیں کیا بلکہ مطبوعہ نسخوں سے ہی مرتب کیا ہے مطلع یہ ہے سے

سیفی کا نمونہ مری شمشیر زباں ہے (۱۲۵ بند)

مرثیے کا دوسرا بند یہ ہے سے

عباسؑ دلاور کا لقب سیفِ خدا ہے قبضے میں اسی سیف کے شمشیر وفا ہے
جوہر کو جو پوچھو تو وہ تسلیم و رضا ہے سب ایک طرف فدیۂ شاہِ شہدا ہے
ہم سب کا جو سن خضرؑ اور الیاسؑ کا ہوگا
شمہ نہ بیاں مرتبہ عباسؑ کا ہوگا

مقطع سے بس دوڑ کے چادر جو سکینہؑ نے اتاری لاشے سے لپٹ کر یہی رو رو کے پکاری
افسوس گئی خلد کو عمو کی سواری میں جیتی رہی رونے کو میّت پہ تمہاری

خاموش دبیر اب کہ ہر اک شیعہ ہے بیدم
مجلس میں ہے چاروں طرف اک حشر کا عالم

ہمارے پیش نظر ایک غیر مطبوعہ مرثیے کے دو نسخے ہیں۔ مطلع یہ ہے ؎

عباسِؑ دلاور کا لقب سیف خدا ہے

دونوں نسخوں میں اگرچہ مقطع لکھنے سے رہ گیا ہے۔ لیکن مرثیہ مرزا دبیر ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ذیل کے بند قابلِ غور ہیں۔ ان میں انھوں نے غالباً اپنے حریف میر انیس کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

ہاں اے علم خامہ سر دست علم ہو — اس طرح علم ہو کہ علم کفر کا خم ہو
یوں معرکے میں ہم روشِ تیغِ دو دم ہو — جو یک قلم اعدا کا سر نحس قلم ہو
رستم کی وغا دیدۂ انصاف سے گر جائے
خیبر کی لڑائی کا سماں آنکھوں میں پھر جائے

جادو رقم اعجاز رقم ہو تو مزا ہے — منکر بھی ہوں قائل کہ یہ تائید خدا ہے
مفتاحِ مضامیں جو کہوں میں تو بجا ہے — جبرئیل کی انگشت پہ اسرار نما ہے
ذرّے کو دیا حق نے شرف بدر و دوجا کا
کیا فیض ہے ممدوح کی توصیف و ثنا کا

ناقد ہیں اگر اہلِ جہاں کچھ نہیں پروا — ہے شکر کی جا ہم کو شکایت نہیں اصلا
بندے کو ہے کافی کرم خالقِ یکتا — تعریف کی تحسین کی حاجت نہیں حاشا
جو حق کی طرف سے ہے وہ عزت نہیں جاتی
اجماع سے حیدر کی خلافت نہیں جاتی

جو حق کا طلب گار ہے مطلوب وہی ہے — سرقے سے ہے نفرت جسے مرغوب وہی ہے
جو عیب جو اوروں کا ہے معیوب وہی ہے — ہر رنگ میں جو خوب کہے خوب وہی ہے
گو غنچہ صفت دل میں نہیں کینۂ بلبل
تا چند مگر قصۂ پارینۂ بلبل

ذی فہم جو ہیں جانتے ہیں سب کی حقیقت — بے فائدہ تکرار ہے بے سود ہے حجت

موزوں ہوئے الفاظ جو بے عطف و اضافت
سمجھے اسے نافہم ہے یہ بھی کوئی صنعت
کہتے ہیں لغت اس کو سمجھتے نہیں جس کو
پوچھے کوئی ان سے کہ زباں کہتے ہیں کس کو

زیر بحث مرثیہ کے مطلع کا مصرعہ اول جو اوپر لکھا گیا ہے وہی ہے جو مطبوعہ نسخوں میں بند نمبر ۲ کے تحت درج ہوا ہے۔ نودریافت مرثیے کا مطلع یہ ہے ؎

عباسِؑ دلاور کا لقب سیف خدا ہے
بندوں میں یہ فرخندہ حسب سیف خدا ہے
یہ مطلبی طالب رب سیفِ خدا ہے
یہ ماہِ عجم مہر عرب سیف خدا ہے
سرخیل شجاعان حجازی ہے یہ غازی
یکتا ہے دو عالم میں وہ غازی ہے یہ غازی

مرثیہ (۸) خورشید نے برہم جو کیا دفترِ انجم (۱۱۷ بند)

یہ پہلی مرتبہ غلط اور ناقص دفتر ماتم جلد ہشتم میں مطبع جعفری (۱۳۰۴ھ) میں ۱۰۶ بند میں شائع ہوا تھا، اس کے تین قلمی نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ دو ذخیرۂ ادیب مرحوم میں ہیں۔ ایک میں ۱۱۴ بند اور دوسرے میں ۱۱۳ بند ہیں۔ تیسرا نسخہ سید محمد رشید کی ملک ہے یہ خوشخط اور کسی محتاط کاتب نے نقل کیا ہے۔ ترقیمہ یہ ہے:

"بخطِ سید عبد العلی، ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ ہجری"

جب ہم نے مطبوعہ اور قلمی نسخوں کا بغور مطالعہ کیا تو بڑا فرق پایا۔ اس میں بندوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ ذیل کے بند ہماری رائے میں ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔

بند نمبر ۳، ۷، ۸، ۱۶، ۳۱، ۳۳، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۷۱، ۸۴، ۹۴، ۹۹۔

مرثیے میں ذیل کے مطلعے بھی زیادہ ہیں:۔

(۲) بند نمبر ۷۵ گم ہو گیا جب درج فلک سے گہر ماہ
(۳) بند تخت شہ خاور جو بچھا بام سحر میں

مرثیہ (۹) جب کوزۂ خورشید بھرا شیرِ سحر سے (۱۰۰ بند)

مرثیہ حضرت حُرؑ کے حال کا ہے۔ مطبع اودھ اخبار یا دفتر ماتم وغیرہ کے مجموعہ مراثی میں نہیں ملتا ہے، غیر مطبوعہ ہے۔ دو قلمی نسخے دریافت اور پہلی مرتبہ اب باقیات دبیر میں شامل

کیا جاتا ہے۔ مطلع اور مقطع درج ہیں :

مطلع اوّل ۔

جب کوزۂ خورشید بھرا شیر سحر سے ذروں کی ہوئی نشو و نما شیر سحر سے
تھے جوش میں ارباب سما شیر سحر سے روح دل سے اٹھاتی تھی مزا شیر سحر سے
صبح شب عاشور بہشتوں کی چمن تھی
ہر خط ابیض صفتِ نہرِ لبن تھی

مطلع ثانی ۔

جب لیلیٰ شب محمل مغرب میں در آئی مجنوں کی طرح چشم ہر انجم کی بھر آئی
پھر نوبتِ بربادیِ بزم قمر آئی خود حجلۂ مشرق سے عروسِ سحر آئی
زینت تھی دُلہن کی کہ یہ سُرخی بھی شفق کی
یا پنجۂ خورشید میں مہندی تھی شفق کی

مقطع ۔ بے ہوش ہوئی بنتِ علی سن کے یہ آواز اے طبع دبیر ہنر آرا و سخن ساز
کر شکر کہ انجام کو پہنچی تری آغاز اس طرح کے مضموں پہ کس طرح کروں ناز
خطرہ ہے ذرا جھ کو نہ مضمون کہن کا
تو آپ ہراول ہے صفت فوج سخن کا

مرثیہ (۱۰) رن کو رواں ہے سیفِ خدا آج خیر ہو (۸۰ بند)

یہ مرثیہ دبیر کے کسی مطبوعہ مجموعہ میں نہیں ملتا ہے۔ اس لئے غیر مطبوعہ کہا جاسکتا ہے۔ اس کے تین قلمی نسخے دریافت ہوئے ایک حیدر آباد میں اور دو سید محمد رشید کے پاس نسخۂ اوّل بہت پرانا اور دبیز کشمیری کاغذ پر لکھا ہوا ہے اس پر غرّۂ رمضان ۱۲۹۰ ہجری مطابق نومبر ۱۸۷۳ء کی تاریخ درج ہے۔ مرثیے کے آخر میں یہ ترقیمہ ہے :

"تمام شد، مرثیہ ہذا، بخط بدسید ارجمند علی ولد سید گلزار علی .... بتاریخ ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ روز دوشنبہ امور اتمام وحلیہ اختتام در کشید"۔

نسخۂ دوم ۔ انیس و دبیر کے پانچ قلمی مرثیوں کے ساتھ شامل ہے۔ یہ مرثیے نور محمد عرف نور الحسن کو کب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں ۱۲۸۰ھ کی تاریخ درج ہے۔ مرثیہ

جناب عباسؑ کے حال میں ہے۔

مطلع ۔ رن کو رواں ہے سیفِ خدا آج خیر ہو مہرِ عرب ہے گرمِ وغا آج خیر ہو

ہستی سے کہہ رہی ہے قضا آج خیر ہو بدلی ہے آب و گل کی ہوا آج خیر ہو

ہر اک قدم فلک ساز بردست زیر ہے

بپھرا ہوا نجف کے نیستاں کا شیر ہے

مقطع ۔ سر پیٹتے چلے سوئے دریا شہِ انام خاموش ہو دبیر نہیں طاقتِ کلام

سرور سے عرض کر یہی رو رو کے یا امام روشن تمہاری ذات پہ ہے حالِ دل تمام

للہ ہند سے مجھے آقا بلائیو

مولا مدد کو آئیو مدفن دکھائیو

مرثیہ (۱۱) جب رن میں ابن شیرِ خدا حملہ ور ہوا (۶۹ بند)

مرثیہ مرزا دبیر ہی کا ہے۔ برصغیر میں اس کے صرف دو نسخے ہیں۔ ایک انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان کے کتب خانے میں اور دوسرا سید محمد رشید کے پاس۔ یہ مرزا دبیر کی زندگی میں ۲۲×۱۸ سائز میں الگ سا ۱۴ صفحوں میں چھپا تھا۔ مرثیہ کے اختتام کے بعد دبیر کے تین سلام بھی درج ہیں جو ص۱۶ میں ختم ہوتے ہیں۔ سلاموں کے مطلعے یہ ہیں سے

(۱) مجرائی مقام اب سرِ منبر ہے ہمارا اور حشر میں طوبیٰ کے تلے گھر ہے ہمارا (۱۷ شعر)

(۲) بیت جنت میں ملے نظم سلام ایسا ہو روئے سب مجرئی پر ورد کلام ایسا ہو (۱۵ شعر)

(۳) سلامی جبکہ مجھ کو قتلِ سرور یاد آتا ہے وہ سوکھا حلق اور بے آب خنجر یاد آتا ہے (۱۹ شعر)

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے زیر نظر مرثیے کا مطلع قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں بھی ملتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرثیہ مقبول عام ہو چکا تھا اس لئے یہ مطلع مطبوعہ مرثیے میں بھی جگہ پا گیا ہے۔ بہر حال نایابی کی وجہ سے مرثیے کو مخطوطے کی حیثیت حاصل ہے اور باقیات دبیر میں سو سال سے زائد عرصہ گذرنے کے بعد دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔

مطلع ۔ جب رن میں ابنِ شیر خدا حملہ ور ہوا باہر نیام سے سرِ تیغِ دو سر ہوا

چلایا آفتاب وہ شق القمر ہوا جو پیشِ تیغ آیا وہ زیر و زبر ہوا

مولا بڑھے جو تیغِ دو پیکر کو تول کر
روح الامیں سپر ہوئے شہپر کو کھول کر

اس کا مطلع ثانی (جب ذوالفقار رن میں علم کی حسینؑ نے) دفتر ماتم جلد ۱۳ میں دوسرے مرثیے کے ساتھ چھپا ہے۔

مقطع ؎ سر پیٹنے کی جا ہے اب آگے کہوں میں کیا چڑھتا ہے نیزے پر سرِ سلطانِ کربلا
تاراجیِ خیام کو جاتے ہیں اشقیا پر آگے آگے شمرِ ستمگار ہے چلا
بس اے دبیرؔ حشر ہے اب کائنات میں
سادات کی ردائیں ہیں اعدا کے ہات میں

یہ مقطع غلطی سے دفتر ماتم جلد ششم کے اس مرثیے میں بھی چھپا ہے۔ ع
"جب ربط خاک و آتش آب و ہوا ہوا"

مرثیہ (۱۲) کعبہ ہے اک دریچۂ ایوانِ کربلا (۵۸ بند)

مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے دو نسخے دستیاب ہوئے۔ ایک حیدر آباد میں اور دوسرا مرزا امیر علی کے پاس۔ موخر الذکر نسخے میں ابتدا میں کسی دوسرے مرثیے کے کچھ بند نور الحسن کوکبؔ نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں۔ آخر میں بھی کچھ بند ہیں۔ بعض بند نظری کر دیئے گئے ہیں۔ پورا مرثیہ نور الحسن کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا ہے۔ دونوں نسخے مکمل ہیں۔

مطلع ؎ کعبہ ہے اک دریچۂ ایوانِ کربلا مسند نشینِ عرش ہے سلطانِ کربلا
خاکِ شفا ہے خاک بیابانِ کربلا ہے آفتاب ذرۂ میدانِ کربلا
برتر سپہر پیر سے واں کی زمین ہے
قندیل آشیانۂ روح الامین ہے

مقطع ؎ یہ سن کے راہ گیروں سے سب پیٹتے تھے سر ہے ہے حسینؑ کہہ کے تڑپتے تھے خاک پر
بس اے دبیرؔ اب تو پھٹا جاتا ہے جگر کر عرض یوں حسینؑ سے بادیدہ ہائے تر
ہر چند رحمت آپ کی یا شاہِ دیں ہوئی
لیکن خدا گواہ کہ سیری نہیں ہوئی

مرثیہ (۱۳) مفتاح قفل باب سخن ہے زباں میری (۵۶ بند)

راقم الحروف نے اپنے مضمون "مرزا دبیر کے غیر مطبوعہ مرثیے" مطبوعہ "نیا دور" لکھنؤ بابت جولائی ۱۹۹۳ء میں ایک اپیل شائع کی تھی کہ اگر کسی صاحب کو ان مرثیوں کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کی کوئی بھی اطلاع ہو تو وہ مطلع کریں۔ اس ضمن میں جناب علی احمد دانش کا زیر نظر مرثیہ کے بارے میں ایک مضمون بعنوان "کلام دبیر میں تحریف" مورخہ ۶ فروری ۱۹۹۴ء "قومی آواز" لکھنؤ کے 'ضمیمہ' میں نظر سے گذرا کہ یہ مرثیہ میر نفیس کا ہے۔ انھوں نے اس کا مطلع اور مقطع بھی پیش کئے۔ مقطع کا خط کسی دوسرے کاتب کے ہاتھ کا ہے۔ اور اس پر کوئی تاریخ کتابت نہیں ہے۔

میں نے مرثیہ اس لئے کتاب میں شامل کیا تھا کہ اس کے ہر صفحے میں مرزا دبیر کا نام نمایاں درج ہے۔ اور آخر میں ۱۲۹۱ھ ہجری کا سال اشاعت بھی موجود ہے۔ مرثیہ میر انیس، مرزا دبیر، میر نفیس اور ثابت لکھنوی کی حیات میں مطبع مخدومی بمبئی میں بغیر مقطع کے چھپا تھا۔ اس کا غالباً واحد نسخہ جناب سید محمد رشید صاحب کے نادر الوجود کتب خانے میں محفوظ ہے۔ میں دانش صاحب کا شکر گذار ہوں کہ ان کا یہ مضمون عین اسی دن شائع ہوا جس دن میری کتاب کے چار ابتدائی فارم چھپ گئے تھے۔ اور میں نے اِسے باقیات سے فی الحال خارج کر دیا۔

مرثیہ (۱۴) اعدا جو باغِ فاطمہ تاراج کر چکے (۴۰ بند)

یہ دفتر ماتم وغیرہ کی جلدوں میں غائب ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مرزا امیر علی کے پاس موجود ہے۔ اس پر ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کی تاریخ درج ہے اور مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔

مطلع:
اعدا جو باغِ فاطمہؑ تاراج کر چکے نوکِ سناں پہ شہ کا سر پاک کر چکے
دامن کو اپنے گوہرِ مقصد سے بھر چکے بولا عمر کہ سیدِ عالم مر چکے
استادہ ایک خیمہ حضورِ نگاہ ہو
شب بھر اسی میں آلِ رسالت پناہ ہو

مقطع:
ہر چند اختتام روایت نہیں ہنوز بس اے دبیر آتشِ غم سے ہے دل میں سوز
اور آہ مومنو کی ہے شمع جہاں فروز کر یہ دعا خدا سے کہ ہر شب ہر ایک روز
گر دشمن گو سدا فلک کینہ جو رہے
یارب علیؑ کے دوستوں کی آبرو رہے

مرثیہ (۱۵) جب فوجِ حسینؑ کے علمدار کو مارا (۳۵ بند)

دو قلمی نسخے دریافت ہوئے۔ ایک ذخیرۂ ادیب میں اور دوسرا امیر علی کے پاس۔ مرثیہ آج تک کہیں نہیں چھپا ہے اور دبیر کے کسی مجموعۂ کلام میں نہیں ہے۔ افسوس کہ مقطع لکھنے سے رہ گیا ہے۔ نسخہ ادیب میں موجود ہے۔ امیر علی صاحب کے نسخے کی ابتدا میں ذیل کی عبارت ملتی ہے:

"مرثیہ نمبر ۱۲۸، مرثیہ نو تصنیف جناب مرزا دبیر صاحب سلمۂ۔ صحیح کردہ است۔"

آخر میں ترقیمہ بھی ہے:

"تمت تمام شد بتاریخ بست و دوم روز یکشنبہ ماہ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ"۔

مرثیے کی ابتدا میں ۵ رباعیاں ملتی ہیں۔ ذیل میں درج کی جاتی ہیں تاکہ محفوظ رہ سکیں۔

(۱)
اکبرؑ کو ثمر کچھ نہ جوانی کا ملا ۔۔۔ کھانے کا مزا ملا نہ پانی کا ملا
اٹھارہ برس کے سن میں برچھی کھائی ۔۔۔ یہ پھل اس باغِ زندگانی کا ملا

(۲)
قفل درِ امید دعا سے کھولے ۔۔۔ ہر عقدۂ دل چشمِ عطا سے کھولے
گو ہاتھ نہیں مگر جو چاہیں عباسؑ ۔۔۔ مشکل کی گرہ ناخنِ پا سے کھولے

(۳)
اکبرؑ نے جو گھر موت کا آباد کیا ۔۔۔ صغراؑ کو دمِ نزع بہت یاد کیا
لاشے پہ جگر پکڑ کے یہ کہتے تھے حسینؑ ۔۔۔ تم نے علی اکبرؑ ہمیں برباد کیا

(۴)
عباسؑ کے لاشے پہ جو آئے شہِ دیںؑ ۔۔۔ تھے ہاتھ کہیں اور علم و مشک کہیں
شہ نے جو کہا کہ آنکھیں کھولو بھائی ۔۔۔ لاشے نے صدا دی کہ سکینہؑ تو نہیں

(۵)
اصغرؑ کو جو مقتل میں لٹاتے تھے حسینؑ ۔۔۔ مُردے کو کلیجے سے لگاتے تھے حسینؑ
از بسکہ زمینِ کربلا جلتی تھی ۔۔۔ گر رکھتے تھے لاش گو اٹھاتے تھے حسینؑ

مرثیے کا مطلع یہ ہے ؂

جب فوجِ حسینی کے علمدارؑ کو مارا ۔۔۔ کہتے تھے شقی حیدرِ کرارؑ کو مارا
غل خیمے میں تھا شاہ کے غمخوار کو مارا ۔۔۔ اس کو نہیں مارا شہِ ابرار کو مارا

روٹھے ہیں اجازت کے لئے روتے ہیں اکبرؑ
یہ اور غضب ہے کہ جدا ہوتے ہیں اکبرؑ

مرثیہ (۱۶) زہرؑا کے مرقع کو مٹایا جو قضا نے (۱۸ بند)

مرثیہ مختصر مگر غیر مطبوعہ ہے۔ امیر علی صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔

مطلع۔ زہرؑا کے مرقع کو مٹایا جو قضا نے اور خون سے تصویر بھری اہلِ جفا نے
مرنے پہ کمر باندھی شہِ عقدہ کشا نے مظلوم کو نرغے میں لیا رنج و بلا نے
فرمایا لبِ خشک سے مشغولِ دعا ہو
ارشاد کیا سر سے کہ امت پہ فدا ہو

ذیل کے مرثیے (نمبر ۱۷ تا ۲۲) بھی ہماری دریافت ہیں اور پہلی مرتبہ "شاعرِ اعظم مرزا اسلامت علی دبیر" اور "انتخابِ مراثیِ مرزا دبیر" مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ میں شائع ہوئے۔ چونکہ دونوں کتابیں کمیاب ہوگئی ہیں اس لئے نظرِ ثانی کے بعد دوبارہ "باقیاتِ دبیر" میں شامل کئے جاتے ہیں۔

مرثیہ ۱۷۔ ذرہ ہے آفتاب درِ بوترابؑ کا۔ ۸۱ بند

یہ معرکہ آرا اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور ۲۱ رمضان کو جناب حضرت امیرؑ کے حال میں راجہ میوہ رام جو پہلے ہندو تھے اور بعد میں ہدایت علی خان افتخار الدولہ (متوفی ۱۲۸۴ھ) کے نام سے مشرف بہ اسلام ہوئے انہی کے امام باڑے میں پڑھا گیا تھا۔ مرزا دبیر کے علاوہ ان کے استاد میر ضمیر (متوفی ۱۲۷۲ھ) بھی یہاں پڑھا کرتے تھے۔ ۱۹ رمضان کو میر ضمیر نے مرزا صاحب سے کہا کہ میں نے راجہ صاحب کی ۲۱ رمضان کی مجلس کے لئے کوئی نیا مرثیہ نہیں کہا ہے۔ اگر موقعہ اور مناسب ہوگا تو یہ مرثیہ ہمیں دو۔ ہم دو چار بند پڑھیں گے۔ دبیر نے مرثیہ نقل کیا۔ ایک نقل اپنے پاس رکھی اور دوسری ان کو بھیج دی۔ مجلس کے دن دونوں بزرگوار آئے۔ میر صاحب نے دبیر سے کہا کہ وہ مرثیہ نہ پڑھنا لیکن انھوں نے وہی پڑھا۔ میر ضمیر نے بادل ناخواستہ کسی اور مرثیے کے دو چار بند پڑھے پھر دونوں میں بد مزگی پیدا ہوگئی اور ترکِ ملاقات بھی ہوئی (تفصیلات کے لئے شاعرِ اعظم مرزا اسلامت علی دبیر ملاحظہ ہو) مرثیے کے تین نسخے دریافت ہوئے۔ ایک ذخیرۂ ادیب اور دو سید محمد رشید کے کتب خانے میں۔ ایک پر سنہ ۱۲۰۵ھ اور دوسرے پر رجب ۱۲۹۶ھ کی تاریخیں درج ہیں۔ موخر نسخے کے مالک اور کاتب مصاحب علی تھے۔

مطلع ؎ ذرہ ہے آفتاب درِ بوترابؑ کا ہے عرش آستاں شہِ عالی جناب کا
لاریب وہ وصی ہے رسالتمآبؐ کا حقا کہ وہ شفیع ہے روزِ حساب کا
مالک ہیں کارخانۂ پروردگار میں
حکم خدا ہے مثلِ زباں اختیار میں

مقطع ؎ بس اے دبیرؔ حق سے دعا کر بہ اشکؔ و آہ ہو اور اوج بانیِ مجلس کا یا الٰہ
ہو افتخار دولت و اقبال و عزّ و جاہ حیدرؑ کے حفظ میں رہے ہر شام ہر پگاہ
دنیا و دیں میں مرتبہ برتر نصیب ہو
عمرِ خضرؑ وقارِ سکندر نصیب ہو

مرثیہ (۱۸) جب صبح شب قتل ہوئی رن میں نمودار (۱۳۸ بند)

یہ جناب قاسمؑ کے حال کا مرثیہ ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ کہیں نظر سے نہیں گذرا اور نہ ہی دبیرؔ کے کسی مجموعہ کلام میں موجود ہے۔ صرف ایک واحد نسخہ دستیاب ہوا۔ مرثیہ نہایت شان دار ہے۔

مطلع ؎ جب صبحِ شبِ قتل ہوئی رن میں نمودار آفت میں گھرا لختِ دلِ حیدرِؑ کرار
قرباں ہوئے انصار، تصدق ہوئے دلدار قاسمؑ رہے اور اکبرؑ و عباسؑ علمدار
اک دم میں دلبروں کا لہو بہہ گیا رن میں
کل تین جواں رہ گئے ہفتاد و دو تن میں

مقطع ؎ خاموش دبیرؔ اب کہ جہاں کرتا ہے نالا ہے غم سے دل اب جنؑ و بشر کا تہ و بالا
کر عرض یہ حضرت سے کہ یا سرورِ والا ہے کون مرادِ دلِ جگر پوچھنے والا
جو ہے میرا مطلب وہی جلدی سے عطا ہو
ہاں مالکِ سرکارِ خدا تم بہ خدا ہو

مرثیہ (۱۹) اے باغِ طبع رنگ بہارِ سخن دکھا (۱۲۹ بند)

سید نظیر الحسن فوق دہاجنی نے اپنی کتاب "المیزان" کے ص۶۳ میں اسے غیر مطبوعہ قرار دیا ہے۔ جناب سید محمد رشید کی قلمی جلد میں ۷۸ کے تحت موجود ہے اور جناب علی اکبرؑ کے حال میں ہے۔

مطلع ۔ اے باغِ طبع رنگِ بہارِ سخن دکھا — جس کا کہ باغباں ہے خدا وہ چمن دکھا
تشبیہہ ہم شبیہِ رسولِ ؐ زمن دکھا — حُسنِ شبابِ اکبرِ گل پیرہن دکھا
گل پر پڑھو درود یہ حکمِ رسول ؐ ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں گل یہ وہ پھول ہے

مرثیہ (۲۰) مقتل ہے چمن فصلِ بہاری کی ہے آمد (۱۲۰)

مرثیہ کے دو نسخے دریافت ہوئے۔ ایک رشید صاحب کی ملک ہے۔ ثابت لکھنوی (حیاتِ دبیر ص ۴۵۸) نے گھوڑے کی تعریف میں ایک مصرعہ نقل کیا ہے ؎

جانے میں رسولوں کی دعا آنے میں تاثیر

اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مشہور مرثیے کا مصرعہ ہے جس کا مطلع ہے ؎

مقتل ہے چمن فصل بہاری کی ہے آمد

دوسری جگہ حیاتِ دبیر ص ۵۰ میں ثابت لکھنوی سید جعفر حسین لندنی پھرسری عالم علوم مشرقی وسابق ممبر کونسل کوٹہ وجے پور اور میر باقر حسین پھرسری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"۱۸۷۱ء یا ۱۸۷۲ء میں وزیر حسین صاحب (مؤلف چہل مجلسِ شبیر وغیرہ) لکھنؤ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ میں محرر رجسٹری تھا، انھیں کے پاس رہتا تھا۔ اسی اثنا میں ایک مجلس میر باقر سوداگر کے امامباڑہ میں ہوئی۔ مرزا صاحب مرحوم نے نیا مرثیہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے ع

مقتل ہے چمن فصلِ بہاری کی ہے آمد

ہجوم کی یہ کیفیت تھی کہ چھتوں پر لوگ لدے ہوئے تھے اور منڈیروں پر مثل گھوڑے سوار تھے اور درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میر وزیر حسن نے جو مجلس میں موجود تھے، مرزا صاحب سے درخواست کی کہ مرثیہ جو ابھی پڑھا ہے مجھ کو مرحمت ہو۔ مرزا صاحب نے وعدہ فرمایا کہ بہت اچھا۔"

مطلع ۔ مقتل ہے چمن فصلِ بہاری کی ہے آمد — بہرِ شہدا رحمتِ باری کی ہے آمد
توسن ہے کہ آہوئے تتاری کی ہے آمد — پیدل ہے فلک کس کی سواری کی ہے آمد

عکسِ چمنِ رُخ سے عیاں قدرتِ حق ہے
رن گلشنِ جنت کے مرقعے کا ورق ہے

مقطع ۔ خاموش دبیر اب کہ نہیں طاقتِ تحریر — اب شہ سے دعا مانگ کہ یا حضرتِ شبیرؑ
اکبرؑ کے تصدق میں ملے خلد کی جاگیر — دولت کی ہوس ہے نہ مجھے خواہشِ اکسیر
محشر میں یہ خادم بھی ترے ساتھ ہو مولا
دامن ہو ترا اور مرا ہاتھ ہو مولا

مرثیہ (۲۱) اے طبعِ رواں سیفِ قلم جلد علم کر (۱۲۰ بند)

اس کا کوئی دوسرا نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کا ایک نسخہ رشید صاحب کے پاس ہے۔ یہ جناب عباسؑ کے حال میں نظم ہوا ہے۔ مقطع میں غالباً نواب محسن الدولہ کی صحت یابی کے لیے دعا کی گئی ہے۔ مرثیہ دبیر کا شاہکار معلوم ہوتا ہے۔ بند نمبر ۶۸ اور ۶۹ غیر منقوط ہیں۔

مطلع ۔ اے طبعِ رواں سیفِ قلم جلد علم کر — جوہر ترے کھل جائیں وہ مضمون رقم کر
دکھلا کے برش حاسدوں کا ناک میں دم کر — اور آیۂ سیف سرِ خامہ پہ دم کر
ہاں خامے کو ہم رتبۂ تیغِ دو زباں کر
عباسِؑ علمدار کی آمد کا بیاں کر

مقطع ۔ بس روک دبیر اب تو زباں خوب ہے رقت — یہ مانگ دعا، اے پسرِ شاہِ ولایت
ہو جلد عنایت مرے نواب کو صحت — تا حشر رہے زیرِ قدم دولت و حشمت
نازاں ہوں وہی دیں گے صلہ دل کو یقیں ہے
ہے ہاتھ میں یاں مثلِ نگیں ختم نہیں ہے

مرثیہ (۲۲) عزیزو! فکر کرو تعزیہ اٹھانے کی (۴۸ بند)

یہ مرثیہ دبیر کے ابتدائی کلام کا نمونہ ہو سکتا ہے۔ دفترِ ماتم جلد ہشتم میں صرف سات بندوں پر مشتمل ہے۔ کاظم علی خاں "تلاشِ دبیر" ص ۲۰ میں فرماتے ہیں:

"راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق یہ دبیر کا مختصر ترین مطبوعہ مرثیہ ہے۔"

مجھے اس کا ایک پرانا قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ اس میں ۴۸ بند ہیں۔ مقطع بھی

موجود ہے۔ جبکہ دفتر ماتم میں بغیر مقطع کے ہے۔ قلمی نسخہ مرزا امیر علی کی ملک ہے اور کسی مستند نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ آخر میں مقطع کے بعد "تمام شد، مقابلہ نمودہ" کے الفاظ بھی درج ہیں اور مصنف کی زندگی کا مکتوبہ ہے۔ مطبوعہ نسخے کے صرف دو بند قلمی نسخے میں ہیں اور بقیہ تمام قلمی بند غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ نور الحسن کوکب کے کتب خانے میں رہ چکا ہے۔

مطلع ۔ عزیزو! فکر کرو تعزیہ اٹھانے کی
جہاں میں دھوم ہے ماہِ عزا کے جانے کی
یہ رات آئی ہے رونے اور رُلانے کی
سحر قریب ہے شہ کے گلا کٹانے کی
تمام ہوتے ہیں دس دن رسول روئیں گے
حسینؑ امام بھی اب کل تمام ہوئیں گے

مقطع ۔ دبیرِ خستہ، قلم روک، دل ہوا افگار
دعا یہ مانگ خدا سے بہ دیدۂ خوں بار
بہ حقِ احمدِ مختار و حیدرِ کرار
بہ حقِ شبرؑ و شبیرؑ فاطمہؑ اطہار
نہ کوئی رنج میں آفاق میں سہوں یارب
حسینؑ امام کی برکت سے خوش رہوں یارب

مرثیہ (۲۳) مومنو! اشک بہاؤ کہ محرم آیا۔ ۳۳ بند (نسخۂ رشید)

اس کے پانچ قلمی نسخے نظر سے گذرے۔ دو رشید صاحب کے اور تین ادیب مرحوم کے کتب خانے میں۔ رشید صاحب کے دونوں نسخے دبیر کی زندگی میں نقل کیے گئے ہیں۔ مرثیہ دبیر کے کسی مطبوعہ مجموعے میں نہیں ہے۔ یہ ۱۸۶۶ء کے کاغذ پر نقل کیا گیا ہے۔ نسخۂ رشید کے آخر میں یہ عبارت ہے:

"از تصنیفات مرزا دبیر صاحب سلمہٗ ربہ۔ جہت نواب میر صاحب سلمہٗ ربہ تحریر گردید۔"

مطلع ۔ مومنو! اشک بہاؤ کہ محرم آیا
سید و بیکس و مظلوم کا ماتم آیا
مہِ نو چرخ پہ غم سے بقدِ خم آیا
جوش میں فاطمہؑ کا دیدۂ پُرنم آیا
نوحہ خواں خلد سے اب روحِ رسولؐ آئیگی
تعزیہ خانوں میں رونے کو بتولؑ آئیگی

مقطع ۔ اس گھڑی فاطمہؑ کو ضبط کا یارا نہ رہا
گرد لاشے کے کیا احمدؐ و حیدرؑ کو کھڑا
کہا حوروں سے کہ عریاں کرو سر اپنا
ماتمِ بے کس و مظلوم کرو یاں برپا

اے دبیر اس گھڑی کیا سینہ زنی ہوتی تھی
پڑھ کے نوحہ جو بتول عذرا روتی تھی

مرثیہ (۲۴) جب رن میں آستیں چڑھائی حضور نے (۶۲ بند)

یہ ذخیرۂ رشید میں موجود ہے اور دبیر کی حیات کا مکتوبہ ہے۔ ابتدا میں نور الحسن کوکب نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ "مرثیہ تمام" ہے اور انہی کے بستے میں موجود تھا۔ اس پر "اخبار کارنامہ" لکھنؤ مطبوعہ ۱۸۷۳ء کا کور چڑھا ہوا ہے۔ مرثیہ ۱۸۶۶ء کے کاغذ پر لکھا ہوا ہے یعنی کاغذ کے ہر صفحے پر ۱۸۶۶ء کی مہر ابھری ہوئی ہے۔ مرثیہ سید اصغر حسین جون پوری کے مکان پر قدرت علی خاں ساکن دیو نے روز یکشنبہ وقت شام بتاریخ سیوم ۱۲۸۲ھ کو تمام کیا تھا۔ مرثیہ شان دار ہے۔ چند بند یہ ہیں :-

مطلع ؎ جب رن میں آستیں چڑھائی حضور نے سر کو جھکایا شرم سے کبر و غرور نے
دیکھا سوئے سما جو امام غیور نے مجرا کیا فرشتوں نے تسلیم حور نے
غل پڑ گیا کہ دیکھو لڑائی حسینؑ کی
کھنچتی ہے ذوالفقار شہِ مشرقین کی

تیغ دو سر غرض ہوئی کاٹھی سے جلوہ گر جوزا سے فی المثل ہوئے دو ماہ نو بدر
سر دو تھے پر نہ فرق تھا آپس میں یکدگر سیمرغ نکلا قاف سے گویا کشادہ پر
جاری ہوا یہ رن میں ہر اک کی زبان سے
جبرئیل وحی لے کے اڑا آسمان سے

پیکر میں سینہ، سینے میں دل، دل میں مدعا آنکھوں میں پتلی، پتلی میں تل، تل میں ہوں ضیا
دریا میں آب، آب میں گل، گل میں نقشِ پا برمیں دھوپ، دھوپ میں ظل، ظل میں ہوں ضیا
رخصت میں ماہ، ماہ میں ضو، ضو میں طور ہوں
محفل میں شمع، شمع میں لو، لو میں نور ہوں

مقطع ؎ غش ہو گئی یہ سنتے ہی وہ غم کی مبتلا خیمہ نبیؐ کی آل کا ماتم سرا ہوا
بس اے دبیر مجھ کو بھی ہے جوششِ بکا کر عرض اب حسینؑ سے اے لال مرتضیٰ

ذاکر کو آپ کے گھر مدعا ملے
سامانِ رفتنِ سفرِ کربلا ملے

مرثیہ (۲۵) جب نہر پر حسینؑ برادر کو رو چکے (۵۴ بند)

دبیر کا ابتدائی کلام یعنی ۱۲۴۰ھ سے قبل کا معلوم ہوتا ہے۔ دبیر کی زندگی میں ۱۸۶۶ء کے کاغذ پر نقل کیا گیا ہے اور رشید صاحب کی قلمی جلد دوم میں موجود ہے۔ اس پر اخبار "کارنامہ" لکھنؤ نمبر ۱۸، جلد ۱۳ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۸۷۷ء کا کور چڑھا ہے۔ مرثیے کے سادہ ورق پر یہ عبارت درج ہے:

"دراحوال شہادت جناب سیدالشہدا علیہ السلام من تصنیف مرزا سلامت علی صاحب متخلص بہ دبیر شاگرد میر ضمیر صاحب۔ از بستہ نورالحسن عرف نور محمد شاگرد۔"

مرثیہ (۲۶) رن میں ابرو کماں کی آمد ہے (۸۳ بند)

یہ مرزا دبیر کی کسی بھی مطبوعہ جلد میں موجود نہیں ہے۔ اس کے کئی نسخے نظر سے گذرے۔ ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے اور یہ اسی کی نقل ہے۔ مرثیہ غالباً مرزا دبیر کے ابتدائی کلام کی یادگار ہے۔ یہ پہلی مرتبہ فروری ۱۹۹۲ء میں "العلم" بمبئی میں شائع ہوا تھا۔

بقول سید ضیاالحسن جعفری (العلم بمبئی بابت فروری ۱۹۹۳ء ص ۹۶) مرثیہ کے ۲۱ بند ۱۳۳۳ ہجری میں شیخ ابوالقاسم صاحب نے ایک مجموعہ "ہلالِ محرم" میں شائع کئے تھے یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے۔ اگر ۲۱ بند چھپ بھی چکے ہیں پھر بھی ۶۲ بند غیر مطبوعہ ہیں۔ بہرحال "باقیاتِ دبیر" میں پورا مرثیہ درج کیا جاتا ہے۔

مرثیہ ۱

جب نخلِ انتقام میں تیغوں کے پھل لگے (۱) بنیادِ کفر وظلم میں تیرِ اجل لگے
باغِ قصاص میں بھی نہال امل لگے مختار کے وہ قبضے میں پہلے پھل لگے
کیا خوش نصیب تھا کہ یہ حشمت نصیب تھی
رایت کے بدلے آیتِ فتح قریب تھی

پیدا ہوا جو گوہرِ دریائے انتقام (۲) ہر باغ میں نمو ہوئے گلہائے انتقام
مانندِ کوہ بڑھ جو گیا پائے انتقام مختار آپ بن گیا شیدائے انتقام
محوِ قصاص تھا جو دل اس حق نہاد کا
مشکل کشا نے حل کیا عقدہ جہاد کا

مختار انتقام حقیقی نے ایک بار (۳) مختار کو عطا کئے صد ہمت و وقار
ہاتھوں میں تھا وہ زور کہ رستم زہے نثار پاؤں کو وہ ثبات کہ دنیا میں یادگار
بلبل کی طرح اڑتا تھا باغِ قصاص میں
پروانہ بن گیا تھا چراغِ قصاص میں

بخشے خدا نے حوصلے اس کو جدا جدا (۴) سر کو عروجِ فتح جبیں کے لئے ضیا
رخ کو حشم قدم کو ثبات آنکھ کو حیات ہاتھوں کو زور تن کو تواں قلب کو صفا
بہرِ قصاص خونِ شہیداں تواں ملی
اعدا پہ طعن کرنے کی خاطر زباں ملی

چمکا ستارۂ فلکِ پیرِ انتقام (۵) بہرِ قصاص لیس ہوئے تیرِ انتقام
تھی آئینے میں فتح کی تصویرِ انتقام نکلی نیامِ غیظ سے شمشیرِ انتقام
اک دن لڑے گا یہ شہِ ابرار کے لئے
حصہ دھرا ہوا تھا یہ مختار کے لئے

اللہ رے شان و شوکتِ مختار باوفا (۶) چہرہ تھا زلفِ پاک میں کالبدر فی الدجا
عارض کا تل مترجم وَالنَّجمِ اِذَا ھَوٰی پیدا سرِ بلند سے تفسیرِ والسما
زیبندہ نخل قد پہ رخِ باثواب ہے
طوبیٰ پہ آج جلوہ نما آفتاب ہے

پیشانی مبارک روشن ہے بے مثال (۷) والشمس والضحیٰ کی تھی تفسیر کا خیال
پہنچی تھی آسماں تلک وسعتِ جمال تھا سرخمیدہ حلقۂ طاعت میں بھی ہلال

رخ پر جبیں کا ربط ہے شان الٰہ سے
غل تھا کہ آفتاب نکلتا ہے ماہ سے

چشمانِ مست پر جو ابرو ہیں خوشنما (۸) بیماروں پر ہے سایۂ افضال کبریا
پیچیدہ سلسلہ سے جو ہیں گیسوئے رسا بل پڑ رہے ہیں نکہت عنبر میں جابجا

بکھری جو ہیں تو زلفوں میں بل ہیں پڑے ہوئے
غصے سے رونگٹے ہیں بدن کے کھڑے ہوئے

رتبے میں دونوں رخ ہیں زمانے میں انتخاب (۹) ملتے ہیں ایک جا پہ گلے ماہ و آفتاب
دندان پر ضیا ہیں دہن میں وہ لاجواب دریا میں آب آب ہے موتی کی جن سے آب

مدِّ نظر چڑھائی ہے قوم پلید پر
ہے دانت اس جری کا سپاہِ یزید پر

گردن کے آگے گردن مینا کی اصل کیا (۱۰) یہ اصل ہے وہ نقل یہ ظلمت ہے وہ ضیا
سینہ وہ آئینہ ہے کہ سو جان سے فدا اس کی صفا سے گرد ہے آئینے کی صفا

اس آئینے میں گرد کدورت ذرا نہیں
مثل دل رسولِ خدا مطلقاً نہیں

ہاتھوں سے اس کے زیر ہے افواج فتح سب (۱۱) ہم پنجہ اس کے ہاتھ سے شیر ژیاں ہو کب
یہ ہاتھ ہیں وہ ہاتھ کہ جس سے بصد ادب کوفے میں جس سے بیعت شبیرؑ کی طلب

بیعت نہ جس نے کی اُسے رنج و محن ملے
پہنچا جو ہاتھ پہنچے تلک پنجتنؑ ملے

مانند آفتاب مرتب ہے خودِ سر (۱۲) ہے خود نمائیوں میں عروجِ سفر ظفر
تاباں ہے زیر خود جو فرق نکو سیر برج شرف میں نیرِ اعظم ہے جلوہ گر

ہے خود کے تلے جو سر اس باثواب کا
سرپوش آفتاب پہ ہے ماہتاب کا

خودسرِ بلند جہلم سے ہے ہمکنار (۱۳) پیچیدہ ہے شعاع میں خورشید تابدار
ہے سلسلہ جہلم کا یہ خود اسے آشکار گردن میں ہے جہلم کی شجاعت گلے کا ہار
مانند زلف گردن نازک پہ چھا گئی
چمکا جو خودسر تو جہلم جھلملا گئی

شہرہ تھا خودِ سر کا یہ مابین مشرقین (۱۴) زین العبا کا ظل حمایت بزیب و زین
وہ خود پاک نائب خودسر حسینؑ شمس و قمر کا حسن تجلی میں نور عین
مثل فلک ہے سر کو بلندی جہان پر
گویا کلاہِ فتح گئی آسمان پر

کیا کھل رہا ہے جسم پہ بکتر کا بند و بست (۱۵) فرق بلند ستم دستاں ہے جس سے پست
بنیاد کفر و ظلم و ضلالت کی ہے شکست دنیا کے ہیں یلان زبردست زیر دست
مختار کے لئے مدد ذوالجلال ہے
زال اس جری کے سامنے اک پیر زال ہے

کڑیاں زرہ کی حلقۂ طاعت سے ہیں سوا (۱۶) فتح و ظفر ہیں بندۂ مختار باوفا
ہے جسم نازنیں جو زرہ میں چمک رہا جکڑی ہوئی ہے خانۂ زنجیر میں ہوا
وا اس زرہ کے عقدۂ امید ہو گئے
کڑیاں اٹھا کے فتح و ظفر قید ہو گئے

دستانۂ قوی جو ہیں ہاتھوں سے ہمکنار (۱۷) دکھلا رہے ہیں پنجۂ خورشید کی بہار
ان ہاتھوں سے ہیں دست زبردست شرمسار پہنچلتے ہیں یہ رنج لعینوں کو بار بار
اس پنجے نے عروس شجاعت سنوار دی
رستم کی زور کر کے کلائی اتار دی

جوشن دعائے نادِ علیؑ حفظِ کردگار (۱۸) جس کی ثنا کرے دو زباں ہو کے ذوالفقار
حافظ خدا کا اسم صفائی سے آشکار چار آئینہ تھے چاروں طرف اس کے حرف چار
یکتا تھا چار آئینہ جاہ و جلال میں
شہرہ تھا غرب و شرق و جنوب و شمال میں

چار آئینے کو تن کی صفائی سے ہے جلا (۱۹) چاروں ہیں جام جم کی طرح سے جہاں نما
چار آئینے سے آئینۂ تن کی ہے صفا بے مثل ہے صفائی میں اک اک جدا جدا
اس چار آئینے کی صفا پر نثار چاند
روشن اک آسمان شرف پر ہیں چار چاند

ہے دوش پر کمان کیانی کی طرفہ شان (۲۰) تودہ ہے جس کے تیر کا جلاد آسمان
کھنچنے میں سہم سہم کے چلاتی ہے کمان گوشے میں تن کے بھی نہ بچے گی عدو کی جاں
ناوک چھٹے کماں سے جو روز مصاف میں
پریوں کی طرح تیر اڑیں کوہِ قاف میں

ترکش کا وصف ترک کروں میں تو ہے گناہ (۲۱) تیرِ دعائے اصغرِ ناداں بھرے ہے آہ
تودے نشانے ہوں گے خطاکار و روسیاہ تیرِ اجل بھی ڈھونڈے گا ان تیروں کی پناہ
تیروں پہ کیا عجب کہ کماندار ہنس پڑیں
ہر دم یقین ہے قالبِ سوفار ہنس پڑیں

نیزے کی مدح میں میرا احوال ہے تباہ (۲۲) بوڑی سے جس کے سایۂ مشتبک خدا گواہ
اکبرؑ نے دل سے کھینچ کے وہ دی سنان آہ جس کے اثر سے فتح کا پھل حاصل سپاہ
جب دشمنِ حسینؑ کا کٹ کر گرے گا سر
اس پر سنان ابن انس کا پھرے گا سر

ہے دوشِ پاک پر سپرِ حفظ کردگار (۲۳) یا آہِ فاطمہؑ ہے پسِ پشت آشکار
سینہ سپر ہے راہِ خدا میں یہ باوقار رکھتے ہیں ہاتھ پشت پہ پیغمبرؐ کبار
ہووے گی اس کو فتح سپاہ درشت پر
غل ہے کہ عکس مہر نبوت ہے پشت پر

قبضے میں وہ ہے تیغ شرردم کہ الاماں (۲۴) بجلی بھی جس سے کانپتی پھرتی ہے ہر زماں
مانند صاعقہ یہ اگر ہو شرر فشاں ہو گی رواں جانِ ستمگر رواں دواں
شمشیر برق سے یہ فزوں ہے کمال میں
جوہر ہے تیغ میں کہ یہ مچھلی ہے جال میں

حق نے سلاح خانۂ قدرت سے یک قلم — مختار کو عطا کئے سب اسلحہ و حشم
تیر، کمان و ترکش و خود و زرہ جھلم (۲۵) — جوشن، سنان و بکتر و چار آئینہ بہم
سارے سلاح قدرت پروردگار تھی
حمزہ سپر تھی، تیغ علی، ذوالفقار تھی

توسن، وہ گرم رو، تہہ راں بے سبک خرام (۲۶) — چھل بل سے جس کے کام چھلاوے کا ہے تمام
ہے تنگ، اس کے گشت سے گردون نیل فام — پاکھر سمند پر ہے کہ جوہر میں سے حسام
کاوا پھرا تو گردش دوراں بن گیا
نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا

مطلع — مختار کے خروج کی لکھتا ہوں ابتدا (۲۷) — جب شام میں یزیدؑ سیہ رو نے کی قضا
خواہاں ہوا قصاص کا مختارِ باوفا — آیا در امام زماں پر پئے رضا
آواز گوشِ دل میں گئی شور و شین کی
ہر اک طرف کو دھوم تھی ہے ہے حسینؑ کی

چلا رہی تھی زینب بے کس بصد فغاں [1] (۲۸) — بھیا ہمارا حالؑ نہیں پوچھتے یہاں
میرا بجز حضور کے ہو کون رتبہ داں — تم مر گئے، مٹا میرے ماں باپ کا نشاں
مقتل میں تم کو کھو کے میری زندگی رہی
اماں کی قبر سے مجھے شرمندگی رہی

قدرت خدا کی آپ کو موت آئے میں جیوں (۲۹) — بھائی تمہارے گھر کو قضا کھائے میں جیوں
بیٹا بھتیجا سامنے مر جائے میں جیوں — ماں کی کمائی دفن ہو اور ہائے میں جیوں
بس اب نہیں ہے تاب جدائی بلائیے
پاس اپنے اس بہن کو بھی بھائی بلائیے

بھیا کوئی جہاں میں مرا آسرا نہیں (۳۰) — بھیا میں لٹ گئی کوئی سر پر رہا نہیں
بھیا یہ صبر و شکر کی جا مطلقاً نہیں — بھیا مدد کرو مجھے تابِ بکا نہیں
بھیا کو ہے حیا کہ بہن ننگے سر پھری
شرمندگی ہے تم کو کہ میں دربدر پھری

---

[1] نسخہ — چلا رہی ہے زینب مجروح و خستہ جاں، [2] نسخہ: بھیا ہماری بات

اس کا عبث خیال ہے اس کی عبث حیا — مجھ کو حضور سے نہ شکایت ہے نہ گلا
یوں ہی ازل سے تھا مری تقدیر میں لکھا — (۳۱) پورا ہوا خدا سے جو اقرار تھا کیا
بلوے میں بے ردائی مجھے دلپذیر ہے
بھیا یہی مشیت رب قدیر ہے

تھا اک طرف کو بانوئے شبیرؑ کا یہ حال — خاک عزا جبیں پہ تھی بکھرے تھے سر کے بال
چہرے کا رنگ زرد گلے میں سیاہ شال — (۳۲) ہونٹوں پہ آہ سرد تھی دل غم سے پائمال
نیلی ردا سے ڈھانپتی تھی سر کھلا ہوا
گھبرا کے کہتی تھی کہ الٰہی یہ کیا ہوا

لوگو میں خواب دیکھتی ہوں یا کہ ہے خیال — بستی لٹی ہے کس کی ہوا کس کا غیر حال
اونٹوں پہ سر برہنہ ہے خیر النساء کی آل — (۳۳) مارا گیا ہے کون ہوا کس کا انتقال[1]
برباد کس کا ہو گیا ہے گھر بھرا ہوا
لوگو! بتاؤ جلد کہ ہے یہ کیا ہوا

اوڑھی ہوں کس کے سوگ میں یارب سیاہ ردا — یاں کس کو روتی ہوں صف ماتم بچھا بچھا
کس کے جوان بیٹے نے مقتل میں کی قضا — (۳۴) روتی تھی کس کی لاش کو چھاتی لگا لگا
حیران ہوں شبیہ پیمبرؐ کدھر گئے
بن بیاہے نوجواں میرے اکبرؑ کدھر گئے

ہاں اب کھلا مجھے علی اکبرؑ ہوئے خفا — سر ننگے میں پھری تو انہیں آ گئی حیا
میری طرف سے کہدے کوئی جا کے اک ذرا — (۳۵) بیٹا قصوروار کی اب بخش دو خطا
مر جاؤں گی جو آ کے نہ صورت دکھاؤ گے
پھر آؤ گے تو میرے جنازے پہ آؤ گے

بانو کے بین سے ہوا زینبؑ کو اضطرار — چلائی ہائے بھابی نہ ہو اتنی بے قرار
روتا ہے کون کس کو مناتی ہو بار بار — (۳۶) سینے پہ برچھی کھا کے موا تیرا گلعذار
فرزند نوجواں کی جو تجھ کو تلاش ہے
واں پائنتی حسینؑ کی اکبرؑ کی لاش ہے

۱؎ نسخہ - مارا گیا ہے کون ہوا کون پائمال

تھی اک طرف کو زوجۂ عباسؑ نامور — برقعہ سیاہ چہرۂ روشن پہ جلوہ گر
رکھے ہوئے علم کے پھریرے پہ اپنا سر — (۳۷) ہاتھوں سے گاہ تھامتی تھی دل کبھی جگر
شالِ عزا[۱] گلے میں پڑی سر کھلا ہوا
بہرِ نشان ایک علم تھا کھڑا ہوا

چھوٹی سی ایک مشک علم میں بندھی تھی آہ — سوراخ تیر اس سے تھی پیدا دم نگاہ
اڑتا تھا جب ہوا سے پھریرا بعزّ و جاہ — (۳۸) آتی تھی بوئے خون علمدارِ دیں پناہ
غل تھا علم سے مجھ کو تو برباد کر گئے
مجھ کو جہاں میں چھوڑ کے عباسؑ مر گئے

سوئے علم تھی زوجۂ عباسؑ کی نظر — گہہ چوب سے علم کی لپٹتی تھی دوڑ کر
گاہے بلائیں لے کے یہ کہتی تھی الحذر — (۳۹) پردیس میں تباہ ہوا فاطمہؑ کا گھر
کہتی تھی شکر ہے میرا والی جو مر گیا
سر سے سکینہؑ جان کے صدقہ اتر گیا

ماں سے یہ کہہ رہی تھی سکینہ بصد بکا — ہم کو بھی آہ بھول گئے شاہِ کربلا
گذرے کئی برس کہ نہ پوچھا نہ کچھ کہا — (۴۰) افسوس ہے کہ آئے نہ اب تک شہِ ہدا
دل سے بھلا دیا ہے شہِ مشرقین نے
اس سال بھی نہ ہم کو بلایا حسینؑ نے

اس بین سے تڑپ گیا مختار باوفا — رو کر کہا کہ ہائے یہ کیسا غضب ہوا
ان ظالموں نے روحِ نبیؐ کی نہ کچھ حیا — (۴۱) بے جرم و بے گناہ کیا خوں حسینؑ کا
روحِ رسولؐ قبر میں بے چین ہوئے گی
تا حشر فاطمہؑ اسی صدمے سے روئے گی

نسخہ ۔ اس بین سے تڑپ گیا مختار باوفا — در پر امام آئے معہ آلِ مصطفےٰؐ
مختار نے سلام کیا شہ نے دی دعا — (۴۲) عزم جہاد سید ابرار سے کہا
ہنس کر کہا یہ بادشہ بے نظیر نے
ہم کو خبر یہ دی تھی جناب امیرؑ نے

۱؎ نسخہ ۔ شالِ سیاہ

خیراب تو جو ہوا سو ہوا اس کا ذکر کیا شاہِ امم تھے تابع مرضیِ کبریا
راہِ رضا میں آپ گلے کو کٹا دیا (۴۳) پر جائیں گے کہاں یہ ستمگار و بے حیا
بنیاد ان کے ظلم کی تیغوں سے کاٹ دوں
آئے تو سبھی کوفے کو لاشوں سے پاٹ دوں

دولت سرائے خاص پہ شرما کے دی صدا اے نائب حسینؑ شہید رہِ رضا
اے سرگروہِ قافلۂ آلِ مصطفےٰؐ (۴۴) اے لنگر سفینۂ اولادِ مرتضےٰؑ
اذن جہاد کا یہ طلب گار آیا ہے
مولا غلام آپ کا مختار آیا ہے

القصہ سن کے آمدِ مختار باوفا در پر امامؑ آئے معہ آلِ مصطفےٰؐ
مختار نے سلام کیا شہ نے دی دعا (۴۵) اذنِ جہاد سید سجاد سے لیا
ہنس کر کہا یہ بادشہ بے نظیر نے
ہم کو خبر یہ دی تھی جناب امیرؑ نے

پھر پیرہن کیا بدن پاک سے جدا دکھلائے زخم دُرۂ بے داد جا بجا
پھر بیٹھ کر زمین پہ رو رو کے یہ کہا (۴۶) مختار شام و کوفہ میں مَیں دربدر پھرا
گرتے تھے ضعف سے تو یہ صدمے اٹھاتے تھے
آ آ کے تازیانے ستمگر لگاتے تھے [۲]

دو دن کی بھوک سے میرا احوال تھا تباہ اور اس پہ تھی مسافتِ منزل خدا گواہ
تھے شدتِ بخار میں ہم پر وہ ظلم آہ (۴۷) تاکید کرتے جاتے تھے چلنے کی روسیاہ
سر ننگے روح فاطمہؑ تھی اژدحام میں
اور ہم رواروی سے گئے ملک شام میں

پہنچے دیارِ شام میں جب ہم کشاں کشاں سینے میں دم سمانے نہ پایا تھا الاماں
دربار میں طلب ہوئے سادات ناگہاں (۴۸) اور آئے ریسماں لئے ہاتھوں میں بدگماں
بیشِ یزید شاد سیاہ شقی ہوئی
مجمع میں روبکاریِ آلِ نبیؐ ہوئی

---

[۱] نسخہ سوم میں بند اسی طرح درج ہے۔ اسلئے ہم نے اسے شمار میں نہیں رکھا ہے۔ [۲] نسخہ۔ فریاد تازیانہ ستمگر لگاتے تھے۔

اب واں کے سانحے کی میں کس طرح دوں خبر   سادات اک طرف کو کھڑے تھے بیک دگر
تھا اک طرف حسینؑ کا طشت طلا میں سر   (۴۹) دربار کے تو ظلم سے تھراتا تھا جگر
مرنے پہ شہ کے سر کو یہ ایذا دکھائی تھی
ظالم نے چوب بید لبوں پر لگائی تھی

مختار اس بیان سے کرنے لگا بکا   بولا کہ جا کے سمجھوں گا میں کیا مضائقا
اتنے میں آ کے ڈیوڑھی پہ زینبؑ نے دی ندا   (۵۰) اے بھائی مجھ پہ بھی تو ستم پر ستم ہوا
کیا جانتی تھی دیکھوں گی روزِ جدائی کو
اعدا نے لوٹا ہے میری ماں کی کمائی کو

اے بھائی کیا کہوں ستم شمرِ نابکار   گھوڑے سے جب زمین پہ گرے شاہِ نامدار
شمشیر کھینچ کر وہ ہوا سینے پر سوار   (۵۱) میں سر برہنہ خیمے سے نکلی بحالِ زار
سب فوج ہاتھ آنکھوں پہ رکھ رکھ کے ہٹ گئی
میں دوڑ کر اخی کے گلے سے لپٹ گئی

میں نے کہا یہ شمرِ لعیں سے بصد بکا   ملعون میری ماں کی کمائی پہ رحم کھا
پر آہ کیا کہوں کہ ستمگر نے کیا کیا   (۵۲) میری طرف سے پھر کے گلا کاٹنے لگا
فریاد ہے کہ دفترِ عالم الٹ گیا
میں روتی رہ گئی سرِ شبیرؑ کٹ گیا

جب قتل کر چکا میرے بھائی کو وہ شقی   خیمے میں اس نے آگ لگا دی بصد خوشی
اس نے ہمارے سر سے ردا بھی اتار لی   (۵۳) اس ناری نے جلائی ہے مسند رسولؐ کی
گر شمرِ لعیں ہاتھ آوے توقف نہ کیجیو
سر اس کا تیغِ تیز سے تو کاٹ لیجیو

اس نے کہا کہ ہوگا یونہی بنتِ مرتضیٰؑ   سن لیجیے گا کوفے میں دریائے خوں بہا
سجادؑ سے وداع ہوا پھر بصد بکا   (۵۴) آئی ندا بقیع سے مختار مرحبا
تغیرِ غم سے حال ہے مجھ خستہ حال کا
ہاں لے عوض تو ظالموں سے میرے لال کا

اس وقت دل میں سوچ کے بولا وہ با وفا سجادؑ سے جہاد کی تو لے چکا رضا
اب چل یہاں سے سوئے مزارِ شہِ ہدا (۵۵) کس واسطے کہ عمر پہ ہے اعتبار کیا

یہ مجھ پہ عین فرض ہے اور فرض عین ہے
حج سے سوا طواف مزارِ حسینؑ ہے

القصہ کربلا میں وہ آیا بصد بکا پڑھکر زیارتِ خلف الصدق مرتضیٰؑ
بولا لپٹ کے قبر سے روحی لک الفدا (۵۶) بوسہ ضریح پاک کو دے کر یہ دی ندا

اے بے دیار و بیکس و مظلوم السلام
مذبوح تیغ و عاشق قیوم السلام

اے سبط مصطفیٰ میری تسلیم لیجئے اے کشتۂ جفا میری تسلیم لیجئے
اے فدیۂ خدا، میری تسلیم لیجئے (۵۷) اے کل کے رہنما میری تسلیم لیجئے

دعویٰ ہے مجھ کو ظالموں سے انتقام کا
آقا قبول کیجئے، مجرا غلام کا

آقا کچھ اہلِ بیتؑ کی تم کو نہیں خبر زینبؑ تمہارے سوگ میں اب تک ہے ننگی سر
سر پیٹتی ہے آپ کے حجرے میں رات بھر (۵۸) اغلب ہے کچھ دنوں میں جہاں سے کرے سفر

آنکھوں میں اشک ہونٹوں پہ فریاد و آہ ہے
اکبرؑ کے غم سے حالتِ صغرٰؑ تباہ ہے

کس کس کا حال تم سے کہوں اے شہِ ہدا بچپن میں غم سکینہؑ کو جو آپ نے دیا
فرش سیاہ اس نے بچھایا ہے جا بجا (۵۹) منبر ہے ایک چھوٹا سا اک سمت کو دھرا

عابدؑ سے یہ سوال ہے اس خستہ حال کا
اے بھائی مرثیہ پڑھو زہرؑا کے لال کا

آتی ہیں کھیلنے کو اگر اس سے لڑکیاں کہتی ہے اب نہ کھیلوں گی میں تم سے خستہ جاں
بابا ہمارے مر گئے اب کھیلنا کہاں (۶۰) آرام و چین لے گئے سارا شہِ زماں

نے کھیلنے کو اور نہ سونے کے واسطے
اب ہم رہے ہیں خلق میں رونے کے واسطے

سمجھاؤ جاکے دخترِ ناداں کو اک ذرا صغراؑ نے خواب میں علی اکبرؑ کو دیکھا تھا
زینبؑ کو بھی کلیجے سے اب لیجئے لگا (۶۱) مہمان کوئی دم کی ہے اب بنت مرتضٰیؑ
سجاد ناتواں کی خبر لو کہ کیا ہوا
ماتم میں آپ کے اسے شغلِ بکا ہوا

مختار نے بیان یہ رو رو کے جب کیا تھرا گیا مزارِ شہنشاہِ کربلا
بالائے قبر تیغ رکھی اور یہ کہا (۶۲) یہ تیغ اپنے ہاتھ سے اب کیجئے عطا
زورِ قصاص اے شہِ ابرار دیجئے
بڑھ جائے حوصلہ جو یہ تلوار دیجئے

اب ان ستمگروں پہ ترحم نہیں روا اس ہاتھ سے یہ تیغ مجھے کیجئے عطا
جس کو کہ ساربان نے کیا لاشے سے جدا (۶۳) بے دست ہو پہ قبضے میں ہے ارض اور سما
اذنِ جہاد مانگتا ہوں کس امید سے
اس لب سے حکم دو جو کھلے چوب بید سے

یہ حرف کہہ کے غش ہوا مختار باوفا مابین غش یہ آیا نظر اس کو ماجرا
نکلے مزار پاک سے سلطانِ کربلا (۶۴) اور باہر آئے گنج شہیداں سے اقربا
ہاتھوں پہ سر لئے رفقا آس پاس تھے
ڈوبے ہوئے لہو میں شہ حق شناس تھے

تھا شہ کے آگے حر وفادار خوش سیر رومال فاطمہؑ تھا بندھا زخمی حلق پر
سوئے یسار حضرت عباسؑ نامور (۶۵) اور اک طرف تھے قاسمؑ ناشاد خوں میں تر
سب کے گلے کٹے ہیں بدن پاش پاش ہے
اکبرؑ کی گود میں علی اصغرؑ کی لاش ہے

مختار سے یہ کہنے لگے شاہ خاص و عام اے بھائی باباجاں تجھے کہتے ہیں سلام
بہر قصاص جاتا ہے تو یاں سے سوئے شام (۶۶) لیکن رہے یہ یاد ہمارا تجھے پیام
بالکل نہ قتل نانا کی امت کو کیجیو
جو ہوویں بے گناہ اماں ان کو دیجیو

بھائی انہیں کے واسطے میرا کٹا ہے سر   خوش ہو کے میں نے اپنے تصدق کئے پسر
عباسؑ نے اٹھا کے وہ شمشیر یہ کہا   (۶۷) مختار لے یہ فتح کا فرماں تجھے ملا
تیرا خیال خلد میں شیرِ صمد کو ہے
موجود یاں سپاہ حسینی مدد کو ہے

سن کر یہ مژدہ ہوش میں آیا وہ نوجواں   تیغ رواں کی طرح ہوا کوفے کو رواں
نعرہ کیا محلے میں شیعوں کے ناگہاں   (۶۸) ہاں طالبان خون حسین شہید ہاں
نکلو تمہیں قصاص جو مدِّ نگاہ ہے
پشت و پناہ روحِ رسالت مآب ہے

دریا کی طرح آگیا شیعوں کے دل کو جوش   جنبش قصاص کے ہوئے مشتاق سرفروش
نکلا کوئی سناں لئے کوئی علم بدوش   (۶۹) مانند غازیان حسینی سلاح پوش
تھا دعویٰ قصاص ہر اک خوش نہاد کو
جس طرح سے نکلتے تھے حیدر جہاد کو

طفل و جوان و پیر بہم تھے جدا جدا   تھی صف پہ صف پرے کے پرے عازم وغا
خوش رو و خوش لباس و طرحدار و خوشنما   (۷۰) سب روزہ دار و عابد و ابرار و پارسا
سب اپنے اپنے نور میں مانند شمع تھے
لشکر تھا یا کہ چودھویں کے چاند جمع تھے

ہر آرزو کو شیعوں نے دل سے بھلا دیا   رو رو کے یہ عروسوں نے نوشاہوں سے کہا
لو ہم نے مہر بخشا تردد ہے تم کو کیا   (۷۱) قاسمؑ کا حال یاد نہیں تم کو کیا رہا
ظلم عدو یہ لکھ لو دل پاش پاش پر
کبریٰ نے مہر بخشا تھا قاسمؑ کی لاش پر

القصہ جن کی طبع کو دی تھی خدا نے میل   آنے لگے گروہ گروہ اور خیل خیل
ابرو ہلال عید تھی خال جبیں سہیل   (۷۲) عارض بیاض صبح تھے گیسو سواد لیل
مختار کی مدد کو سب آئے قرینے سے
حیدرؑ نجف سے احمدؐ مرسل مدینے سے

نقارۂ خروج پہ ڈنکا جونہی پڑا[ے] جلاد پیر چرخ کے تھرّائے دست و پا
ہر غول میں یہ دھوم تھی یا شاہِ لافتا (۷۳) ہر صف میں تھا یہ شور کہ شاباش مرحبا
جوہر کھلے گا شیعوں کی تیغ آزمائی کا
ہاں غازیو! قریب ہے موقع لڑائی کا

پہنچا میانِ کوفہ جو یہ لشکرِ خدا صف بندھ گئی پرے کے پرے ہو گئے جدا
ہر مورچہ پہ شیعہ یہی دیتے تھے ندا (۷۴) اب آج اپنی تیغ اور اعدا کا ہے گلا
پیدا اثر ہے فاطمہؑ کے شور و شین کا
ہاں آج انتقام ہے خونِ حسینؑ کا

مطلع ثانی — جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی مختار کی مدد شہ خیبر کشا نے کی
تحسین اس کو دخترِ خیر النسا نے کی (۷۵) فوجِ دعا رکاب میں زین العبا نے کی
محو قصاص تھا جو دل اس حق نہاد کا
مشکل کشا نے حل کیا عقدہ جہاد کا

طبل و جلاجل و دہل و بوق یک زباں ہل من مبارزٍ کی صدا کرتے تھے عیاں
مصروف جست و خیز تھا ہر ایک نوجواں (۷۶) حاصل عروج فتح و ظفر تھا پے نشاں
نورِ خدا عیاں تھا ہر اک کی جبین پر
انساں تھے یا ملک اتر آئے زمین پر

کیا شیعانِ شیرِ خدا کی کروں ثنا سب حیدری و غازی و جرار و باوفا
لشکر میں چار حافظِ قرآن جدا جدا (۷۷) پڑھتے تھے چار سمت فصاحت سے ہل اتیٰ
لڑنے کا حوصلہ تھا ہر اک خوش صفات کو
گویا رسولؐ پشت پہ رکھتے تھے ہات کو

مختار نے درست کیا لشکرِ خدا احکام صف کشی کے برابر کئے عطا
بخشا کسی کو میمنۂ فوجِ کبریا (۷۸) مختارِ میسرہ ہوا اک صاحبِ وفا
کوئی علم لئے ہوئے صاحب جمال تھا
سالارِ فوج مالک اشتر کا لال تھا

ے نسخہ ۔ کفاروں پر خروج کا ڈنکا جونہی بجا

جاروب کش نے جھاڑ کے میداں صفا کیا چورس کیا زمین کو سب نے بے دغا
ہموار دور تک ہوا وہ دشت پر بلا (۷۹) حد باندھ کر نشاں کیے استادہ جا بجا
آمادۂ نبرد ہر اک خوش خصال تھا
میدان میں احاطۂ جنگ وجدال تھا

آراستہ جو ہو گیا میدان کارزار سقّے بھی آب پاش ہوئے باندھ کر قطار
فراشوں نے بہار کی دکھلائی وہ بہار (۸۰) آئینے کی صفا ہوئی سو جان سے نثار
ظاہر صفائے قلب سپاہِ خدا ہوئی
اس کی صفا پہ روح سکندر فدا ہوئی

ہاں مومنو! رفیق تصور سے کام لو دیکھو یہ فوج جائزۂ خاص وعام لو
جب یا علیؑ کہو پر جبرئیل تھام لو (۸۱) تم بھی انہیں کی طرح سے حیدرؑ کا نام لو
یوں محو ہو کے سیر کرو ان کے اوج کی
پلکوں میں مثل سرمہ پڑے گرد فوج کی

لہرا رہا ہے غازیوں کے سر پہ وہ علم دامن پہ جس کے آیۂ قرآن ہے رقم
نصرت ہی پائی نام رفیقانِ ذی حشم (۸۲) یا بہر داد خواہ اٹھا نالۂ حرم
پنجے سے اس کے پنجۂ خورشید زرد ہے
زینبؑ کی مدّ آہ بھی رتبے میں فرد ہے

یہ چوب علم ہے یا کف موسیٰ کا ہے عصا پنجہ سے پنجتن کی ولا سب پہ ظاہرا
اڑتا ہے جب ہوا سے پھریرا بصد ضیا (۸۳) ہے غازیوں پہ سایۂ افضالِ کبریا
ہر سو پھریرے کی ہے صفائی زمین پر
پر کھول کر پری اتر آئی زمین پر

زیر علم کھڑے ہیں محبان باثواب یکتائے روزگار کوئی کوئی انتخاب
اک ایک بے مثال ہے اک ایک لاجواب (۸۴) دنیا سے رستگار ہیں عقبیٰ سے کامیاب
چاروں طرف یہ فوجِ خدا میں پکار ہے
آج امتحان معرکۂ کارزار ہے

لکھا ہے غازیوں کی روایت میں یہ شمار بہر قصاص جمع ہوئے تھے چہل ہزار
کہتی تھی ان کو دیکھ کے زہرا یہ بار بار (۸۵) شبیر کے نہ ساتھ ہوئے اتنے جاں نثار

رخصت کو میرا لال جو خیمے میں آیا تھا
زینب نے گھوڑے پر اسے بے چڑھایا تھا

سن سن کے زور و شور محبان باوفا ابن زیاد بھی ہوا آمادۂ وغا
لشکر کو مجتمع کیا ظالم نے ایک جا (۸۶) اس کے بھی تھے شریک ستمگر ہزار ہا

گردوں تلک صدائے سپاہِ ستم گئی
ظالم کے بھی مقابلے میں فوج جم گئی

صف باندھ کر کھڑے ہوئے اعدائے نابکار خولی سنان و شمر و حصین ستم شعار
تھا شور یا یزید کا اس سمت بار بار (۸۷) نعرہ تھا اس طرف کو کہ یا شاہِ ذوالفقار

خنجر وہی ہے شمر وہی اور کیا نہیں
ہاں اک حسین پیلے سے کا سوکھا گلا نہیں

ہنس ہنس کے غازیوں سے یہ کہتے تھے نابکار جرأت ہے ہم سبھوں کی زمانے پہ آشکار
کاٹا ہے ہم نے حلق شہنشاہِ نامدار (۸۸) عباس کو بھی قتل کیا وقتِ کارزار

تصویر خاص احمد مرسل مٹا چکے
ہمشکل مصطفےٰ کو بھی برچھی لگا چکے

کوئی جری زمانے میں ہم سے نہیں سوا نیزے پہ رکھا ہم نے سر شاہ کربلا
چھینی ہے ہم نے زینب و کلثوم کی ردا (۸۹) سر ننگے شام میں بھی پھرایا ہے جا بجا

ہم کو خدا کا ڈر نہیں تم کیا ڈراتے ہو
دیکھیں تو کس طرح سے ظفر ہم پہ پاتے ہو

اصغر جو زندہ ہووے تو بے خوف و بے خطر ناوک لگائیں اس کے ابھی خشک حلق پر
پھر آئیں سامنے اگر عباس نامور (۹۰) شانے گرا دیں اس کے ابھی کاٹ کاٹ کر

منظور کربلا کی عبث سیر ہے تمہیں
شر ہم سے کرتے آئے ہو، کچھ خیر ہے تمہیں

ہم نے جلائی مسند پیغمبرِ خدا　　لوٹا تبرکات علیؑ و بتولؑ کا
بانو کو ہم نے کر دیا بے مقنع و ردا (۹۱)　　سجادؑ کو بھی قیدیِ ظلم و ستم کیا
روئی پکار کر تو طمانچے بھی مارے ہیں
ہم نے سکینہ جان کے گوہر اتارے ہیں

کہتے ہو ہم ہیں شیعۂ سلطانِ لافتا　　جس دم بندھا رسن میں ید اللہ کا گلا
آئے نہ تم چھڑانے کو حیدر کے واسطے (۹۲)　　تم تھے کہاں بتولؑ پہ دروازہ جب گرا
صدمے پہ صدمے پہنچے ہیں بنتِ رسولؐ کو
تسکین بھی نہ دی کبھی تم نے بتولؑ کو

دیتے ہیں یہ جواب غلامانِ مرتضیٰؑ　　ہاں یہ غرور ہے تمہیں اے لعنتِ خدا
در گرنے سے تو رتبۂ زہراؑ نہ کم ہوا (۹۳)　　نامِ علیؑ رسن میں بھی مشکل کشا رہا
عزت علیؑ کی پیش خدائے کریم ہے
اکثر کلام حق میں علیِ عظیم ہے

طعنے دو کربلا کے نہ پیاسوں کا زینہار　　جرأت سپاہ شاہ کی ہے سب پہ آشکار
کس طرح بھوکے پیاسوں نے کی رن میں کارزار (۹۴)　　اس کے علاوہ کھینچی تھی جب شہ نے ذوالفقار[لہ]
چمکی تھی ذوالفقار جو شیر اللہ کی[ٹہ]
کس نے دہائی دی تھی رسالت پناہ کی

کیا ہم حسینؑ پیاسے کی جرأت کریں بیاں　　کب ایک ایک لڑکے ہوا شہ سے شادماں
لاکھوں سے جب لڑے تو فراری ہوئی عیاں (۹۵)　　کیا تم غرور کرتے ہو بیدینو رائیگاں
ہم سب غلام بادشہ کربلا کے ہیں
تم کو سنائیں حوصلے شہ کی ولا کے ہیں

بہتر نہیں غرور کرو کچھ خدا کا ڈر　　اب دیکھنا کہ آگ سے جلتا ہے کس کا گھر
اور قید کس کی عورتیں ہوتی ہیں ننگے سر (۹۶)　　سب کچھ ہم کریں گے پسند قوم بد گہر
عترت کو بھی تمہاری کھلے سر پھرائیں گے
زینبؑ کی قید ہائے نہ ہم بھول جائیں گے

لہ نسخہ۔ اسکے علاوہ شہ کی لڑائی ہے یادگار۔ ٹہ نسخہ۔ پورے ہوئے تھے وار نہ دو ذوالفقار کے؛ کس نے امان مانگی تھی شہ سے پکار کے

جھنجھلا کے بولا اتنے میں مختارِ نامدار بس بس زبان روکو کرو آ کے کارزار
مرّہ ادھر سے نکلا سناں لے کے ایک بار (۹۷) تھا جس نے رن میں سینۂ اکبرؑ کیا فگار
مغرور تھا غرور سے اور خود بھی دیو تھا
رستم تھا دبدبے میں تو ہیبت میں گیو تھا

تن تن کے طنطنہ وہ دکھاتا ہوا چلا شمشیرِ شعلہ ور کو ہلاتا ہوا چلا
مرکب کو ٹھوکروں سے اڑاتا ہوا چلا (۹۸) پیکِ قضا کو ساتھ بلاتا ہوا چلا
یاں سے یتیم مالکِ اشتر رواں ہوا
گویا کہ قطع کرنے کو خنجر رواں ہوا

گھوڑا بڑھا کے آئے بڑا ہیسم نوجواں فرمایا تو ضعیف ہے میں رستمِ جہاں
تو خار ہے میں گل ہوں تو ہے نار میں جناں (۹۹) تو بت پرست ہے میں خدا کا ہوں رتبہ داں
ظالم تجھے ولائے یزیدؔ شریر ہے
میرا امام وہ ہے جو کل کا امیر ہے

ان کے قریب آن کے مرّہ نے یہ کہا اکبرؑ کو میں نے مارا ہے نیزہ لگا لگا
وہ بولے فخر کیا تجھے غارت کرے خدا (۱۰۰) رہ جا سقر میں بھیجتا ہوں تجھ کو بے حیا
اژدر لقب دیا ہے مجھے کردگار نے
بخشی ہے مجھ کو تیغ شہِ ذوالفقار نے

آخر مقابلہ ہوا دونوں کا یکدگر آئی شکست پشت پہ واں اور یہاں ظفر
مرّہ نے پہلے وار کیا نیزہ تان کر (۱۰۱) خالی جری نے دی زدِ نیزہ بہ کرّ و فر[لے]
چستی وہ کی کہ غازیوں کی آفرین لی
انگلی ہلی نہ اس کی سناں اس نے چھین لی

گھبرایا اس نے گرز اٹھایا بصد تواں غازی کے سر پہ وار کیا اس نے ناگہاں
جھجکا جو عکس گرز سے رخشِ سبک عناں (۱۰۲) گرمایا مثلِ شعلۂ جوالہ زیرِ راں
گھوڑے نے اور رنگ اڑایا لعین کا
کاوا پھرا تو وار بچایا لعین کا

لے نسخہ سے خالی کیا جری نے زدِ نیزہ کو مگر،

اس دشمنِ خدا کا تو خالی گیا وہ وار لنگر سے گرز کے بھی نہ سنبھلا وہ بدشعار
گرنے لگا زمین کے اوپر جو نابکار [103] غازی نے اپنا ہاتھ بڑھا کر بصد وقار
گرتے ہوئے لیا کمرِ بد خصال کو
غل پڑ گیا وہ شیر نے پکڑا غزال کو

ملعون کو زمیں پہ پٹک کر بصد ہنر شمشیر برق وار[1] لگائی جو دوڑ کر
پروانۂ بقا کے لگے جلنے بال و پر [104] بولا گرا کے آب و دہن اس کی ریش پر
دوزخ میں جا یزید کی خدمت کے واسطے
دنیا میں تیرا نام ہے لعنت کے واسطے

اک نیزہ دار اور ادھر سے ادھر بڑھا استادِ فن نیزہ میں وہ بانیِ جفا
آگے بڑھا بہ فخر یہ کہکر وہ بے حیا [105] مرّہ کو تم نے مارا ہے ہوشیار ہو ذرا
دکھلایا تم نے زور اُسے تیغ آزمائی کا
جس کو کہ یاد تھا نہ سلیقہ لڑائی کا

مرّہ کو فن نیزہ میں حاصل نہ تھا کمال اس بے ہنر پہ آپ ہوئے عازمِ قتال
بندہ بھی اور تم بھی ہو لڑنے میں بے مثال [106] جوہر کھلیں جو نیزوں سے باہم کرو جدال
میں کیا بیاں کروں کہ جو دل کو ملال ہے
مرّہ کے قتل ہونے کا صدمہ کمال ہے

جھنجھلا کے بولا اس سے براہیم باوفا بس بس زباں تھام لے او دشمنِ خدا
لڑنے کا حوصلہ ہے جو تجھکو تو آگے آ [107] یہ سن کے نیزہ اس نے جو مارا بصد جفا
نیزے کی زد پسند تھی اس بدگمان کو
غازی نے نوکِ نیزہ پہ روکا سنان کو

لڑ لڑ گئی سناں سے سناں جب بیکدگر ڈانڈوں سے زور ہوتے تھے باہم بہ کرّ و فر
گرمی سے ہو گئیں یہ سنانیں جو گرم تر [108] جھڑتے تھے مثلِ شعلہ گرم آگ سے شرر
چمکے شرر تو دیدۂ اعدا جھپک گئے
ذروں کے بدلے دھوپ میں تارے چمک گئے

---

[1] نسخہ۔ شعلہ بار

غازی نے زور کر کے سناں اس کی چھین لی   نیزہ جو چھن گیا تو پکارا وہ مدعی
اب تیغ کھینچتا ہوں خبردار او جری (۱۰۹)   بولے یہ مسکرا کے کہ بسم اللہ اے شقی

ہاتھ اس کا قبضے تک بھی نہ پہنچا کہ کیا ہوا
اتنے میں ان کی تیغ سے محشر بپا ہوا

چمکی جو خود سر پہ تو سر سے نکل گئی   گردن کو دو کیا تو جگر سے نکل گئی
سینے سے بڑھ گئی تو کمر سے نکل گئی (۱۱۰)   اب یہ خبر نہیں کہ کدھر سے نکل گئی

چمکی تو اوج فرق عدو کو فرو کیا
گر کر اٹھی تو راکب و مرکب کو دو کیا

آکر وغا طلب ہوا پھر خازنِ عمر   نام اس کا درہمی تھا سیہ قلب و بدگہر
شکل فلوس تن پہ زرہ آتی تھی نظر (۱۱۱)   تیغ ان کی مثل سکہ ہوئی اس پہ کارگر

شمشیر جب پڑی تو زمیں کے تلے گیا
گویا چرا کے دزد اجل اس کو لے گیا

لکھا ہے تہ نشیں ہوا اسفل بسان دُرد   مردہ نہ پایا ڈھونڈھ پھرے گو بزرگ و خورد
تحت الثریٰ کو قدرت حق نے کہا سپرد (۱۱۲)   تھا درہمی زمیں نے کیا اس کو خورد برد

بے روشنی زمین میں وہ تیرہ دل گیا
مثل درم خزانۂ قاروں میں مل گیا

ناگاہ اس طرف سے کماندار اک بڑھا   مشاق اپنے فن میں تھا وہ بانیِ جفا
سوفار لب کو وا کیے دیتا تھا بد دعا (۱۱۳)   چلّہ کماں نے کھینچا تھا جلد اس کی ہو قضا

ناوک لگا کے بھاگنے کا قصد جو کیا
غازی نے ایک وار میں ظالم کو دو کیا

جھنجھلا کے شیثِ فوجِ ستمگار سے چلا   تھی ہاتھ میں اپی ہوئی شمشیر پرجفا
آیا مقابلے میں وہ جو دشمنِ خدا (۱۱۴)   غازی نے بڑھ کے زین سے اس کو الٹ دیا

پھینکا تو آگے تیغ پہ وہ اہل شر گرا
دو ہو کے نصف ادھر گرا اور نصف ادھر گرا

نوفل کو پھر قضا نے بلایا سوئے سقر ۔ نکلا شقی کمانِ کیانی کو کھینچ کر
اس زور سے وہ تیر لگایا کہ الحذر[۱۱۵] ۔ غازی نے تیر روک کے پھینکا زمین پر

مانند شیثؑ جان سے بے جان کیا اسے
گھوڑے کی ٹھوکروں کے تلے رکھ دیا اسے

نکلا ادھر سے پھر ابو ایوبؑ نابکار ۔ جس نے کہ رن میں تیر کا شہ پر کیا تھا وار
بڑھ بڑھ کے ابن مالک اشتر نے ایک بار[۱۱۶] ۔ کھینچی غلاف سے جو نہی شمشیر برق دار

زیر سپر جھجک کے جو ظالم فرو ہوا
گھوڑے پہ بھی سنبھلنے نہ پایا کہ دو ہوا

لڑنے حسینؑ ابن نمیر آیا ناگہاں ۔ مثلِ زبانِ نیزۂ خونخوار بدزباں
چمکا کے تیغِ نحس کو آیا وہ بدگماں[۱۱۷] ۔ یاں چل گئی جری کی جو تیغ شرر فشاں

تیغِ قضا بھی پیک شرر دم کے ساتھ تھا
کیا وار تھا نہ تیغ نہ سر تھا نہ ہاتھ تھا

جب ایک ایک در نہ ہوا بانیِ جفا ۔ باہم دہل بجا کے بڑھے آگے اشقیا
طبل وغا یہاں بھی لگے بجنے جا بجا[۱۱۸] ۔ لشکر سے لشکر آ کے غرض راہ میں ملا

بنیادِ کفر شیعوں کی ہیبت سے ہل گئی
فوجِ یزید و فوجِ خدا آ کے مل گئی

مختار نے یہ جا کے براہیم سے کہا ۔ تم دم لو ہم لڑیں گے ہیں اعدا ہزار ہا
ٹھہرا وہ باوفا تو نکلا پئے وغا[۱۱۹] ۔ شمشیر کھینچ لی تو قیامت ہوئی بپا

تھا شور الحذر سپہ بے دریغ سے
دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا لشکر کا تیغ سے

ترچھی کبھی جو دام زرہ پر یہ چل گئی ۔ یونسؑ پکارے دام کو مچھلی نگل گئی
چار آئینے کو خون میں بھر کر نکل گئی[۱۲۰] ۔ پتھر نگل کے لعل و بدخشاں اگل گئی

چار آئینے سے پھر جو چلی منہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشے کو توڑ کے

تڑپی گری اٹھی یہاں آئی وہاں گئی　　جھلکی کھلی چھپی یہاں آئی وہاں گئی
جھپٹی رکی ہٹی یہاں آئی وہاں گئی　(۱۲۱)　چمکی جھکی مڑی یہاں آئی وہاں گئی
فوجِ عدو سے آنکھ بچا کر گذر گئی
حیران تھی اجل کہ الٰہی کدھر گئی

مثلِ اجل لعینوں پہ چھائی ہوئی اٹھی　　جامے میں اپنے آپ سمائی ہوئی اٹھی
پھولوں میں مثلِ بو یہ بسائی ہوئی اٹھی　(۱۲۲)　گر کر اٹھی تو خوں میں نہائی ہوئی اٹھی
گھونگھٹ کیا حسام پہ یوں فوجِ شام نے
جیسے دولہن حجاب میں دولہہ کے سامنے

ہر جسم و سر کی کر کے جدائی چلی گئی　　دکھلا کے کچھ برش کی صفائی چلی گئی
چشمِ زرہ سے آنکھ لڑائی چلی گئی　(۱۲۳)　مانندِ برق کوندتی آئی چلی گئی
ہر ہاتھ غم تھا دست بدست اہل شام کو
پہنچوں کو دو کیا تو کلائی حسام کو

ترچھی پڑی بغل پہ تو شانا قلم کیا　　شانے سے ہاتھ ہاتھ سے پہنچا قلم کیا
سینے پہ جا پڑی تو کلیجا قلم کیا　(۱۲۴)　چمکی جو پشتِ زیں پہ تو گھوڑا قلم کیا
اونچی ہوئی تو چرخ میں کرنے کو گھر گئی
نیچی ہوئی تو گاؤ زمیں سے گذر گئے

اس صف پہ جا پڑی کبھی اس صف پہ جا پڑی　　بگڑی ہوئی ہر ایک سے، ہر ایک سے لڑی
اعدا کا خون پیتی ہے رن میں گھڑی گھڑی　(۱۲۵)　پگھلا زرہ کا لوہا یہ جب ہو گئی کڑی
چار آئینے میں عکس کی صورت گذر گئی
بن کر پری یہ شیشۂ دل میں اتر گئی

کرتی ہوئی صفوں کی صفائی چلی گئی　　دریائے خوں میں گر کے نہائی چلی گئی
دامِ زرہ میں آپ سمائی چلی گئی　(۱۲۶)　مچھلی کی طرح جال میں آئی چلی گئی
گاؤ زمیں بھی تیغ کی ہیبت سے ہل گئی
اعدا سے یہ بگڑ گئی اور موت سے مل گئی

مختار کہتا تھا کہ بروح ابوترابؑ ڈوبے گی جب تلک نہ لہو سے میری رکاب
میں خانماں کروں گا ستمگاروں کا خراب (۱۲۷) پورا کیا یہ عہد خدا نے بصد شتاب
خوں آکے اس کے پاؤں پڑا قتل گاہ کا
یعنی کہ باقی اب نہیں کوئی سپاہ کا

مختار نے زمیں پہ کیا سجدۂ خدا زندہ جو کچھ رہے تھے اسیران کو کر لیا
شمرؒ و سنانؒ و حرملہؒ و ابن سعدؒ تھا (۱۲۸) اور صبح بزم عیش کی ایوان میں بپا
جلوہ زیادہ ہو گیا بزم مراد کا
جس وقت کٹ کے آگیا سر ابن زیاد کا

اس وقت قاتلوں سے یہ مختار نے کہا دیکھا اثر بتولؑ کی فریاد و آہ کا
پھر حرملہؒ کو تودۂ تیر جفا کیا (۱۲۹) اہل خطا پہ چلنے لگے تیر بے خطا
جب مر گیا تو کاٹ کے سر کو گرا دیا
پھر بوریہ میں لاش کو رکھ کر جلا دیا

ناری ہوا جو خاک تو یہ عدل نے کہا بس آج سرمہ دیدۂ انصاف میں لگا
پھر اس کی خاک سے یہ صدا اٹھی جلا جلا (۱۳۰) پھر سر عمر کا تیغ سے سب نے جدا کیا
گھوڑا کے دوڑے لاش پہ یوں حرف زن ہوئے
پامال اس کے ظلم سے شستہ دو تن ہوئے

آئی نظر جو شمرؒ کو یہ حالت عمرؒ مانند بید خوف سے تھرایا بد گہر
پھر خاک پہ لٹایا اسے سب نے کھینچکر (۱۳۱) اور ایک سنگ لا کے رکھا اس کے سینے پر
رو کر کہا شقی نے خدا کی دہائی ہے
پتھر اٹھاؤ لب پہ میری جان آئی ہے

سب نے کہا یہ اس سے کہ خاموش بے حیا پتھر کے بوجھ سے ہے تجھے نالہ و بکا
اس وقت تو نہ خوف الٰہی سے کچھ ڈرا (۱۳۲) جس وقت تھا تو سینۂ شبیرؑ پر چڑھا
لعنت خدا کی تجھ پہ ہے اور تیرے جینے پر
رکھے تھے تو نے پاؤں شہ دیں کے سینے پر

مظلوم پر ترس تجھے آیا نہ اِک ذرا ۔ پھٹ پھٹ کے زخم خون کا دریا تھا اک بہا
اور ننگے سر تھے در پہ کھڑی اہلِ مصطفےٰؐ (۱۳۳) فریادِ اہلِ بیت سے اک حشر تھا بپا
بیٹے کے پاس فاطمہؑ زہرا تڑپتی تھیں
اور در پہ بنتِ فاطمہؑ حسرت سے تکتی تھی لہ

زینبؑ درِ خیام پہ آنسو بہاتی تھی ۔ کیسے پچھاڑیں خاک (؟) درو کے کھاتی تھی
تجھ کو خدا کے واسطے ہر دم دلاتی تھی (۱۳۴) اپنی غریبی بالی (؟) کھاتی تھی
سیدانیوں پہ رحم نہ تو نے ذرا کیا
زینبؑ کے رو برو سرِ سرور جدا کیا

تو نے شقی لحد میں نبیؐ کو ستایا ہے ۔ تو نے سناں پہ سرِ شہ دیں کا چڑھایا ہے
خیمہ علیؑ کا آگ سے تو نے جلایا ہے (۱۳۵) اور سر برہنہ آلِ نبیؐ کو پھرایا ہے
اس دم نہ رویا اپنی مصیبت پہ روتا ہے
ظالم ستانا فاطمہؑ کا ایسا ہوتا ہے

یہ کہکے کاٹا تن سے سرِ شمرِ لعؔ نابکار ۔ پھر تو سناںؔ پہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
لکھا ہے جب تھے سجدے میں شبیرؑ نامدار (۱۳۶) اس کی سناں ہوئی تھی شہ دیں کے دل سے پار
گردن بزیر تیغ کی اس روسیاہ کی
مردود نے تو آہ کی ہاتف نے واہ کی

یاور روایت سندی کا ہے یہ بیاں ۔ یہ حال تھا کہ قاتل مسلم ہوا عیاں ٢ے
تھامے ہوا تھا مرکب مسلم کی وہ عناں (۱۳۷) آنسو تھے دونوں آنکھوں سے اس گھوڑے کے رواں
اس وقت یاد مسلم مظلوم آ گئے
وہ آہ سب نے کی کہ فلک تھرتھرا گئے

لہ نسخہ سے ۔ اور آہ در پہ زینبؑ مضطر تڑپتی تھی

نسخہ ٢ے یہ حال تھا کہ قاتل مسلم ہوا عیاں ۔ تھامے ہوئے تھا مرکب مسلم کی وہ عناں
آنسو تھے دونوں آنکھوں سے اس گھوڑے کے رواں ۔ مالک نے اس کو بھی کیا دوزخ میں میہماں
اس کو بھی دم میں راہیٔ ملکِ عدم کیا
مختار نے سر اس کا بھی تن سے جدا کیا

ظاہر ہوا پھر اتنے میں اک طفل خوش سیر　چہرے سے اس کے نورِ سیادت تھا جلوہ گر
گیسو پہ خاک ڈالے ہوئے مثل بے پدر　تن بھی برہنہ اس کا تھا اور آہ ننگے سر (۱۳۸)
حیراں ہوا اک سمت وہ مظلوم پھرتا تھا
اور ضعف سے یہ حال تھا ہر جا پہ گرتا تھا

انبوہ گرد قاتل مسلم جو تھا بڑا　مختار تک وہ بے کس و مضطر نہ جا سکا
لیکن وہ در پہ بیٹھ کے کرنے لگا بُکا　مختار بولا کون ہے یہ دیکھو تو ذرا (۱۳۹)
سب نے کہا غریب سا اک لڑکا روتا ہے
آئی صدا علیؑ کی کہ مسلمؑ کا پوتا ہے

محفل میں لاکے اس کو یہ ہر ایک نے کہا　سید کہو کہ اسم مبارک تمہارا کیا
اس نے کہا میں پوتا ہوں مسلمؑ شہید کا　مختار بولا آنے کا کہیئے سبب ہے کیا (۱۴۰)
روکر کہا کہ قوت میں یاں تک خلل پڑا
بھائی میں گھر سے فاقوں کے مارے نکل پڑا

رو کر پکارے سب کہ غضب و امصیبتا　یہ مرتبہ ہے آل پیمبرؐ کا واہ واہ
ٹوپی نہ سر پہ کرتا گلے میں پھٹا ہوا　مختار نے لباس منگایا بصد بُکا (۱۴۱)
وہ بولا ہم سے کوئی اسیر بلا نہیں
مختار میری ماں کے بھی سر پہ ردا نہیں

مختار نے درہم و خلعت منگا دیا　سید نے چھوٹا ہاتھ دعا کو اٹھا دیا
مختار کو یہ مژدہ بھی ہنس کر سنا دیا　رتبہ تجھے خدا نے نہایت بڑا دیا (۱۴۲)
بن تیرے شہؑ نہ گلشن جنت کو جائینگے
حُلّے بہشت کے تجھے حیدرؑ پہنائینگے

مختار نے کہا کہ طلب کچھ تو اور کر　بولا دکھا کے قاتل مسلم کو وہ پسر
اب ہے یہ آرزو کہ ہمیں کاٹیں اس کا سر　اک نیمچہ منگا کے دیا اس کو جلد تر (۱۴۳)
فاقوں سے گو تغیّر بہت وہ یتیم تھا
اک نیمچہ جو مارا تو قاتل دو نیم تھا

پھر ان سروں کو نیزوں پہ مختار نے رکھا اور کشتیوں میں زیور و اسباب کو دھرا
پھر بولا مومنوں سے یہ مختار باوفا[۱۴۴] لے جاؤ یہ ہدیہ بیمار کربلا
کہنا کوئی حسینؑ کا قاتل رہا نہیں
بے سرِ حسینؑ جینے کا ہرگز مزا نہیں

اور زینبؑ غریب کو دینا میرا پیام موئے سرِ حسینؑ کا مشکل ہے انتقام
ہاں قتل ظالموں کو کیا میں نے لاکلام[۱۴۵] اب رختِ ماتمی کو اتارو پئے امام
زہرا نے دی صدا نہ وہ دکھیا اتارے گی
زینبؑ اتارے گی تو نہ زہرا اتارے گی

لے کر وہ ہدیہ سوئے مدینہ ہوئے رواں مثلِ نزولِ رحمتِ حق پہونچے ناگہاں
اس وقت آئے در پہ مگر سب وہ شیعاں[۱۴۶] جب چاشت کھا رہے تھے شہنشاہِ دوجہاں
مولا یتیم بچوں کو کھانا کھلاتے تھے
اور آپ شہؑ کی پیاس پہ آنسو بہاتے تھے

دستک دی مومنوں نے کیا فضہ نے گذر وہ سر بھی کشتیاں بھی حوالے کیں سربسر
مختار کا پیام کہا ہاتھ باندھ کر[۱۴۷] فضہ نے ہدیہ لے کے وہ زینبؑ کو دی خبر
بولی کہ دن دکھایا خدا نے مراد کا
بی بی مبارک آیا سر ابن زیادؑ کا

ناگاہ کیا وہ کشتیاں زین العباؑ نے وا دیکھا سفید کپڑوں کو اور آگئی حیا
روکر زنانِ ہاشمیہ کو یہ دی صدا[۱۴۸] سمجھاؤ تم پھوپھی کو کہ اب ہوچکی عزا
حجرے سے باہر آتی ہیں نہ پیتی کھاتی ہیں
ہر وقت شہ کی پیاس پہ آنسو بہاتی ہیں

کہنا جو کچھ حسینؑ پہ ہونا تھا سو ہوا اب سوگ اتاریئے کہ ہوا سال دوسرا
یثرب میں اب تلک کوئی دولہا نہیں بنا[۱۴۹] سرمہ زنانِ ہاشمیہ نے نہیں دیا
یہ تو وہ غم ہے خلق خدا ساری روئے گی
پر اب مدینہ والوں کو تکلیف ہوئے گی

زینبؑ کے پاس لے گئیں وہ کشتیاں اٹھا — دیکھا وہ ماجرا کہ نہ دکھلائے پھر خدا
اِک جام خوں بھرا ہوا زانو پہ ہے دھرا (١٥٠) اور روتی ہے کلیجہ سے اس کو لگا لگا
سب گرد بیٹھیں رونے کو منہ ڈھانپ ڈھانپ کر
قبرِ رسولؐ رہ گئی بس کانپ کانپ کر

جب رو چکی تو کشتیوں کو کھول کر کہا — یہ کپڑے سب ہیں تحفۂ مختار باوفا
ہم صدقے سوگ اتاریئے اے بنتِ مرتضیٰؑ (١٥١) اب تک کسی نے ہم میں سے سرمہ نہیں دیا
ہم کپڑے بدلیں آپ اگر وعدہ کیجیے
دیں سرمہ ہم بھی آپ اگر سرمہ دیجیے

زینبؑ پکاری آہ کہاں جاؤں اے خدا — لوگو مجھے نہ تنگ کرو بہر مصطفٰیؐ
گر چھوڑ دوں اگر میرے رونے سے ہو خفا (١٥٢) جنگل میں جا کے بھائی کی خاطر کروں بکا
مرتے ہوئے بھی سوگ نہ ہرگز بڑھاؤں گی
جائے کفن یہی کفنی پہنے جاؤں گی

اچھا میں سرمہ دیتی ہوں خاکِ شفا منگاؤ — اے لوگو میرے بھائی کی تربت کی خاک لاؤ
کپڑوں کی بوئے تربت شبیرؑ سے بساؤ (١٥٣) اور مجھکو تم سیہ کفنی کے عوض پنہاؤ
کیا سرمہ دے کے بھائی کی خاطر نہ روئیں گے
کیا کنگھی کر کے بال پریشاں نہ ہوئیں گے

پھر ماں کی قبر پر گئیں گھبرا کے ننگے پا — پیدا ہوئی وا حسینؑ کی اس قبر سے صدا
بولی پسر کو روتے ہو تنہا لحد میں کیا (١٥٤) دو پہلوئے شکستہ میں مجھکو بھی تھوڑی جا
دنیا ہے طولِ حشر تلک شور و شین کو
ہم آپ مل کے قبر میں روئیں حسینؑ کو

پھر روتے روتے غش ہوئی زینبؑ سرمزار — دیکھا کہ نکلیں فاطمہؑ کھولے ہوئے کنار
ہیں اک طرف جناب محمدؐ بحالِ زار (١٥٥) اور اک طرف کو ہیں علیؑ شاہِ ذوالفقار
شبیرؑ کا زبان پہ برپا خروش ہے
اک ایک کو حسینؑ کے ماتم کا جوش ہے

زہرؑا نے پھر یہ زینبؑ ناشاد سے کہا بیٹی یہ تجھ سے کہتے ہیں پیغمبرؐ خدا
اب سوگ اتار جا کے تو بھائی حسینؑ کا (۱۵۶) کس واسطے کہ ہو گیا اب سال دوسرا
توجب بیان کرتی ہے اور غش میں آتی ہے
تربت میں غم سے لاش میری تھرتھراتی ہے

مجھ سے ابھی حسینؑ نے آکر یہی کہا ایسا نہ ہو کہ زینبؑ دلگیر ہو فنا
ماتم میں میرے اس کا عجب حال ہو گیا (۱۵۷) ہٹتی نہیں ہے بیٹھ میری قبر سے ذرا
مرجائے گی تو چین سے ہرگز نہ سوؤں گا
محشر تلک میں قبر میں زینبؑ کو روؤں گا

نانا کسی طرح اسے سمجھاؤ تم ذرا میرے بدن کے کپڑے بدلواؤ مصطفےٰ
اب تک ہمارے گھر میں ہے اک حشر سا بپا (۱۵۸) بچھی ہے ہر طرف صفِ ماتم جدا جدا
ایسا نہ ہو حسینؑ کے غم میں گزر نہ جائے
ڈرتا ہوں میں کہ زینبؑ دلگیر مر نہ جائے

زینبؑ نے دی صدا کہ میں اس پیار پر فدا بھائی کہاں سے لاؤں تمہیں وا مصیبتا
ہے آپ کی خوشی کہ اتاروں سیہ ردا (۱۵۹) بھیّا اب اس بہن کو بھلا عذر کیا رہا
بدلیں لباس آن کے اس بھو کی پیاسی کا
نانا سے کہدو سوگ بڑھائیں نواسی کا

یہ کہتی تھی کہ آئے پیمبرؐ بصد بکا منہ پر لگا حسینؑ کا خوں اور سر کھلا
بغلوں میں ہاتھ دے کے لے آئے دو پارسا (۱۶۰) اک سمت تو حسینؑ تھے اور اک سمت مرتضاؑ
کیا حال پر ملال رسول زماں کے تھے
ہاتھوں پہ اک فرشتے کے حُلّے جناں کے تھے

زینبؑ کو لے کے گود میں بیٹھے شہِؐ امم سر سے سیہ ردا کو اتارا بچشمِ نم
پہنائے اپنے ہاتھ سے حُلّے بصد کرم (۱۶۱) بولے کہ ترا سوگ اتروا چلے ہیں ہم
تو جا کے سوگ اہل حرم کا اتار لو
رختِ سفید سب کے بدن پر سنوار لو

زینبؑ کو غش سے ہوش جو آیا بصد بکا گھبرا کے آئی گھر میں وہ آفت کی مبتلا
چلائی اہلِ بیتؑ کو باشدت بکا (۱۶۲) لو بی بیو یہ کہہ گئے پیغمبرؐ خدا
ماتم بڑھاؤ فاطمہؑ کے نورِ عین کا
قبرِ نبیؐ پہ سوگ اتارو حسینؑ کا

تاکید کر گئے مجھے نانا ابھی ابھی اب سوگ اتارنے میں پیمبرؐ کی ہے خوشی
سجاد کو پکارے کہ اے دلبرِ نبیؐ (۱۶۳) روضے میں سب کو لے چلو قربان ہو پھوپھی
کنگھی کروں گی بال سبھوں کی سواروں گی
اک ایک کا اپنے ہاتھ سے میں سوگ اتاروں گی

القصہ سوئے روضۂ پیغمبرِؐ زماں آئیں رسول زادیاں باہم کشاں کشاں
اور ساتھ تھیں سفید ردائیں بصد نشاں[لہ] (۱۶۴) سالار قافلہ ہوئے سجاد ناتواں
طاری ہجوم غم تھا ہر اک سوگوار پر
رکھی گئیں سفید ردائیں مزار پر

سجاد کو پکاری یہ زینبؑ بچشم تر لو فاتحہ شہیدوں کا دو اے نکو سیر
تعجیل اب کرو کہ توقف میں ہے ضرر (۱۶۵) بھائی کی تھی وصیتِ آخر یہ اے پسر
میدان سے وطن میں اگر جائیو بہن
شربت پہ میرا فاتحہ دلوائیو بہن

سجادؑ فاتحہ کو اٹھے با غم و بکا دی رو کے پہلے نذر شہنشاہِ کربلا
قاسمؑ کی ماں نے اُن کے رو رو کے یہ کہا (۱۶۶) جس کو کہ روزِ عقد بھی شربت نہیں ملا
اجر و ثواب نذر شہیداں کا لیجیے
شربت پہ فاتحہ میرے قاسمؑ کا دیجیے

بانو نے رکھ کے دودھ کے کوزے کو یہ کہا اے شیر خوار لال میرے تجھ پہ ماں فدا
تم نے تو تین روز نہیں دودھ بھی پیا (۱۶۷) سجادؑ سے کہا کہ تجھے اجر دے خدا
کیسے کہوں جو حال ہے مجھ سوگوار کا
لو واری اس پہ فاتحہ دو شیر خوار کا

لہ نسخہ۔ اور ساتھ تھیں سفید رداؤں کی کشتیاں

اکبرؑ کے فاتحہ کا جونہی نام آگیا   فضہ کو بڑھ کے زینبؑ بے کس نے دی ندا
کہہ دے یہ نوجوان عرب سے بصد بکا (۱۶۸) اکبرؑ کے فاتحہ کا تمہیں شوق تھا بڑا
قبر نبیؐ پہ آؤ کہ دل غم سے روتا ہے
لو نوجوانو! فاتحہ اکبرؑ کا ہوتا ہے

ناگہہ سنی سکینہؑ کی سجادؑ نے صدا   دیکھا کہ دوڑی آتی ہے وہ غم کی مبتلا
ہاتھوں پہ حاضری ہے زباں پر چچا چچا (۱۶۹) کہتی ہے بھائی جان میں سو جان سے فدا
سر سے چچا کے حق کو ادا جلد کیجئے
اس حاضری پہ نذر علمدارؑ دیجئے

فارغ جو نذر سے ہوئے سجاد ناتواں   سیدانیوں نے رونے کا ساماں کیا وہاں
پلّے ردا کے منہ پہ لگیں لینے بی بیاں (۱۷۰) اک اک نے اپنے وارثوں کے غم میں کی فغاں
سیدانیوں کو بیکس و نادار جان کر
پرسے کو سب زنانِ عرب بیٹھیں آن کر

زینبؑ نے پھر سفید ردا کو اٹھا کے آہ   آئی قریب بانوئے سلطانِ دیں پناہ
رو کر زبانِ حال سے بولی وہ خیر خواہ (۱۷۱) لو بھابی جان سوگ اتارو پئے الٰہ
باقی ہے ساری عمر ابھی شور و شین کو
اب تا بہ حشر قبر میں رونا حسینؑ کو

بولیں رباب آئے مجھے موت اے اللہ   اک سوگ ہو تو سر سے اتاروں خدا گواہ
میرا تو گھر کا گھر ہوا پردیس میں تباہ (۱۷۲) اکبرؑ کا سوگ اتاروں کہ اصغرؑ کا آہ آہ
اک دوپہر میں گھر میرا ویران کر گئے
والی بھی مر گیا میرے بچے بھی مر گئے

انصاف کی یہ جا ہے میرے حال زار پر   اٹھارہ سال کے علی اکبرؑ گئے گذر
اصغرؑ گلا چھدا کے جہاں سے گئے گذر (۱۷۳) میں ان کا سوگ اتاروں گی ہرگز نہ عمر بھر
فریاد کر کے عرشِ خدا کو ہلاؤں گی
محشر میں بھی سیہ کفنی پہنے جاؤں گی

آئی صدائے فاطمہؑ زہرا بصد بکا — اے بانوئے حسینؑ تجھے صبر دے خدا
واللہ تیرے حال پہ انصاف کی ہے جا[۱۷۴] — اب سوگ اتار تو مرے پیارے حسینؑ کا
زینبؑ کھڑی ہے تیری ردا کے بڑھانے کو
میں حلۂ بہشت لئے ہوں اڑھانے کو

بانو کو پھر تو کچھ نہ بن آیا بدرد و غم — سبطِ نبیؐ کا سوگ اتارا بچشم نم
بالوں میں ان کے کنگھی کی زینبؑ نے یک قلم[۱۷۵] — اور زیبِ سر سفید ردا کی بصد الم
چلائی عمر بھر مجھے شرمندگی رہی
بانو کا سوگ اتارنے کو زندگی رہی

زینبؑ پھر آئی زوجۂ عباسؑ کے قریں — دیکھا کہ پیٹنے میں ہے مشغول وہ حزیں
آلودہ ہے لہو سے علمدارؑ کی جبیں[۱۷۶] — بالوں میں خاک لپٹی ہے سر ہے سوئے زمیں
آنکھوں سے اشک پونچھ کے سرمہ لگا دیا
اس کا بھی سر سفید ردا سے چھپا دیا

زینبؑ نے سوگ اتار کے سب کا بصد بکا — جا کر سرِ مزارِ پیمبرؐ یہ دی ندا
لو نانا تم نے جو کہ کہا تھا وہ سب کیا[۱۷۷] — اب بے حسینؑ کے مجھے جینا نہیں روا
مجھکو بھی اب بلائیں یہ کہہ دو حسینؑ سے
بھائی کو تا بہ حشر میں روؤں گی چین سے

خاموش اے دبیر کہ ہے شدتِ بکا — قصے کو مرثیہ کیا تحسین و مرحبا
کس حال میں یہ مرثیہ موزوں مگر ہوا[۱۷۸] — مژگاں پہ فوجِ اشک صف آرا ہیں جا بجا
افواجِ لختِ دل بھی مہیائے رزم ہے
اس مرثیے سے جنگ کا میداں یہ بزم ہے

مرثیہ ۲

جب شام کے کشور میں چراغاں ہوا شب کو　روشن تھا کہ اندھیر کا ساماں ہوا شب کو
قندیلوں سے پرنور حرایواں ہوا شب کو　(۱) ناموس نبیؐ داخلِ زنداں ہوا شب کو
گلگشت چراغوں کے لیے خلق بہم تھی
زندان کے فانوس میں ہر شمع حرم تھی

نسخہ۔ جب شام کے کشور میں چراغاں ہوا شب کو　روشن کیا شب ناریوں نے شمع طرب کو
ہر مجلس و محفل میں وظیفہ تھا یہ سب کو　(۲) گل ہم نے کیا شمع شبستانِ عرب کو
جو شمع جلی تھی یہ ہے راز اس سے جلی تھی
خاموش چراغ حرم لم یزلی تھی

ہر گھر سے نمودار زمانہ کی خوشی تھی　زنداں میں سادات کے جانے کی خوشی تھی
مفلس کو بھی اک شمع جلانے کی خوشی تھی　(۳) زہرؑا کے چراغوں کو بجھانے کی خوشی تھی
اس جشن کی تاکید تھی سب خلق خدا پر
پر قید تھی رونے کی اسیرانِ بلا پر

پر رونق ماتم تھی جو اختر کو منظور　قندیل فلک آبلے کی شکل تھی بے نور
روغن بھی چراغوں کا ہوا جاتا تھا کافور　(۴) روشن تھا فتیلے سے دل شمع کا ناسور
جل جل کے ہوئی خاک وہ ہر شمع اگر تھی
گل خاک تھے سو شمع ہر اک خاک بسر تھی

قندیلِ درِ شام سے تھا داغ قمر کو　لٹکایا تھا واں حضرت شبیرؑ کے سر کو
گھبرا کے بتولؑ آتی تھی ہر بار خبر کو　(۵) پروانہ صفت خلق بھی راہی تھی ادھر کو
غل تھا کہ درِ شہر کی قندیل کو دیکھو
آؤ سرِ شہزادۂ جبرئیل کو دیکھو

ٹھیں ٹٹیاں بانسوں کی برابر جو نمایاں　روباہوں کا وہ شہر تھا شیروں کا نیستاں
تر پولی باندھی تھی کہ زینت ہو دو چنداں　(۶) اوپر تو کنول بوقلموں نیچے چراغاں
کس شومی سے ہر شامیِ ملعون نگراں تھا
تھے گرد سیہ رو کہ چراغوں کا دھواں تھا

روشن تھا چراغوں سے کہ ہے ناریوں کی خاک   خاک پدر و والدۂ حاکم ناپاکؑ
اس خاک سے بھڑکے تھے یہ شعلے تہ افلاک (۷)   بے نور تھا یثرب میں مزارِ شہ لولاکؐ
یہ رنج کسی اہل زمیں سے نہ سنا تھا
انگاروں پہ تاروں کے فلک لوٹ رہا تھا

کوٹھوں کی منڈیریں تھیں چراغوں سے منور   اور قمقمے تھے زیرلبِ بام برابر
زربفت کے نمگیرہ تھے اور موتی کے جھالر (۸)   واں خانۂ بے سقف میں تھے آلِ پیمبرؐ
غیرت کے سبب رعشہ تھا سب کے بدن میں
شبنم کے سوا اور کوئی کپڑا تھا نہ تن میں

افلاک پہ نخوت سے دماغِ امرا تھا   آراستہ ہر قصر جدا، بام جدا تھا
اور فرش تمام اس میں تمامی کا بچھا تھا (۹)   پر بسترِ ناموسِ نبیؐ قید میں کیا تھا
پیاروں کا لہو منہ پہ ملے خاک جبیں پر
اشد پہ تکیہ کئے بیٹھے تھے زمیں پر

اک سر کے لئے عیش کے ساماں تھے ہزاروں   اک کوچہ تھا اور سرو چراغاں تھے ہزاروں
تھا ایک طبق اور گل ریحاں تھے ہزاروں (۱۰)   اک گوشے میں عشرت کے گلستاں تھے ہزاروں
کس زوروں میں سامان یہ شادی کا کیا تھا
زینبؑ نے نہ چہلم ابھی بھائی کا کیا تھا

اور شمرؔ و عمرؔ تازیوں پر ساز لگائے   پھولے تھے اِدھر اور اُدھر باگ اٹھائے
کہتے تھے ہمیں شیروں کے سر کاٹ کے لائے (۱۱)   سب کو یہ سرور اپنے بدولت نظر آئے
اس شہر کے بسنے کا یہ ارمان تھا ہم کو
کعبے کو گرا آئے ہیں لوٹا ہے حرم کو

اس غول میں جانا کبھی اس غول میں جانا   اور اہل تماشہ کو یہ نخوت سے سنانا
یہ سیر ہے کیا صبح کو دربار میں آنا (۱۲)   خوش ہوگا یزیدؔ اہلِ محلہ کو بھی لانا
گر پوچھتا تھا کوئی کہ واں صبح کو کیا ہے
کہتے تھے تماشا ہے اسیرانِ بلا ہے

سنتا ہوں اسی وقت سے تھراتی ہے زینبؑ گھبرا کے موئے بھائی کو چلاتی ہے زینبؑ
کل دیکھئے جیتی ہے کہ مرجاتی ہے زینبؑ (۱۳) کیوں کر سرِ دربار یزید آتی ہے زینبؑ
اب حکم ہے تا زیست یہ ساداتِ عرب کو
دربار میں دن کو رہیں زنداں میں شب کو

دیواروں پہ اوراق تصاویر لگے تھے لیکن ورقِ مقتلِ شبیرؑ لگے تھے
تصویروں کے اندام میں بھی تیر لگے تھے (۱۴) رخساروں پہ زخمِ دمِ شمشیر لگے تھے
ڈوبا ہوا نیزہ کسی صورت کے جگر میں
اور ننھا سا لاشہ کسی تصویر کے بر میں

ناری گلرنگ قبا خرد و کلاں تھے تھے پیر جو بے پیر وہ پیری میں جواں تھے
لب سرخ تھے پانوں سے تو دل خندہ زناں تھے (۱۵) تیغوں کی طرح دشمنِ دیں چرب زباں تھے
پروانوں کی مانند چراغوں پہ نظر تھی
ہے ہے دلِ زہراؑ کے نہ جلنے کی خبر تھی

ہر کوچے میں آواز یہ دیتے تھے منادی حاکم کی رعیت کو مبارک ہو یہ شادی
بنیادِ خلل لشکرِ شامی نے مٹا دی (۱۶) ہے شام کے زنداں میں مدینے کی جو زادی
کل صبح کو دربار میں زینبؑ کی طلب ہے
مذہب میں تمہارے تو شبِ قدر یہ شب ہے

ممکن نہیں یہ حشر کا سامان جو پھر ہو اب کوئی مدینہ نہیں ویران جو پھر ہو
شبیرؑ سا سید نہیں بے جان جو پھر ہو (۱۷) کیا دخل کہ سجادؑ شتربان جو پھر ہو
جب خاک میں ہاشم کے کئی باغ ملے ہیں
تب شام کے گلزار میں یہ پھول کھلے ہیں

اب کون ہے شبیرؑ محمدؐ کا نواسا دریا پہ جسے ذبح کرے گا کوئی پیاسا
حق اِس کا شناسا ہے یہ تھا حق کا شناسا (۱۸) سیدانیاں ہیں قید نہ پرسا نہ دلاسا
ایسی تو کوئی عید نہ ہوئے گی جہاں میں
کس بیٹے کو اب فاطمہؑ روئے گی جہاں میں

ارباب نشاط ایک طرف زمزمہ پرداز مطرب جو نوا سنج تو قوال سخن ساز
طنبور و نے و چنگ و جلاجل سے ہم آواز (۱۹) ایماں کی طبیعت تھی ہر اک ساز سے ناساز
ہر سمت تھی شہنا و مزامیر کی آواز
زنداں سے چلی آتی تھی زنجیر کی آواز

گردن میں جو رشتہ تھا ثلاثہ کے ولد کا ہر بند تھا پابند ستار اہل جفا کا
مرغوب تھا نغمہ انہیں ہر نغمہ سرا کا (۲۰) سنتے تھے نہ غل ہائے حسیناں کی صدا کا
رقاصوں کے اندام میں پوشاک زری تھی
ہر پردے میں اسلام کی یہ پردہ دری تھی

دکانوں میں فرش اطلس و مخمل کا جدا تھا اور بادلہ سے ان کے ستونوں کو منڈھا تھا
آئینہ کہیں جھاڑ کہیں جلوہ نما تھا (۲۱) دکانوں کے آگے بھی مگر رقص و غنا تھا
تھا ناریوں کو وجد مغنّی کی صدا پر
شعلوں کے بھی سر ہلتے تھے آواز غنا پر

صرّاف سیہ رو تھے مثال کف زردار سکّے کی طرح رو بہ تبسم انہیں ہر بار
دکانوں میں ہر اک کے دھرے صرّہ دینار (۲۲) جو پوچھتا تھا بخشش حق کہتے تھے دے نار
کیا قہر ہے دینار و درم کا یہ سرف ہو
اور نقد حیات نبویؐ رن میں تلف ہو

بازار میں ارزاں تھی ہر اک جنس تجمل پر جنس حیا آنکھوں سے پوشیدہ تھی بالکل
وہ خوانچوں کا دور وہ میووں کا تسلسل (۲۳) کاندھوں پہ کہیں ہار طبقچوں میں کہیں گل
حیراں تھی عقل بشری قدرت حق میں
گل فاطمہؑ کے خاک پہ یہ پھول طبق میں

آپس میں شقاوت سے یہ کہتے تھے دکاندار کل قیدیوں کی لوٹ بکے گی سر بازار
کہتا تھا کوئی تیغ علیؑ کا ہوں خریدار (۲۴) ایک کہتا تھا زہراؑ کی ردا ہے مجھے درکار
کہتا تھا کوئی ہدیہ جو ٹھہرے گا وہ دوں گا
قرآں شہ مظلوم کے پڑھنے کا میں لوں گا

دروازے پہ حاکم کے ہجومِ فقراء تھا　محتاجوں کی دعوت تھی سرانجام غذا تھا
بے چوبہ جلوخانہ میں اک جلوہ نما تھا (۲۵) تھا فرش بھی آراستہ کھانا بھی چنا تھا
سونے کے جو سرپوش تو چاندی کے گھڑے تھے
کوزے بھی خدّام تنکِ ظرف کھڑے تھے

حاکم سرِ نخوت کو دریچے سے نکالے　مصروفِ تماشا تھا کہ ساماں ہیں نرالے
اور مہتمم اک سمت قناتوں کو سنبھالے (۲۶) چلّا رہے تھے خوان کے بانٹنے والے
لو سائلو کھانا ہے یہ اس نذر و خوشی کا
فاقے میں گلا کاٹا حسین ابن علیؑ کا

کھا کر یہ کہو حاکم شامی کا بھلا ہو　باقی ہیں جو سید قلم ان کا بھی گلا ہو
بے نام و نشاں نسل شہ کرب و بلا ہو (۲۷) نازل کبھی اس شہر پہ کوئی نہ بلا ہو
شیعوں کو عزاداری شبیرؑ مبارک
اور ہم کو زر و خلعت و جاگیر مبارک

وہ کہتے تھے اس گھر سے ہے بہبود ہماری　مالک کی ترقی ہو یہ لنگر رہے جاری
ہر جا میں دعا یہ تھی کہ فی النار ہوں ناری (۲۸) ہم سیر ہیں اور بھوکے ہیں سیدانیاں ساری
سو ظلم یہ سادات مدینہ کے لئے ہیں
محتاج یہ اک نانِ شبینہ کے لئے ہیں

کہتا تھا کوئی داد و دہش یاں تو بڑی ہے　اک ننھی سی لڑکی درِ زنداں پہ کھڑی ہے
کہتی ہے خدا ترسی کی لوگو یہ گھڑی ہے (۲۹) ہے ہے میری ماں فاقہ سے بے ہوش پڑی ہے
تقسیم کا کھانا بھی میسّر نہیں لوگو
کیا ہم فقراء کے بھی برابر نہیں لوگو

یہ سن کے جھڑک دیتے ہیں ظالم کہ خبردار　اس ذکر پہ سر کٹتا ہے کیا تم کو سروکار
محتاج ہیں اس لنگر شاہی کے سزاوار (۳۰) ڈر ڈر کے وہ کہتی ہیں کہ یہ بھی تو ہیں نادار
پانی کا بھی مقدور انہیں آج نہیں ہے
ایسا تو کوئی ہم میں بھی محتاج نہیں ہے

منہ پھیر کے چلاتے تھے بے رحم جفا کار نادار ہیں تو ہوں وہ ہیں حاکم کے گنہ گار

لینے کو طعام آئی ہو یا کہنے کو اخبار (۳۱) زینبؑ نے یہ سن کر کہا یا حیدر کرار

فریاد کہ اس شرم سے ہم مرتے ہیں بابا

عترت کی سفارش فقرا کرتے ہیں بابا

امت کے شفیعوں پہ ہے یہ وقتِ دہائی للہ وہ ساعی ہیں جو کرتے ہیں گدائی

اس پر یہ غضب ہے کہ نہیں کچھ شنوائی (۳۲) غش ہوتی ہے یہ کہہ کے ید اللہ کی جائی

مشکیں لیے سقے جو گذرتے ہیں اُدھر سے

اک شعلہ سا اٹھتا ہے سکینہؑ کے جگر سے

ضد کرتی ہے بانو سے وہ سب کنبے کی پیاری ان سقوں میں ڈھونڈو مرے سقے کی سواری

ماں کہتی تھی ان میں نہیں وہ عاشق باری (۳۳) سقہ مری بی بی کا بہشتی ہے یہ ناری

وہ تو پسرِ فاطمہؑ کے پاس ہیں بیٹی

شبیرؑ جہاں ہیں وہاں عباسؑ ہیں بیٹی

اب جان رہے یا نہ رہے ضبط کرو پیاس پانی سے تو اب یاس ہے مرنے کی رکھو آس

اٹھا ہے کر سن کر یہ سخن دخترِ عباسؑ (۳۴) آ بیٹھی یتیم پسرِ فاطمہؑ کے پاس

بولی کہ ملے مشک تو کاندھے پہ دھروں میں

اس شہر میں بھیا تری سقائی کروں میں

کچھ سوچ کے پھر ماں کو پکاری وہ خوش اقبال اماں مرے بابا کی سکینہؑ کا ہے کیا حال

تن فاقے سے تھراتا ہے منہ غصے سے ہے لال (۳۵) ہو ہو کے خفا نوچتی ہیں گیسوؤں کے بال

اللہ کو سونپا تمہیں میں جاتی ہوں اماں

پانی کہیں ملتا ہے تو لے آتی ہوں اماں

اماں یہ خوزادی ہیں میں بیٹی ہوں تمہاری الفت ہے سوا ان کی تمہیں یا کہ ہماری

میں تم کو ہوں پیاری کہ مری بی بی ہے پیاری (۳۶) ماں بولی تیرے صدقے تری بی بی کی واری

بالفرض کہ اب غم تیرے جانے کا سہوں گی

آجائے ترا باپ تو کیا اس سے کہوں گی

وہ کہنے لگی خیر اگر آئیں گے بابا — جانے پہ میرے غصہ نہ فرمائیں گے بابا
شہزادی کی الفت میں بہل جائیں گے بابا[۳۷] — کہہ دیجیو گر ذکر میرا لائیں گے بابا
بے رحموں کو زہراؑ کی قسم دیئے گئے تھے
پانی وہ سکینہؑ کے لئے لینے گئے تھے

میں ان کی سکینہؑ کے لئے لاؤں گی پانی — خوش ہوں گے کہ گھرکیں گے مجھے حیدرِؑ ثانی
مانا کہ خفا ہوں گے یداللہ کی جانی[۳۸] — بی بی بھی نہ فرما سکی کیا مرتبہ دانی
تشویش کی جا ہے نہ تردّد کی گھڑی ہے
اللہ رکھے ان کو، میری سعی بڑی ہے

اماں میں ہوں اس بیکس و ناکام کی لونڈی — اس دکھ میں نہ کام آؤں تو کس کام کی لونڈی
خواہاں ہے سکینہؑ کے اب آرام کی لونڈی[۳۹] — کرتی ہے سبیل اس گھڑی اک جام کی لونڈی
اس درد سے مانگوں گی کہ دل سب کا ہلے گا
کیا نام پہ اللہ کے پانی نہ ملے گا

وہ بولی سدھارو کیا خالق کے حوالے — پھر آن کے ملنا جو کوئی مار نہ ڈالے
رخصت ہوئی بیٹی تو کئے ماں نے یہ نالے[۴۰] — لِللہ کوئی میرے کلیجے کو سنبھالے
غل تھا کہ عجب شان ہے ربِّ ارنی کی
پانی کی گدائی کو چلی پوتی علی کی

القصہ سرِ راہ جو وہ بے پدر آئی — بلوے میں دہل کر کہا یا رب کدھر آئی
پانی کی سبیل ایک طرف کو نظر آئی[۴۱] — ہر جام کی آنکھ اس کی گدائی پہ بھر آئی
مٹی کے سبوچے بھی، پیالے بھی دھرے تھے
پانی کے کٹورے صفت اشک بھرے تھے

یوں خلق تھی امڈی ہوئی جیسے کہ گھٹا چھائے — پیمانہ بلب کوئی، کوئی ہاتھ کو پھیلائے
ساقی کا یہ تھا شور کہ مطلب میرے بر آئے[۴۲] — ہاں نذر خدا پانی ہے پیاسا نہ کوئی جائے
کیا شام میں ٹھنڈا جگر خلق ہوا ہے
پیاسا پسر مالک تسنیم ہوا ہے

سن کر یہ ندا آتے تھے سب وارد و صادر اور جام لبالب انہیں دیتا تھا وہ کافر
شرمائی ہوئی یہ بھی بڑھی پانی کے خاطر (۴۳) اس نے کہا تو کون ہے، بولی کہ مسافر
پیاسی کئی منزل کی ہوں ایک جام عطا کر
بولا وہ ترحم سے کہ بی بی تو اٹھا کر

پیاسی نے لیا ہاتھ میں جو ساغر سرشار واں خلد میں بے چین ہوئی روح علمدار
اور کان میں ہاتف کی ندا آئی کئی بار (۴۴) پیاسی ہے سکینہؑ ابھی پینا نہ خبردار
کیا ساتھ تیرے باپ نے آقا کا دیا ہے
عباسؑ نے پانی نہیں دریا پہ پیا ہے

ناگہ وہ شقی بولا کہ حیرت تجھے کیا ہے اس نے کہا اک قافلہ بے آب و غذا ہے
پانی مری بی بی نے طلب مجھ سے کیا ہے (۴۵) یہ جام میں لے جاؤں وہاں تیری رضا ہے؟
گو پیاس کے صدمے سے مروں گی کہ جیوں گی
بی بی میری پی لے گی تو میں پانی پیوں گی

سر اس نے اٹھا کر کہا گھر تیرا کہاں ہے یہ لہجہ کہیں کا نہیں یثرب کی زباں ہے
ہاشم کے یتیموں کا یہ انداز و بیاں ہے (۴۶) وہ بولی کہ عشرے سے نہ گھر ہے نہ مکاں ہے
تکلیف میں بے فائدہ اظہار نسب ہے
سقائے سکینہؑ میرے بابا کا لقب ہے

غصے سے پکارا وہ شقی کون سکینہؑ یہ بولی کہ ہے بنتِ شہنشاہِ مدینہ
اس نام مبارک سے وہ رکھتا تھا جو کینہ (۴۷) بولا تیری بھائی کا ہے اور قرینہ
اب مجھ پہ کھلا پوتی ہے خالق کے ولی کی
یہ کہہ تو بھتیجی ہے حسینؑ ابن علیؑ کی

یہ کہہ کے طمانچہ رُخِ انور پہ لگایا اور چھین کے ساغر کو حضور اس کے بہایا
پھر ہاتھ سے یوں اس کو ہٹایا کہ غش آیا (۴۸) اور اہلِ تماشہ کو لعیں نے یہ سنایا
کیا خوب نبیؐ زادیوں نے پردہ کیا ہے
بچوں کو گدائی کے لئے بھیج دیا ہے

بے ہوش تھی بچی نہ تکلم نہ اشارہ ○ رہگیروں میں غل تھا ارے کس نے اسے مارا
ایک کہتا تھا دیکھو تو کوئی بغض خدا را (۴۹) ماں باپ نے کیونکر کیا اس دکھ میں کنارا

پوچھو تو کوئی وارث و والی بھی تیرا ہے
یہ ہوش میں آئی تو پکاری کہ خدا ہے

عارض پہ دھرے ہاتھ وہ زنداں میں جو آئی چلائی سکینہؑ کہ بہن پانی تو لائی
کچھ شرم سے بولی نہ علمدار کی جائی (۵۰) پاس آکے نلاہٹ اسے سیلی کی دکھائی

پھر رو کے کہا پانی نہ لانے کو گئی تھی
قسمت میں طمانچہ تھا سو کھانے کو گئی تھی ۔

تھرا گئی وہ حضرت شبیرؑ کی پیاری لیں ہاتھوں کو پھیلا کے بلائیں کئی باری
منہ رکھ کے طمانچے کے نشاں پر یہ پکاری (۵۱) سمجھے گا خدا اس سے نہ رو میں ترے واری

ممنون ہوں میں تیری قسم مجھ کو خدا کی
ہاتھ اس کے ملیں خاک میں جس نے یہ جفا کی

اس وقت چچا جان ہمارے اگر آتے سیلی کے لگانے کا مزا اس کو دکھاتے
وہ بولی میں راضی تھی مرا خون بہاتے (۵۲) پر پانی وہ دیتے ہمیں ہم تم کو پلاتے

سائل ہوئی، سیلی لگی، غش کھا کے گری میں
پانی نہ ملا ہائے تہی دست پھری میں

لکھا ہے حرم جبکہ ہوئے داخلِ زنداں اور آہ نمودار ہوئی شامِ غریباں
حاکم نے چراغاں کا دیا شہر میں فرماں (۵۳) دن چھپتے ہی اندھیر کا گھر گھر ہوا ساماں

سب خلق چراغوں کے تماشے کو بہم تھی
زنداں کے فانوس میں ہر شمع حرم تھی

زنداں میں تو یہ ذکر تھا اور شور و فغاں تھا حاکم کے ہر اک قصر میں عشرت کا سماں تھا
پر ہند کے ایوان پہ جنت کا گماں تھا (۵۴) خاتون قیامت کی کنیزک کا مکاں تھا

وہ قصر تھا یہ رتبہ معراج زمیں تھا
سرتاج فلک اس کا وہ سرتاج زمیں تھا

وہ دیدۂ پرنور تھا یا قصرِ مزیّن
آنکھوں کے فقط پردے تھے یا پلکوں کی چلمن
محراب مہِ نو کی طرح طاق تھے روشن (۵۵)
جتنے حلبی آئینے سب پرتو افگن
آرائشِ ایواں جو اسے مدِّ نظر تھی
شبیرؑ کے گھر لوٹنے کی اب تک نہ خبر تھی

اور قصر میں ہر ایک طرف فرش مشجّر
اس فرش مشجّر پہ بچھی مسندِ پر زر
اس مسندِ پر زر پہ وہ پہنے ہوئے زیور (۵۶)
معلوم نہ تھا یہ کہ جلی مسندِ حیدرؑ
زانو تھا ہر اک تکیۂ خوش رنگ کے اوپر
واقف نہ تھی سر بیوؤں کا ہے سنگ کے اوپر

رکھی ہوئی تھی تاج جواہر کا وہ سر پر
کیا جانتی تھی دخترِ زہراؑ ہے کھلے سر
ہر عہدے پہ مامور کنیزانِ خوش اختر (۵۷)
حاضر تھیں خواصیں عقب و پیش برابر
ایک جھلتی تھی رومال ادھر کارِ طلا کا
ایک مورچھل اس سمت ہلاتی تھی ہما کا

سر گوندھتی تھی بیٹی کا وہ صاحبِ اقبال
یہ علم نہ تھا فاطمہؑ کبرا کے کھلے بال
کپڑے بھی پہناتی تھی اس کو وہ خوش اعمال (۵۸)
ثابت نہ سکینہؑ کے پھٹے کرتے کا تھا حال
ذروں کی طرح پھینکتی تھی خاک پہ زر کو
جھرمٹ تھا خواصوں کا ادھر اور ادھر کو

یاں لونڈیاں پہنے ہوئے تھیں خلعت توقیر
واں داغوں کا جامہ تھا پئے عترت شبیرؑ
یاں سونے کی پازیب وہاں لوہے کی زنجیر (۵۹)
یاں موتیوں کے ہار تھے واں طوقِ گلو گیر
یاں پشت پہ موباف زری جلوہ کناں تھے
واں سر تھے کھلے پشت پہ دُرّوں کے نشاں تھے

ناگاہ خواصوں نے کہا لے کے بلائیں
کچھ عرض کریں ہم جو اماں جان کی پائیں
وہ بولی کہو عرض یہ کی دے کے دعائیں (۶۰)
اس وقت تو سکھ پال حضور اپنا منگائیں
گلگشتِ بہارِ گل و ریحاں کی یہ شب ہے
قربان ہوں ہم سیر چراغاں کی یہ شب ہے

شہر آپ کا اک تختۂ گلزار ہوا ہے — ہر کوچہ طلسمات کا بازار ہوا ہے
بازار بہشت و گل بیخار ہوا ہے — (٦١) اب شام میں نوروز نمودار ہوا ہے

اس باغ میں اِک دفعہ بہار آئی ہے بی بی
سب خلق تماشے کو سوار آئی ہے بی بی

وہ کہنے لگی خیر یہ ہے شہر میں سامان — ہاں چلتی ہوں موجود سواری ہو اسی آن
چلائی محلدار ابھی لائی میں قربان — (٦٢) ہرکارے دوڑے چاروں طرف سن کے یہ فرمان

موجود محافہ بھی ہوا تختِ رواں بھی
ڈنکا بھی جلودار بھی نوبت بھی نشاں بھی

اک ہودج زریں میں وہ خوش خوش ہوئی اسوار — باجے بھی سلامی کے بجے ہر طرف اکبار
غل پڑ گیا اسوار ہوئی ہند خوش اطوار — (٦٣) زندان میں گھبرانے لگی زینبؑ لاچار

فضہؑ سے کہا دیکھ تو آمد ہے کدھر کو
اللہ کرے آئے سواری نہ ادھر کو

پھر مٹھیوں میں خاک خرابہ کی اٹھائی — جلدی سے ہر اک عارض انور پہ لگائی
بولی کہ ہمیں چھوڑ گئے اس لئے بھائی — (٦٤) فضہؑ نے کہا خیر ہوئی لو میں سن آئی

کیوں خاک بھرے چہرے پہ پھر خاک ملی ہے
واری گئی وہ سیر چراغاں کو چلی ہے

وہ بولی کہ ہاں سچ ہے ہوا شبہ مجھی کو — بھائی نہیں اب ہم سے غرض کیا ہے کسی کو
دیکھے بھی تو پہچانے نہ وہ بنت علیؑ کو — (٦٥) بھولیں گے نہ امت کے سلوک آلِ نبیؐ کو

کیوں فضہؑ چراغِ لحدِ فاطمہؑ گل ہے
یاں سیر چراغاں ہے اور آواز دہل ہے

واں جانب بازار چلی ہند خوش اعمال — شاہانہ جلوس و حشم و شوکت و اجلال
چاؤس پکارے کہ بڑھے عمر اور اقبال — (٦٦) ناقے نے کئی مست بھرے برق کی تمثال

ہودج تھا کہ اک برج تھا وہ مہر خدا کا
گرد اس کے ہما پھرتا تھا زہراؑ کی ولا کا

پنہاں تھی گرد سواری سے ہوئی راہ   یہ گرد تھی یا ہند کے دل کا تھا غبار آہ
اس راہ سے زنداں کو گئے تھے حرم شاہ (۶۷) سو خاک اڑاتی تھی وہ حیدر کی ہوا خواہ
کھنکے نہ جرس ناقے کا دل گرم فغاں تھا
ڈنکے کی یہ نوبت تھی کہ خود سینہ زناں تھا

فوارہ نہ چھٹتے تھے سواری میں وہ زنہار   تھی مشک کی آنکھوں سے بلند آنسوؤں کی دھار
پیاسا جو مُوا کوثر و تسنیم کا مختار (۶۸) دنیا سے ہر اک قطرے کا دل ہو گیا بیزار
شرمندہ حلقوم شہِ کرب و بلا تھا
سو چھپنے کو پانی سوئے افلاک چلا تھا

القصہ کہ ناقہ ادھر آیا ادھر آیا   پر ہند نے کچھ لطف تماشے کا نہ پایا
آئینوں نے بالکل اسے حیران بنایا (۶۹) دل کو معہ امید چراغوں نے جلایا
بستی میں اسے صاف تباہی نظر آئی
ہر شمع کو شعلے میں سیاہی نظر آئی

بیٹھی تھیں خواصیں جو سر آداب سے تھرائے   اس نے کہا ناحق مجھے تم لوگ یہاں لائے
ہے ہے مجھے ہول آتی ہے جلدی کوئی بتلائے (۷۰) کس شہر کا والی مُوا کس ملک سے سر آئے
بستی میں طبیعت میری گھبراتی ہے لوگو
دنیا مجھے ویران نظر آتی ہے لوگو

ڈھونڈو تو کہ باشندۂ یثرب کوئی یاں ہے   پوچھ آؤ کہ اس شہر میں تو امن و اماں ہے
ان پیر و جواں میں مخفی کوئی جواں ہے (۷۱) اب دُرِ نجفِ فاطمہؑ کا لال کہاں ہے
دم رکتا ہے اب حال میرا غیر ہے لوگو
دریافت کرو مکّے میں تو خیر ہے لوگو

کس قوم کی بندی یہاں آئی ہے کھلے سر   ہر کوچہ ہے شاداب کی خوشبو سے معطر
گویا کہ ہوا ہے گذر آلِ پیمبرؐ (۷۲) آباد نہ سمجھو اسے ویران ہے یہ کشور
اس خوں کی کوئی ان کو سزا ملتی ہے لوگو
دیکھو مری آنکھوں سے زمیں ہلتی ہے لوگو

وہ بولیں حضور آپ کا ارشاد بجا ہے   جو آپ نے فرمایا ہے اکثر وہ ہوا ہے
آگاہ نہیں ہم لقب اس کُشتے کا کیا ہے (۷۳)   پر حاجی ہے اس شہر کے لوگوں سے سنا ہے

ڈر آپ کو کیا ہے کسی آسیب و بلا کا
سایہ رہے بی بی پہ سدا خیر النساء کا

حیدرؑ کے مناقب تو بہت آپ کو ہیں یاد   پڑھئے نہ پھر اس وقت کہ ٹھہرے دلِ ناشاد
ایک بولی تصدق ہے ہر اک خیر کی بنیاد (۷۴)   وہ مسجدِ جامع ہے وہ محتاج ہیں استاد

کچھ خیر پئے خالق علام کرو تم
پھر چل کے میں واری گئی آرام کرو تم

بازار سے ناقے کی مہار اس نے پھرائی   مسجد کی طرف حبِّ حرم کھینچ کے لائی
واں ہائے حسینا کی صدا کان میں آئی (۷۵)   ٹھہرا کے سواری کہا اللہ دہائی

سیدانیاں تھرائیں نقیبوں کی صدا سے
یہ غش ہوئی زہراؑ کے عزیزوں کی صدا سے

بے ساختہ چلائیں کنیزانِ خوش اعمال   کیا ہو گیا ان کو ارے کھلواؤ کوئی فال
ایک ہو کے کھڑی جھلنے لگی آنکھوں پہ رومال (۷۶)   سہلانے لگی تلوے کوئی مضطر و بے حال

اسپند کیا ایک نے رخساروں کے اوپر
اک نادِ علیؑ پڑھنے لگی مصحفِ رُو پر

بکھرا کے کوئی بال نجف کو یہ پکاری   اے میرے جناب شہ مرداں تیرے واری
للہ بچانا کہ محبت ہے یہ تمہاری (۷۷)   مولا تم ہی سنتے ہو برے وقت ہماری

گھبرائے ہوئے سوئے نجف جاتی تھی کوئی
شیشہ لئے زمزم کا چلی آتی تھی کوئی

قرآں پہ کوئی وار کے لے آتی تھی پانی   اور منہ پہ چھڑکتی تھی بصد اشک فشانی
ایک دیکھتی تھی ہاتھوں سے نبضوں کی روانی (۷۸)   اک کہتی تھی بشرے سے ہے صحت کی نشانی

غش بند کو آیا تھا قیامت یہ بپا تھی
بے ہوشی عابدؑ کی نہ پرسش نہ دوا تھی

غش سے جو کھلی آنکھ کیا اس نے اشارا   خاموش رہو صاحبو سننے دو خدارا
پھر کان لگائی سوئے زنداں جو قضارا (۷۹) کیا سنتی ہے وہ عاشقِ شبیرؑ دوبارا
زندان میں تو ہائے حسیناؑ کی صدا ہے
دروازے پہ واقرۃ عینا کی صدا ہے

جی میں کہا دو بی بیوں کا شور و بکا ہے   زندان میں ماتم ہے جدا در پہ جدا ہے
ہاتف نے ندا دی کہ دو عالم میں عزا ہے (۸۰) بیرونِ خرابہ سرِ شاہِ شہداؑ ہے
زندان میں ہمشیر ہے دروازے پہ ماں ہے
وہ نوحہ ہے زینبؑ کا یہ زہراؑ کی فغاں ہے

یہ سنتے ہی پرزا کیا ہر خلعت زرتار   پھینکا کہیں تاج اور کہیں موتیوں کے ہار
چلائی مرے ہاتھوں کو باندھو پئے غفار (۸۱) زہراؑ کی گنہ گار ہوں زینبؑ کی گنہ گار
اس بے خبری پر کوئی کاٹے میرے سر کو
زندان میں زینبؑ ہے میں آئی نہ خبر کو

ایماں ہوا برباد عبادت ہوئی بیکار   اب آج سے کہیو نہ مسلماں مجھے زنہار
کیسی میں کنیز خلف حیدرِ کرار (۸۲) آقا کا ہوا واقعہ میں روئی نہ اکبار
نعرہ نہ کیا ہائے حسینؑ ابن علیؑ کا
کس منہ سے پڑھوں گی کلمہ اب میں نبیؐ کا

دنیا کے نہ پردے پہ رکھے اب مجھے اللہ   زینبؑ ہوئی بے پردہ میں پردے میں رہی آہ
زندان میں ہوں صاحبِ ماتم حرم شاہ (۸۳) ایوان میں جشن کا ساماں کروں میں واہ
آکر نہ گروہ حرم پاک میں مل جاؤں
غارت ہوں میں اللہ کرے خاک میں مل جاؤں

میں کہتی تھی کیا ہے سبب جشن خوشی کا   سوسوگ تھا امت میں یہ فرزند نبیؐ کا
سنتی تھی کہ جنگل میں جلا خیمہ کسی کا (۸۴) وہ گھر تھا میری فاطمہؑ کا میرے علیؑ کا
جل جائے گھر آقا کا تاسف نہ کروں میں
بجلی گرے گر مجھ پہ تو اب اف نہ کروں میں

جب لونڈیاں قدموں پہ گریں اور ہوئیں گویا　کچھ خیر ہے بی بی تمہیں فرماتی ہو یہ کیا
تم عرش پہ لکھی ہوئی ہو عاشق زہراؑ (۸۵)　قرآن اٹھالیں یہ خوشامد نہیں حاشا

خاوندوں کے آداب سے خاموش ہیں بی بی
تقصیر معاف آپ ابھی بیہوش ہیں بی بی

فرمائیے بی بی کو ابھی کس نے بچایا　ہم نے نجفِ پاک سے حیدرؑ کو بلایا
مولا کے قدم آئے تو ہوش آپ کو آیا (۸۶)　کون آپ کے فرزند کا سر کاٹ کے لایا

ہے ختم شجاعت وصی ختم رسلؐ پر
غالب ہوئے شامی پسرِ غالب کل پر

فہمیدہ ہو خود تم نہیں سمجھانے کے قابل　سیدانیاں اس شام کے ویرانے کے قابل
توبہ رسن ان بیکسوں کے شانے کے قابل (۸۷)　یہ بات نہیں آپ کے فرمانے کے قابل

زندان میں ناموس امام مدنی ہے
ہے ہے نہ یہ ارشاد کرو بدشگنی ہے

کیا منہ جو کوئی ہاتھ اٹھائے شہؑ دیں پر　حکم ان کا ہے لوح و قلم و عرش بریں پر
ٹکڑے کیا نانا نے قمر چرخِ مبیں پر (۸۸)　اور باپ نے کاٹا پر جبرئیل زمیں پر

مغرب سے پھرا شمس اشارے سے علیؑ کے
اندھیر بھی پھر جائیں جو پیارے سے علیؑ کے

پیارا تھا نبیؐ کو یہ نبی زادہ تمہارا　اس پیارے نواسے سے نہ بیٹا کیا پیارا
منصف ہو تمہیں عقل یہ کرتی ہے گوارا (۸۹)　اس پیارے کو ان کے کلمہ گویوں نے مارا

آہن میں بھی یارا نہیں اس بے ادبی کا
کس تیغ کی قدرت کہ جگر کاٹے نبیؐ کا

ہے ہے شہِ دیں کہہ کے یہ رونا ہے قیامت　تم سلمہ اللہ کہو ہیں وہ سلامت
اب حضرت شبیرؑ کا ہے عہدِ امامت (۹۰)　ظاہر ہے اسیروں پہ جو مولا کی کرامت

نام ان کا یہ لیتے ہیں کہ دل غم سے حزیں ہے
آجائیں مدینے سے تو کچھ دور نہیں ہے

خوش ہو کے وہ بے آس پکاری کہ خدا ہے   خالق کرے یوں ہی ہو جو کچھ تم نے کہا ہے
زنداں کو چلو دیکھیں وہاں حادثہ کیا ہے   (۹۱) اتنا تو کھلا مجھ پہ کہ بند ان پہ غذا ہے
گر یہ خبرِ صحتِ مولا نہیں دیں گے
ہم کل سے خبر قیدیوں کے کھانے کی لیں گے

یہ کہکے پیادہ چلی زندانِ ستم کو   چھوڑا وہیں ڈنکے کو سواری کو حشم کو
دربان ڈرانے لگے واں اہلِ حرم کو   (۹۲) تو اب تو بھلا روؤ شہنشاہِ امم کو
بد خواب ہوئی غصے میں گھر سے نکل آئی
یہ ہند نہیں آتی تمہاری اجل آئی

لائے نہ بلا سر پہ یہ تم بیٹھے بٹھائے   جو ڈرا کئے ہم ہاتھ نہ تم دھیان میں لائے
اب روؤ نصیبوں کو کہ چھٹنے بھی نہ پائے   (۹۳) روتے تھے جسے اس سے کہو آکے بچائے
مقتل کی طرح لاشوں سے زنداں کو بھریں گے
بچوں کو بھی اور تم کو بھی یہ قتل کریں گے

دل بچوں کا ننھا سا دھڑکنے لگا اس آن   قالب میں سکینہؑ کے تو باقی نہ رہی جان
جلد آنسوؤں کو پونچھ کے بولی یہ وہ نادان   (۹۴) اماں یہاں کون آتا ہے کیا کہتے ہیں دربان
ناحق یہ غریبوں پہ خفا ہوتے ہیں اماں
ہم تو یہاں چلا کے نہیں روتے ہیں اماں

ناحق ہمیں جو چاہے وہ دے رونے کا الزام   لو دیکھ لو آنکھیں کہیں آنسو کا نہیں نام
گو لیٹی ہوں میں بند کئے آنکھوں کو ناکام   (۹۵) پر درد سے کانوں کے نہ ہے نیند نہ آرام
میں تو نہیں ڈرتی ہوں قضا سے نہیں ڈرتی
یاں کی ہے وہ خلقت کہ خدا سے نہیں ڈرتی

اب لوگ یہ چرچا کریں گے تا بہ قیامت   سب کنبہ ہوا قتل سکینہؑ کی بدولت
روئی جو پدر کو تو مٹی نسلِ امامت   (۹۶) ہے ہے مرا لکھا ہوا کہنا مری قسمت
اے کاش فقط ایک گلا میرا قلم ہو
میرے لئے کنبے پہ نہ بیداد و ستم ہو

اب قتل کی اعدا نے یہ تدبیر نکالی کچھ اور نہ تھا رونے کی تقصیر نکالی
خونریزیِ سادات پہ شمشیر نکالی (۹۷) تقصیر نے اور رونے کی تقدیر نکالی
اب بھی نہیں گردوں کے طبق ہٹتے ہیں لوگو
اس شہر میں رونے پہ گلے کٹتے ہیں لوگو

بھیّا کی غریبی پہ میں نہوراتی ہوں اماں بیمار کے سر کٹنے کا غم کھاتی ہوں اماں
اب تو میں نہ روتی ہوں نہ چلاتی ہوں اماں (۹۸) بخشیں مری تقصیر میں سو جاتی ہوں اماں
پوچھیں جو کہیں ہند کہ روتی ہے سکینہؑ
تم کہیو سرِ شام سے سوتی ہے سکینہؑ

ان باتوں سے دھڑکا جو ہوا اہلِ حرم کو چلّائی علمدارؑ کو اور شاہِ اممؑ کو
حلقے میں لیا عابدِؑ محبوسِ ستم کو (۹۹) گھبرا نے دھرا زانوں پہ بھائی کے قدم کو
بانو نے لیا گود میں نازوں کے پلے کو
بیمار کی گردن پہ رکھا اپنے گلے کو

عابدؑ نے کہا چپکے سے سیدانیو کیا ہے ہاں ذبح کا میرے تمہیں وسواس ہوا ہے
حصّے میں میرے تیغ نہیں زہرِ دغا ہے (۱۰۰) کیا جانے کوئی کیا مری قسمت میں لکھا ہے
ننھی سی یہاں قبر بنانی ہے بہن کو
میّت ابھی ہاتھوں پہ اٹھانی ہے بہن کو

عابدؑ کہاں مرتا ہے ابھی صاحبِ ماتم چالیسؔ برس گذریں تو بابا سے ملیں ہم
کیوں کرتی ہو ہم قتل نہیں ہونے کو اس دم (۱۰۱) دیکھو تو ابھی ہوتے ہیں کیا کیا قلق و غم
ہے زندگی باقی ابھی مجھ سوختہ تن کی
جہلم کو بنانی ہے لحد شاہِ زمن کی

یہ ذکر تھا جو ہند وہاں آئی پہ بے ہوش عابد سے کہا بانو نے واری گئی خاموش
اک ایک کے پیچھے ہوا پھر خوف سے روپوش (۱۰۲) بچے تو یہ سمجھے کہ ہوئی پیاس فراموش
منہ ڈھانپ لیے خوف سے کرتوں کو الٹ کر
اور سانس نہ لی بیبیوں کے سینے سے لپٹ کر

سب لونڈیوں کو ہند نے مڑ کر یہ سنایا　　تم سمجھیں کہ معصوموں نے کیوں منہ کو چھپایا
زندان میں جو آیا انہیں اس نے سنایا (١٠٣)　　اس بچپنے میں سر سے اٹھا باپ کا سایا
کرتوں کے تلے نور چمکتا ہے جبیں پر
کس برج کے یہ چاند ہیں زنداں کی زمیں پر

یوں ان ہی اسیروں میں تھیں وہ زینب ذیشان　　جس طرح خفی اور جلی معنیِ قرآں
یا جیسی عیاں اور نہاں حکمتِ یزداں (١٠٤)　　خود شرم سے شمع ہوئی ہر حال پریشاں
گلدستۂ سادات میں پیدا بھی نہاں بھی
جس طرح سے بو پھولوں میں مخفی بھی عیاں بھی

دیکھا جو بغور ان کو تو چلائی یہ رو رو　　اب تو مرا وسواس بہت بڑھ گیا ہے لو
زینبؑ مری آنکھوں کے تلے پھر گئی لوگو (١٠٥)　　الجھ کر کہا زینبؑ سے کہ مشتاقوں سی بولو
یہ عرش زمیں پر ہے کہ تم خاک نشیں ہو
سلمان و ابوذر کی خوزادی تو نہیں ہو

ہمسایے کو ہمسایہ بہت ہوتا ہے پیارا　　یاں آپ ہیں زنداں میں ادھر گھر ہے ہمارا
اب ہائے حسینؑا جو وظیفہ ہے تمہارا (١٠٦)　　یہ کون ہے تم لوگوں کا بتلاؤ خدارا
میں صاحبِ ایماں ہوں مجھ سے نہ ڈرو تم
چاہو تو میرے گھر میں قدم رنجہ کرو تم

آنکھوں پہ میری سر پہ مرے پاؤں تمہارے　　حاکم میرا سر تن سے اتارے تو اتارے
یہ بچے جو تھرا رہے ہیں خوف کے مارے (١٠٧)　　کس شمع کے یہ شعلے ہیں کس چاند کے تارے
دھڑکوں میں یہاں ننھا سا دل ان کا پھٹے گا
شب خیر سے گذرے گی تو کل دن نہ کٹے گا

وہ بولی کہ ہمسائگیٔ شاہ و گدا کیا　　جب غیر کے بس میں ہوئے ایذا کا گلا کیا
شیروں کو اجل کھا گئی بچوں کو قضا کیا (١٠٨)　　فرزند جواں قتل کئے ہم نے کہا کیا
نے فرش کے قابل ہیں نہ ایوان کے قابل
رہنے دو کہ ہم ہیں اسی زندان کے قابل

ان حالوں سے تو قصر میں لے جائیگی ہم کو مسند پہ کھلے بالوں سے بٹھلائیگی ہم کو
کیا کہتی ہے واللہ حیا آئیگی ہم کو (۱۰۹) مانے گا نہ جی لاکھ تو سمجھائیگی ہم کو
یاں خاک اڑاتی ہوں وہاں ہاتھ ملوں گی
زندان میں تقدیر کو کیا چھوڑ چلوں گی

زندان ہے گھر لوگ تماشے کو بہم ہیں جس رتبے کے لائق تھے اسی رتبے پہ ہم ہیں
اک غم ہو تو بتلائیں ہزاروں ہمیں غم ہیں (۱۱۰) حاجی ہیں ہم اور حاجی کعبہ کے حرم ہیں
آفت میں پڑے وارثوں سے چھٹ گئے بی بی
حج کرنے کو نکلے تھے سو ہم لٹ گئے بی بی

شبیرؑ ہیں حلال مہمات کے پیارے جو دکھ میں پڑے اس کو سوا کس کو پکارے
وارث نہیں کوئی یہی وارث ہیں ہمارے (۱۱۱) ہوویں گے وسیلے ہیں غریبوں کے سہارے
یثرب کے سوا اور عزیز اپنے کہاں ہیں
محکوم ہم ان کے یہ امامِ دو جہاں ہیں

اس ذکر کو پھر قطع کیا اور یہ پکاری ہاں بی بی عرض تم سے ہے یہ ایک ہماری
آتی ہیں تماشے کو یہاں لونڈیاں ساری (۱۱۲) اور ہنستی ہیں سن سن کے وہ ہم لوگوں کی زاری
تم چشم نمائی کرو اس ظلم و ستم پر
رونے پہ نہ روئیں تو ہنسیں بھی وہ نہ ہم پر

زہراؑ کی قسم کھا کے وہ منصف ہوئی گویا کل دیکھیو اس ہنسنے پہ وہ روتی ہیں کیسا
اب کہیے کس اقلیم میں ہے مسکن و ماوا (۱۱۳) فرمایا وہی شہر جہاں رہتی ہیں زہراؑ
وہ بولی کہ تفریح دم نوحہ گری دی
قربان میں اس منہ کے عجب خوش خبری دی

ہاں کہیے تو کس طرح ہے اس شہر کا والی شبیرؑ امام مدنی سیدِ عالی
یارب کہیں زہراؑ کا بھرا گھر ہو نہ خالی (۱۱۴) آسودہ ہیں مولا کے اہالی و موالی
آزار تو کوئی نہیں پہنچاتا ہے بی بی
ان کے در دولت پہ ولید آتا ہے بی بی

اب کون اذاں دیتا ہے مسجد میں نبیؐ کی — یاں دھوم ہے ہمشکل رسولؐ عربی کی
بخشی ہے خدا نے اُسے آواز علیؑ کی (۱۱۵) اللہ کو مقبول اذاں ہوگی اسی کی
اکبرؑ پہ عجب لطفِ قدیر ازلی ہے
روئے شہ لولاک ہے آواز علیؑ ہے

فرمایئے جاگیر کھلی خیر النساءؑ کی — آیا فدک اب ملک میں شاہِ دوسرا کی
موقوف ہوئی فاقہ کشی آلِ عباؑ کی (۱۱۶) ہمشیر تو اچھی ہے شہ ارض و سما کی
شادی میرے آگے ہوئی تھی فضل خدا سے
اب نام خدا کیسے ہیں حیدرؑ کے نواسے

زینبؑ نے کہا یاد تو ہے حال یہ سارا — پر سُن تو خلاصہ کہ نہیں طول کا یارا
جب قافلہ حج کے لئے نکلا تھا ہمارا (۱۱۷) تھا خیر سے بی بی اسد اللہ کا پیارا
مجرائی بھی آسودہ تھے اور شاہِ زمن بھی
اس روز تو بھائی بھی سلامت تھا بہن بھی

اس سے تو یہ فرمایا پہ جی میں کہا رو کر — بھائی کا گلا کٹ گیا جیتی رہی خواہر
یک دفعہ جھکیں لونڈیاں سجدے کو برابر (۱۱۸) اور ہند سے کی عرض کہ آیا تمہیں باور
تو زیب دہ تخت امامت ہے خوزادے
بی بی کو مبارک ہو سلامت ہی خوزادے

خوش ہو کے وہ زینبؑ کے قریب اور بھی آئی — اور بولی کہ لو تم کو مبارک ہو رہائی
تم نے مرے مولاؑ کی خبر مجھکو سنائی (۱۱۹) مرنے پہ تھی میں ہولوں سے مری جان بچائی
نائب تمہیں اپنا پئے سادات کروں گی
ہمراہ ہر اک تحفہ و سوغات کروں گی

گہوارۂ زریں علی اصغرؑ کے لئے ہے — یاقوت کے خاتم علی اکبرؑ کے لئے ہے
اک تحفہ علم ثانی حیدرؑ کے لئے ہے (۱۲۰) دُر کان کا شبیرؑ کی دختر کے لئے ہے
پر لائق سرورؑ کوئی سوغات نہیں ہے
سو جان بھی ایمان بھی نذر شہ دیں ہے

زینبؑ کے قدم دیکھنے کی روز دعا ہے — پازیب میں ہوں آنکھوں کے حلقے تو بجا ہے
سنتی ہوں کہ سادات میں اک بیاہ ہوا ہے — (۱۲۱) نتھ چوڑیاں کشتی میں جو بھیجوں تو روا ہے
اللہ بہو والی ہو ایراں کی خوزادی
خط آئے مدینے سے کہ اکبرؑ کی ہے شادی

کل تم جو مع الخیر ہو یثرب کو روانہ — پہلے مرے آقا کی سرکار میں جانا
اک ایک کو سب نذر کا اسباب دکھانا — (۱۲۲) منہ چوم کے اصغر کو علی بند پہنانا
الفت ہے برابر مجھے سادات عرب کی
لینا مری طرف سے بلائیں وہاں سب کی

گر حضرت بانو سے جدا شاہ کو پانا — لونڈی کی زبانی یہ قسم کھا کے سنانا
ہے میرے عقیدے کا خدا عالم و دانا — (۱۲۳) للہ گنہگار کو دوزخ سے بچانا
نہ ہے کوئی میرا نہ سمجھتی ہوں کسی کو
اللہ کو جانا ہے بس اور آلِ نبیؐ کو

پھر پوچھنا کہ اے ہم وطنِ سید ذیشاں — تم سیف الٰہی سے بھی واقف ہوں میں قرباں
وہ بولی کہ عباسؑ شبیہ شہِ مرداں — (۱۲۴) خوش ہو کے کہا ہند نے بس بس وہی ہاں ہاں
کہیو کہ بڑے لاڈلے شبیرؑ کے ہو تم
وعدہ تو شفاعت کا مری بھائی سے لو تم

نعلین پہ زینبؑ کے جھکا دیجیو سر کو — دینا مرا پیغام یہ اس نیک سیر کو
لونڈی کبھی یاد آئی نہ زہراؑ کے جگر کو — (۱۲۵) تم سے یہ توقع نہ تھی مجھ سوختہ بر کو
لونڈی نے تمہیں واسطہ شبیرؑ کا لکھا
خط لکھو نہ تم یہ مری تقدیر کا لکھا

گو نامہ و پیغام ہے دستور جہاں کا — مطلب تھا مگر اس میں یہ مجھ سوختہ جاں کا
ہو تا رہے معلوم تمہیں حال یہاں کا — (۱۲۶) بدخواہ زمانہ ہے شہنشاہ زماں کا
حاکم کو عداوت ہوئی زہراؑ کے خلف سے
کان اس کے بھرے لوگوں نے سرورؑ کی طرف سے

کچھ سوچ کے پھر لونڈیوں کو واں سے ہٹایا　　اور چپکے سے یہ دخترِ زہراؑ کو سنایا
زینبؑ سے یہ کہنا کہ برا وقت ہے آیا[۱۲۷]　　اللہ رکھے شیعوں پہ شبیرؑ کا سایا
ہر لحظہ بلا رد ہو حسینؑ ابن علیؑ کی
آقا کو میرے ضامنِ اللہ و نبیؐ کی

مدت سے یہ مکار جہت لائے وغا ہے　　کیا جانئے کیا عاملوں کو اس نے لکھا ہے
یہ حیلۂ قتلِ شہِ دیں ڈھونڈ رہا ہے[۱۲۸]　　زہراؑ کی کمائی کا نگہبان خدا ہے
زینبؑ سے یہ کہنا قسم فاطمہؑ دے کر
جانا نہ مدینے سے کہیں بھائی کو لے کر

اب رنگ یہاں اور ہے بھائی سے خبردار　　فکرِ ستم و جور ہے بھائی سے خبردار
ہر شورہ بے طور ہے بھائی سے خبردار[۱۲۹]　　غارت گروں کا دور ہے بھائی سے خبردار
ماں باپ کی دولت پہ زوال آنے نہ دینا
حضرت کو مدینے سے کہیں جانے نہ دینا

یہ سنتے ہی غش آگیا زینبؑ کو قضا را　　سجادؑ بھی تڑپے نہ رہا ضبط کا یارا
چلائے کہ خاموش ہو اے ہند خدارا[۱۳۰]　　حاکم نے ترے حاکمِ کونین کو مارا
تصویرِ حسینیؑ بھی ملی خاک میں ہندہ
کوئی نہ رہا پنجتنِ پاک میں ہندہ

ہے ہے کسے زینبؑ نہ نکلنے دے وطن سے　　بھائی تو جدا ہو گیا جنگل میں بہن سے
یثرب بھی چھٹا گھر بھی چھٹا شاہِ زمن سے[۱۳۱]　　سر کی بھی جدائی ہوئی ماجا کے بدن سے
زینبؑ نہ وطن میں ہے نہ شبیرؑ وطن میں
سر ننگے یہ زنداں میں ہے بے گور وہ رن میں

پہلے سے یہ لکھ بھیجے یہ اخبار غضب کے　　یثرب سے پدر نکلے مہینے میں رجب کے
شعبان میں مہمان تھے حرم کعبۂ رب کے[۱۳۲]　　عاشور کو جنگل میں گلے کٹ گئے سب کے
واقف نہیں تو قتلِ شہِ جن و ملک سے
اس شہر میں کیا خوں نہ برسا تھا فلک سے

یہ دیکھ تڑپتی ہے تیرے سامنے جو اَب   زینبؑ ہے زینبؑ ہے زینبؑ ہے زینبؑ
آلودہ ہے خونِ علی اکبرؑ سے جبیں سب   (۱۴۳) یہ درجہ پیمبرؐ کی نواسی کا ہے یارب
دنیا میں وسیلہ نہ ہمارا رہا کوئی
بیکس ہوئی زینبؑ نہ سہارا رہا کوئی

تب پہلوئے زینبؑ میں وہ گر کر یہ پکاری   ہے ہے مری مخدومۂ کونین کی پیاری
چلائی کنیزوں کو دمِ نالہ و زاری   (۱۴۴) اب تم نے سنا مٹ گئی سرکار ہماری
تم پیٹو میرے بال پریشاں کرو لوگو
زینبؑ یہی نکلی مجھے قرباں کرو لوگو

چلائیں کنیزیں کہ سعادت ہے ہماری   سچ کہتی ہو بی بی یہی بی بی ہے تمہاری
کھاؤ تو قسم پنجتن پاک کی واری   (۱۴۵) یہ حضرت زینبؑ ہے یداللہ کی پیاری
نانا کو اسی بی بی کے معراج ہوئی ہے
ہے ہے نہ کہو یہ تو کوئی کنبہ موئی ہے

شانوں میں رسن پاؤں میں زنجیر کو دیکھو   چھلتا ہے گلا طوقِ گلوگیر کو دیکھو
اس عصر میں سیدانی کی توقیر کو دیکھو   (۱۴۶) زندان کو اور خواہرِ شبیرؑ کو دیکھو
مجرا کرو خاطر کرو عزت کرو لوگو
آؤ میری بی بی کی زیارت کرو لوگو

بخشی تھی قطار اونٹوں کی حیدرؑ نے گدا کو   اس عہد میں زینبؑ ہوئی محتاج ردا کو
کیا بھول گئے لوگ پیمبرؐ کے خدا کو   (۱۴۷) پہچانی خوب ان کی شباہت کو صدا کو
ہودج میں نہ محمل میں نہ ایوان میں دیکھا
کونین کی شہزادی کو زندان میں دیکھا

ان باتوں سے زینبؑ پہ رعشہ ہوا طاری   باہر سرِ شہ نیزے پہ تڑپا کئی باری
زینبؑ بھی سرِ شاہ کی جانب یہ پکاری   (۱۴۸) للہ گواہی دو میں ہوں کون تمہاری
اب لوگ ہمیں آپ کی خواہر نہیں کہتے
زنداں میں جو ہوں دخترِ حیدرؑ نہیں کہتے

آیا سرِ دیوار، سرِ انورِ شبیرؑ — گویا ہوئے فوراً یہ لبِ اطہرِ شبیرؑ
واللہ نبیؐ زادی ہے یہ خواہرِ شبیرؑ (۱۳۹) — یہ خواہرِ شبیرؑ ہے اور میں سرِ شبیرؑ
صورت سے ملائے کوئی شبیرؑ کی صورت
ملتی ہے بہت بھائی سے ہمشیر کی صورت

پس ہند نے اٹھ کر سرِ پرخوں کی بلائیں — زینبؑ سے کہا آپ ہی اب سر کو اٹھائیں
اب حال حضورِ اکبرؑ و اصغرؑ کا سنائیں (۱۴۰) — وہ بولی کہ سب مر گئے کیا تجھ کو بتائیں
ہدیوں کے لئے تو نے جو سکے دیئے ہیں
شوہر نے تیرے نذر میں سر انکے لئے ہیں

بھیجے گی کس اکبرؑ کو انگوٹھی تو وطن میں — میں نے جسے پالا تھا وہ مارا گیا بن میں
انگشتریِ احمدؐ کی لئے خشک دہن میں (۱۴۱) — سوتے ہیں وہ پہلوئے شہنشاہِ زمن میں
اٹھنے نہیں دیتی ہے جسے چوٹ جگر کی
یہ بانو ہے وائے میرے بن بیاہی پسر کی

اصغرؑ کو اب نہ چاہیے جھولا نہ علی بند — وہ باپ کے ہاتھوں سے ہوا خاک کا پیوند
اب کون علم لے کے بھلا ہوئے گا خورسند (۱۴۲) — کٹوا گیا تیغوں سے علمدارؑ کا ہر بند
بے رحموں نے توڑا اگر شاہِ امم کو
ٹھنڈا کیا دریا پہ پیمبرؐ کے علم کو

جس لڑکی کے ہے رسی بندھی ہاتھوں میں کنگنا — کبرا ہے یہ کبرا ہے یہ کبرا ہے یہ کبرا
نتھ چوڑیاں بھیجے گی کسے یہ تو ہے بیوا (۱۴۳) — بھائی کے یتیموں کو نہیں دُر کی تمنا
مشہور جو شبیرؑ کی بیٹی ہے سکینہؑ
یہ بیڑیوں کے فرش پہ بیٹھی ہے سکینہؑ

پھر تو سرِ پرخوں کی طرف دوڑی وہ دکھیا — دیوار تلے بیٹھ کے منہ پر لیا سیلا
چلائی کہ اے اکبرِؑ ناشاد کے بابا (۱۴۴) — لونڈی علی اکبرؑ کی تمہیں دیتی ہے پرسا
بخشو مری تقصیر بڑی میں نے خطا کی
زندان میں کچھ خدمتِ زینبؑ نہ ادا کی

اب پاؤں میں ظالم کے محل میں نہ دھروں گی رو رو کے تمہارے لیے جنگل میں مروں گی

دم سینے میں جب تک ہے دم سرد بھروں گی (۱۴۵) زہرا کی ندا آئی میں امداد کروں گی

جو روئے گا سیدانی کے مظلوم پسر کو

ساتھ اس کے نبیؐ روینگے میں پیٹوں گی سر کو

غش ہو گئیں سیدانیاں زہرا کی صدا سے اب حشر ہے محفل میں دبیر آہ و بکا سے

ہو ملتمس ارواحِ امامانِ ھُدا سے (۱۴۶) لِلّٰہ سفارش کرو اب ربِّ عُلا سے

جاری میرے عصیاں پہ معافی کا قلم ہو

دفتر میں شہیدوں کے میرا نام رقم ہو

مرثیہ ۳

جب لالۂ شفق نے دکھائی بہارِ صبح (۱) پھیلا جہاں میں رنگِ گلِ شاخسارِ صبح
برپا ہوا جو غلغلۂ اقتدارِ صبح بیدار خواب شب سے ہوا تاجدارِ صبح
پرچہ پڑھا نجوم و قمر کی شکست کا
نورِ سحر کو حکم دیا بند و بست کا

یہ صولتِ سحر سے بڑھا اضطرارِ شب مشکل ہوا زمانے میں اک دم قرارِ شب
بڑھ کر شفق نے لوٹ لیا زرنگارِ شب (۲) بیدارِ خوابِ شب سے ہوا تاجدارِ شب
گھیرا ضیائے صبح نے یہ شش جہالت کو
بے ظلمتِ عدم نہ ملا چین رات کو

گو منزلوں ابھی شہ زریں کلاہ تھا پر حال یاں ستاروں کی صف کا تباہ تھا
یوں بے فروغ چہرۂ گردوں پہ ماہ تھا (۳) زنگی کے رخ پہ دانۂ خالِ سیاہ تھا
تیرِ شہاب سہم کے فوراً نہاں ہوا
تھرا کے سرنگوں علمِ کہکشاں ہوا

بوئے بہشت آتی تھی بادِ نسیم سے گویا جہاں میں آئی تھی باغِ نعیم سے
عنبر کی بو خجل تھی گلوں کی شمیم سے (۴) شبنم کے در خوش آب تھے دُرِ یتیم سے
ایسی ہوا موافق گلزار ہو گئی
جو تندرست نرگس بیمار ہو گئی

تازہ کیا نسیم سحر نے چمن کا رنگ لالہ مٹا رہا تھا عقیق یمن کا رنگ
تھا یاسمن کے پھولوں میں درِ عدن کا رنگ (۵) غنچہ کی بو سے اڑتا تھا مشکِ ختن کا رنگ
کھل کھل کے پھول نافوں کی صورت مہکتے تھے
ذکرِ خدا میں مرغِ خوش الحان چہکتے تھے

مشغول تھے عبادتِ حق میں خدا پرست سر سجدۂ نیاز میں تسبیح زیبِ دست
شورِ اذاں سے خاطرِ ناقوس تھی شکست (۶) دیندار ہوشیار تھے اربابِ کفر مست
صف صف تھے مسجدوں میں نمازی کھڑے ہوئے
بے ہوش بتکدوں میں برہمن پڑے ہوئے

سرشار خوابِ غفلتِ دنیا سے تھے نابکار　　بڑھ بڑھ کے جو نقیبوں نے کی ہر طرف پکار
اے شامیو اٹھو کہ ہوئی صبح آشکار (۷)　　بدمست خواب مست سے چونکے سب ایکبار
منہ ہاتھ دھوئے اور کمر باندھنے لگے
کھولے نشاں تیغ و سپر باندھنے لگے

واں صف کشی کی دھوم تھی تا آسماں بلند　　یاں تھا خدا کی فوج میں شورِ اذاں بلند
تھا خیمۂ حرم میں خروشِ فغاں بلند (۸)　　سوئے فلک تھے دستِ امامِ زماں بلند
کہتے تھے تو کریم ہے بندہ نواز ہے
پروردگار ذات تیری کارساز ہے

شاکر ہوں تیری لطف و عنایت کا اے کریم　　تو نے دیا ہے رتبہ امامت کا اے کریم
حاشا نہیں غرورِ شجاعت کا اے کریم (۹)　　اقرار ہے قصورِ عبادت کا اے کریم
آیا ہوں یاں کہ شیعوں پہ سر کو فدا کروں
اقرار جو ازل سے کیا ہے ادا کروں

آگے مرے شہید ہو لشکر قبول ہے　　ٹکڑے ہوں میرے خویش و برادر قبول ہے
اکبرؑ ہو قتل اور علی اصغر قبول ہے (۱۰)　　گردن ہو میری شمر کا خنجر قبول ہے
تن خاک پر ہو سر میرا نوکِ سناں پہ ہو
اور شکر ذوالجلال کا میری زباں پہ ہو

لٹ جائے راہِ حق میں مرا گھر خوشی یہ ہے　　چھن جائے دونوں بہنوں کی چادر خوشی یہ ہے
بلوہ اور بانوئے مضطر خوشی یہ ہے (۱۱)　　کنبا پھرے سفر میں کھلے سر خوشی یہ ہے
قید شدید ہو مرے دلبر کے واسطے
زخمی ہو کان بیٹی کے گوہر کے واسطے

آدم کا جس قلق میں رکا دم مجھے ملے　　ایوبؑ پر گراں ہوا جو غم مجھے ملے
جس دکھ میں سب سے صبر ہوا کم مجھے ملے (۱۲)　　جس زخم کا کہیں نہ ہو مرہم مجھے ملے
مثل ذبیح میری شہادت پسند ہو
فدیہ حسینؑ کا نہ مگر گوسفند ہو

مشغول اس طرح تھے مناجات میں امام　　ہمشکلِ مصطفیٰؐ نے جو آکر کیا سلام
کی عرض ہے یہ عرضِ علمدارِ نیک نام (۱۳) بڑھ بڑھ کے کھولتی ہے علم رن میں فوجِ شام
مصروف صف کشی میں عمر کی سپاہ ہے
کیا خادموں کو حکم شہِ دیں پناہ ہے

فرزند سے اشارہ سے بولے شہِ امم　　عباسؑ سے کہو نہ بڑھانا ابھی قدم
ہاں سب کو ایک جا کرو اور کھول دو علم (۱۴) دیتے ہیں صف کشی کا ابھی حکم آکے ہم
تسبیحِ فاطمہؑ کو ادا کر کے آتا ہوں
سجدے میں شکرِ فضلِ خدا کر کے آتا ہوں

یہ سن کے نکلے خیمے سے ہمشکلِ مصطفیٰؐ　　حکمِ امامِ عصر چچا سے بیاں کیا
عباسؑ نے کہا جو رضائے شہِ ھُدا (۱۵) پھر کھولا سقہ نے علم شکرِ خدا
آ آ کے سرفروش برابر بہم ہوئے
مجرے کو آفتاب کے اختر بہم ہوئے

کیا کیا رفیق شاہ نے پائے تھے لاجواب　　اک ایک آسمانِ شرافت کا آفتاب
انجم شکوہ صدر مکان و فلک جناب (۱۶) جوزا عنان و برق سمند و قمر رکاب
ہیبت سے ان کی شیرِ فلک بیقرار تھا
مجمع پہ ان کے عقدِ ثریا نثار تھا

خوش خُلق و خوش بیان و خوش اعمال و خوش خصال　　ذی علم و ذی فراست و ذی قدر و ذی کمال
بے شر و بے کدورت و بے عیب و بے مثال (۱۷) باخیر و بامروت و باوضع و باجمال
خصلت جو قدسیوں کی تو صورت بشر کی تھی
بو سب میں عطرِ الفتِ خیر البشر کی تھی

شیر افگن و دلاور و جرار و صف شکن　　رستم سے چھین لیتے ہیں وہ معرکے میں رن
زور آور و بہادر و کرار و تیغ زن (۱۸) مور ضعیف سامنے تھا ان کے پیل تن
اک ایک دیو گیر تھا ضیغم شکار تھا
بے معرکہ انہیں سے تہمتن فرار تھا

کہتا ہے تول کر کوئی شمشیر آبدار آئے تو یہی کہ چھین لیں میدان کارزار
کہتا ہے کوئی بڑھ کے یہ اکبرؑ سے بار بار (۱۹) کب تک کریں امام کے آنے کا انتظار
مثل امام آپ بھی مالک ہمارے ہیں
مشتاق اذن تابع فرماں تمہارے ہیں

کہتا ہے کوئی چوم کے عباسؑ کے قدم مصروف ہیں جو شاہ عبادت میں کیا ہے غم
رن کی طرف حضور بڑھیں لے کے اب علم (۲۰) دیکھیں تو آپ کرتے ہیں کیا کام آج ہم
لاکھوں کا ایک حملے میں منہ پھیر دیتے ہیں
کس طرح ان سے طبل و علم چھین لیتے ہیں

ایک نے کہا یہ بڑھ کے مناسب تو ہے حضور بڑھیے تو اک قدم کہ گھٹے فوج کا غرور
کہتا ہے ہاتھ جوڑ کے یہ کوئی ذی شعور (۲۱) کافی ہے حکم آپ کا بڑھنا نہیں ضرور
حضرت کا نام لے کے جو حملہ کرے غلام
مردوں سے رن تو روحوں سے دوزخ بھرے غلام

زیر علم عزیزوں کے گلدستے کی بہار طوبیٰ کے سایے میں چمن خلد آشکار
بو باس وہ کہ عطر جناں جس پہ ہو نثار (۲۲) دل کھل رہے تھے شوق شہادت سے غنچہ وار
کوئی تھا سبز پوش کوئی سرخ پوش تھا
مرنے کی آرزو تھی شجاعت کا جوش تھا

عہد شباب میں کوئی ناشاد نامراد دولھا بنا ہوا کوئی فکر اجل میں شاد
طالب عروس مرگ کا تھا کوئی خوش نہاد (۲۳) سن میں تھا نو برس کا کوئی کم کوئی زیاد
دس گیارہ سال کا کوئی اٹھارہ سال کا
کیا باغ تھا کھلا ہوا ہاشمؑ کی آل کا

عباسؑ جھومتے تھے لئے دوش پر علم اکبرؑ نگاہ کرتے تھے خیمے پہ دم بدم
قاسمؑ یہ کہہ رہے تھے کہ آ لیں شہؑ امم (۲۴) پہلے سبھوں سے لیں گے رضا آج رن کی ہم
مسلمؑ کے لال کہتے تھے فرصت نہ دیں گے ہم
اس فوج سے قصاص پدر آج لیں گے ہم

اور اک طرف کو حضرت زینبؑ کے لالہ فام قہر و غضب سے کرتے تھے آپس میں یہ کلام
دیکھیں کہاں تلک یہ غرورِ سپاہِ شام (۲۵) کس دن محل سے ہوں گے برآمد شہِ انام
بھائیں اٹھاؤ گھوڑوں کی تیغیں نکال لو
جب تک امام آئیں انہیں دیکھ بھال لو

مطلع ۔ جس دم ادا نمازِ سحر کی امامؑ نے تاجِ نبیؐ سے زینت سر کی امامؑ نے
زیب کمر حسام پدر کی امام نے (۲۶) مرنے پہ چست اپنی کمر کی امامؑ نے
رخصت طلب کی خواہر ناشادکام سے
گھبرا کے وہ لپٹ گئی پائے امامؑ سے

کہتی ہے صدقے آپ کے خواہر نہ جائیے مرجاؤں گی تڑپ کے برادر نہ جائیے
بےکس بہن کو چھوڑ کے باہر نہ جائیے (۲۷) بہر خدا برائے پیمبرؐ نہ جائیے
غربت پہ بےکسی پہ مری رحم کیجئے
جس سمت جائیے مجھے ہمراہ لیجئے

شہؑ کہتے ہیں کہ صبر کرو صبر اے بہن ہوگا وہی جو چاہے گا معبود ذوالمنن
ہم قتل ہوں گے اور حرم قیدیِ رسن (۲۸) کہتی ہے وہ غضب کا ہے یہ رنج یہ محن
افسوس آپ منع کریں میں بکا کروں
قابو میں دل نہیں ہے برادر میں کیا کروں

پھر ان کا سر قدم سے اٹھایا حسینؑ نے ہمشیر کو گلے سے لگایا حسینؑ نے
کچھ ہوش میں بہن کو جو پایا حسینؑ نے (۲۹) جامہ بھی اسلحہ بھی منگایا حسینؑ نے
پوشاک پہنی اسلحہ زیبِ بدن کیا
قصد طواف بارگہہ ذوالمنن کیا

فضہ سے بڑھ کے زینبؑ مغموم نے کہا بیٹے مرے کہاں ہیں بلالے انھیں ذرا
اتنے میں بڑھ کے دونوں نے تسلیم کی ادا (۳۰) فرمایا حال کچھ کہو فوجِ یزید کا
کی عرض صف کشی ہے علم ہیں کھلے ہوئے
حضرت سے جنگ پر ہیں مخالف تلے ہوئے

فرمایا کس قدر ہے سپاہِ ستم شعار — کی عرض ہاتھ جوڑ کے بے حد و بے شمار
پوچھا تمہارے ماموں کے کتنے ہیں دوستدار — (۳۱) رو کر کہا کہ ستّو سے بھی کم ہیں رفیق دیار
فرمایا کیا ارادہ ہے کیا ان کا حال ہے
بولے ہر اک نثارِ شہِ خوش خصال ہے

فرمایا خیر آج تمہارا ہے قصد کیا — کی عرض یہ حضور نے ارشاد کیا کیا
ہم ہیں ازل سے فدیۂ سلطانِ کربلا — (۳۲) مرنے کی آرزو ہمیں جینے سے ہے سوا
کم سن تو ہیں پہ جنگ سے خوف و خطر نہیں
شبیرؑ سے عزیز ہمیں جان و سر نہیں

فرمایا ہے یہی مرے دل کی بھی آرزو — وہ بات کیجیو کہ رہے نام و آبرو
پیارو بغور سن لو ہماری یہ گفتگو — (۳۳) جاتے ہیں بہرِ جنگ شہنشاہِ نیک خو
ہاں ساتھ جاؤ دونوں برادر امام کے
آنے نہ پائے غیر برابر امام کے

ہنگامہ حرب و ضرب کا جس وقت ہو بپا — پہلے ہر اک سے لینا تمہیں جنگ کی رضا
جانا بہم اڑاتے ہوئے دونوں بادپا — (۳۴) گہ وردِ لب ہو نادِ علیؑ گاہ لافتا
حملے دکھائیو شہِ دلدل سوار کے
رُخ پھیر دیجیو سپہِ نابکار کے

یوں بڑھ کے وار کیجیو پیارو دمِ جدال — جس سے عیاں ہو حیدرؑ و جعفرؑ کی چال ڈھال
چن چن کے سرکشوں کے بدن کرنا پائمال — (۳۵) اور نام کا بزرگوں کے ہر دم رہے خیال
ٹل جائے کوہ فوجِ ضلالت شیم ہٹے
ہر معرکے میں بڑھ کے نہ پیچھے قدم ہٹے

میں نے اسی لیے ہے تمہیں پرورش کیا — کیا کہہ رہی ہوں تم نے سنا یا نہیں سنا
گر اس میں فرق آیا تو کہتی ہوں برملا — (۳۶) صورت بھی نہ دیکھوں گی میں غم کی مبتلا
آنے نہ دوں گی آلِ پیمبرؐ کے سامنے
شکوہ کروں گی حشر میں داور کے سامنے

پہلے تو اس کلام پہ دونوں وہ تھرتھرائے　پھر ہاتھ جوڑ کے یہ سخن وہ زباں پہ لائے
ٹکڑے بدن ہو تیغوں سے سر جائے جان جائے (۳۷)　کیا دخل جو حضور کے کہنے میں فرق آئے
سر دیں گے ہم قدم پہ شہ مشرقین کے
رکھوا لو ہاتھ سر پہ جناب حسینؑ کے

فرمایا باور آیا نہیں حاجت قسم　پھر آئیں لے کے دونوں کو پیش شہِ امم
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے وہ کشتۂ الم (۳۸)　حاضر ہیں یہ غلام شہنشاہِ باکرم
فدیہ ہیں یہ حضور کے اور جاں نثار ہیں
سب سے رضا کے پہلے یہ امیدوار ہیں

یہ سن کے شہؑ نے سینے سے ان کو لگا لیا　جنگاہ کو چلا وہ دو عالم کا پیشوا
... ھی اٹھانے کو پردہ بصد بکا (۳۹)　زینبؑ کے پیارے نکلے یہ دیتے ہوئے صدا
مجرائیو! قریب اب آمد ہے شاہ کی
آئیں صفیں سمٹ کے حسینی سپاہ کی

مجرے کے مہتمم ہوئے عباسؑ نامور　غازی نے غازیوں کو کیا جمع سر بسر
آکر پرا جما دیا دربارگاہ پر (۴۰)　نکلے در خیام سے سلطان بحر و بر
مجرائیوں کے خم سرِ تسلیم ہو گئے
استادہ نہ فلک پے تعظیم ہو گئے

چمکا جو آفتابِ رخِ ابن بوترابؑ　نکلا افق سے مجرے کو تھرا کے آفتاب
خدام نے کیا سوئے اصطبل یوں خطاب (۴۱)　ہاں لاؤ اسپ خاص رسولؐ فلک جناب
آیا عجب شکوہ سے مرکب حضور کا
سرعت پری کی چال میں رخ صاف حور کا

کچھ بڑھ کے ذوالجناح پہ سرور ہوئے سوار　تسلیم کر کے ثانی حیدرؑ ہوئے سوار
قاسمؑ اِدھر اُدھر علی اکبرؑ ہوئے سوار (۴۲)　زینبؑ کے دونوں لال برابر ہوئے سوار
گھوڑوں پہ شہسوار برابر جو چڑھ گئے
پیدل بھی باندھ کے غول آگے بڑھ گئے

رن کو سواریِ شہ گردوں حشم چلی شوکت حشم دکھاتی ہوئی ہر قدم چلی
اور فتح چومتی ہوئی تیغ دو دم چلی (۴۳) جرأت بھی جھومتی ہوئی زیرِ علم چلی
اقبال چومتا تھا قدم راہوار کے
غل تھا ظفر کا ساتھ ہوں میں ذوالفقار کے

پہونچے جو رزمگاہ میں سلطان خاص و عام عباسؑ صف کشی کا لگے کرنے اہتمام
حجت کے ختم کرنے کو آگے بڑھے امامؑ (۴۴) یکدفعہ حملہ ور ہوئی فوجِ امیرِ شام
حجّت کے ختم کرنے کا ارمان رہ گیا
دردا! پچاس پیاسوں کا خوں رن میں بہہ گیا

بے جان جب رفیق امام امم ہوئے خیمے میں سوگوار نبیؐ کے حرم ہوئے
سبطِ نبیؐ اسیر ملال و الم ہوئے (۴۵) زینبؑ کے دونوں لاڈلے تصویرِ غم ہوئے
کہتے تھے ماموں جان کے یاور گزر گئے
کیا والدہ کہیں گی نہ ہم پہلے مر گئے

آخر نہ تاب آئی بڑھے کھینچ کر حسام اکبرؑ نے پاس آکے یہ ان سے کیا کلام
سبقت کرو نہ جنگ میں بے مرضی امامؑ (۴۶) ناگاہ آکے حرنے ادب سے کیا سلام
دستِ ادب میں دامن مولاؑ لئے ہوئے
تقصیر بخشواتا تھا سر خم کئے ہوئے

بخشی خطا جو شہ نے تو اذنِ وغا لیا لڑ بھڑ کے باغ خلد کا پھر راستا کیا
سر دے کے سب نے منصب قرب خدا لیا (۴۷) اصحاب نے بھی بارِ شہادت اٹھا لیا
شبیرؑ ہاتھ رکھے دل پاش پاش پر
جاتے تھے ایک ایک مصاحب کی لاش پر

جب گلشنِ عقیلؑ بھی پامال ہو چکا شہؑ کے قدم پہ گر پڑے زینبؑ کے مہ لقا
رو کر کہا امامؑ نے پیارو یہ کیا کیا (۴۸) بولے تڑپ تڑپ کے رضا دیجئے رضا
اماں سے کہکے آئے تھے مولا کے سامنے
جائیں گے پہلے ہم صفِ اعدا کے سامنے

مہماں ہوا فدا یہ نہ ہم کو رضا ملی لشکر نے کی قضا پہ نہ ہم کو رضا ملی
اک اک نے کی وغا پہ نہ ہم کو رضا ملی (۴۹) سب کو ملی رضا پہ نہ ہم کو رضا ملی

اب بھی ملے جو اذن تو سر کو فدا کریں
حق والدہ کے دودھ کا ہم بھی ادا کریں

کمسن سمجھ کے ہم کو جو ملتی نہیں رضا دیدیجئے جو حکم تو پھر دیکھئے مزا
کس کس کو مارا کتنے تن و سر کئے جدا (۵۰) شمرؑ و عمرؑ کو بڑھکے نہ ٹوکا تو لطف کیا

نانا کا نام لے کے جو باگیں اٹھائیں گے
مردہ کریں گے زندوں کو جیتے نہ آئیں گے

چھاتی لگا کے دونوں کو حضرت نے یوں کہا ماموں تمہاری جرأت و ہمت پہ ہو فدا
میں تو ہزار چاہتا ہوں دیدوں تمہیں رضا (۵۱) پر دل کسی طرح نہیں راضی کروں میں کیا

فرقت تمہاری دل سے اٹھائی نہ جائے گی
ہمشیر کی کمائی لٹائی نہ جائے گی

سب بہنوں میں عزیز ہے زینبؑ مجھے سوا ان کو رلاؤں غم میں تمہارے یہ ہے روا
منت نہ بار بار کرو تم پہ میں فدا (۵۲) بالفرض دل پہ جبر کیا دی تمہیں رضا

رن کو جو تم بڑھوگے تو ہم ساتھ جائینگے
خواہر کے منہ سے پر نہ خجالت اٹھائینگے

کی عرض ان کی عین خوشی ہے کہ ہوں فدا پھر کیا تامل آپ کو ہے اے شہِ ہدا
فرمایا رو کے پھر تمہیں جلدی ہے ایسی کیا (۵۳) اکبرؑ شہید ہولیں تو تم مانگیو رضا

موقع اگر ہوا تمہیں رخصت کریں گے ہم
ورنہ بہن کو سونپ کے تم کو مریں گے ہم

سنتا تھا یہ کہ بولے تڑپ کر وہ گلعذار اکبرؑ ہوں قتل آنکھوں سے دیکھیں یہ جاں نثار
یہ حادثہ غضب کا نہ دکھلائے کردگار (۵۴) ارشاد یہ حضور نہ فرمائیں بار بار

بھائی ہمارے آگے سر اپنا کٹائیں گے
لے کربلا خوزادہ کی ہم مر نہ جائیں گے

یہ کہکے منہ سے منہ کو ملا اور رو دیا پھر پھر کے گرد مانگی رضا اور رو دیا
بوسہ قدم پہ شہ کے دیا اور رو دیا[55] حضرت نے کچھ نہ منہ سے کہا اور رو دیا
مایوس سب طرح سے جو وہ خستہ جاں ہوئے
بے ساختہ خیام کی جانب رواں ہوئے

ہونے لگے جو خیمے میں داخل وہ باوفا زینبؑ کو طیش آگیا فضہؑ کو دی صدا
جاان سے کہدے اب تمہیں اس گھر سے کام کیا[56] کیا خوب میرے بھائی پہ پہلے ہوئے فدا
اب تک گئے نہ خلد میں خیر البشرؐ کے پاس
آؤ نہ ماں کے پاس سدھارو پدر کے پاس

زینبؑ کا یہ کلام ہوا گوش زد جو ہیں سینے میں کانپنے لگا ان کا دل حزیں
ڈر ڈر کے دور سے یہ پکارے وہ مہ جبیں[57] اے والدہ کچھ اس میں ہماری خطا نہیں
سنتے ہی اس کے بنت علیؑ تھرتھرا گئیں
غصہ تو تھا یہ اور بھی غصے میں آگئیں

قہر و غضب کے ساتھ پکاریں یہ کیا کیا میری خطا ہے اس میں تمہاری نہیں خطا
میں نے کہا تھا ماموں پہ ہونا نہ تم فدا[58] میں نے کیا تھا منع نہ تم کیجیو وغا
میرا یہ حکم تھا کہ نہ میداں میں جائیو
میں نے دیا تھا اِذن کہ تم زندہ آئیو

پہلے اسی لئے تمہیں آگاہ کر دیا پچھلے سے دودھ بخش کے مرنے کی دی رضا
پھر اس پہ کہتے ہو کہ ہمارا قصور کیا[59] زینبؑ کا دودھ پی کے نہ وعدہ وفا کیا
سمجھے عزیز جان کو جانِ رسولؐ سے
اب کیا تمہیں علاقہ ہے بنت بتولؑ سے

اب میں تمہاری ماں ہوں نہ تم میرے دلربا میرا ہے وہ عزیز جو بھائی پہ ہو فدا
اب تک جو تم ہوئے نہ نثار شہِ ہدا[60] آلِ نبیؐ کے سامنے مجھکو خجل کیا
یہ پھل اٹھایا آہ تمہیں پال پوس کے
رہ جاتی ہوں میں اپنا کلیجا مسوس کے

ان باتوں کے سوا یہ حمیت کا تھا مقام
اپنے پرائے آج کریں معرکے میں نام

اور ہو کے بھلے بچے نہ ہو تم فدیۂ امامؑ
(۶۱) چرچا کریں گے حشر تلک اب یہ خاص و عام

رن میں فدا حسینؑ پہ چھوٹے بڑے ہوئے
جعفرؑ کے پوتے معرکے سے ہٹ کھڑے ہوئے

فرما رہی تھیں غیظ میں یہ بنت مرتضاؑ
جو آئے رن سے خیمے کے اندر شہ ہُدا

گر کر قدم پہ بھانجوں نے رو کے یہ کہا
(۶۲) آخر حضور بنت علیؑ ہو گئیں خفا

منہ ان کا سرخ دیکھ کے ہم تھرتھراتے ہیں
اس وقت سامنے بھی نہیں جانے پاتے ہیں

بتلائیے حضور ہماری خطا ہے کیا
رخصت کو بار بار نہیں آپ سے کہا

رخصت ملی جو ہم نہ ہوئے آپ پر فدا
(۶۳) بولے گلے لگا کے شہنشاہِ کربلا

الفت میں ہوش میری بہن کے بجا نہیں
آؤ ہمارے ساتھ تمہاری خطا نہیں

پھر سامنے بہن کے انہیں لے گئے امامؑ
ہمشیر کو گلے سے لگا کر کیا کلام

بڑھتے تھے ہر گھڑی سوئے میداں یہ لالہ فام
(۶۴) رو کا ہے اے بہن انہیں میں نے ہی تھام تھام

ان پر خفا نہ ہو کہ خطا سے بری ہیں یہ
صادق ہیں باوفا ہیں غیور و جری ہیں یہ

دونوں نے ہاتھ باندھے قدم پر جھکایا سر
ہم نے کسی طرح نہ رضا دی انہیں مگر

زینبؑ نے پوچھا کہ سبب اے شاہ بحر و بر
(۶۵) فرمایا ان کے داغ پہ راضی نہیں جگر

بے درد کیا سمجھتی ہو ہمشیر بھائی کو
کیونکر تلف کروں میں تمہاری کمائی کو

یہ سن کے بس تڑپ کے پکاری وہ خستہ تن
بہر خدا نہ کہیئے گا پھر منہ سے یہ سخن

ان کو رضا ملی نہیں اے سرور زمن
(۶۶) غیرت سے کانپ کانپ کے مر جائیگی بہن

یہ کہکے روتے روتے جو خاموش ہو گئی
گر کر قدم پہ شاہ کے بے ہوش ہو گئی

گھبرا کے خود بھی بیٹھ گئے شاہ خاک پر
زانو پہ رکھ کے سر کو پکارے بچشم تر
لو اذن بھانجوں کو دیا تھام کر جگر
(۶۷) اٹھو بہن کہ رن کو رواں ہوتے ہیں پسر[1]
موقع یہی ہے صبر کا یاں دل کو تھام لو
اٹھو ہمارے فدیہ کا زینبؑ سلام لو

غش میں سنی بہن نے جو بھائی کی یہ صدا
اٹھ بیٹھی فرشِ خاک پہ وہ غم کی مبتلا
لے کر بلائیں بھائی کی بیٹوں سے یوں کہا
(۶۸) لو واری اب تو جاؤ کہ حضرت نے دی رضا
ناحق کیا عتاب یہ ماں عذر خواہ ہے
صادق ہو تم حسینؑ سا عادل گواہ ہے

سر کو جھکا کے پاؤں پہ بولے وہ ذی شعور
ہم خادموں کے مالک و مختار ہیں حضور
یہ غصہ عین لطف تھا عذر اس کا کیا ضرور
(۶۹) اب جانا اماں جان نے خادم ہیں بے قصور
کیا خوب یہ عتاب تھا جو مدعا ملا
حضرت سے سب کے سامنے اذن وغا ملا

وہ بولیں جاؤ حفظِ خدا میں تمہیں دیا
بانو نے بڑھ کے زینبِ رنجور سے کہا
ناحق ہوئی تھیں دونوں دلیروں سے تم خفا
(۷۰) بڑھ کر گلے لگا لو کہ نزدیک ہے قضا
بولیں خلافِ عہد عمل میں نہ لاؤں گی
لاشیں جب آئیں گی تو گلے سے لگاؤں گی

تسلیم آخری کو جھکے دونوں مہ لقا
حسرت سے ماں کو دیکھ کے میداں کا رخ کیا
فرطِ قلق سے ماں نے کلیجہ پکڑ لیا
(۷۱) اور پیچھے پیچھے روتے چلے شاہِ کربلا
برجِ خیام سے جو وہ اختر نکل پڑے
غل تھا کہ درجِ نور سے گوہر نکل پڑے

در پر سجے سجائے کھڑے تھے جو راہوار
حضرت نے لے کے گود میں ان کو کیا سوار
قاسمؑ یہ بولے داہنے بائیں سے ہوشیار
(۷۲) اکبرؑ پکارے جاؤ نگہباں ہے کردگار
عباسؑ نے کہا کہ نظر چار سو رہے
تلوار چلتی پھرتی سپر روبرو رہے

---

[1] نسخۂ دیگر۔ لو ہوشیار ہو کہ رواں ہوتے ہیں پسر

ہاں شہسوار طبع عنانِ زباں سنبھال   لکھ دونوں غازیوں کے سمندوں کی چال ڈھال
وہ چال ڈھال جس سے سمند فلک نڈھال[ل] (۷۳)   ایمان سربلند ہے اور کفر پائمال
یکتاءِ روزگار یہ دو راہوار ہیں
گردش میں ان کے کادوں سے لیل و نہار ہیں

یکتا یہ دونوں رخش ہوئے روزگار میں   وہ موجِ آب جو ہے یہ نکہت بہار میں
وہ قاف میں پری تو یہ آہو تتار میں (۷۴)   دریا میں وہ نہنگ یہ ضیغم کچھار میں
شعلہ ہے یہ لپک میں وہ بجلی چمک میں ہے
ہر ایک رشکِ حور نگاہِ ملک میں ہے

وہ ہے قمر رکاب تو جوزا عناں یہ ہے   سرعت کا وہ قدم ہے تو نبضِ رواں یہ ہے
دلدل کی ہے وہ روح تو رفرف کی جان یہ ہے (۷۵)   رفعت میں گر وہ کوہ ہے تو آسماں یہ ہے
حملے میں اس کے پیل دماں مر کے گر پڑے
نعرے سے اس کے شیر ژیاں مر کے گر پڑے

گردش میں یہ قمر ہے تو وہ آفتاب ہے   پرواز میں یہ رشک ہما وہ عقاب ہے
آمد میں ہے وہ برق سا تو یہ سحاب ہے (۷۶)   وہ قوتِ شباب یہ حسنِ شباب ہے
جاتا ہے وہ ہوا پہ تو یہ لامکان ہے
پھرتا ہے یہ زمیں پہ تو وہ آسمان ہے

لی ہاتھ میں خوزادوں نے باگیں جوان کی چست   رن کو چلے وہ شیر سے سج دھج کئے درست
فتح و ظفر پکاری ہوئے ہم تو تندرست (۷۷)   ایماں کا دل بحال تھا اور قلبِ کفر سست
گھوڑے رواں تھے واں پہ جو کبک دری کی طرح
ظل خدا تھا فرق پہ چترِ زری کی طرح

آمد ہے فوجِ ظلم پہ قہر و عتاب کی   ہلتی ہے قبر رستم و افراسیاب کی
رنگت زوال میں ہے مہ و آفتاب کی (۷۸)   آواز ہے بلند یہ ہر شیخ و شاب کی
بھاگو کہ جان بچنے کی صورت یہاں نہیں
اک حملے میں زمیں نہیں آسماں نہیں

ل نسخۂ دیگر ۔ ٹھوکر سے جن کی تھا سر گردوں بھی پائمال

بولی زمیں یہ تہلکہ اے آسماں ہے کیا   گردوں لرز کے بولا کہ محشر عیاں ہے کیا
محشر پکارا غل یہ میانِ جہاں ہے کیا (۷۹)   بولا جہاں عیاں ہے مقام بیاں ہے کیا

رن کانپتا ہے عرش و فلک تھرتھراتے ہیں
جعفرؑ کے ورثہ دار لڑائی کو آتے ہیں

اللہ رے جلالتِ سبطینِ مرتضےٰؑ   ذی روح ہیں سکوت کے عالم میں جابجا
صحرا سے شیر، شیروں سے صحرا ہوا جدا (۸۰)   آہو سے نافہ، نافہ سے بُو ہے گریز پا

منہ سے کلیجے سینے سے دم نکلے آتے ہیں
جانوں کو چھوڑ چھوڑ کے تن بھاگے جاتے ہیں

قیصر کا دل لرزتا ہے ایواں لرزتا ہے   کسریٰ کا طاق تخت سلیماں لرزتا ہے
توران کانپتا ہے تو ایران لرزتا ہے (۸۱)   ہے زلزلہ یمن میں بدخشاں لرزتا ہے

ڈر کر عرب عجم میں عجم سب عرب میں ہے
آئینہ کیا کہ دل بھی شکستہ حلب میں ہے

فق ہو گیا یہ چہرۂ پیر و جواں کا رنگ   باغِ جہاں دکھاتا ہے فصلِ خزاں کا رنگ
بدلا ہوا ہے گلشنِ نہ۹ آسماں کا رنگ (۸۲)   اڑتا ہے بوئے گل کی طرح بوستاں کا رنگ

پژمردگی سے پھولوں کی صورت بدل گئی
نکہت صبا کے ساتھ چمن سے نکل گئی

دریا میں موج موج تلاطم سے ہے آشکار   مچھلی ہے زیر آب مگر جاں سے ہے بے قرار
بے ساختہ نہنگ اچھلتے ہیں بار بار (۸۳)   موتی میں آب آب صدف ہے جگر فگار

اندھیر دیکھ کر یہ خضر کائنات میں
چھپ بیٹھے جا کے ظلمتِ آبِ حیات میں

کرّوبیان عرش بریں تھرتھراتے ہیں   میکال دیکھتے ہیں زمیں تھرتھراتے ہیں
سدرہ پہ جبرئیل امیں تھرتھراتے ہیں (۸۴)   علیٰ مثال مہر مبیں تھرتھراتے ہیں

محو نظارہ ہیں ملک الموت دُور سے
اور بے خبر کھڑے ہیں اسرافیل صور سے

پہنچے زمیں پہ رن کی جو وہ آسماں جناب ہیبت سے پڑ گیا دل اعدا میں اضطراب
کچھ بھاگے کچھ گرے کوئی ڈوبا میانِ آب (۸۵) بعضوں نے جان بوجھ کے ان سے کیا خطاب
حمزہؑ ہیں آپ یا کہ ہیں جعفرؑ بتائیے
یا ہیں جناب حیدرؑ و شبرؑ بتائیے

فرمایا ہنس کے عمِ پیمبرؐ نہیں ہیں ہم جعفر کے ورثہ دار ہیں جعفرؑ نہیں ہیں ہم
حیدرؑ کے ہم نواسے ہیں حیدرؑ نہیں ہیں ہم (۸۶) شبیرؑ ہمارے ماموں ہیں شبرؑ نہیں ہیں ہم
ہم فخرِ انبیاءؐ کی نواسی کے لال ہیں
اور جاں نثارِ سیدِ عالی خصال ہیں

نے نے غلط غلط ہے یہ تھا فخر کا مقام اکبرؑ پسر ہیں ان کے ہم اکبرؑ کے ہیں غلام
پر کہتے ہیں یہ تم سے ہم اے ساکنانِ شام (۸۷) دل میں نہ یہ سمجھیو کہ لشکر ہو اتمام
چڑھ چڑھ کے منہ پہ آتے ہو دیکھو بھلا نہیں
شیروں سے خالی بیشۂ شیرِ خدا نہیں

فضلِ خدا سے باقی ہیں وہ شیر صف شکن ہلتے ہیں جن کے نام سے روئیں تنوں کے تن
قیصر سے باج لیتے ہیں رستم سے بڑھ کے رن (۸۸) قاسمؑ شجاعِ عہد جگر گوشۂ حسنؑ
گر غیظ میں یہ تیغ کو کھینچیں نیام سے
تم یاں سے اور یزیدِ لعیں بھاگے شام سے

ضرغامِ بیشۂ اسدِ شیرِ کبریا سیف اللہ بازوئے شاہنشۂ ہدا
زور آور و بہادر و جرار و باوفا (۸۹) عباسؑ حاملِ علمِ لشکرِ خدا
غصے سے اس جری کی جو ابرو پہ بل پڑے
دیکھیں جو شیر کو تو کلیجا نکل پڑے

جانِ جہاں رسولؐ جمال و فرشتہ خو گلدستۂ ریاضِ محمدؐ کی رنگ و بو
ہمشکلِ مصطفیٰؐ دل و جانِ شہِ نکو (۹۰) رستم کی کیا مجال جو ہو ان کے روبرو
گر طیش میں علم وہ حسام دو سر کریں
دو ٹکڑے آفتاب و قمر کی سپر کریں

ہم کو تو ان شجاعوں سے نسبت بھلا ہے کیا   لیکن یہ تم سے کہتے ہیں اے فرقۂ جفا
صحبت انہیں دلیروں کی ہم کو رہی سدا[91]   کیا سام کا ہے منہ جو کرے اپنا سامنا
ہم گل ہیں گلشنِ شہِ دلدل سوار کے
یہ نیمچے ہمارے ہیں پھل ذوالفقار کے

قہر و غضب میں آکے جو گھوڑوں کی لیں لگام   اک بھائی روم چھین لے اور ایک ملک شام
طیش و جلال میں جو بڑھیں کھینچ کر حسام[92]   حاکم کو ایک ایک کرے فوج کو تمام
دل میں نہ یہ سمجھنا کہ ہم بھوکے پیاسے ہیں
جعفرؑ کے پوتے اور علیؑ کے نواسے ہیں

وہ بولے شاہزادو یہ سب راست ہے بیاں   مشہور ہے شجاعوں میں ہاشم کا خاندان
رخ سے تمہارے شان علیؑ صاف ہے عیاں[93]   ہوں ہم نبرد تم سے ہمیں تاب ہے کہاں
عباسؑ سے نہ قاسمؑ اکبرؑ سے کام ہے
ہم کو فقط حسینؑ کے اک سر سے کام ہے

یہ سن کے تھرتھرا گئے وہ عاشقِ امام   آیا جلال سرخ ہوا روئے لالہ فام
پڑتے ہی ہاتھ تیغوں نے خالی کئے نیام[94]   لے کر علیؑ کا نام اٹھائے جو خوشخرام
یوں اک چمک گری سپہِ نابکار پر
شیر گرسنہ جیسے جھپٹ کر شکار پر

پھر تو سرو ہیوں نے یہ محشر بپا کیا   اس نے بدن کے پرزے سر اس نے اڑا دیا
پہلو پہ ایک ایک نے سینے پہ دم کیا[95]   شہ رگ کا اک نے ایک نے دل کا لہو کیا
راکب کو اک گرا کے گئی صاف زین پر
مرکب کو اک اڑا کے در آئی زمین پر

چمکی یہ مثل برق، وہ برسی مثالِ ابر   یہ رہبر عدم ہوئی وہ رہنمائے قبر
وہ کلۂ نہنگ تو یہ پنجۂ ہزبر[96]   دو کرنے میں نہ اس کو تامل نہ اس کو صبر
تحت الثریٰ میں یہ وہ سوئے لامکاں گئی
آگے خبر نہیں یہ کہاں وہ کہاں گئی

راہِ سقر بتاتی تھی سیدھی یہ روح کو — بڑھ بڑھ کے وہ اٹھاتی تھی طوفان نوح کو
چل پھر کے کھولتی تھی یہ باب فتوح کو (۹۷) — برش نے اس کی سکتے میں ڈالا تھا روح کو
برپا کیے تھی شور یہ نہر فرات پر
وہ موجزن تھی چشمۂ آبِ حیات پر

ہیبت سے اس کی لرزہ میں خورشید خاوری — ضربت سے اس کی زرد رخ چرخ عنبری
برش سے اس کی قاف میں بے ہوش تھی پری (۹۸) — جوہر سے اس کے قوم بنی جاں کو تھرتھری
رویئں تنوں کے تن پہ وہ بجلی سی گرتی تھی
یہ قہرِ قہر فکر تہمتن میں بھرتی تھی

شاہوں سے اس نے تاج لیے اس نے سر لیے — پریوں سے اس نے دم لیے اور اس نے پر لیے
سینوں سے اس نے دل لیے اس نے جگر لیے (۹۹) — صف صف پھری یہ فتح لیے وہ ظفر لیے
پیدل کے سر پہ چڑھ کے یہ بے حال کرتی تھی
گر گر کے وہ سواروں کو پامال کرتی تھی

زور آوروں سے زور وہ یک مشت لے گئی — یہ خسروؤں سے خاتم انگشت لے گئی
وہ بازوؤں سے زور زد و کشت لے گئی (۱۰۰) — شانوں سے مل کے یہ کمر و پشت لے گئی
پانی نے اس کے ملک سبا کو بہا دیا
اس کی ہوا نے تختِ سلیماں اڑا دیا

جب آئی وہ کڑک کے کلیجہ دھڑک گیا — سیمرغ روح تن کے قفس میں پھڑک گیا
چوپٹ ہوا سوار جو گھوڑا بھڑک گیا (۱۰۱) — گھبرا کے غول بھاگے جو پتا کھڑک گیا
خود بینی کا عدو کے یہ نقشہ مٹاتی تھی
آئینۂ حیات کی قلعی اڑاتی تھی

پہلو میں ابن سعد کے تھا ایک نابکار — بدشکل و بدلیاقت و بدوضع و بدشعار
اژدر خصال دیو نژاد و سیاہ کار (۱۰۲) — مکار و پُرفریب و ستمگار و بادہ خوار
تن میں زرہ تھی خود سر بے شکوہ پر
وہ زین پر مکیں تھا کہ اژدر تھا کوہ پر

فوج امیر شام میں نامی تھا بدگہر   یوں بڑھ کے اس سے کہنے لگا سعد کا پسر
لائے اگر تو کاٹ کے اس نوجواں کا سر[۱۰۳]   بھردوں ابھی میں لعل و گہر سے تیری سپر
اس کے سوا شجاعوں میں بھی جائے نام ہے
مغرور نے کہا کہ یہ میرا ہی کام ہے

بھالا سنبھالا اس نے بڑھا پھیر کے سمند   آیا حضورِ عونؑ بہادر وہ خود پسند
دست جری میں دیکھی جو تیغ قضا بلند[۱۰۴]   تھرائے مثل بید ستمگر کے بند بند
نیزہ بڑھا اُدھر سے ادھر تیغ چل گئی
تیری سناں میں کاٹ کے بوڑی نکل گئی

اس ضرب سے ہوا متحیر وہ کج ادا   تلوار لی نیام سے اور حملہ ور ہوا
رد کر کے اس کا وار بڑھا سبطِ مرتضیٰؑ[۱۰۵]   چمکی مثالِ شعلہ جو شمشیر برق زا
مغفر پہ بیٹھی سینہ و زیں سے گذر گئی
سر اس کا لے کے تا سرِ قاروں اتر گئی

دیکھا جو ابنِ سعدِ لعیں نے یہ ماجرا   گھبرا کے بولا فوج سے بے شرم و بے حیا
تنہا ابھی ہے گھیر لو وقفہ نہ دو ذرا[۱۰۶]   نوکِ سناں پہ بڑھ کے اٹھا لو تو ہے مزا
یوں گھیر لو اسے کہ نہ بچنے کی جا ملے
ایسا نہ ہو کہ بھائی سے پھر بھائی جا ملے

تنہا پہ حملہ ور ہوئی نو لاکھ اہلِ شر   یاں تیغ شعلہ بار سے اڑنے لگے شرر
تنہائی پر جو بھائی کی بھائی نے کی نظر[۱۰۷]   پہونچا اڑا کے اسپ کو مانند شیر نر
دو شیر مل کے ساتھ جھکے پھر تو فوج پر
یوں نیمچے رواں تھے کہ بحریں تھیں موج پر

یوں لڑ رہے تھے فوج سے سبطین مرتضیٰ   اور دیکھتے تھے دور سے سلطانِ کربلا
ہر وار پر یہ کہتے تھے شاباش و مرحبا[۱۰۸]   اکبرؑ صدا یہ دیتے تھے ہاں بھائی واہ وا
عباسؑ کہتے تھے کوئی ایسا لڑا نہیں
بس اے دلیرو ہوش کسی کے بجا نہیں

مضطر کھڑی تھی ڈیوڑھی پہ زینبؑ جگر فگار　　تسلیم مڑ کے کرتے تھے وہ سب کو بار بار
(۱۰۹) بی بی لیا خوزادوں نے میدانِ کارزار　　بانو پکاری فضہؓ نہ ہوں آپ بے قرار
تا روم و شام دھاک ہے ان بھوکے پیاسوں کی
دیتے ہیں سب دہائی علیؑ کے نواسوں کی

راضی ہوئے غلاموں سے اپنے شہ انام　　فرمایا بنت فاطمہؑ نے سُن کے یہ کلام
(۱۱۰) دونوں مدح کرتے ہیں اک ایک سے امام　　وہ بولی ہاں حضور یہ ہے شکر کا مقام
ہنس کر کہا دعا مری حق نے قبول کی
راضی ہوئی اب ان سے نواسی رسولؐ کی

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ قتل عام　　بانو پکاریں کیوں نہ رضامند ہوں امام
(۱۱۱) بولی وہ سر جھکا کے تفاخر کا ہے مقام　　پر دودھ کا حضور کے ہے یہ اثر تمام
بھابھی فقط اثر نہیں زینبؑ کے شیر کا
یہ فیض ہے درود جناب امیرؑ کا

آئے ہیں اس خیال سے یاں شاہِ کائنات　　حلالِ مشکلات ہے میرے پدر کی ذات
(۱۱۲) ایسا نہ ہو کہ بیٹی کی عزت پہ آئے بات　　کمسن ادھر نواسے اُدھر لاکھ بد صفات
آسان کی نواسوں پہ مشکل لڑائی کی
مشکل پڑی تھی بیٹی پہ مشکل کشائی کی

عاجز ہوئی مقابلہ سے واں سپاہ شام　　یاں کہہ رہی تھی بانو سے یوں خواہر امام
(۱۱۳) جب کچھ نہ بن پڑا تو یہ کرنے لگے کلام　　بھاگا سپر کو پھینک کے کوئی، کوئی حسام
شہزادو صلح شاہ سے ہم نے قبول کی
بس بس دہائی بنتِ جنابِ بتولؑ کی

مڑ مڑ کے سوئے خیمہ پکارے وہ گلعذار　　سب حیلہ جو رن میں یہ چلائے بار بار
(۱۱۴) اعدا سے ہم نے چھین لیا دشت کارزار　　اے خواہر جنابِ امام فلک وقار
ہر دم دہائی آپ کی دیتے ہیں کیا کریں
فرمائیے کہ صلح کریں یا وغا کریں

یہ کہہ رہے تھے وہ کہ گھٹی طاقت و تواں   زخموں کے منہ سے خون کی نہریں ہوئیں رواں
گرنے لگے جو گھوڑوں سے وہ ہو کے نیم جاں (۱۱۵) آواز دی کہ المدد اے شاہِ دوجہاں
پھر بند آنکھیں ہو گئیں خاموش ہو گئے
گھوڑوں سے گر کے خاک پہ بے ہوش ہو گئے

دوڑے یہ سن کے رن کی طرف شاہِ دوسرا   فضہ نے بڑھ کے در سے جو دیکھا یہ ماجرا
کہنے لگی وہ دل میں کہ ہے ہے یہ کیا ہوا (۱۱۶) چلائی آکے ڈیوڑھی پہ اے آلِ مصطفاؐ
جعفر کے گھر کی اہل جفا نے صفائی کی
ہے ہے میری خوزادی کی ضائع کمائی کی

یہ سن کے تھرتھرانے لگی بنتِ مرتضاؑ   پھر ضبط کر کے بولی کہ فضہ نہ غل مچا
مارے گئے پسر مرے احسانِ کبریا (۱۱۷) کہتے تو یہ کہا پہ جگر پر نہ بس چلا
یہ سمجھی وہ کہ زخم پہ جیسے نمک پڑے
روکا بہت پر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے

آخر نہ تاب آئی گری تھام کر جگر   واں پہنچے قتل گاہ میں سلطانِ بحر و بر
بیٹا بھتیجا بھائی تھا ہمراہ ننگے سر (۱۱۸) دیکھا پڑے ہیں دونوں ہم آغوش خاک پر
یوں بھانجوں کی لاشوں پہ شبیرؑ گر پڑے
اغلب تھا خاک پر فلکِ پیر گر پڑے

چھاتی لگا کے دونوں کو شفقت سے بار بار   ہونٹوں پہ ہونٹ رکھ کے پکارے کہ میں نثار
لو آنکھیں کھولو دیکھو میرے دل کا اضطرار (۱۱۹) اٹھو سوئے خیام چلو ماں ہے بے قرار
حسرت تمہارے دل میں جو ہے وہ بر آئے گی
ماں صدقے ہو گی اور گلے سے لگائے گی

رونے لگے پکار کے پھر شاہِ کربلا   غش میں سنی جو گریۂ شبیرؑ کی صدا
دونوں نے آنکھیں کھول کے تھرا کے یہ کہا (۱۲۰) آقا خدا کے واسطے یہ پرورش ہے کیا
سن لیں کہیں نہ والدہ اس شور و شین کو
ہوں گی خفا کہ رونے دیا کیوں حسینؑ کو

پھر ب ہوئے نہ وا یہ ہوا پیاس کا تعب لاشے اٹھا کے لے چلے سلطان تشنہ لب
شبیرؑ سے یہ عرض کی اکبرؑ نے بڑھ کے تب (۱۲۱) مارا انہیں دغا سے لعینوں نے بے غضب
کیا جا کے ہم پھپھی کو بھلا منہ دکھائیں گے
ہم قتل کر کے ان کے کشندوں کو آئیں گے

غش میں سُنی جو دونوں نے اکبرؑ کی یہ صدا ٹھہرا کے آنکھیں کھول کے بولے وہ مہ لقا
اب بھائی جان آپ نے یہ عزم کیا کیا (۱۲۲) ہم خادموں کی عرض بھی سن لیجئے ذرا
رن کی طرف پھپھی سے رضا لے کے جائیے
فدیوں کو اپنے گور و کفن دے کے جائیے

لاشوں کے ساتھ ساتھ نہ ہوں گے اگر جناب دیکھیں گی منہ ہمارے نہ بنتِ ابو تراب
آزردگی سے ان کی یہ اس دم ہے اضطراب (۱۲۳) مر کر کہیں غلاموں کی مٹی نہ ہو خراب
مانو ہماری عرض کہ بھائی تمہارے ہیں
بھائی تمہارے اور فدائی تمہارے ہیں

اکبرؑ پکارے تم ہو ہمارے دل و جگر اچھا چلو میں چلتا ہوں رو و نہ اس قدر
خیمے کو لاشے لے کے چلے شاہِ بحر و بر (۱۲۴) فضہ نے بڑھ کے زینبؑ بیکس کو دی خبر
کپڑے ہیں سرخ تیروں سے سینے چھنے ہوئے
بی بی خوز ادے آتے ہیں دولہ بنے ہوئے

فضہ یہ کہہ رہی تھی کلیجہ کو تھام تھام شہ پہونچے لاشے لے کے قریب درِ خیام
کچھ سوچ کر ٹھہر گئے واں سید انام (۱۲۵) رو کر کیا یہ اکبرؑ و عباسؑ سے کلام
لے جاؤ ان کو تم میری خواہر کے سامنے
ہم جائیں گے نہ زینبؑ مضطر کے سامنے

لاشوں کو لے کے خیمے میں آئے وہ رشکِ ماہ اہلِ حرم کا حال ہوا دیکھ کر تباہ
بنتِ علیؑ کی لاشوں پہ جس دم پڑی نگاہ (۱۲۶) سجدے میں جھک گئی جگرِ ضیغمِ اِلٰہ
بیٹوں نے ہاتھ اٹھائے جو تسلیم کے لئے
دے کر دعا کھڑی ہوئیں تعظیم کے لئے

پر پڑ گئی جو اکبرؑ و عباسؑ پر نظر ۔ دیکھا کہ دونوں روتے ہیں تھامے ہوئے جگر
چلائی اور تڑپنے لگی گر کے خاک پر (۱۲۷) اکبرؑ بتاؤ جلد برادر گئے کدھر

خیمے میں جو پھوپھی کی کمائی کو لائے ہو
مقتل میں کھو کے کیا مرے بھائی کو لائے ہو

لے جاؤ دونوں لاشیں مجھے ان سے کام کیا ۔ مجھکو کوئی عزیز نہیں بھائی کے سوا
مرجاؤں گی تڑپ کے میں اے ابنِ مرتضیٰؑ (۱۲۸) بھائی جواب دو مجھے بھائی کو کیا کیا

کھویا کہاں نشانِ علیؑ و بتولؑ کو
عباسؑ تم سے لوں گی میں سبطِ رسولؐ کو

غش کھا کے پھر زمیں پہ گری بنتِ مرتضیٰؑ ۔ کہرام اٹھا یہ خیمے میں زینبؑ نے کی قضا
گھبرا کے دوڑے خیمے کو مظلوم کربلا (۱۲۹) آئے جو صحنِ خیمہ میں دیکھا یہ ماجرا

لاشوں کے گرد بیویاں ہیں حلقہ کئے ہوئے
کلثوم گود میں تھی بہن کو لئے ہوئے

گھبرا کے پوچھا شاہ نے ہمشیر کیا ہوا ۔ بیٹوں کی لاشیں دیکھ کے کیا غش یہ آگیا
غش میں سنی جو شاہ کی زینبؑ نے یہ صدا (۱۳۰) جاں آگئی بدن میں پکاریں کہ میں فدا

کچھ غم نہیں جو قتل ہر اک لال ہو گیا
دیکھا نہ تھا جو آپ کو یہ حال ہو گیا

شہ بولے اے بہن مری الفت یہ کب تلک ۔ کی عرض ہاتھ جوڑ کے جیتی ہوں جب تلک
بولے گلے لگایا نہ لاشوں کو اب تلک (۱۳۱) تحسین کا سخن بھی نہ تم لائیں لب تلک

اٹھو گلے لگاؤ کہ لڑ بھڑ کے آتے ہیں
ہم دیکھنے کو عابدؑ مضطر کو جاتے ہیں

یہ کہکے پھر وہاں سے چلا حق کا وہ ولی ۔ تھرا کے اٹھی بنتِ علیؑ کہکے یا علیؑ
آئی جو پاس لاشوں کے زہراؑ کی لاڈلی (۱۳۲) وہ آہ کی کہ سب کے دلوں پر چھری چلی

پھر ہو سکا نہ ضبط دل پاش پاش سے
گر کر زمیں پہ لپٹی وہ دونوں کی لاش سے

شفقت سے بار بار گلے سے لگاتی تھی — لیتی تھی گہہ بلائیں کبھی صدقے جاتی تھی
آنکھوں سے آنکھیں ملتی تھی آنسو بہاتی تھی (١٣٣) بوسے لبوں کے لیتی تھی اور رنج کھاتی تھی
کہتی تھی واہ پیارو بڑا کام کر چلے
ماموں پہ صدقے ہو کے مرا نام کر چلے

ایسا تمہیں نہ جانتی تھی بنتِ مرتضیٰؑ — جی بھر کے تم کو پیار نہ میں نے کبھی کیا
جب چاہا بے قصور بھی تم کو گھڑک لیا (١٣٤) پیارو خدا کے واسطے بخشو مری خطا
جنت میں سامنا ہو جو اماں بتولؑ کا
شکوہ نہ ان سے کیجیو مجھ دل ملول کا

پوچھیں جو وہ کہ ہو گئے کشتۂ جفا — گھر سے نہ ماں بچانے کو نکلی برہنہ پا
دینا جواب ہوش نہ مادر کے تھے بجا (١٣٥) فاقہ تھا تین دن کا اور انبوہ اشقیا
پوچھیں نبیؐ جو حال میرے پیارے بھائی کا
کہہ دیجیو ہجوم ہے ساری خدائی کا

پیارو وہاں چلے ہو جہاں کا نشاں نہیں — رہبر نہیں رفیق نہیں کارواں نہیں
بچے ہو ساتھ باپ نہیں اور ماں نہیں (١٣٦) زخموں سے چور چور ہو تاب و تواں نہیں
منزل تلک غضب کی ہے تنہائی راہ میں
بھائی سے ہوشیار رہے بھائی راہ میں

برزادِ راہ خوب ہے پیارو خدا گواہ — حبِ حسینؑ ابن علیؑ طاعتِ اِلٰہ
راہِ خدا میں قتل ہوئے دونوں بے گناہ (١٣٧) ہو گا یہ زادِ راہ بلا شک چراغِ راہ
بابا بھی جا چکے ہیں رسالت پناہ بھی
روشن ہے ان کی راہ سے پیارو یہ راہ بھی

پوچھے درِ بہشت پہ گر خازنِ جناں — تم کون ہو کہاں سے ہوا ہے گذر یہاں
ہاں افصح العرب کے نواسو نثار ماں (١٣٨) اس دم کہیں نہ پیاس سے لکنت کرے زباں
کہنا کہ ہم شبیہ پیمبرؐ کے بھائی ہیں
شبیرؑ کے فدائی ہیں اور کربلائی ہیں

غش میں سنا جو دونوں نے زینبؑ کا یہ بیاں گھبرا کے آنکھیں کھول کے بولے وہ نیم جاں
اے اماں جان جاتے ہیں اب ہم سوئے جناں (۱۳۹) حرمت کا آپ کی رہے خالق نگاہباں
یہ کہہ کے منہ پھرائے تو تیور بدل گئے
تسلیم کی اشاروں سے اور دم نکل گئے

اتنے میں آئے روتے ہوئے شاہِ دوجہاں پرسا دیا بہن کو بصد نالہ و فغاں
لاشوں کو لے کے جانب میداں ہوئے رواں (۱۴۰) بس اے دبیرؔ خامے کی اب روک لے عناں
محشر کا شور خیمۂ شاہِ زمن میں ہے
اب گفتگو جدائی کی دولہا دلہن میں ہے

مرثیہ ۴

یہ بزم عینکِ چمنستان خلد ہے
پیشِ نگہ وہ صحن وہ ایوانِ خلد ہے
جو انجمن نشیں ہے وہ رضوان خلد ہے (۱)
مدّاح عندلیب خوش الحان خلد ہے
سینہ ہے باغ داغِ شہِ مشرقین سے
مجلس بسی ہے عطرِ ولائے حسینؑ سے

عنبر فشاں ہے آہ جگر سوزِ شیعیاں
اور مشکِ سا ہیں پنجۂ مژگاں سے پتلیاں
مردم کا سینہ مجمرۂ عود ہے یہاں (۲)
جس پر نثار مجمر خورشید آسماں
خاکسترِ اگر کا بھی رتبہ بلند ہے
ہاں کوہ طور کو یہی سرمہ پسند ہے

اللہ رے اوج مجمعِ بزم شہ زمن
رفعت میں ہے یہ چرخ چہارم پہ طعنہ زن
حیرت سے قدسیوں کی زباں پر ہے یہ سخن (۳)
گنجان یہ ستارے ہیں یا اہلِ انجمن
آنکھوں سے قطرے اشک کے ہر دم ٹپکتے ہیں
دیکھو زمیں پہ عقدِ ثریا چمکتے ہیں

فرماتے ہیں جناب رسولؐ فلک جناب
حاضر ہوا جو بزم میں ملتا ہے یہ ثواب
چالیس بار عرش پہ ہمراہ بوترابؑ (۴)
گویا ہوا ہماری زباں سے وہ بہرہ یاب
بزم عزا میں آنے سے جب یہ جزا ملے
کیوں اہل دل کو پھر نہ عزا کا مزا ملے

واللہ ہے حدیث صحیحہ میں یہ رقم
فرماتے ہیں یہ حضرت صادقؑ شہ امم
جو سن کے مرے جد کے مصائب کرے نہ غم (۵)
شیعہ نہ وہ ہمارا نہ اس کے امام ہم
ٹکڑے پہاڑ ہوتے ہیں اس شور و شین میں
شیعہ ہوں اور نہ روئیں عزائے حسینؑ میں

دل بھی نہ جن کے ہوں غم شبیرؑ سے ملول
حقّا نہ ہوگی میری شفاعت انہیں حصول
ہو ذبح جن کے واسطے لختِ دلِ بتولؑ (۶)
اک اشک کے بہانے سے ہوں محسن رسولؐ
اس پر بھی عذر ہو انہیں رنج و ملال سے
آنسو کریں عزیز پیمبرؐ کی آل سے

دارِ فنا سے جاؤ گے جب جانب بقا　اس روز کام آئے گا یہ گریہ و بکا
وحشت وہ قبر کی وہ اندھیرا مزار کا　کافی ہے رونے کو جو تصور کرو ذرا (۷)
جو شمع مرتضیٰؑ سے یہاں لو لگائیں گے
ان کی مدد کو حیدرؑ کرار آئیں گے

رومال لے کے ہاتھ میں باچشم خونفشاں　رونق فزائے بزم ہیں مخدومۂ جہاں
فرماتی ہیں ہر اک سے بصد نالہ و فغاں　خود پوچھتی ہیں اشک عزا ہو کے مہرباں (۸)
روئے جو تم ہمارے حسینؑ غریب کو
راضی کیا خدا کو خدا کے حبیبؐ کو

ماں باپ جس کے زندہ نہیں وا مصیبتا　طوبیٰ لکم تم اس کے لئے کرتے ہو بکا
آفت نصیب بے وطن و کشتۂ جفا　لب تشنہ و گرسنہ و مظلوم کربلا (۹)
یاں تو شریک ماتم و رقت ہے فاطمہؑ
فردائے حشر ضامنِ جنت ہے فاطمہؑ

ہم سے گناہگاروں کی بخشش پہ ہے نظر　خاتون کائنات کے احساں ہیں کس قدر
اب بھی نہ روئیں ہم تو یہ غفلت ہے سر بسر　ضامن ہوئیں جو فاطمہؑ پھر کیا رہا خطر (۱۰)
مرنے کے بعد صدمہ و حسرت اٹھائیں گے
کس منہ سے پیش فاطمہؑ محشر میں جائیں گے

کون ایسا سنگ دل ہے کہ رونا جسے نہ آئے　ایسا یہ واقعہ نہیں جو دل سے بھول جائے
حالِ حسینؑ سن کے نہ کہسار تاب لائے　اس حادثے سے گنبدِ افلاک تھرتھرائے (۱۱)
اس حادثے سے زلزلہ عرش بریں پہ تھا
محبوبِ کبریا کا عمامہ زمیں پہ تھا

مطلع ۔ یارو کریم وہ بھی جو وعدہ وفا کرے　بے مثل وہ سخی ہے جو سر کو فدا کرے
صابر وہ ہے بلا میں جو شکرِ خدا کرے　غازی وہ ہے جو لاکھوں سے تنہا وغا کرے (۱۲)
کس فرد میں یہ دفترِ جاہ و جلال ہیں
ہاں جمع اک حسینؑ میں یہ سب کمال ہیں

مطلع ۔ شاہد ہے صبح صادق الاقرار ہے حسینؑ　　مہر وفا کا طالع بیدار ہے حسینؑ
صدق و صفا کا قافلہ سالار ہے حسینؑ (۱۳) سچ ہے کہ راست گویوں کا سردار ہے حسینؑ

منکر ہے خود غلط میرا دعویٰ صحیح ہے
صحت ہے جس کی خاک سے یہ وہ مسیح ہے

بچپن سے محو خنجر خونخوار رہتے ہیں　　سر کو جدا سمجھ کے سبکبار رہتے ہیں
مشتاق روز وعدۂ غفار رہتے ہیں (۱۴) راتوں کو عین خواب میں بیدار رہتے ہیں

شوقِ وصال حق کوئی پوچھو حسینؑ سے
بیٹھے کہیں سوائے تشہد نہ چین سے

یثرب سے وعدہ گاہ میں دینے کو سر گئے　　سر دے کے عین وعدے پہ شیریں کے گھر گئے
دو کام ایک سر سے سر انجام کر گئے (۱۵) عشق خدا میں جان و جہاں سے گذر گئے

بندوں سے نازِ عشق خدا یہ نہیں اٹھے
مر کر بھی راہ حق سے نہ سلطان دیں اٹھے

ہمت پہ ان کی ناز نہ کیوں کر خدا کرے　　دو وعدے ایک سر سے جو صادق وفا کرے
پیش نگہہ عزیزوں کا تو خوں بہا کرے (۱۶) وہ جز رضائے حق نہ طلب خوں بہا کرے

حق عاشقیِ حق کا ادا شہ نے کر دیا
دشمن کو راہ دوست میں خوش ہو کے سر دیا

مانند آفتاب ہے یہ آشکار آہ　　وہ فصل ہار اور وہ نصف النہار آہ
لوٹی خزاں نے باغ نبیؐ کی بہار آہ (۱۷) بیکس ہوا امام ذوالاقتدار آہ

پیاسوں کے سوکھے حلق پہ تلواریں چل گئیں
روحیں تڑپ تڑپ کے بدن سے نکل گئیں

لکھا ہے جب شلوکے پہ اصغرؑ کا خوں بہا　　رن کی زمیں کو دیر تلک زلزلہ رہا
یہ حال تھا کہ ناریوں نے شاہ سے کہا (۱۸) لیتے نہیں ہو ہم سے عزیزوں کا خوں بہا

تیغ دو دم سکوت میں ہے شور کیا ہوا
اس وقت شیر فاطمہؑ کا زور کیا ہوا

شہ نے زبان صدق بیاں کی گہر فشاں — کچھ چیز مال و زر ہے نہ کچھ نقد مال و جاں
کیا تم سے خوں بہا شہدا کا میں لوں یہاں (۱۹) — دے گا بروز حشر خداوند انس و جاں
مومن ہمارے گلشنِ فردوس جائیں گے
ادنا غلام جنتِ اعلا میں جائیں گے

کل ہوشیار ہوئینگے وہ آج ہیں جو مست — میزاں کا ایک پلّہ بلند اور ایک پست
خالق کے زیر حکم زبر دست و زیر دست (۲۰) — اس بندۂ ذلیل کا ہر سمت بند و بست
خورشید کی طپش سے سب ایذا میں ہوئینگے
پیرو ہمارے سایۂ طوبا میں ہوئینگے

ساتوں سقر جو ہوئینگی اک بار شعلہ ور — آواز دیں گے اہل قیامت کہ الحذر
سب انبیا پکاریں گے نفسی ادھر اُدھر (۲۱) — پر امتی کہیں گے میرے جدّ نامور
تم کلمہ پڑھ کے ان کے نواسے سے پھر گئے
دریا ہے جس کا حق اسی پیاسے سے پھر گئے

طوفان حشر موج پہ اور پل وہ تنگ و تار — وہ پاؤں رعشہ دار وہ سر پر گنہ کا بار
پل بیچ میں اِدھر کو بہشت اور اُدھر کو نار (۲۲) — لیکن حسینیوںؑ کو نہ کچھ ہوگا اضطرار
بابا ندا کریں گے جو پیاسے ہو جام لو
اماں کہیں گی لو مری چادر کو تھام لو

پر اماں جاں آئینگی محشر کی صف میں جب — آنکھوں کو بند حکم خدا سے کریں گے سب
ہر مومنہ کرے گی گذارش یہ پیشِ ربّ (۲۳) — ہم سے ہماری بی بی کے پردے کا کیا سبب
حوریں ندا کرینگی کہ غش تم کو آئے گا
بی بی کا حال وہ ہے کہ دیکھا نہ جائے گا

ہوگی یہ شان مادر مظلوم کربلا — اک ہاتھ میں تو گوہر دندانِ مصطفٰؐ
اور ایک میں عمامۂ پر خونِ مرتضٰؑ (۲۴) — اک دوش پر یہ جامہ ہمارا لہو بھرا
محسن کی لاش گود میں جبرئیل لائیں گے
منہ سے لہو اگلتے ہوئے بھائی آئیں گے

اس وقت انبیائے سلف تھرتھرائیں گے دوزخ ہجوم کر کے خلائق پہ آئیں گے
اماں کو زیر عرش جو نانا بلائیں گے (۲۵) یوں روئیں گے کہ لوح و قلم کانپ جائیں گے

یہ کیا ہے دل ہلے گا قلق سے رسولؐ کا
پایا تو ہوگا عرش کا اور سر بتولؑ کا

چلائیں گے کہ اے مرے خالق دہائی ہے نالش کسی سے کی نہ کہیں داد پائی ہے
تیرے ہی محکمے میں تیری لونڈی آئی ہے (۲۶) محسن کی لاش سب کی گواہی کو آئی ہے

امیدوار عدل یہ آفت رسیدہ ہے
اس کا جگر ہے شق مرا بازو خمیدہ ہے

روشن ہے تجھ پہ ظالموں نے جو ستم کیا اک باغ میرا چھین لیا اک قلم کیا
یثرب میں ایک لال کو مقتولِ سم کیا (۲۷) دشت بلا میں ذبح غزال حرم کیا

مرقد سے میری پوچھ لے کس وقت سوئی ہوں
اب تک ترے حسینؑ کے ماتم میں روئی ہوں

فرمان ہوگا ظالموں کو جلد یہاں بلاؤ اور تازیانہ آتشِ قہر خدا کا لاؤ
زہراؑ پہ جس نے ظلم کیا ہے اسے لگاؤ (۲۸) پہونچے گا حکم مالک رضواں کو جلد آؤ

مختار حشر ہم نے کیا اس ملول کو
دیدو کلید دوزخ و جنت بتولؑ کو

اماں کہیں گی آج مرا مدعا ملا مولا تمام کنبے کا یہ خوں بہا ملا
فرمائیگا خدا ابھی امت کو کیا ملا (۲۹) جنت میں دیکھنا انہیں کیا کیا صلا ملا

رتبہ بھی اور مقام بھی ان کا بلند ہے
ہمسائیگی انہی کی خدا کو پسند ہے

اس محکمے میں فاطمہؑ کا اختیار ہے جو یہ کہے وہ مرضیٔ پروردگار ہے
اماں کہیں گی حال میرا آشکار ہے (۳۰) بیٹوں کی طرح بابا کی امت کا پیار ہے

امیدوار بخشش امت بتولؑ ہے
ہوگی ندا قبول ہے ہم کو قبول ہے

وہ بولے ختم حسرت کی اب داستاں کرو   عقبا کا جس کو ڈر ہو یہ اُسے بیاں کرو
فیصل ہو قصہ زور کا کچھ امتحاں کرو (۳۱) ہاں آشکار جوہر تیغ و سناں کرو
محکوم اور ہوئینگے شاہ شہید کے
بندے تو جان و دل سے ہیں بندۂ یزید کے

قبلے کو مڑ کے کہنے لگے شاہ نیک خو   پروردگار عالمیاں دیکھتا ہے تو
صادق ہوں میں سمجھتے ہیں کاذب یہ کینہ جو (۳۲) میرا تو وہ بیاں اور ان کی یہ گفتگو
تیر و سناں کے زخم گل نو بہار ہیں
تیغ زباں کے گھاؤ کھٹکنے میں خار ہیں

لبیک زن اُدھر ہوئی تائید ذوالجلال   مولا نے سوئے تیغ دو پیکر کیا خیال
مطلع کو صاف کرنے لگا فتح کا ہلال (۳۳) عاشق کے دل کی طرح ٹھہرنا ہوا محال
گرمی شوق جنگ سے دم بھر نہ کل پڑے
گویا زباں نیام کے منہ سے نکل پڑے

قید نیام سے یہ پری تو ادھر چھٹی   یاں دست کوہ قاف سے نبض شرر چھٹی
اور دوش آسماں سے قمر کی سپر چھٹی (۳۴) مہتاب دن کو چہرۂ مہتاب پر چھٹی
ہیبت سے لاغری پہ فلک کی نظر پڑی
تن سے زرہ ستاروں کی اس دم اتر پڑی

حقا کلام شہ کا مبرّہ تھا ریب سے   آئے یہ دو گواہ گواہی کو غیب سے
باہر کلیم کا ید بیضا تھا جیب سے (۳۵) مملو ہنر سے اور تھے نقص و عیب سے
فقرے تھے دو سو فتح کا مطلب حصول تھا
یہ لافتا و نادِ علیؑ کا نزول تھا

بزم جہاد تیغ دو سر سے چمک گئی   بجلی کی آنکھ اس کی چمک سے چپک گئی
شعلے کی طرح ناریوں پر یہ لپک گئی (۳۶) اس کی لپک سے ڈر کی شرارت سرک گئی
کیا محو تیغ جانِ صف بے دریغ تھی
مجنوں کا دل اور ابروئے لیلیٰ تیغ تھی

۲۷۷

قائم مقام شیرِ خدا تھے شہ دلیر — شمشیر کی نمود تھی پنجے میں مثل شیر
اس ناخنِ اسد سے زبردست سب تھے زیر[۳۷] — کی جس نے سیر ضرب ہوا زندگی سے سیر
فتنہ کہیں جفا کہیں بدعت کہیں چھپی
شیرِ فلک کی پشت پہ گاؤِ زمیں چھپی

راہی بگولہ بن کے بیاباں سے رن ہوا — شیرِ فلک زمیں پہ گرا اور ہرن ہوا
روحوں سے خالی اہلِ فلک کا بدن ہوا[۳۸] — گردوں جنازہ بن گیا بادل کفن ہوا
یوں قطب کو فرشتہ تزلزل میں پاتے ہیں
تلقیں کے وقت مردے کو جیسے ہلاتے ہیں

اٹھا فلک پہ غل یہ بلا سب پہ اب گری — نکلا دھواں زمیں سے چمک کر یہ جب گری
پوچھا گھٹا نے بڑھ کے کہاں آئی کب گری[۳۹] — چلایا رعد رن میں وہ برقِ غضب گری
گرتی ہوئی زمیں کے طبق سے نکل گئی
سایہ کی کیا بساط تھی واں دھوپ جل گئی

گرمائی سرد مہروں پہ جو تیغِ حیدری — بے جاں ہر اک جن ہوا بے پر ہر اک پری
سمجھے اجل کی تیغ سے ہو گی نہ ہمسری[۴۰] — شیرینیِ حیات عدو سامنے دھری
بولی نثار سایہ کے جو گرد ہوتی ہوں
بے ذوالفقار میں تیری شاگرد ہوتی ہوں

بیرق پہ جب یہ برقِ اجل آ کے گر پڑی — پایا نہ پھر نشان کہاں جا کے گر پڑی
کڑکی جو یہ کماں پہ وہ چلا کے گر پڑی[۴۱] — ترچھی چلی جو برچھی پہ بل کھا کے گر پڑی
خرمن پہ مہر و ماہ کی جب کوندنے لگی
بجلی کو بھی یہ سبزہ روش روندنے لگی

خنجر پہ گر کے تیز زبانی دکھا گئی — تیغوں کو اپنی دھار کا پانی دکھا گئی
گرز گراں کو پھل کی گرانی دکھا گئی[۴۲] — شمعِ سناں کو شعلہ فشانی دکھا گئی
چلّہ کماں سے تیر سے پر لے کے اڑ گئے
پھولوں کو کاٹا رنگ سپر لے کے اڑ گئے

جوہر میں فرد اور رحم و خم میں بے عدیل — کس بل میں تھی کمان روانی میں رودِ نیل
اس کی اصیل ہونے کی قطعی ہے یہ دلیل (۴۳) جتنے پہ کاٹتی تھی سر لشکرِ بخیل
دریائے آب باڑ پہ چڑھتا ہی جاتا تھا
پی پی کے خوں، دم اور بھی بڑھتا ہی جاتا تھا

کہتی تھی تیغ حیدرِ صفدر، بزن بکش — کوفی یہ ہیں وہ شامی خود سر بزن بکش
بصری وہ ہیں یہ ساکن چنبر بزن بکش (۴۴) یہ شمر و حرملہ ہے یہ لشکر بزن بکش
ہاں تیغ جسم و روح کا جھگڑا ہی پاک کر
سینے کو پارہ سر کو قلم دل کو چاک کر

پہلو کے پاس آکے جو سن سے نکل گئی — بے زخم کھائے جان بدن سے نکل گئی
چھوڑی نہ کوئی بات دہن سے نکل گئی (۴۵) ڈوبی زمیں میں چرخ کہن سے نکل گئی
تارے کہیں قمر کہیں چرخ بریں کہیں
مچھلی کہیں تڑپتی تھی گاؤ زمیں کہیں

جس صف کے سر پہ تیغ دو پیکر نظر پڑی — وہ صف کی صف زمین پہ بے سر نظر پڑی
جب سرکشوں کی تیغ دو سر پر نظر پڑی (۴۶) اٹھی جہاں سے موت برابر نظر پڑی
پتھرا کے آنکھ رہ گئی مردم کو غم ہوا
جو عین اس کے دم پہ چڑھا وہ عدم ہوا

چمکا جو پھل پہ نیزہ کے پھل اس کا ناگہاں — خورشید حشر کا ہوا ہر ذرے کو گماں
راکب کے سر پہ مہر صفت جب ہوئی عیاں (۴۷) سایا جھجک کے زیر قدم ہو گیا نہاں
گردن در آئی سینہ میں اور سینہ زین میں
توسن سمایا سایے میں سایا زمین میں

غل تھا یہ خود وہ زرہ ترکمان گری — وہ ترکش و کبادہ گرا وہ کماں گری
چھوٹا وہ گرز اور وہ تیغ و سناں گری (۴۸) لو وہ زباں درازوں کی کٹ کر زباں گری
لو شام کے سواروں کا وہ ڈھیر ہو گیا
گھوڑے چراغ پا ہوئے اندھیر ہو گیا

لاکھوں کے سر پہ ایک سروہی یہ پھرتی تھی　　مثل سحاب آتی تھی بجلی سی گرتی تھی
چاہِ ذقن میں ڈوب کے سینے میں ترتی تھی (۴۹) یہ منہ کا تیز کاٹ کے دنداں نہ کرتی تھی
جو چاہتی تھی یہ تہہ افلاک کرتی تھی
ہستی کا جامہ بہر کفن چاک کرتی تھی

شہرگ کو حکم قطع دیا اور رواں ہوئی　　خون سپاہ شام پیا اور رواں ہوئی
قالب میں جا کے کام کیا اور رواں ہوئی (۵۰) روح و رواں کو ساتھ لیا اور رواں ہوئی
راکب کے سر سے پشت فرس سے گذر گئی
میدان صاف کر کے پھرے بس جدھر گئی

تھا شور ہے یہ برق کہ شمشیر آبدار　　مانند عکس ہوتی ہے چار آئینوں کے پار
دل ہیں دو نیم سینہ دریدہ جگر فگار (۵۱) بکتر ہیں چاک چاک تو جلتے ہیں تار تار
رکتا نہیں ہے وار مصیبت بڑی یہ ہے
ہر مرتبہ زرہ کی ہے چشمک کڑی یہ ہے

جانے دیا نہ بچ کے جہاں جس کو پا گئی　　کاٹا زباں کو بات پہ جس وقت آ گئی
روئیں تنوں کو برش جوہر دکھا گئی (۵۲) ہڈی کی کیا بساط تھی لوہے کو کھا گئی
الٹیں صفیں نہ چین جبیں پر شکن پڑی
بگڑی جو یہ تو کچھ نہ لعینوں سے بن پڑی

جلتی ہے سن سے باد فنا بن کے بار بار　　ہر غول سے نکلتی تھی تن تن کے بار بار
لیتی تھی جائزے صفِ دشمن کے بار بار (۵۳) پڑتی تھی بیچ میں سر و گردن کے بار بار
پست و بلند اس سے مٹے تھے جہان کے
قلابے مل گئے تھے زمین آسمان کے

ڈھالیں گرادیں کاندھوں سے مغفر اڑا دیئے　　اٹھے اُدھر کے گرز جو نہی سر اڑا دیئے
نیزوں کے بند تیغوں کے جوہر اڑا دیئے (۵۴) تیروں نے کی جو تیز پری پر اڑا دیئے
بطن صدف میں رنگ گہر لعل کر گئی
دریا کو خونِ مردمِ آبی سے بھر گئی

گاؤ زمیں کے دھیان میں زیرِ زمیں گئی ہو کر بلند جانبِ عرشِ بریں گئی
سدرے پہ ڈھونڈتی پرِ روح الامیں گئی (۵۵) وہ کون سی جگہ تھی جہاں یہ نہیں گئی

قبضے میں اپنی تیغ نے ہر خشک و تر کیا
ظلمات تک، مثالِ سکندر گذر کیا

گردن پہ چڑھ کے مثلِ گریباں اتر گئی زنارِ کفر کاٹتی یہ تا کمر گئی
پھر درمیانِ موئے میاں سر بسر گئی (۵۶) کھینچی کمر کی بال کی کھال اور گذر گئی

داخل زمیں میں تیغِ شہنشاہِ دیں ہوئی
چورنگ مل کے ماہی و گاؤ زمیں ہوئی

ہر ڈھال خود ڈھال تھی دہشت سے وار کی ششدر تھا چار آئینہ جب آنکھ چار کی
نرمی عیاں تھی کڑیوں سے سنبل کے تار کی (۵۷) کڑیاں زرہ سے اٹھ نہ سکیں ذوالفقار کی

مہتاب تھا کہ پرتوِ تیغِ پاک تھا
رختِ حیات مثلِ کتاں چاک چاک تھا

جنگل میں سبزہ سرخ تھا لالہ چمن میں لال ہر سنگ تھا عقیق کی صورت یمن میں لال
ہر ایک زرد رو کی رگیں تھیں بدن میں لال (۵۸) چپکے تھے سب زبان تھی گویا دہن میں لال

عالم تمام ضرب سے اس کی دو نیم تھا
ہر طفلِ درِ صدف کے شکم میں یتیم تھا

دلکش تھا بسکہ تیغ کے جوہر کا سلسلا زنجیرۂ سقر میں اسیروں کا دل ہلا
باغوں میں یہ خزاں جو گئی طرفہ گل کھلا (۵۹) بلبل کا گل پہ گل میں نہ بو کا پتا ملا

آئی جو بتکدوں کی طرف شوقِ سیر میں
آنکھیں بتوں کی رہ گئیں پتھرا کے دیر میں

ناگاہ نیزہ داروں نے نیزے کیے علم حضرت نے بھی نیام میں کی تیغِ برق دم
بھالا شہِ نجف کا سنبھالا بصد حشم (۶۰) چلائے سہم سہم کے برچھیت یک قلم

سورج بڑھا شہاب کا نیزہ سنبھال کے
بھالے پکارے رکھیو قدم دیکھ بھال کے

اپنا ہنر دکھانے لگے مل کے اشقیا — شیر خدا کے شیر کو نیزوں میں لے لیا
حملہ سمٹ سمٹ کے نبی زادے پر کیا (۶۱) — یاں حکم رانوں سے تگاور کو جو دیا
پھر نیزوں کے سروں پہ سُم راہوار تھا
اک جست میں یہ شیر نیستاں کے پار تھا

نیزے سے شہ نے نیزہ وروں کو دبا لیا — کاوے پہ اسپ تیز قدم کو لگا لیا
گھوڑے سے ہر دنی کو انی پر اٹھا لیا (۶۲) — دعویٰ جنہیں بہت تھا انھیں آزما لیا
ڈھونڈا جو پھر تو پیر و جواں دور دور تھے
نیزہ تھا ذوالجناح تھا بس اور حضور تھے

پھر لیس ہو کے آئے کماندار صف بصف — طائر کی طرح اڑنے لگے تیر ہر طرف
یوں شان حیدری سے بڑھا حمزہ کا خلف (۶۳) — قرباں ہوئی کمان جناب شہِ نجف
خاطر عدو کے تیروں کی خاطر نشاں ہوئے
پر تیر کے نہ اس پہ بھی خاطر نشاں ہوئے

یہ تیر ہوشیاروں کو دیوانہ کر گیا — دل کو پروں سے بھر کے پری خانہ کر گیا
گل آنکھ کے چراغ پہ پروانہ کر گیا (۶۴) — پلکوں کی صف کو سبزۂ بیگانہ کر گیا
پیری کا چہرہ لکھ کے جوانوں کو دے گیا
خط رہ گئے سفید سیاہی یہ لے گیا

زینبؑ کھڑی تھی ڈیوڑھی پہ لڑتے تھے جب امام — آیا خیال فاقے سے ہیں شاہِ تشنہ کام
چلائی اب تو بھاگ گئی رن سے فوجِ شام (۶۵) — بھیا نماز پڑھ لو کہ ہوتا ہے دِن تمام
مڑ کر کہا کہ ختم لڑائی کا وقت ہے
اب زیرِ تیغ وعدہ وفائی کا وقت ہے

فرمائے یہ نیام میں کی تیغ شعلہ ور — قبلے کی سمت ہاتھ اٹھائے جھکا کے سر
رو کر کہا میں جنگ کا طالب نہ تھا مگر (۶۶) — صابر کو لائے طیش میں طعنوں سے اہل شر
اب تک رواں گلے پہ نہ شمشیر ہو گئی
مولا معاف کیجیو تاخیر ہو گئی

شفقت سے پھر عدو کو پکارے کہ پاس آؤ بس لڑ چکا حسینؑ نہ بھاگو نہ خوف کھاؤ
حاضر ہوں تیر و نیزہ و خنجر مجھے لگاؤ (۶۷) شمر لعیں چھپا ہے کہاں جا کے ڈھونڈ لاؤ
کہدو کہ تر نہ پانی سے میری زباں کرے
میں سر جھکاؤں اور وہ خنجر رواں کرے

یہ سن کے فوج ظلم گری شاہ دیں پہ آہ نیزہ جگر پہ تیر لگائے جبیں پہ آہ
غش ہو گئے ملائکِ عرشِ بریں پہ آہ (۶۸) سینے پہ نیزہ رکھ کے گرایا زمیں پہ آہ
سر ننگے ماں حسینؑ کی نکلی مزار سے
زانوں پہ رکھ لیا سر شبیرؑ پیار سے

یہ حال تھا کہ حلق پہ خنجر ہوا رواں کٹنے لگا گلوئے شہنشاہ بیکساں
قدسی لرز لرز کے پکارے کہ الاماں (۶۹) بیٹے کا حلق کٹتا ہے اور دیکھتی ہے ماں
کیا آج داد صبر کی خاتون دیتی ہے
جب لرزتی ہے منہ پھیر لیتی ہے

تھا وقت عصر خیمہ میں آئے جو اہل شام مغرب تلک لٹے حرم سید الانام
ہوتے ہی شام پھونک دیئے آگ سے خیام (۷۰) ہنگام صبح شام کو راہی ہوئے تمام
رانڈوں کا رہنما سر شاہ امم بنا
شیریں کے گھر کے جانے کو نیزہ قدم بنا

مطلع۔ یارو حسینؑ بیکس و بے یار رن میں ہے مظلومیت رکاب شہ بے وطن میں ہے
اب کوئی دم میں تفرقہ بھائی بہن میں ہے (۷۱) اتنی ہی دیر خاتمہ پنجتن میں ہے
نرغہ ہے فوج کا شہ گردوں جناب پر
چھائی ہے دوپہر کو گھٹا آفتاب پر

وہ پیاس کا عروج وہ دوپہر کا زوال بے چتر و سایہ دھوپ میں تھا نور ذوالجلال
سینے میں داغ پیاروں کے دل کو غم و ملال (۷۲) خالق سے عرض کرتے تھے یہ شاہ خوشخصال
ابن بتولؑ و سبط رسالتؐ پناہ ہوں
مولا گواہ رہو کہ میں بے گناہ ہوں

سب فوج قتل ہو گئی اک میں جیا تو کیا　اب ظالموں نے رحم بھی مجھ پر کیا تو کیا
پہلے تو پانی بند کیا اب دیا تو کیا (۷۳)　کنبہ ترس کے مر گیا میں نے پیا تو کیا
بے چارگی کے وقت تو ہی چارہ ساز ہے
بندہ نیاز مند ہے تو بے نیاز ہے

شاکر ہوں تیرے لطف و عنایت کا اے کریم　تو نے دیا ہے رتبہ امامت کا اے کریم
حاشا نہیں غرور شجاعت کا اے کریم (۷۴)　ہوں معترف قصور عبادت کا اے کریم
ہے آرزو کہ شیعوں پہ سر کو فدا کروں
اقرار جو ازل سے کیا ہے ادا کروں

قائل خدا کا ساری خدائی کو کر چکا　توحید کے بیانوں سے کانوں کو بھر چکا
امت کا جتنا کام تھا بالکل سنور چکا (۷۵)　باقی اک اپنی جان ہے اصغرؑ بھی مر چکا
اثبات حق درستی اسلام کر چکا
آیا تھا جس لئے وہ سرانجام کر چکا

سب نور چشم سامنے آنکھوں کے مر گئے　عباسؑ خاتمہ میرے لشکر کا کر گئے
قاسمؑ کی ماں پکار رہی ہے کدھر گئے (۷۶)　اکبرؑ بھی نامراد جہاں سے گذر گئے
ششماہا سو رہا ہے مرا قتل گاہ میں
اچھی کمائی تھی کہ لٹی تیری راہ میں

جنگل میں بوستان رسالت لٹا چکا　بھائی کی اور باپ کی دولت لٹا چکا
پونجی حرم کی اپنی بضاعت لٹا چکا (۷۷)　سب کچھ برائے بخشش امت لٹا چکا
باقی کوئی شہیدوں کے دفتر میں اب نہیں
جز عابد مریض کوئی گھر میں اب نہیں

جو ظلم آج مجھ پہ ہوئے انتہا نہیں　شکوے سے پر زبان میری آشنا نہیں
بیٹا جوان مر گیا ماتم کیا نہیں (۷۸)　بازو کے شانے کٹ گئے پر کچھ کہا نہیں
ہاتھوں پہ خون اصغرؑ بے شیر بہہ گیا
میں صبر کر کے رہ گیا وہ مر کے رہ گیا

شاہی کی کچھ ہوس ہے نہ لشکر کا اشتیاق صغرا کا اشتیاق نہ اب گھر کا اشتیاق
بس ہے تو وصل خالق اکبر کا اشتیاق (۷۹) مدت سے اس گلے کو ہے خنجر کا اشتیاق
شوق وصال میں مرا دل سب سے سیر ہے
میں مستعد ہوں وقتِ شہادت میں دیر ہے

لٹ جائے راہ حق میں مرا گھر میری خوشی چھن جائے دونوں بہنوں کی چادر میری خوشی
بلوہ ہو اور بانوئے مضطر میری خوشی (۸۰) کنبہ پھرے سفر میں کھلے سر میری خوشی
قید شدید ہو میرے دلبر کے واسطے
زخمی ہوں کان بیٹی کے گوہر کے واسطے

مطلع ۔ تنہا رہے جو رن میں شہنشاہ نیک نام پھر تو بڑھا حسینؑ کی جانب گروہ شام
بیکس پہ تشنہ لب پہ ہوا اک ہجوم عام (۸۱) مجروح سر سے تابقدم ہو گئے امامؑ
رنگیں جبیں کے خون سے سب ریش پاک تھی
دستار تار تار قبا چاک چاک تھی

یہ عرض کر رہے تھے خدا سے شہ انام ناگہ بڑھا حسینؑ کی جانب گروہِ شام
نیزہ لگاتا تھا کوئی بے دیں کوئی حسام (۸۲) مجروح سر سے پاؤں تلک ہو گئے امام
آلودہ خوں سے آپ کی سب ریش پاک تھی
پوشاک جسم پاک میں سب چاک چاک تھی

جب زین پر نہ سنبھلا گیا خاک پر گرے اک غل ہوا کہ شاہِ ہدا خاک پر گرے
صدمے سے طائرانِ ہوا خاک پر گرے (۸۳) نزدیک تھا کہ سقف سما خاک پر گرے
اس درجہ قدسیوں کا جگر تھرتھراتا تھا
جو عرش حاملوں سے سنبھالا نہ جاتا تھا

مولائے بیکساں کا کروں حال کیا بیاں ہر زخم تن سے خون کا فوارہ تھا رواں
ہو ہو کے شق دہن سے نکل آئی تھی زباں (۸۴) آہستہ کہہ رہے تھے یہ آقائے انس و جاں
تھوڑا سا پانی دو کہ بہت تشنہ کام ہوں
اے ظالمو میں سبط رسولِؐ انام ہوں

آخر بشر ہوں پیاس سے دل بے قرار ہے
اب ضبط کا جگر پہ نہیں اختیار ہے
اب وقت واپسیں ہے دم احتضار ہے (۸۵)
شبیر بوند پانی کا امیدوار ہے
تسکیں تشنگی میں دم اضطراب دو
مہماں وداع ہوتا ہے اک جام آب دو

یوں پانی مانگتے تھے شہنشاہ نیک خو
جو سینے پر سوار ہوا شمر کینہ جو
بے خوف ذبح کرنے لگا پیاسے کو عدو (۸۶)
وہ کند تیغ ظلم کی وہ نازنیں گلو
پانی سے تو نہ حلق مطہر کو تر کیا
سوکھے گلے کے خون سے خنجر کو تر کیا

مطلع — غربت کا داغ یوسف کنعاں سے پوچھئے
ساماں سفر کا بے سروساماں سے پوچھئے
لشکر کے قتل ہونے کو سلطاں سے پوچھئے (۸۷)
یہ سب ملال شاہِ شہیداں سے پوچھئے
غربت کا خاتمہ ہے شہ مشرقین پر
مظلومیت برستی ہے نام حسینؑ پر

اب مومنوں کے رونے کو کافی ہے یہ کلام
زینبؑ تو بے حسینؑ ہوئی شیعہ بے امام
چوب سناں سے باندھ کے گیسوئے مشکفام (۸۸)
جلاد نے علم کیا فرق شہ انام
غل پڑ گیا حرم کی ردا آج لوٹ لو
ہاں بارگاہ صاحب معراج لوٹ لو

یاں در پہ بے حواس تھا بیوؤں کا کارواں
مشتاقِ آمد آمدِ مولائے بیکساں
ناگہہ سر حسینؑ سناں پر ہوا عیاں (۸۹)
زینبؑ زمیں پہ لوٹ گئی اور یہ کی فغاں
اے لوگو ہائے جان نہ میری نکل گئی
اے لو چھری کلیجے پہ اماں کی چل گئی

زینبؑ یہ کہتی تھی کہ گری پردے کی قنات
خیمے میں آکے پھر گئی سب فوج بدصفات
پھر تو رداتھی بیوؤں کی اور ظالموں کے ہات (۹۰)
پردے کے واسطے تھی فقط کبریا کی ذات
نیزے پہ صحن خیمہ میں تھا سر حسینؑ کا
اور رانڈ ہاتھا چار طرف گھر حسینؑ کا

سرکار اہلبیتؑ کی جب ہوتی تھی تباہ فضہؑ کی گود میں تھی سکینہؑ یتیم آہ
اور جمع گرد نیزۂ خُولی کی تھی سپاہ (۹۱) برچھی نہ دیکھی پر نظر آیا جمالِ شاہ

سمجھی ہمیں جو لوگ ستانے کو آئے ہیں
باباحسینؑ رن سے بچانے کو آئے ہیں

بے ساختہ اتر پڑی گودی سے وہ حزیں فضہؑ نے رو کے پوچھا میں واری کہاں چلیں
منہ کو پھرا کے بولی سکینہؑ کہیں نہیں (۹۲) فضہؑ کھڑی ہیں صحن میں خیمے کے شاہ دیں

لیکن عجیب شکل شہ ارجمند ہے
منہ تو کھلا ہے پیاس سے اور آنکھ بند ہے

دوڑی بسوئے نیزۂ خُولی وہ خوش خصال فضہؑ بھی پیچھے پیچھے چلی کھولے سر کے بال
جا کر قریب نیزہ پکاری وہ خستہ حال (۹۳) فضہؑ شہید ہوگیا ہے ہے علیؑ کا لال

میں جانتی تھی قبلۂ حاجات آئے ہیں
سر کو چڑھا کے نیزے پہ بدذات آئے ہیں

پھر زیر نیزہ جھک کے پکاری وہ تشنہ کام باباحسینؑ قبلۂ کونین السلام
بابا اسیر ہو گئے سجّاد نیک نام (۹۴) بابا تمہارا کنبہ بھی لوٹا گیا تمام

اماں ہر ایک کونے میں پوشیدہ ہوتی ہیں
ہاتھوں سے منہ چھپائے پھوپھی جاں روتی ہیں

اب آہ کس زباں سے کہوں وامصیبتا رو رو کے کہہ رہی تھی یہ بنتِ شہ ہدا
ناگاہ دوڑا اس کی طرف شمر بے حیا (۹۵) اور کان سے یتیم کے دُر کھینچنے لگا

ظالم کی شکل دیکھ کے بچی دہل گئی
کانوں پہ ہاتھ رکھ کے زمین پر مچل گئی

ہیہات ایک ہاتھ سے ہاتھ اس کا تھام کر شمر لعیں نے کھینچ لئے کان سے گہر
کانوں کے خون سے ہوا کرتا تمام تر (۹۶) بابا کے سر کے سامنے بیٹھی وہ اپنا سر

صادق کی چاہ و پیار میں کیوں کر خلل پڑے
سر کانپا اور آنکھ سے آنسو نکل پڑے

بیٹی سے لپٹی دوڑ کے بانو بچشمِ نم بولی ہمارے دودھ کے واری تمہیں قسم
بس اب نہ ننھے ہاتھوں سے سر پیٹو دم بدم (97) میں سن رہی ہوں روتی ہے روحِ شہ امم
کانوں کا زخم شاہِ ہدا کو دکھاتی ہو
مرنے کے بعد باپ کو بھی تم رُلاتی ہو

بانو سکینہؑ سے ابھی کرتی تھی یہ کلام تھے لوٹنے میں بیوؤں کے معروف اہل شام
ہوتے ہی شام پھونک دیئے آگ سے خیام (98) ہنگامِ صبح وشام کو راہی ہوئے تمام
رانڈوں کا رہنما سرِ شاہِ امم بنا
شیریں کے گھر کے جانے کو نیزہ قدم بنا

خنجر کی طرح کاٹتے تھے راہ اہلِ شر ناگاہ اک طرف کو مڑا شاہِ دیں کا سر
حیراں ہوئی جو فوج تو زینبؑ نے دی خبر (99) آزاد کردہ شہ دیں کا ہے گھر ادھر
سر کٹنے پر بھی فرق نہ وعدے میں آئیگا
شیریں کے گھر ضرور سرِ شاہ جائیگا

قرباں راستیٔ سرِ شاہِ راستاں کج رو بھی آئے راہ پہ اور مڑ گئے نشاں
اس وقت اتنی راہ میں سیدھا تھا آسماں (100) ناقۂ حرم کے بھی اسی جانب ہوئے رواں
کعبے کی شان گرد سرِ شاہ پھر گئے
اٹھ اٹھ کے مثل قبلہ نما راہ پھر گئے

القصہ سر کے ساتھ چلے سب جوان و پیر پر آہ اور حالتِ زینبؑ ہوئی تغیر
بولی سرِ حسینؑ سے کیوں نائب امیرؑ (101) شیریں کے گھر حضور چلے اور ہم اسیر
وعدہ کیا ہے جاؤ گے تم بھائی جاؤ گے
شیریں کو بھی بہن کا کھلا سر دکھاؤ گے

اس نوحے سے سکینہؑ کو صدمہ ہوا کمال اکبرؑ کے سر کی لے کے بلائیں کیا مقال
بھیا تم ایسے صادق الاقرار کے ہو لال (102) جن کو کہ اپنی لونڈی کے وعدے کا ہے خیال
صغراؑ بہن کو آپ نہ لائے مدینہ سے
کیا لاتے ہائے نیزہ ہوا پار سینہ سے

پہنچی قریب قلعۂ شیریں کے جب سپاہ   چلائی در پہ جا کے یہ شیریں کے خیر خواہ
شیریں مبارک آیا مدینے کا بادشاہ (۱۰۳)   شیریں پکاری سچ ہے وہ بولے خدا گواہ
بیرق نمود وہ مدنی قافلے کی ہے
گھر گھر خبر حسینیوں کے داخلے کی ہے

سنتے ہیں ہم رکاب میں ساری خدائی ہے   بہر جہاد نکلی تھی سو فتح پائی ہے
بندی بھی ایک فوج حسینی میں آئی ہے (۱۰۴)   زینبؑ تری خوزادی بھی تشریف لائی ہے
بازار ساتھ ہے شتروں پر خزانہ ہے
سامان سلطنت ہے بڑا کارخانہ ہے

شیریں کا چہرہ سرخ ہوا اس کلام سے   شوہر پکارا تو بھی ہے ناجی مدام سے
دلوانا خلد آج مجھے بھی امام سے (۱۰۵)   بولی سلوک کرتے ہیں وہ خاص و عام سے
رتبے حسینؑ کے نہیں معلوم ہیں تجھے
آقا سے اپنے پوچھ کے دیدوں گی میں تجھے

پھر کچھ وہ سوچنے لگی زانوں پہ رکھ کے سر   شوہر نے پوچھا خیر ہے بولی کہ ہاں مگر
حیراں ہوں سن کے فوج حسینی کا کر و فر (۱۰۶)   آقا میرے سخی ہیں کہاں اتنا مال و زر
ہم پر قرق تھا در تلک آنے نہ پائے تھے
زینبؑ کو تو حضور کہیں لے نہ جاتے تھے

اس نے کہا کہ ہوش میں آ اے خوش اعتقاد   سنتے ہیں حج سے آپ گئے تھے پے جہاد
دشمن پہ فتح پائی تجمل ہوا زیاد (۱۰۷)   اب آج بندہ خانہ میں آتے ہیں بامراد
بعد طواف کعبہ حرم آئے ہوویں گے
بہنوں کو ساتھ قبلہ دیں لائے ہوویں گے

ان کی جناب ہے ارے اللہ کی جناب   ذرہ ذرا سے مہر میں بنتا ہے آفتاب
جن کو وہ چاہیں مہر سلیماں ہو دستیاب (۱۰۸)   خاصہ حضور کے لئے تیار کر شتاب
دیدار سے اب آنکھ کی تقدیر لڑتی ہے
لے سن وہ چوب طبل مقامی پہ پڑتی ہے

وہ بولی قابل ان کے نہ کھانا ہے نہ مکاں　　فرش ان کا عرش ہے تو غذا میوۂ جناں
ہر طرح سرفراز کریں گے شہِ زماں (۱۰۹)　　سامان تھوڑا تھوڑا ہے کرتی ہوں سب بیاں

جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو
لونڈی کے گھر میں آتے ہیں وعدہ وفائی کو

نقد نیاز لے کے پئے نذر وہ چلا　　اور یہ نماز شکر کی کرنے لگی ادا
نیت کے باندھتے ہی یہ راز خفی کھلا (۱۱۰)　　اب تک ہے بے نماز جنازہ امام کا

تسبیح فاطمہؑ میں جو یاد حسینؑ کی
آواز آئی فاطمہؑ کے شور و شین کی

ہمسائیاں کھڑی ہوئیں ہر سو کہ ہم بھی آئیں　　دن رات مانگتی تھی اسی روز کی دعائیں
پلکوں سے گھر کو جھاڑیں تو فرش آنکھوں سے بچھائیں (۱۱۱)　　صدقے کیا تھا جو سر و ساماں کہو وہ لائیں

پوچھو تو اغنیا سے یہ دولت بھی پائی ہے
آئے حسینؑ اب ترے گھر میں خدائی ہے

آیا ہے جن کی شان میں قرآں وہ آتے ہیں　　کعبے کے ہیں جو قبلۂ ایماں وہ آتے ہیں
سلماں ہے جن کا فخر سلیماں وہ آتے ہیں (۱۱۲)　　فطرس ہے جن کا بندۂ احساں وہ آتے ہیں

شیر خدا کے پیاروں کے پیارے حسینؑ ہیں
مالک ہمارے اور تمہارے حسینؑ ہیں

تم سے سفارشوں کے ہیں امیدوار ہم　　پائیں سلام حضرت زینبؑ کے بار ہم
دیکھیں تمہاری بی بی کا عز و وقار ہم (۱۱۳)　　ایراں کی شاہزادی ہے کیسے نثار ہم

ہم سائوں کے حقوق ادا آج کیجیو
ہم کو بلا کے رتبۂ معراج دیجیو

اس نے کہا میں سعی کو حاضر ہوں عذر کیا　　پر میری بی بیوں کا چلن سب سے ہے جدا
ارمان امیرزادیوں کو کوفے میں رہا (۱۱۴)　　مہمان کسی کے گھر نہ گئیں بنتِ مرتضیٰؑ

تم سب کا اشتیاق زیارت سناؤں گی
زینبؑ کا حکم ہوگا تو بے شک بلاؤں گی

پر ہاتھ جوڑتی ہوں کہ تنہا ہی آئیو لڑکوں کو اپنے ساتھ خدارا نہ لائیو
پردہ نہ دخترانِ علیؑ کا بھلائیو (۱۱۵) مجھکو عتاب آلِ نبیؐ سے بچائیو
یارب ہنسی خوشی میرے سب جہاں رہیں
میں دم بدم فدا رہوں وہ مہرباں رہیں

مصروف اہتمام ہوئی پھر وہ باوفا جھاڑا بہارا گھر کو کیا فرش جا بجا
مانند سنگ فرش فلک ہو کے جبہہ سا (۱۱۶) آ بیٹھے دور دور ادب سے جدا جدا
کیا فرش تھا کہ عرش کو جائے سخن نہ تھی
پیشانی سنگ کی طرح اک شکن نہ تھی

بیت الحرم وہ گھر تھا کہ تھی آمد حرم ہر سنگ فرش تھا حجر الاسودِ حرم
آئینوں سے حلب تھا تو گلدستوں سے ارم (۱۱۷) ہر شے قرینے سے نہ زیادہ کہیں نہ کم
نظارۂ حسینؑ کے ارماں دکھا دیئے
پلکوں کی چلمن آنکھ کے پردے لگا دیئے

مسند بچھائی بہر شہنشاہِ مشرقین تکیہ پر ہما کے لگائے بزیب و زین
کیا جانتی تھی ہوگا یہاں ماتم حسینؑ (۱۱۸) سن پایا تھا صغیر بھی بانو کا نورِ عین
دالان میں درست کیا گاہوارے کو
بولی میں خود جھلاؤں گی بی بی کے پیارے کو

گھر کو بنا سنوار چکی جب وہ نیکنام حجرے میں پھر سلیقے سے کھانے چکے تمام
شربت صراحیوں میں بھرا دھوئے سارے جام (۱۱۹) ہے ہے نہ یہ خبر تھی کہ پیاسے موئے امام
میوہ چنے طبقچوں میں اکبرؑ کے واسطے
کوزوں میں دودھ بھر دیا اصغرؑ کے واسطے

سامان یاں تو یہ تھا سنو واں کا ماجرا جا کر عزیر ہائے غضب دیکھتا ہے کیا
بے چوبہ ہائے بوقلموں ہیں جدا جدا (۱۲۰) ہر سو ہے تہنیت کی صدا جشن کی بنا
لشکر میں ایک خیمہ نہایت بلند ہے
سمجھا یہ بارگاہِ شہِ ارجمند ہے

ناگہہ سنے وہ بین کہ تھرا گیا جگر — کیا دیکھتا ہے نیزوں پہ ہیں حاجیوں کے سر
اشراف زادیاں کئی بیٹھی ہیں خاک پر [121] — بازو بندھے ہیں یوں کہ رسن ہے لہو میں تر
جو ان کے پاس جاتا ہے وہ تھرتھراتی ہیں
بالوں سے اور ہاتھوں سے چہرے چھپاتی ہیں

اک بی بی ان اسیروں میں کہتی ہے وا اخاہ — تھامے ہوئے جگر کوئی چلا رہی ہے آہ
برچھی لگی ہے میرے جگر میں خدا گواہ [122] — اک لڑکی کی فغاں ہے کہ فریاد یا الٰہ
پیدا ہوئی تھی کیا میں طمانچوں کے کھانے کو
بابا چچا نہ آئیں گے میرے چھڑانے کو

بیوؤں کے پاس جا کے پکارا وہ خوشخصال — آقا کے شوق میں ہے ٹھہرنا مجھے محال
پر مضطرب ہوں دیکھ کے بکھرے تمہارے بال [123] — کچھ مجملاً بیان کرو اپنا جلد حال
کب سے ہو قید کب سے سروں پر ردا نہیں
یہ اطلاع میری خوزادی کو کیا نہیں

جن سے عرب میں ہوتا ہے ایسا ہی کچھ گناہ — ہاتھ ان کے گردنوں کی طرف باندھتے ہیں آہ
تم بے خطا ہو میری نظر میں خدا گواہ [124] — سہواً تو قید کر کے نہ لے آئی ہو سپاہ
کیوں کر کہوں نہ پوچھا تمہارے قصور کو
عرضی بھی کوئی کی تھی ہمارے حضور کو

ملحق جو اپنے تن سے یہ پر نور سر نہیں — آقائے داوری کو میرے کیا خبر نہیں
انصاف کے طریقے سے یاں درگزر نہیں [125] — حقا کہ یہ شریعتِ خیر البشر نہیں
رستے میں کاسۂ سرِ کافر جو پاتے تھے
خود بوتراب خاک میں اس کو چھپاتے تھے

دربارِ عام میں اگر آقا کو پاؤں گا — میں ان سروں کے دفن کا فرمان لاؤں گا
قصدِ محل سرا کی بھی ڈیوڑھی پہ جاؤں گا [126] — تم سب کا دکھ خوزادی کو اپنی سناؤں گا
ان پر ہوا ہے خاتمہ مشکل کشائی کا
دلواؤں گا ابھی تمہیں خلعت رہائی کا

زینبؑ نے پوچھا کیا ترا آقا کا ہے خطاب　　پڑھ کر درود بولا حسینؑ ابن بوتراب
وہ بولی خیر نام خوزادی کا ہے شتاب (۱۲۷) بولا جناب حضرت زینبؑ فلک مآب
اپنے پرائے ان سے سبھی فیض یاب ہیں
کونین میں یہ بھائی بہن انتخاب ہیں

شہزادی میرے اکبرؑ و قاسمؑ نکو سیر　　ہو ہو کے مہرباں تمہیں بخشیں گے مال و زر
روتی ہے بالیوں کے لئے یہ جو نوحہ گر (۱۲۸) دے گی میری خوزادی سکینہ اسے گہر
یہ بے دوا مریض جو فاقوں سے سست ہے
جب در پہ پنجتن کے گیا تندرست ہے

چلائی پیٹ پیٹ کے منہ خواہر حسینؑ　　سمجھا ہے اس سپاہ کو تو لشکر حسینؑ
گرد سر حسینؑ ہیں یہ یاور حسینؑ (۱۲۹) زینبؑ عزیز مردہ میں ہوں وہ سر حسینؑ
کفنا سکی نہ بھائی کو سب میں فقیر ہوں
چہلم بھی اب قریب ہے اور میں اسیر ہوں

بے دیکھ تو سکینہؑ یہ حضرت کی جائی ہے　　وہ پہنے بیڑیاں علی اکبرؑ کا بھائی ہے
بندی میں ہم کو فوج ستمگار لائی ہے (۱۳۰) اب تک لحد نہیں میرے بھائی نے پائی ہے
پانی کے کرتے ہائے اشارے گئے حسینؑ
شیریں سے جا کے کہدے کہ مارے گئے حسینؑ

یہ سن کے گھر کو روتا چلا وہ بشور و شین　　نوحہ یہ تھا کہ ہائے پیمبرؐ کے نور عین
شیریں نے پوچھا خیر سے ہیں شاہ مشرقین (۱۳۱) سر پیٹ کر وہ بولا کہ مارے گئے حسینؑ
دیکھے نہیں یہ ظلم کسی نے زمانے میں
رسی بندھی ہے زینبؑ بیکس کے شانے میں

جس وقت یہ عزیز نے شیریں کو دی خبر　　بے ساختہ وہ گھر سے نکل آئی ننگے سر
نزدیک جب اسیروں کے پہونچی بچشم تر (۱۳۲) یوں شکل شہربانو کی اس کو پڑی نظر
بلوے میں سر ہے بانوئے شہ کا کھلا ہوا
ہے خون بھرا کلیجہ پہ کرتا دھرا ہوا

شیریں قدم پہ گر کے یہ بولی بصد فغاں   اے میری شہزادی کرو حال کچھ بیاں
نتھ کیوں بڑھائی آپ نے مخدومۂ جہاں (۱۳۳)   آقا میرا کہاں میرے شہزادے ہیں کہاں
بی بی بتائیے مجھے ہے ہے یہ کیا ہوا
کرتا یہ کس کا سونگھتی ہو خوں بھرا ہوا

بانو نے سر کو پیٹ کے شیریں سے یہ کہا   وارث کا میرے خشک گلا تیغ سے کٹا
بلوے میں ہم کو لائے ہیں سر ننگے اشقیا (۱۳۴)   اب قید ہو کے شام میں جاتے ہیں بے ردا
اونٹوں پہ ننگے سر حرم مصطفیٰ پھرے
لوٹے گئے اسیر ہوئے بے ردا پھرے

شیریں میں لٹ گئی میرا شوہر ہوا تمام   اٹھارہویں برس علی اکبرؑ ہوا تمام
کس کس کا تجھ سے نام لوں سب گھر ہوا تمام (۱۳۵)   بن دودھ چھ مہینے کا اصغرؑ ہوا تمام
الفت بہت تھی اس پسرِ شیر خوار سے
اصغرؑ کا کرتا سونگھ رہی ہوں پیار سے

عابد کے پاس پھر گئی شیریں جگر فگار   قدموں پہ گر کے کہنے لگی ہو کے اشکبار
ارشاد کچھ کنیز سے فرمائیں میں نثار (۱۳۶)   آنکھیں جھکا کے بولے یہ سجاد نامدار
منہ دخترانِ فاطمہؑ کا بے نقاب ہے
دے ان کو چادریں کہ یہ کارِ ثواب ہے

شیریں نے یہ کلام جو سجاد کا سنا   کچھ چادریں وہ دوڑ کے لائی بصد بکا
کی نذر اہلبیت کی ایک ایک پھر ردا (۱۳۷)   زینبؑ سے رو کے عابد بیمار نے کہا
سر ڈھانپیئے کہ رنج اٹھانا ہے آپ کو
دربار میں یزید کے جانا ہے آپ کو

شیریں نے اپنے ہاتھ سے تب لے کے اک ردا   سر پہ اڑھا کے فاطمہ کبرا نے یہ کہا
منہ ڈھانپ لو کنیز ہوں سو جان سے فدا (۱۳۸)   کبرا پکاری مجھ کو نہ چادر ابھی اڑھا
مقتل میں بے کفن میرے والی کی لاش ہے
دو گز کفن کے دولہا کے خاطر تلاش ہے

شیریں کا حال خوب لکھا آفریں دبیر   عذب البیان ہیں مدح میں سب مومنیں دبیر
رطب اللسان ہے طوطی سدرہ نشیں دبیر   [۱۳۹]حسن قبول دیں شہ دنیا و دیں دبیر
حسان وقت متصل شاہ زمن ہے تو
بحرین میں ہے شور کہ شیریں سخن ہے تو

مرثیہ ۵

انگشتری عرش کا یارب نگیں دکھا   اگتا ہے تخم عفو جہاں وہ زمیں دکھا
دربارِ شاہزادۂ روح الامیں دکھا (۱)   آرام گاہِ قبلۂ دنیا و دیں دکھا
مٹی میری عزیز اگر وہ زمیں کرے
فردوس بھی بلائے تو بندہ نہیں کرے

یارب مجھے نمونۂ عرشِ بریں دکھا   اوجِ رواقِ نورِ جہاں آفریں دکھا
سجدے کو خم جہاں ہیں ملک وہ زمیں دکھا (۲)   دربارِ عرش جاہ امام مبیں دکھا
بے چین ہوں فراق شہ مشرقین میں
پہنچادے اب کی سال رواقِ حسینؑ میں

عرش بریں کا فخر جو ہے یہ زمیں وہ ہے   انگشتری اگر ہے جہاں تو نگیں وہ ہے
ہاں سجدہ گاہ حضرت روح الامیں وہ ہے (۳)   کیونکر نہ ہو رواقِ امامؑ مبیں وہ ہے
یہ مرتبہ ملا نہیں بیت الحرام کو
ساتوں فلک ادب سے جھکے ہیں سلام کو

کرسی کو عرش، عرش بریں کو ضیا نصیب   عیسیٰؑ کو چرخ خضرؑ کو آب بقا نصیب
بلبل کو گل نصیب گلوں کو فزا نصیب (۴)   رضواں کو باغ خلد مجھے کربلا نصیب
کیا مالِ سلطنت ہے جو یہ مدّعا ملے
اکسیر ہاتھ آئے جو خاک شفا ملے

عاشق کی زندگی ہے جو معشوق پاس ہے   نالاں ہے دید گل سے جو بلبل کو یاس ہے
قمری کا عشقِ سرو میں خاکی لباس ہے (۵)   آقا کے ہجر سے دل خادم اداس ہے
بھولوں بہار گلشن عنبر سرشت کو
دیکھوں کبھی نہ آنکھ اٹھا کر بہشت کو

کعبے کو اپنے نور سے معمور کر دیا   دم میں بتوں کو نام خدا دور کر دیا
ہر شے کو اپنے نور سے پر نور کر دیا (۶)   جس کوہ پر قدم کو رکھا طور کر دیا
کیا آبرو بڑھائی زمین عراق کی
رفعت عطا کی گنبد نیلے رواق کی

ادنیٰ کو چاہیں رتبۂ اعلیٰ کریں عطا زیرِ قدم ہے ان کے سرِ عرشِ کبریا
پایا ہے ان کے نام سے کرسی نے مرتبا[7] ذرّوں کو زر دیا مہ و خورشید کو ضیا

ہوتی نہ مہر گر خلفِ بوتراب کی
قلعی کھلی ہوئی تھی مہ و آفتاب کی

کیا مرتبہ جناب کے حسنِ جبیں کا ہے خورشید کیا ہے عکس یہ ان کے نگیں کا ہے
ماہی سے تابہ ماہ عمل شاہِ دیں کا ہے[8] خالق کے بعد خلق میں ڈنکا انہیں کا ہے

جاری ہے حکم ذروں پہ اور ماہتاب پر
سکّہ پڑا ہے اشرفی آفتاب پر

ممکن نہیں غلام سے آقا کی ثنا ہو مدّاح ان کا ہے لبِ قدرت سے کبریا
حیراں ہوں جن کی شان میں آیا ہے ھل اتا[9] ظالم انہیں پہ ظلم کریں حیف کی ہے جا

تفصیل وار حال امامِ ہدیٰ لکھوں
مدِّنظر ہے معرکۂ کربلا لکھوں

رشکِ بہارِ خلد ہے میدانِ کربلا سرو رواں ہے خارِ بیابانِ کربلا
ظلّ خدائے سایۂ دامانِ کربلا[10] دارالشفا ہے روضۂ سلطانِ کربلا

کیوں کر نہ اس کا مرتبہ سب سے جلیل ہو
صحّت حصول ہو جو مسیحا علیل ہو

کیا منتہائے اوج پہ بخت زمیں ہوا اس سرزمیں پہ روضۂ سلطانِ دیں ہوا
روشن فروز دوشِ نبیؐ کا مکیں ہوا[11] اک اک ذرّۂ نور پہ مسند نشیں ہوا

روشن شرف خدا نے کیے خاکساروں کے
ذرّوں نے اب چراغ بجھائے ستاروں کے

جان بخش و جاں فزائے جناں ہے فزائے صحن آئینۂ حلب سے فزوں ہے صفائے صحن
باغِ ارم کی غالیہ سا ہے ہوائے صحن[12] رضواں ہمیں جناں میں تو ایسا دکھائے صحن

پہنچاتی ہے نسیم جو نکہت ضریح کی
ہر دم ہے روح تازہ جناب مسیحؑ کی

اک سمت صحن پاک میں ہے مدرسہ بنا محکم اصول کی ہے بنا اسے دائما
کیا کیا مدرسین ہیں ابرار و اتقیا (۱۳) بحر العلوم وجحۃ الاسلام و مقتدا
عالم ہیں جو بڑے ہیں جواہر کلام کے
کافی یہ وصف ہے کہ ہیں نائب امام کے

ہیں سالک مسالک شرع پیمبری تحریر ان کی عین قوانین جعفری
مجمع سے ان کے پائی مجالس نے برتری (۱۴) ہیں بہرہ مند ان کے خزائن سے جوہری
ارشاد معتبر سے جو لذت اٹھاتے ہیں
تہذیب مومنین مجالس سے پاتے ہیں

مشرق کی سمت قاضی حاجات ہے جو در حجرہ قریب اس کے ہے پاکیزہ جلوہ گر
ہے آبدار خانہ سلطان بحر و بر (۱۵) رضواں کو جس کی چاہ ہے سب سے زیادہ تر
خدمت سے کوثر آبروئے تازہ پاتا ہے
تو صافیوں سے چھن کے وہاں پانی آتا ہے

دو اور سقے خانے ہیں ایسے ہی دلپسند آب گہر سے صاف ہے پانی کہیں دو چند
شیریں یہ ذائقہ ہے کہ سیروں گھلائے قند (۱۶) مصری نہ بات کرسکے پیتے ہی لب ہوں بند
سرد و خنک ہے لطف جناب الٰہ سے
ٹھنڈا کلیجہ برف کا ہے اس کی چاہ سے

پھرتے ہیں صحن پاک میں سقے بصد ادب مشکیں بھری فرات سے لاتے ہیں سب کے سب
ساغر بکف پکارتے ہیں یوں وہ خوش لقب (۱۷) ہے یہ سبیل نذر شہنشاہ تشنہ لب
آنکھیں خنک ہوں سرد جگر تر دہن رہے
پیاسا نہ کوئی زائر شاہ زمن رہے

بخت رسا سے جب وہاں زوار جاتے ہیں اور جام آب سرد لبوں سے لگاتے ہیں
لب ہائے خشک شاہ زمن یاد آتے ہیں (۱۸) اس دھیان میں وہ آنکھوں سے دریا بہاتے ہیں
دریا لہو کے اس کے لئے رن میں بہہ گئے
پیاسے مگر ہمارے خداوند رہ گئے

وہ گرم لُو وہ گرمیِ صحرائے کربلا   اور شدتِ عطش سے ہر اک غش میں مبتلا
غل العطش کا آلِ پیمبرؐ میں برملا (۱۹)   اور خشک مارے پیاس کے بے شیر کا گلا
زہراؑ سے پوچھو کیا قلق اس دم گذر گیا
جب پیاسا بچہ باپ کی گودی میں مر گیا

اللہ رے شان روضۂ شاہ فلک جناب   ہے سب مہینوں میں رمضان ماہِ انتخاب
افلاک میں نواں فلک، انجم میں آفتاب (۲۰)   گردوں پہ عرش ہے تو زمیں پر وہ لاجواب
واں جبہ سا نہ ہو کوئی ایسا ملک نہیں
کعبے کا ہے وہ قبلہ نما اس میں شک نہیں

نقاشِ نقش کن فیکوں نے دم ازل   نقشہ رواق شاہ کا کھینچا تھا بے بدل
محرابِ در کے عکس سے گردوں پہ برمحل (۲۱)   قالب بلال کا ہوا تیار بے خلل
اس در کا حسن خلق میں جب جلوہ گر ہوا
محراب نہ سپہر کا قالب وہ در ہوا

بڑھے جو آگے صحن سے قصر جناں ملے   جائے نزول قدسی عرش آشیاں ملے
دوش حبیبؐ حق کے مکیں کا مکاں ملے (۲۲)   آرام گاہ بادشۂ انس وجاں ملے
یہ خواب گاہ خسرو عرش آستاں کی ہے
رحمت محیطِ خالقِ کون و مکاں کی ہے

بالائے سقفِ قبہ کے نیچے دم نگاہ   نقش و نگار بوقلموں ہیں خدا گواہ
گلدستے ہر روش کے منقش ہیں واہ واہ (۲۳)   کیا کیا ہیں پھول پتے زہے شان بارگاہ
سب رنگ اس کے فرع ہیں اور وہ اصول ہیں
پتے زمرّدیں ہیں تو سونے کے پھول ہیں

ہے رنگ لاجورد کہیں اور طلا کہیں   غنچہ کہیں گلاب کا سوسن کھلا کہیں
پتی سے گل جدا ہے کہیں اور ملا کہیں (۲۴)   نقرے کی ہے چمک تو طلا کی جلا کہیں
حیرت زدہ ہو چشم فلک رنگ دیکھ کر
اڑ جائے رنگ مانی ارژنگ دیکھ کر

گلدستوں سے کھلا ہے وہاں گلشن جناں   طوبیٰ نہال کیوں نہ ہو وہ گل ہیں بے خزاں
روح القدس ہے بلبل باغِ شہ زماں [۲۵] مرغان نغمہ سنج جناں کا ہے آشیاں
واں کیوں نہ باغ باغ ہو دل خاص و عام کا
نغمہ درود کا ہے ترانہ سلام کا

یٰسینؐ خط نور سے ہے جا بجا رقم   روشن ہو آنکھ پڑتے ہی ایسا جلی قلم
حرفوں کی کیا نشست ہے کیا دائرہ بہم [۲۶] جو لام ہے وہ زلف سر حور کا ہے خم
دل کے لئے کمند ہے ہر حلقہ دال کا
خلعت ہر اک مد کو ملا ہے ہلال کا

ہے قدرت خدا کی سرِ قاف پر کلاہ   ابروئے ماہِ نو کی ہے ہر نون پر نگاہ
حسن الف کارات یہ مضمون ہے واہ واہ [۲۷] انگلی ہے یہ شہادت شبیرؑ پر گواہ
شرمندہ حور عین کی آنکھیں ہیں عین سے
سب دائرے ہیں دامن رحمت میں چین سے

دیوار و در میں آئینہ بندی ہے جا بجا   گویا تراش ڈالے ہیں الماس بے بہا
کیا اس میں عکس شمع فروزاں کا ہے مزا [۲۸] جو ہر شناس کہتے ہیں حیرت سے برملا
کس حسن سے ہیں شمع کے پرتو پڑے ہوئے
ہیرے کے رنگ ہیں لعل یمن میں جڑے ہوئے

صد ہا پھل کٹے ہیں جو شیشوں میں سربسر   ہر ایک پھل ہے صورت خورشید جلوہ گر
اور اس میں عکس شمع کا ہے لطف کس قدر [۲۹] اک جا پہ رات دن بہم آجاتے ہیں نظر
اس طرح شمع جلوہ نما ہے جناب میں
جس طرح سے چراغ کف آفتاب میں

خشت طلا سے قبہ بنائے بآب و تاب   نور و ضیا ہے گنبد پر زر میں بے حساب
کہتا ہے آسماں کو یہ گنبد ہے لاجواب [۳۰] جس شمس کے حضور ہر اک ذرہ آفتاب
ہے مصلحت مشیت پروردگار میں
ورنہ رہے تمیز نہ لیل و نہار میں

ہوتا ہے کیوں غروب ہر اک روز آفتاب (۳۰) دل نے نکالا ڈوب کے کیا خوب یہ جواب
ہے سربلند قبۂ شاہِ فلک جناب (۳۱) دیکھے نہ ایک دن یہ فلک کو کہاں ہے تاب
شمسے کے دیکھنے کو جو وہ سر اٹھاتا ہے
عمامہ آفتاب کا سر سے گراتا ہے

خدام بارگاہ سرِ شام آن کر شمعیں جلا کے ہوتے ہیں استادہ ہمہ گر
پڑھ پڑھ کے اذن چوم کے چوکھٹ جھکا کے سر (۳۲) ہوتے ہیں داخلِ حرمِ شاہِ بحر و بر
جاری درود رہتا ہے یکسر زبان پر
لا لا کے شمع رکھتے ہیں ہر شمعدان پر

ملتا نہیں ہے دودِ سرِ شمع کا دھواں پارہ ہوا یہ اڑ کے گیا کس طرف کہاں
مشاطۂ خرد نے کہا سن لے مجھ سے ہاں (۳۳) کاجل بنایا حوروں نے لیلیٰ کے وہ دھواں
آنکھوں میں ان کی آتا ہے نور اس سبیل سے
لیتے ہیں سرمہ آن کے لاکھوں ہی میل سے

شمعِ مزار شاہ کا اللہ رے وقار پروانہ وار حور و ملک جس پہ ہیں نثار
گرتا ہے گل جو شمع فروزاں سے بار بار (۳۴) رکھتا ہے سر پہ بلبلِ سدرہ بافتخار
طورِ ادب ملایکہ اظہار کرتے ہیں
لیتے ہیں اور طرۂ دستار کرتے ہیں

کیوں کر کرے نہ شمع فروزاں بلند سر گردِ ضریح شام سے روشن ہے تا سحر
پر آہ اشک بھی جاری ہیں رات بھر (۳۵) ہے سونچ بے کفن شہدا تھے جو خاک پر
نے روشنی تھی شمع کی اور نے چراغ کی
ہاں روشنی تھی فاطمہ کے دل کے داغ کی

شمعیں حرم میں جلتی ہیں باہر چہل چراغ فخرِ آسماں پہ ہر اک لو کا ہے دماغ
گل لینے سے نہیں ہے فرشتوں کو انفراغ (۳۶) روضے کو دیکھ کر دلِ رضواں ہے باغ باغ
عالم فروز دیکھ کے روضے کے نور کو
بھولی ہے لن ترانی تجلی طور کو

چاندی کا صفحہ سونے کا گر ہو قلم بہم　　مدحِ ضریحِ سرورِ والا کروں رقم
نے نے یہ وصف اور ضریحِ شہِ اممؑ (۳۷) ہاں ہاتھ آئے شہپرِ جبرئیلؑ کا قلم
اور لوحِ صاف خازنِ جنت کا سینہ ہو
تب مدحتِ ضریح کا کچھ کچھ قرینہ ہو

کروبیانِ عرشِ خدا شام اور سحر　　مصحف کی طرح رکھتے ہیں اس پر سدا نظر
تارِ شعاعِ باصرہ مل مل کے یک دگر (۳۸) حلقہ کیے ہیں قبرِ امامؑ انام پر
عاقل کو نکتہ کافی ہے فکرِ صحیح کا
نورِ نگہ ہر اک ہے شہ کی ضریح کا

واللہ ہے وہ مطلعِ انوارِ کبریا　　دیکھی کلیم نے نہ سرِ طور پہ ضیاء
محبوبِ حق کے پیارے نے اس کو شرف دیا (۳۹) آتے ہیں اس ضریحِ منور پہ انبیاء
تربت ہے اس میں فاطمہؑ کے نورِ عین کی
زہراؑ سے پوچھو قدر ضریحِ حسینؑ کی

رشکِ فلک ہے قبہ تو رشکِ ارم ضریح　　کب مرتبے میں کعبۂ حق سے ہے کم ضریح
سچ پوچھو تو ہے حرمتِ بیت الحرام ضریح (۴۰) ہے پائنتی ضریح کے اک اور بھی ضریح
واللہ وہ ضریح ہے اس نونہال کی
پائی ہے جس نے عمر کل اٹھارہ سال کی

پائین باپ کے علیؑ اکبر جو سوتے ہیں　　دل ٹکڑے ہائے دیکھنے والوں کے ہوتے ہیں
یوں روتے ہیں کہ اشکوں سے دامن بھگوتے ہیں (۴۱) زخمِ جگر کے داغ سے بے ہوش ہوتے ہیں
آیا ہے دھیان صبرِ ستم بر کیے ہوئے
زخمی پسر کو شاہ ہیں اب تک لیے ہوئے

پھر ہٹ کے واں سے گنجِ شہیداں ہے چند گام　　واں بھی ہے اک ضریح بنی باصد احترام
عالی مقام ہیں رفقائے شہؑ انام (۴۲) کیا درجے کیا وقار ہیں کیا ان کے ہیں مقام
زندہ رہے تو شاہِ امم پر فدا رہے
مرنے کے بعد بھی نہ قدم سے جدا رہے

پھر فاصلے پر کوکب زائر کی ہے ضریح شہ کے رفیق طیب و طاہر کی ہے ضریح
خوش خو و پاک باطن و ظاہر کی ہے ضریح[۴۳] مقبول حق حبیب مظاہر کی ہے ضریح
ایسے بھی جاں نثار زمانے میں کم ہوئے
پیری میں واہ فدیۂ شاہِ امم ہوئے

قصرِ جناں ہے زینتِ ایوانِ کربلا عالی ہے بارگاہِ سلیمانِ کربلا
دن رات مہر و ماہ ہیں دربانِ کربلا[۴۴] اور رحمت خدا ہے نگہبانِ کربلا
پر جب ہلالِ ماہِ محرّم نظر پڑا
روضے کا شہؑ کے اور ہی عالم نظر پڑا

تاریخ پہلی جب ہوئی ماہِ عزا کی آہ ہوتی ہے صبح آن کے خدام بارگاہ
گنبد پہ ڈال دیتے ہیں اک پوشش سیاہ[۴۵] تیرہ جہاں ہوتا ہے اس دم دم نگاہ
رخت عزا جو گنبد انور پہ پڑ گیا
نقشہ دلوں کے چین کا بالکل بگڑ گیا

جب گنبد و ضریح کو دیکھا سیاہ پوش رہتا نہیں ہے زائروں کو پھر حواس و ہوش
بے اختیار ہوتا ہے دل پر قلق کا جوش[۴۶] ماتم کا غلغلہ ہے تو رونے کا ہے خروش
ماتم نہ کس طرح سے ہو اور شور و شین بھی
گنبد سیاہ پوش و ضریح حسینؑ بھی

نگیرہ بھی ضریح پہ کھنچتا ہے اک سیاہ رخت سیہ پہنتے ہیں خدام بارگاہ
اکثر حدیث میں یہ ہے آیا خدا گواہ[۴۷] ماہ عزا میں فاطمہ زہرؑا بھی آہ آہ
رونے سے ایک دم نہیں خاموش ہوتی ہے
سر پیٹتی ہے اور سیہ پوش ہوتی ہے

دن کو تو ہے گھروں میں بپا مجلسِ عزا کوچہ بکوچہ رات کو ماتم کی ہے صدا
دستے نکل کے رہتے ہیں تا صبح جا بجا[۴۸] ہوتی ہے غلغلے سے قیامت نئی بپا
ماتم کا جوش ہوتا ہے یہ نوجوانوں کو
جنبش دھمک سے ہوتی ہے گویا مکانوں کو

اللہ رے عزائے شہنشاہِ نامدار آتے ہیں صحن پاک میں سیدھے وہ سوگوار
سینہ زنی کا ہوتا ہے پھر جوش ایک بار (۴۹) یوں پیٹتے ہیں سینے کو دل ہوتا ہے فگار
اس وقت ہوش دیکھنے والوں کے جاتے ہیں
ماتم سے جب زمین و فلک وہ ہلاتے ہیں

ترکوں کے غول صحن میں اس طرح آتے ہیں تیغوں کو ہاتھ سینے جبیں کو بناتے ہیں
باہم جبیں پہ تیغ دو دم کو لگاتے ہیں (۵۰) خوں اپنے سر سے ماتم شہ میں بہاتے ہیں
واللہ کیا ولا انہیں شاہِ زمن کی ہے
پروا نہ جان کی نہ انہیں تن بدن کی ہے

کیا وقت شام ہوتا ہے زوّاروں کا ہجوم پھر پڑھ کے اذن داخلہ چوکھٹ کو چوم چوم
ہوتے ہیں داخل حرم شہ علی العموم (۵۱) غل السلام کا ہے تو صلِّ علا کی دھوم
محوِ دعا کوئی ہے بیان فصیح سے
کوئی لپٹ کے روتا ہے شہ کی ضریح سے

سب سے زیادہ ہے شب جمعہ کا اہتمام خدّام اور مجاور و زوار و خاص و عام
ہوتے ہیں جمع گردِ ضریحِ شہ انام (۵۲) بس کہ لگا ہیں ہوتے ہیں سر سر یہ اژدحام
پڑھتا ہے جامعہ کوئی دل کے رجوع سے
اور کوئی مضجعہ کو خضوع و خشوع سے

پڑھتا ہے کوئی ناحیہ باچشم واشکبار جو صاحب الزماں کی زباں سے ہے میں نثار
فقرے وہ جاں گزا ہیں کہ دل ہوئے بیقرار (۵۳) کیسا قرار ہوتی ہے برچھی جگر کے پار
دل زائران شاہ کے ناسور ہوتے ہیں
لو بعض فقرے اُس میں کے مذکور ہوتے ہیں

گیارہ امام کا جو ہے موجود سوگوار یعنی امام مہدئ دیں نور کردگار
فرماتا ہے یہ بادل محزون و حال زار (۵۴) اس پر سلام جو ہوا مظلوم و بے دیار
اس پر سلام ذبح جفا سے جو ہو گیا
اس پر سلام نحر قفا سے جو ہو گیا

اس پر سلام جس کے حرم تھے کشادہ مُو اس پر سلام جو رہا پیاسا کنارِ جو
اس پر سلام کٹ گئی جس کی رگِ گلو (۵۵) اس پر سلام جس کا زمیں پر بہا لہو

میرا سلام صاحبِ خلدِ تریب پر
پہلو ہے جس کا چُور سلام اس غریب پر

ان ہونٹوں پر سلام جو سوکھے بغیر آب اس ریش پر سلام ہوئی خوں سے جو خضاب
اس سینے پر سلام جو زخمی تھا بے حساب (۵۶) اس جسم پر سلام جو تھا زیرِ آفتاب

ناوک لگا تھا جس پہ سلام اس جبین پر
اس خون پر سلام بہا جو زمین پر

اس پر سلام جو تھا ابھی تازہ نوجواں اکبرؑ شبیہ صورتِ پیغمبرؐ زماں
جس نوجواں کے عین جگر پر لگی سناں (۵۷) اس پر میرا سلام جو بچہ ہے بے زباں

معصوم تھا صغیر تھا پلتا تھا شیر سے
چھدا گلے کو جس کے لعینوں نے تیر سے

اس پر سلام جس کے لٹے اور جلے خیام زنجیر میں بندھے تھے حرم جس کے صبح و شام
اس سر پہ ہو سلام جو مابین راہِ شام (۵۸) نیزے پہ جنگلوں میں پھرایا گیا تمام

اس پر سلام جس کا لباسِ بدن لٹا
چادر لٹی عمامہ لٹا، پیرہن لٹا

ان پر سلام جو ہوئے آوارہ از وطن نیزے پہ سرزمیں پہ جلے دھوپ میں بدن
ان پر سلام جو ہوئے مدفون بے کفن (۵۹) دفنایا ان کو اہلِ قری نے بصد محن

اس جسم پر سلام، جو غربال ہو گیا
جولاں ہوئے جو گھوڑے تو پامال ہو گیا

ان دانتوں پر سلام کہ جن پر لگی چھڑی وہ دانت شہ کے تھے درِ شہوار کی لڑی
ان پر چھڑی لگائی تھی ظالم نے جس گھڑی (۶۰) زینبؑ بہن حسینؑ کی تھی سامنے کھڑی

غش ہو گئی نواسی رسالتؐ پناہ کی
اس دم سرِ حسینؑ نے تھرا کے آہ کی

اس کا سلام آپ پہ اے شاہِ نامدار   آنکھیں ہیں جس کے نام پر حضرت کی اشکبار
گذری ہیں جو مصیبتیں بے حد و بے شمار (۶۱) ہوتی نہیں ہیں دل سے فراموش زینہار

مظلومیت حضورؑ کی ہر دم نظر میں ہے
آنکھوں میں اشک رہتا ہے قرحہ جگر میں ہے

اس کا سلام لیجئے اے شاہِ کربلا   اب تک ہے جو تاسف و حسرت میں مبتلا
اے کاش کرتا آپ کی نصرت دم بلا (۶۲) رکھ دیتا زیر تیغ عوض آپ کے گلا

حسرت یہ ہے زمانہ مؤخر ہوا میرا
نے جاں فدا کی اور نہ جدا سر ہوا میرا

نصرت سے آپ کی رہا محروم دل فگار   سینے پہ تیر کھائی نہ شمشیر آبدار
برچھی کوئی ہوئی نہ ہمارے جگر کے پار (۶۳) اس کا علاج کیا ہے پر اے شاہِ نامدار

صبح و مسا حضور پہ آہ و فغاں کریں
آنکھوں سے خون، اشک کے بدلے رواں کریں

مہلت اجل سے جب تلک اس زندگی میں پائیں   گذری ہیں جو مصیبتیں ان کو زباں پہ لائیں
آٹھوں پہر نہ رونے سے زنہار ہاتھ اٹھائیں (۶۴) آنکھوں کی راہ خون جگر سر بسر بہائیں

ناسور پڑ گیا ہے دل ناصبور میں
دم بھی جو نکلے اب تو عزائے حضور میں

کیوں یارو کیسے فقرے ہیں یہ تشنہ جگر   یہ صاحب الزمانؑ سے ہیں منقول سر بسر
سچ ہے کہ آہ صاحبِ ماتم کو ہے اثر (۶۵) کروبیانِ عرش بھی ہوتے ہیں نوحہ گر

فارغ جو اس زیارت سرور سے ہوتے ہیں
لپٹے ہوئے ضریح سے زوّار روتے ہیں

بالائے سر ہے زائرِ سرور کوئی کھڑا   صرفِ دعا و صرفِ مناجات کبریا
شہ کی ضریح سے کوئی لپٹا بصد بکا (۶۶) بخشش کی اپنی کرتا ہے رو رو کے التجا

دست دعا اٹھائے جو زوّار رہتے ہیں
روح الامیں سدرے پہ آمین کہتے ہیں

کیا شانِ روضۂ شہ عالم پناہ ہے گویا زمیں پہ جلوۂ عرش الاہ ہے
حیدرؑ کے نورِ عین کی یہ بارگاہ ہے (۶۷) سیدھی یہیں سے گلشن جنت کی راہ ہے

جو زیر قبۂ شہ والا دعا کرے
ممکن نہیں قبول نہ اس کی خدا کرے

قربان ہم وہ روضہ ہے یا روضۂ جناں اس کے زہے نصیب مجاور ہو جو وہاں
پھر شاملِ رواقِ شہنشاہِ دو جہاں (۶۸) حجرہ ہے ایک ہائے کروں اس کا کیا بیاں

خونبار میری چشم ہے دل بے قرار ہے
وہ قتل گاہ شاہ غریب الدّیار ہے

دو تین ہاتھ گہری زمیں ہے وہ آہ آہ مانند حوض کے وہ بنی ہے بعزّ و جاہ
زائر وہاں پہنچتا ہے جس دم خدا گواہ (۶۹) تختہ ہٹا کے کہتے ہیں خدام بارگاہ

لوٹی یہیں لعینوں نے دولت بتولؑ کی
ہے ہے یہ قتل گاہ ہے سبطِ رسولؐ کی

اعدا نے خوں نبیؐ کا بہایا اسی جگہ قسمت نے فاطمہؑ کو رلایا اسی جگہ
مخدومۂ جناں کو غش آیا اسی جگہ (۷۰) بیٹے کا خون منہ پہ لگایا اسی جگہ

روز جزا جو فاطمہؑ محشر میں آئیں گی
اللہ کو لہو بھرا چہرہ دکھائیں گی

تڑپے خدا گواہ شہ لافتا یہیں لوٹے پکڑ کے دل حسنؑ مجتبیٰ یہیں
لاش پسر پہ غش ہوئی خیر النسا یہیں (۷۱) بیتاب تھے جناب رسولِ خدا یہیں

یہ صدمہ و قلق تھا دلِ دردناک پر
بہہ بہہ کے اشک آتے تھے جو ریش پاک پر

زائر نگاہ کرتا ہے جب سوئے قتل گاہ صدمے سے دل کے ہوتے ہیں ٹکڑے خدا گواہ
دھیان آتا ہے یہیں ہوا زہراؑ کا گھر تباہ (۷۲) ہے ہے اسی زمیں پہ گرا خاصۂ الاہ

دل پر لگا تھا نیزۂ ابن انس یہیں
ہے ہے زمیں پہ بیٹھ گیا تھا فرس یہیں

زخمی ہوا تھا شاہ کا تازی اسی جگہ　　کِندی نے کی تھی دست درازی اسی جگہ
اتری کُلاہ شاہِ حجازی اسی جگہ (۷۳)　　قبلے کو جھک گیا تھا نمازی اسی جگہ
سجدے میں کبریا کے جھکائے جبیں رہے
افتادہ منہ کے بل شہ والا یہیں رہے

لیٹے تھے اس زمین پہ یہ آسماں پناہ　　تیر ابوالحنوق سے زخمی تھا حلقِ شاہ
اک ایک چلو منہ سے لہو ڈالتے تھے آہ (۷۴)　　نکلی ہوئی تھی منہ سے زباں وا محمداہ
وہ سینہ جو علوم خدا کا خزینہ تھا
افسوس اس پہ بے ادبی کا قرینہ تھا

تڑپا کیے یہیں کئی ساعت امامِ دیں　　ہے ہے بہا زمین پہ خون سرو جبیں
قاتل نے الٹی اپنی یہیں آکے آستیں (۷۵)　　اور وہ ستم کیا کہ ہلے طبقۂ زمیں
ہے یہ مقام وہ جو لہو سے بھرا گیا
سینے پہ زانو حلق پہ خنجر دھرا گیا

یاں تھا جو زیر تیغ گلوئے امامِ دیں　　خیمے سے نکلی پیٹتی سر زینبؑ حزیں
گھیرے ہوئے تھے قبلۂ عالم کو اہلِ کیں (۷۶)　　زینبؑ نہ جا سکی شہ مظلوم کے قریں
پھرتی تھی داہنے بائیں کبھی بیٹھ جاتی تھی
جانے کی راہ بھائی تلک پر نہ پاتی تھی

ایک اونچا ٹیکرا تھا گئی اس پہ اشکبار　　بھائی کو دیکھنے لگی بھائی کی غمگسار
پر بھی نظر نہ آیا رخِ شاہِ نامدار (۷۷)　　چلّا کے بولی اے عمر سعد نابکار
آلِ رسولؐ روتے ہیں اور دیکھتا ہے تو
شبیرؑ ذبح ہوتے ہیں اور دیکھتا ہے تو

دل میں خیال کر تو پئے ربّ ذوالمنن　　کس پر ستم یہ ہوتا ہے اے بانیٔ فتن
سیّد غریب و بیکس و بے یار و بے وطن (۷۸)　　لب تشنہ و گرسنہ و مجروح و خستہ تن
اب بھی اٹھا لے ہاتھ حسینؑ غریب سے
سیّد سے بے وطن سے مصیبت نصیب سے

زینبؑ یہ کہہ رہی تھی بصد نالہ و فغاں مطلق نہ اعتنا کی ستمگر نے الاماں
ہے ہے نہ کچھ سنا ہے کہ کس کا ہے یہ بیاں (۷۹) حیرت ہے کیوں نہ گر پڑا تھرا کے آسماں
صدمے پہ صدمہ اور دیا نابکار نے
منہ کو پھرا لیا عمرؔ بد شعار نے

استادہ جس مقام پہ تھی خواہر امامؑ قائم ابھی تلک وہ بلندی ہے وہ مقام
واں جس سے پوچھو تا ہے زینبؑ ہے اسکا نام (۸۰) جب وہ مقام دیکھتے ہیں جا کے خاص و عام
زینبؑ کے اضطراب و قلق یاد آتے ہیں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں

اجر زیارت شہ والا ہے بے حساب گو مختصر لکھوں تو مطول ہو اک کتاب
ہر ایک گام زائرِ شاہِ فلک جناب (۸۱) عمرہ سے بہرہ مند ہے اور حج سے کامیاب
گنتی جو حج کی پوچھو تو کس پر قرار ہو
قدموں کا ہو شمار تو حج کا شمار ہو

کیا رتبہ زیارتِ شاہ انام ہے صادق بیان امام ششم کا کلام ہے
جو زائر حسین علیہ السلام ہے (۸۲) دوزخ کی آگ جسم پہ اس کے حرام ہے
داخل ہوا ہے جو شہ دیں کے رواق میں
ہے باغ خلد اس کے سدا اشتیاق میں

خطرے کا ہے مقام نہ اب راہ کا ہے ڈر دن رات قافلے چلے جاتے ہیں بے خطر
عباسیوں کے عہد میں تھا ظلم الحذر (۸۳) دشوار تھی زیارت سلطان بحر و بر
جاتا تھا کربلا جو زیارت کے واسطے
رہزن کمیں میں رہتے تھے غارت کے واسطے

اسباب لوٹنے پہ نہ کرتے تھے اکتفا حربے لگاتے تھے ستم ایجاد و بے حیا
ثابت قدم تھے زائرِ مظلوم کربلا (۸۴) منہ کو نہ موڑتے تھے کٹے گو کہ دست و پا
آقا کی پیروی میں مصیبت اٹھاتے تھے
ہر سال وہ زیارت سرورؑ کو جاتے تھے

موصل میں اک تھا دشمنِ سلطان بحر و بر   زوجہ تھی اس کی اس سے شقاوت میں بیشتر
تھے لاولد زمانے میں وہ دونوں اہلِ شر (۸۵) آخر یہ نذر مانی جو بخشے خدا پسر
پیشہ نہ کوئی اور اسے ہم سکھائیں گے
زواروں کا حسینؑ کے قاتل بنائیں گے

آگاہ امرِ غیب سے ہے ذاتِ ذوالجلال   نیت تو اس کی یہ تھی ہوا اور ہی مآل
بس حاملہ ہوئی زنِ مردود و بدخصال (۸۶) مدت جو گذری حمل کے دونوں ہوئے نہال
امید کا جہاں میں شجر بارور ہوا
گذرا نواں مہینہ تو پیدا پسر ہوا

لکھا ہے وہ پسر ہوا جس وقت نوجواں   بازو میں زور تن میں ہوئی طاقت و تواں
بہرِ ادائے نذر ہوا گھر سے وہ رواں (۸۷) ناگاہ زائروں کا چلا ایک کارواں
آمادہ قتل پر ہوا خوفِ خدا نہ تھا
آگے وہ کارواں تھا وہ پیچھے رواں تھا

موقعہ نہ رہزنی کا ملا راہ میں کہیں   یاں تک کہ پہونچے نہرِ مسیّب کے سب قریں
سوچا یہ دل میں قتل کا موقعہ رہا نہیں (۸۸) تدبیر اب کوئی نہیں جز اس کے دلنشیں
جب پھر کے آئیں قتل کا آہنگ کیجئے
رستے میں ایک ایک کو جو رنگ کیجئے

یہ دل میں اپنے سوچ کے کرتا رہا نگاہ   دریا اتر کے پار ہوئے زائرانِ شاہ
جانے میں ان کے اٹھتی زمیں سے جو گرد آہ (۸۹) کحل الجواہر آنکھوں کی خاطر تھی واہ واہ
حقا غبار وہ خضرِ راہ ہو گیا
جاگے نصیب اس کے لبِ نہر سو گیا

محشر بپا اسے نظر آیا میانِ خواب   عادل کا بازپرس وہ بندوں کا اضطراب
وہ آگ سی زمین وہ نیزے پہ آفتاب (۹۰) درپیش عمر بھر کا ہر اک بندے سے حساب
میزان بلند نارِ سقر شعلہ ور کہیں
شور الاماں کا غلغلۂ الحذر کہیں

ہاتھوں میں ہیں فرشتے لیے گرز شعلہ بار صورت سے ان کی قہرِ خدا صاف آشکار
زنجیر آتشیں ہے پئے ہر گناہگار (۹۱) دوزخ کے شعلے آتے ہیں جو گرد بار بار
ناگاہ اس کی سمت بھی دو اک ملک بڑھے
زنجیر آتشیں وہ لیے یک بیک بڑھے

داخل گیا جو آتشِ دوزخ میں ایک بار وہ نار اس کی گرد سے فوراً ہوئی فرار
مالک نے وجہ پوچھی تو کیا ہوئی وہ نار (۹۲) اس پر پڑا ہے راہ کا زواروں کی غبار
کیوں کر جلاؤں میں نہیں مرضی خدا کی ہے
خاک اس کے تن پہ قافلۂ کربلا کی ہے

جب تک بدن سے شستہ نہ ہو گرد سر بسر کیا تاب میرے شعلے کی جو کر سکے اثر
گو خود نہیں یہ زائرِ سلطانِ بحر و بر (۹۳) پر زائروں کے پاؤں کی ہے گرد جسم پر
آلودہ خاک پاک سے یہ خوش مآل ہے
اس کو جلاؤں یہ نہیں میری مجال ہے

یہ سنتے ہی فرشتوں نے دوزخ کی گفتگو فوراً نکالا آگ سے کی خوب شست و شو
باقی نہ تن پہ خاک رہی پھر تو ایک مُو (۹۴) بولے کہ اب تو نارِ سقر میں جلے گا تو
آزردہ مصطفیٰ ہیں جناب خدا بھی ہے
ماں باپ کا قصور ہے تیری خطا بھی ہے

پھر داخلِ سقر کیا اس کو جو الحذر ہر چند گرد و پیش تھی آگ اس کے سر بسر
لیکن کیا نہ آتشِ دوزخ نے کچھ اثر (۹۵) مالک نے جب عتاب کیا بولا یہ سقر
زنہار اب بھی میرا نہیں اختیار ہے
کانوں میں اور دماغ میں باقی غبار ہے

اے یارو گردِ راہ کو حاصل ہے یہ وقار مظلوم کربلا پہ میں سو جان سے نثار
لکھا ہے خواب دیکھ کے چونکا وہ ایکبار (۹۶) درگاہ حق میں توبہ کی ہو ہو کے اشکبار
توفیق حق سے راہِ ہدایت جو پا گیا
پیدل ہی روتا واں سے سوئے کربلا گیا

دل سے ہوا غلام شہنشاہِ خاص و عام چھوڑا نہ تا بہ زیست رواق شہ انام
اس نیک نام کا ہے جہاں میں بلند نام (۹۷) مشہور ہے میاں عرب صاحبِ کلام

یکتا ہوا ولائے امام انام میں
کیا کیا قصیدے اس کے ہیں مدح امام میں

جو دل میں آرزو ہے وہ کس کو سنائیے ممکن نہیں کہ چیر کے سینہ دکھائیے
ہاں شوق ہے یہی کہ نہ عرصہ لگائیے (۹۸) اب روضۂ امام دو عالم پہ جائیے

دل مضطرب ہے سینے میں یہ اشتیاق ہے
آٹھوں پہر رواق میں شہ کا رواق ہے

کیوں مومنو بھلا ہے تمہیں اس کی کچھ خبر جب ہو چکے شہید شہنشاہِ بحر و بر
کی سب سے پہلے کس نے زیارت بچشم تر (۹۹) نام ان کے گر سنوگے تو شق ہوئے گا جگر

نعرہ بلند ہوگا عجب شور و شین کا
واسیداہ واسفاہ واحسینؑ کا

لو، سب سے پہلے تین تھے زوّار شاہِ دیں زینبؑ غریب و حضرت سجادؑ دل حزیں
اور ساری عترتِ نبیؐ ختم مرسلیں (۱۰۰) پر کس گھڑی کہ ہلتے تھے افلاک اور زمیں

جلتا تھا خیمہ بادشہ مشرقین کا
لاشہ زمیں پہ سر تھا سناں پر حسینؑ کا

آلودہ خاک و خوں میں تھا سلطان بے وطن تیر و سنان و تیغ سے غربال تھا بدن
عریاں پڑا تھا دلبر محبوب ذو المنن (۱۰۱) لاشے پہ تھی ردا نہ بدن میں تھا پیرہن

امت کا پردہ پوش جو عریاں بدن رہا
خورشید آسماں کو کئی دن گہن رہا

دنیا میں چار بہنوں نے مابین قتل گاہ مقتول اپنے بھائیوں پر آکے کی نگاہ
چاروں میں دونوں کافرہ ہیں دشمن الاہ (۱۰۲) پر دو ہیں خاندانِ پیمبرؐ سے آہ آہ

یوں دیکھا اپنے بھائیوں کو قتل گاہ میں
جو ہو گیا سیاہ زمانہ نگاہ میں

لکھا ہے عبد ود کا پسر تھا جو نوجواں بے سر ہوا وہ غزوۂ خندق کے درمیاں
خواہر تھی اس کی شکل کی عاشق جو بے گماں (۱۰۳) بھائی کے غم سے تیرہ نظر میں ہوا جہاں
لشکر کا تھا خیال نہ پردے کا ہوش تھا
رن میں نکل پڑی تھی یہ الفت کا جوش تھا

بھائی کی اپنے لاش پہ آئی وہ نوحہ گر آلودہ خاک و خوں میں ملا جسم سر بسر
دیکھا کہ اس کے جسم پہ باقی نہیں ہے سر (۱۰۴) پر ہے لباس و اسلحہ موجود جسم پر
گو خاک پر پڑا ہے پہ عزت سے رن میں ہے
ملبوس اس کے تن میں ہے جوشن بدن میں ہے

دیکھا جو اس وقار سے بھائی کا اپنے حال گرم فغاں تھی یا اسے حیرت ہوئی کمال
بولی کہ قاتل اس کا ہے کوئی نکو خصال (۱۰۵) واللہ ہے شرف میں نجابت میں بے مثال
لوگو بتاؤ کون وہ عالی وقار ہے
سب نے کہا علیؑ اسد کردگار ہے

بولی ہزار شکر کہ ہے صاحب وقار خلق و کرم میں ہے دُرِ یکتائے روزگار
اب روؤں گی نہ لاش برادر پہ زینہار (۱۰۶) دی اس نے جان پر رہی عزت تو برقرار
قاتل اگر کریم نہ ہوتا تو روتی میں
ذلت سے خاک پر جو یہ سوتا تو روتی میں

اک کافرہ تو یہ تھی سنا تم نے جس کا حال پر دوسری ہے خواہر مرحب زبوں خصال
مارا گیا جو دشمن محبوب ذو الجلال (۱۰۷) لشکر میں مصطفیٰ کے مسرت ہوئی کمال
دنیا سیہ تھی اس کی بہن کی نگاہ میں
تھی وہ اسیر فوج رسالت پناہ میں

کہنے لگا بلال سے یوں شاہ لافتیٰ پہنچا دے اس اسیر کو تو پیش مصطفیٰ
یہ سنتے ہی بلال اسے ساتھ لے چلا (۱۰۸) مرحب کی لاش پر جو ہیں اس کا گزر ہوا
دیکھی جو لاش بھائی کی دل تھرتھرا گیا
اس درجہ روئی پیٹی کہ غش اس کو آ گیا

القصہ لائے پیش نبیؐ جب اسے بلال — تھی اشکبار چاک گریباں و پر ملال
حضرت نے دیکھا فرطِ قلق سے جو غیر حال (۱۰۹) — یوں دُرفشاں ہوئے لبِ محبوبِ ذوالجلال
بتلا کہ غم سے بھائی کے تو بے قرار ہے
اپنے اسیر ہونے پہ یا اشکبار ہے

وہ بولی کیا میں عرض کروں آہ اپنا حال — یہ صدمہ و ملال ہے جو زیست ہے وبال
لایا ہے اس طرف سے مجھے اس جگہ بلال (۱۱۰) — بھائی کی میرے لاش جہاں تھی لہو سے لال
خونبار میری چشم نہ کیوں اے رسولؐ ہو
بھائی کی لاش دیکھے نہ خواہر ملول ہو

غمگیں ہوئے رسولؐ بیاں اس کا جب سنا — فرمایا اے بلال ہے کیا سخت دل ترا
جائز ہے یہ کہ دیکھے بہن غم کی مبتلا (۱۱۱) — بھائی کا جسم خوں سے بھرا اور کٹا گلا
یہ کہہ کے طور رحم دلی کا دکھا دیا
حکم رہائی آپ نے پھر برملا دیا

یہ دونوں کافرہ تھیں ہوا نظم جن کا حال — دیکھی جنھوں نے بھائیوں کی لاش خوں میں لال
اب کون ہیں وہ صاحبِ ایمان و خوش خصال — وہ ایک ہیں جنابِ صفیہ نکو مآل
روداد دلخراش ہے اس دل ملول کی
حمزہؓ کی وہ بہن ہیں پھوپھی ہیں رسولؐ کی

جنگِ اُحد میں حضرت حمزہ نکو سیر — راہِ خدا میں قتل ہوئے جب بہ کرّ و فر
سینہ فگار کر کے نکالا گیا جگر (۱۱۳) — بے سر پڑا تھا جسم زمیں پر لہو میں تر
بالیں پہ چچا کے نبیؐ تھے کھڑے ہوئے
اور مصطفیٰ کے پاس علیؑ تھے کھڑے ہوئے

شق سینہ تھا جو حمزۂ والا حشم کا آہ — تر آنسوؤں سے ریشِ نبیؐ تھی خدا گواہ
اپنی عبا اتار کے مابین قتل گاہ (۱۱۴) — لاشے پہ ڈالنے لگے پیغمبرؐ الٰہ
قد تھا بلند حمزۂ عالی تبار کا
سارا بدن نہ چھپ سکا اس ذی وقار کا

چھوٹی ہوئی عبا تو کھلے رہ گئے قدم ۔ پھر بھی نہ دل کو تاب تھی اللہ کی قسم
آنسو ٹپکتے جاتے تھے آنکھوں سے دمبدم [115] مٹی بھی اور گھانس بھی ہاتھوں سے کی بہم
الفت کے طور خیر امم نے دکھا دیئے
مٹی میں پاؤں اپنے چچا کے چھپا دیئے

بھائی کا حال سن کے بہن کو رہی نہ تاب ۔ دوڑیں صفیہ جانب مقتل باضطراب
بالین لاش حمزہ جو پہونچی وہ دل کباب [116] زیر عبا تھا گو کہ تن آسماں حباب
دھڑکا نبیؐ کو تھا کہ پھوپھی کو غش آئیگا
خواہر سے مردہ بھائی کا دیکھا نہ جائیگا

یہ اپنے دل میں سوچ کے سلطان حق شناس ۔ اس طرح سے کھڑے ہوئے لاشے کی جاکے پاس
جو دیکھ کر نہ بھائی کو خواہر ہو بے حواس [117] بن بھائی کے بہن کا یہ تھا شاہ دیں کو پاس
مقتل میں دیر تک نہ ٹھہرنے دیا انھیں
تسکین دے کے گھر کو روانہ کیا انھیں

چوتھی ہے کون مومنو بن بھائی کے بہن ۔ سب سے سوا ملا ہے جسے صدمہ و محن
نام اس غریب کا جو سنیں اہل انجمن [118] رونا تو کیا کہ حشر بپا ہوئے دفعتن
ہے ہے نواسی ہے نبیؐ مشرقین کی
زینبؑ عزیز مردہ بہن ہے حسینؑ کی

حمزہ کی ایک لاش تھی مابین قتل گاہ ۔ اس کو بھی تھا چھپائے ہوئے خاصۂ الٰہ
ہے پیٹنے کی جا ہے زینبؑ خدا گواہ [119] لاش حسینؑ پر نہ عبا نے ردا تھی آہ
تیغ و تبر کے سینے پہ صدہا شگاف تھے
انیس سو تو زخم فقط تابہ ناف تھے

مقتل میں تھی فقط نہ شہ بے کفن کی لاش ۔ اک سمت کو تھی اکبرؑ گل پیرہن کی لاش
عباسؑ زیب فوج امام زمن کی لاش [120] اور اک طرف کو اصغرؑ غنچہ دہن کی لاش
عبداللہ حسنؑ کی پڑی لاش اک طرف
قاسمؑ کی لاش تھی کہیں صد پاش اک طرف

اک سمت کو تھی عونؑ و محمدؑ کی آہ لاش　　مسلمؑ کے بیٹوں کی کہیں پیشِ نگاہ لاش
جعفر بن عقیل کی واحسرتاہ لاش　　دیکھا جدھر اُدھر تھی خدا کی پناہ لاش

افسوس ہے زمانۂ غدار ہے غضب
زینبؑ نے دیکھا لاشوں کا انبار ہے غضب

حلق بریدۂ شہ دیں سے تھا خوں رواں　　اور گہرے گہرے زخم بدن پر تھے الاماں
سینہ تھا چاک چُور تھے پہلو کے استخواں[122]　　آلودہ خاک و خوں میں تھا سلطان دوجہاں

زخم سنان ابن انس آشکار تھا
مولائے دوجہاں کا کلیجہ فگار تھا

لکھا ہے راویوں نے خلاف اس میں کچھ نہیں　　جس جا بہا تھا خون گلوئے امامِ دیں
رنگیں کئی وجب تھی لہو سے وہاں زمیں[123]　　تھرا کے اس زمیں پہ گری زینبؑ حزیں

بسمل کی طرح خاک کے اوپر تڑپتی تھی
پہلو میں اپنے بھائی کی خواہر تڑپتی تھی

سر پیٹتی تھی ہاتھوں سے باحالت تباہ　　بسمل کی طرح لوٹ رہی تھی زمیں پہ آہ
لب پہ صدا تھی واسفا اور وا اخاہ[124]　　وا فاطمہؑ وا حسناؑ و محمداہ

دنیا سے آج صاحبِ معراج اٹھ گئے
زہراؑ و مجتبیٰؑ و علیؑ آج اٹھ گئے

بھیا تمہارے ساتھ یہ خواہر نہ مر گئی　　تم مر گئے بہن پہ قیامت گذر گئی
بھیا بہن کے سر سے ردا تک اتر گئی[125]　　وہ آبرو کدھر گئی عزت کدھر گئی

زہراؑ کا باغ اجڑ گیا کیسی ہوا چلی
زینبؑ کے کیوں گلے پہ نہ تیغِ جفا چلی

بھائی تمہارے سینۂ زخمی پہ میں فدا　　ہے ہے کہاں یہ سینہ کہاں نیزۂ جفا
اس نیزے سے کلیجہ نہ زخمی ہوا مرا[126]　　بھائی کے ساتھ کیوں نہ بہن کا جگر چھدا

بے سر ہوئے حضورؑ زمانہ الٹ گیا
بھائی! بہن کا کیوں نہ گلا ساتھ کٹ گیا

روکر پچھاڑیں کھاتی تھی زینبؑ خدا گواہ   زندہ علیؑ تھے اور نہ پیغمبرؐ الٰہ
زینبؑ کو کون مثلِ صفیہ اٹھاتا آہ   (۱۲۷) بھائی کی لاش کون چھپاتا دمِ نگاہ
غلطاں لہو میں بھائی کے تھی دل فگار تھا
سمجھانے والا تھا نہ کوئی غمگسار تھا

سر پیٹتی سکینہؑ بھی آ پہونچی ناگہاں   حلق بریدہ باپ کا دیکھا جو الاماں
ننھا سا دل الٹ گیا سینے کے درمیاں   (۱۲۸) بے اختیار باپ سے لپٹی وہ ناتواں
یوں روئی جو فلک بھی تزلزل میں آ گئے
مقتل میں لاشۂ شہدا تھرتھرا گئے

بیٹی کو چاہتے تھے بہت شاہِ دیں پناہ   الفت سے ضبط ہو نہ سکا کانپی لاشِ شاہ
لاشے نے دونوں ہاتھ بڑھا کر خدا گواہ   (۱۲۹) لپٹا لیا سکینہؑ کو چھاتی سے آہ آہ
بیٹی لپٹ کے روتی تھی سینے سے باپ کے
ننھے گلے میں ہاتھ حمایل تھے آپ کے

چلاتی تھی سکینہ میں قربان بابا جاں   پردیس میں یہ کیا ہوئے سامان بابا جاں
اعدا نہ سمجھے آپ کو مہمان بابا جاں   (۱۳۰) وہ شان تھی کہاں کہاں یہ شان بابا جاں
محشر نبیؐ کے گھر میں یہ کس نے بپا کیا
کس سنگدل نے سر کو بدن سے جدا کیا

بابا یہ کس نے خون بہایا بتائیے   خنجر گلے پہ کس نے پھرایا بتائیے
کس نے جگر پہ نیزہ لگایا بتائیے   (۱۳۱) ہنگامِ ذبح پانی پلایا بتائیے
خیمے سے آپ کیوں یہاں تشریف لائے تھے
کیوں بابا کیا گلا ہی کٹانے کو آئے تھے

لپٹی ہوئی پدر سے سکینہؑ جگر فگار   یوں روتی تھی کہ دیکھنے والے تھے اشکبار
پر آہ سنگ دل تھا عجب شمرؔ نابکار   (۱۳۲) جھنجھلا کے آیا پاس سکینہؑ کے ایک بار
بولا کہ چپ ہو اشک کہاں تک بہائے گی
لاشے کو چھوڑ ورنہ سزا سخت پائے گی

ظالم کے قہر و طیش سے سہمی وہ بے پدر　　بابا کی لاش سے نہ جدا ہوتی تھی مگر
شمرِ لعیں کا طیش بڑھا اور الحذر (۱۳۳) زلفِ سرِ یتیم ستمگر نے تھام کر
کھینچا بزور لاشِ شہِ مشرقین سے
پھر بھی ہوئی جدا نہ سکینہ حسینؑ سے

جھنجھلایا اور ظالم ملعون و کینہ خواہ　　اب کیا کہوں کہ تاب نہیں ہے خدا گواہ
کافی گھڑکتا تھا کہ ابھی بچپنا تھا آہ (۱۳۴) دُرّے لیے تھا ہاتھ میں اپنے وہ روسیاہ
ایذا دی اس نے روحِ شہِ مشرقین کو
غش آگیا یتیم جنابِ حسینؑ کو

ہے ہے کیا یہ ظلم جو اس بدسیر نے آہ　　لاشے پدر کو چھوڑ دیا بے پدر نے آہ
بانہیں ہٹالیں لاشہ شہِ بحر و بر نے آہ (۱۳۵) نوحہ کیا یہ زینبِ خستہ جگر نے آہ
کیسی قیامت آلِ پیمبرؐ پہ آئی ہے
عترت پہ دُرّے پڑتے ہیں نانا دہائی ہے

نانا خدا گواہ یہ رونے کا ہے مقام　　قدسی درود پڑھتے ہیں حضرت پہ صبح و شام
اور یہ حسینؑ آپ کا اے سید الانام (۱۳۶) بے سر پڑا ہوا ہے لہو میں بھرا تمام
سیدانیوں کے رونے پہ اعدا بگڑتے ہیں
امت کے دُرّے آلِ پیغمبرؐ پہ پڑتے ہیں

بس اے دبیر بس کہ نہیں طاقتِ بیاں　　روحِ بتولؑ بزمِ عزا میں ہے نوحہ خواں
خالق سے عرض کر کہ پئے سرورِ زماں (۱۳۷) پہنچا دے کربلا میں مجھے اے ربِ دو جہاں
اب بخت ہو رسا میرا یاور نصیب ہو
یارب مجھے زیارتِ سرور نصیب ہو

مرثیہ ۶

آمد ہے تاجدار ثریا جناب کی ذرے دکھا رہے ہیں چمک آفتاب کی
مژگاں شعاع مہر ہے چشم رکاب کی (۱) مہر خدا لگائے ہے چتری سحاب کی
رستے ہیں بند فتح کا در ہے کھلا ہوا
لشکر جہاد پر ہے ظفر کا تُلا ہوا

(مطلع)

آمد ہے نور چشم رسولِ اِلٰہ کی قندیل گل ہے نیّر عالم پناہ کی
سرتاج آسماں ہے زمیں قتل گاہ کی (۲) آواز طور دیتا ہے روشن نگاہ کی
سیارے ہیں وفور ادب سے تھمے ہوئے
مجرے کو قدسیوں کے پرے ہیں جمے ہوئے

(نسخہ)

در پر سجا ہوا ہے کھڑا اسپ لاجواب آنکھوں سے زین جھاڑتے ہیں ماہ و آفتاب
اور گرد رخ بھی پوچھتا دامن لئے سحاب (۳) میکال باگ تھامے ہیں روح الامیں رکاب
سیارے ہیں وفور ادب سے تھمے ہوئے
مجرے کو قدسیوں کے پرے ہیں جمے ہوئے

بڑھ بڑھ کے دے رہا ہے نقیبِ ادب صدا ہوتا ہے اب سوار، سلیمان کربلا
ذرے اڑیں نہ گرد چلے اس طرح ہوا (۴) بحر رواں نہ شور و تلاطم کرے بپا
ڈنکا بڑھے نشان بڑھے اور علم بڑھے
پر ایک کا نہ حد ادب سے قدم بڑھے

حاضر پئے سلام ہو خاقان کہاں گیا لائے جلو میں تخت سلیمان کہاں گیا
دیکھے جمال، یوسفِ کنعاں کہاں گیا (۵) کھولے نشاں نیر تاباں کہاں گیا
مریخ تیغ کھینچی ہو آگے غضب کے ساتھ
آکر رکاب تھامے مہ نو ادب کے ساتھ

ناگاہ شور نوبت سینہ زنی اٹھا پردہ ہوا بلند درِ بارگاہ کا
یوں نکلا سوگوارِ شہیدانِ کربلا (۶) دامن قبا کا غم سے علمدار کا پھٹا
سر ننگے اہلبیت جو چلاتے آتے تھے
مڑ مڑ کے شہ ہر ایک سمجھاتے آتے تھے

کہتی ہیں لونڈیاں شہ والا نہ جائیے بانو دہائی دیتی ہے آقا نہ جائیے
گھونگھٹ اٹھائے کہتی ہے کبرا نہ جائیے (۷) منت سکینہ کرتی ہے بابا نہ جائیے
رو رو کے کہہ رہی ہے نواسی رسولؐ کی
صدقے بہن لٹاؤ نہ دولت بتولؑ کی

پہنچے جو پاس گھوڑے کے یوں شاہ نامدار جبرئیلؑ نے رکاب پکڑ کر کیا سوار
دو ایک گام واں سے بڑھا ہوگا راہوار (۸) جو دل ہوا سکینہؑ کا سینے میں بے قرار
دوڑی سوئے حسینؑ عجب اضطرار سے
آخر لپٹ گئی وہ شہِ راہوار سے

چلائی سر کو پیٹ کے وہ سوختہ جگر کوئی سوا حضور کے میرا ہے اے پدر
گر آپ نے بھی آج جہاں سے کیا سفر (۹) پردیس میں بتائیے جائینگے ہم کدھر
کون آپ کی سکینہؑ پہ یاں رحم کھائے گا
بے بے وطن میں بھی تو کوئی لے نہ جائے گا

منظور آپ کو نہیں گر موت کے سوا میں روکتی نہیں تمہیں اے شاہ دوسرا
در در پھرے تباہ نہ رانڈوں کا قافلہ (۱۰) پہنچا دیں آپ ہم کو وطن میں تو ہے بجا
بٹھلا کے ہم کو قبر پہ نانا رسولؐ کی
پھر آ کے یاں لٹائیے دولت بتولؑ کی

بعد آپ کے رہے گا نہ کچھ زیست کا مزا یکساں ہے پھر مدینہ ہو یا دشت کربلا
پھر واں وطن میں ہیں جد امجد کے اقربا (۱۱) اور کربلا میں دشمن ناموس مصطفٰے
واں غم میں جب حضور کے بے چین ہوئیں گے
دادی کی طرح جا کے بقیعہ میں روئیں گے

یہ سنتے ہی تڑپ گئے سلطان بحر و بر گویا ہوئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کر
بس اے سکینہؑ بس کہ تڑپنے لگا جگر (۱۲) ہم جس بلا میں ہیں مری بی بی کو کیا خبر
ہم نے قبول مرگ نہیں کی ہے آپ سے
بی بی زمانہ پھر گیا بی بی کے باپ سے

کچھ بس نہیں ہے باپ کا اے مرے مہ لقا　　کنبہ تمام قتل ہوا کچھ نہ ہو سکا
اصغرؑ نے تیر کھایا میں خاموش رہ گیا (۱۳)　　چارہ نہیں رہا کوئی اب مرگ کے سوا
بلوہ ہے چار سمت سے ابنِ بتولؑ پر
لے جاؤں کس طرح تمہیں قبرِ رسولؐ پر

بس صدقے جائے باپ نہ رو و مثالِ ابر　　خیر النساءؑ کی پوتی ہو لازم ہے تم کو صبر
سمجھاؤ دل کو بی بی اٹھانا بہت ہے جبر (۱۴)　　ہم کو تو بعد مرگ میسّر نہ ہوگی قبر
تم دربدر پھرو گے مصیبت اٹھاؤ گی
منہ پر طمانچے کھاؤ گی بندی میں جاؤ گی

یہ کہہ کے تھرتھرانے لگے سبطِ مصطفٰےؐ　　روئے لگا لگا کے کلیجہ سے خوب سا
پھر گود میں بہن کی دیا اور یوں کہا (۱۵)　　زینبؑ یہ ہے امانت مظلومِ کربلا
صدمہ اٹھائیو غم و ایذا اٹھائیو
پر اس کے سر سے ہاتھ نہ اپنا اٹھائیو

تم جانتی ہو اس سے ہے الفت مجھے کمال　　رونے سے اس کے ہوگا میری روح کو ملال
ہوگا وہی جو مرضیٔ خلاّقِ ذوالجلال (۱۶)　　پر آپ کو ملال کا اس کا رہے خیال
ہے پاس آپ کے یہ نشانی حسینؑ کی
راتوں کو اس سے کہنا کہانی حسینؑ کی

پاؤں پہ گر کے دختر زہراؑ نے یہ کہا　　بیٹی کو بہن کے سپرد آپ نے کیا
مجھکو فقط حضور کے دم کا ہے آسرا (۱۷)　　سونا کسی بہن کو بتاؤ بہن فدا
بیٹے بھی داغ دے گئے اکبرؑ بھی دے گئے
اب کون ہے جو آپ بھی تشریف لے گئے

لہ نسخہ سے :-

بی بی کی قید کیا ہمیں دل سے پسند ہے
پر کیا کریں کہ راہ مدینے کی بند ہے

حضرت کے داغ کا متحمل جگر نہیں دیکھوں تمہاری لاش محال نظر نہیں
چھٹنا ہے قہر مرنے میں کوئی ضرر نہیں (۱۸) حسرت یہ ہے اب آگے لکھے گی خبر نہیں
مانگوں دعا کہ آپ کے آگے ہلاک ہوں
رہ جائے پردہ بھائی جو پیوندِ خاک ہوں

بولے لرز لرز کے شہنشاہِ کربلا ہاں ہاں بہن یہ آپ کو باتیں نہیں روا
امت کی مغفرت نہیں مدِ نگاہ کیا (۱۹) وہ بات تم کو چاہیے خوش جس میں ہو خدا
الفت ہے اس قدر تمہیں اس دل ملول کی
امت ہے یاد اور نہ وصیت رسولؐ کی

بس اب مرے قدم سے سر اپنا اٹھائیے صبر جناب فاطمہؑ زہرا دکھائیے
جز شکر کوئی بات زباں پر نہ لائیے (۲۰) ہم رن کو جائیں آپ سوئے خیمہ جائیے
گو شدتِ ملال سے بن جائے جان پر
پر ہو دعائے بخششِ امت زبان پر

یہ کہہ کے سر بہن کا اٹھایا قدم سے آہ روئے کمال سینے سے لپٹا کے اپنے شاہ
بیبیوں کے ساتھ پہنچ کے مابین خیمہ گاہ (۲۱) پھر زیبِ قاشِ زیں ہوئے شاہ فلک پناہ
بیٹھا پسر جو خسرو رفرف سوار کا
پھر عرش پر دماغ تھا اس راہوار کا

کہتا تھا میں ہوں مرکبِ پیغمبرِ زماں میرے قدم کی گرد سے ہے سست آسماں
اصطبل لامکاں ہے چراگاہ ہے جہاں (۲۲) خورشید زیں، رکاب قمر، کہکشاں عناں
عرش بریں کا صحن ہے کاوے کے واسطے
لیکن کوئی جگہ نہیں دھاوے کے واسطے

بے شک یہ رخش ہے فلکِ نیک اختری ہے اس کی پشت پر قمر برج حیدری
سایہ کو اس کے ظلِ ہما سے ہے برتری (۲۳) اور وقتِ سیر عرش براقِ پیمبری
رنگت بہارِ گل پہ گلِ نو بہار ہے
بو کی طرح دماغ ہوا پر سوار ہے

مثلِ عروس تازہ سراپا سجا ہوا پھولوں میں شاخ گل کی طرح سے بسا ہوا
طیش و غضب میں آگ بگولہ بنا ہوا (۲۴) سرعت میں تھا نسیم سے کوسوں بڑھا ہوا
ہیکل کی چاند مہر سی ضو میں لڑے ہوئے
چاروں سموں میں چار مہِ نو جڑے ہوئے

توسن کی یہ شناسنی ہو گی آج تک ضیغم کی بُو غزال کی خوٗ برق کی چمک
سیاروں کی روانگی اور شعلوں کی لپک (۲۵) دریا کا غل گھٹا کی گرج رعد کی کڑک
روزِ ازل جو ربط یہ مجموعہ پا گیا
پھر روح بن کے حکم الٰہی سما گیا

پٹری جما کے چُست جو حضرت نے کی عناں مثل براق رخش ہوا پر ہوا رواں
زیر قدم زمیں تھی کبھی گاہ آسماں (۲۶) گہہ عرش پر نگاہ تھی گہہ سوئے لامکاں
رفعت ہر قدم پہ بڑھی گرد راہ کی
کلغی بنی وہ خسروِ زریں کلاہ کی

نصرت پکڑ کے گوشۂ داماں زیں چلی تھامے ظفر رکابِ شہنشاہِ دیں چلی
بیرق اٹھا کے دوش پہ فتح مبیں چلی (۲۷) تائیدِ ذوالجلال یسار و یمین چلی
مڑ کر اشارہ کرتی تھی ہمت بڑھے چلو
چلاتا تھا نقیبِ جلالت بڑھے چلو

پرچم کشا ہوا جو نشانِ ورودِ شاہ انجم کا نام تھا نہ فلک پر نشانِ ماہ
سلطان خاوری کا گرا طرۂ کلاہ (۲۸) تھرا کے سرنگوں ہوئی کیواں کی بارگاہ
زہرہ کی سانس خوف سے سینے میں گھٹ گئی
ہستی کی فرد دستِ عطارد سے چھٹ گئی

کبک و ہما کے شہپرِ پرواز گر پڑے اوج ہوا سے کانپ کے شہباز گر پڑے
ہر شاخ گل سے مرغ خوش آواز گر پڑے (۲۹) طاؤس بھولے رقص کا انداز گر پڑے
بلبل تڑپ رہی ہے پڑی کنج باغ میں
عنقائے عقل بیٹھا ہے چھپ کر دماغ میں

لرزاں ہیں دشت وکوہ پریشاں انس وجاں یکساں ہیں اضطرار میں طفل وجواں مُسن
کہتے ہیں تھرتھرا کے زبانوں کے ممتحن (۳۰) توبہ کرو گناہوں سے محشر کا ہے یہ دن
گردوں کے دور کا بھی عجب ہیر پھیر ہے
اب اور کیا ہے صور کے اڑنے کی دیر ہے

اس شان سے رواں تھا جگر بند مرتضیٰؑ ناگاہ پہنچا گنج شہیداں میں باد پا[1]
دیکھا جو شہؑ نے لاشۂ ہمشکلِ مصطفیٰؐ (۳۱) روئے کمال اور یہ لاشے کو دی صدا
کیا نیزہ کھائے سینے پہ سوتے ہو چین سے
نو لاکھ کا مقابلہ ہے اک حسینؑ سے

نسخہ: اس شان سے رواں تھا جگر بند مرتضیٰؑ ناگاہ پہنچا گنج شہیداں میں باد پا[2]
دیکھا جو شہؑ نے لاشۂ ہمشکل مصطفیٰؐ (۳۲) گر کر زمیں پہ لاش پسر کو یہ دی صدا
کیا نیزہ کھائے سینے پہ سوتے ہو چین سے
نو لاکھ کا مقابلہ ہے اک حسینؑ سے

اٹھو ضعیف باپ کے پیارے مدد کرو اے میری بے کسی کے سہارے مدد کرو
عباس بھی جہاں سے سدھارے مدد کرو (۳۳) آخر ہوئے رفیق ہمارے مدد کرو
یہ کہکے غیر ہو گئی حالت جو شاہ کی
لاش پسر سے آئی صدا آہ آہ کی

---

[1] اس بند کے اوپر مخطوطے میں یہ عبارت درج ہے: "اگر حال اختف بخواند ایں نخواند"

[2] مخطوطہ میں لکھا ہے: "اگر اختف کا حال پڑھنا نہ پڑھنا ہو تو یہ بند پڑھے"
اس کے ساتھ یہ عبارت بھی ہے: "جوڑ۔ اگر اختف کا حال نہ پڑھے تو اس کے بعد یہ بند
۴ ورق کے بعد (یعنی بند ۶۹ کا) یہ مصرعہ پڑھے۔
"چلائی موت بڑھ کے صفِ بدخصال میں"

آئی صدائے غیب کہ بس اے امامِ دیں   اٹھو پسر کی لاش سے اب موت ہے قریں
ناگہ پرے جما کے بڑھے سب سپاہ کیں (۳۴)   اور چاند فاطمہؑ کا ہوا زیب برجِ زیں
عرش بریں پہ شورِ نقیب ادب گیا
سر آسماں کا گردِ سواری سے دب گیا

روتے ہوئے جو واں سے بڑھے شاہِ نامدار   ناگاہ سمتِ قبلہ سے پیدا ہوا غبار
بولے فرس کو روک کے مولائے بے دیار (۳۵)   دیکھیں حجابِ غیر سے اب کیا ہو آشکار
پروا نہیں یگانہ ہو، اپنا کہ غیر ہو
پر خاتمہ حسینؑ کا یارب بخیر ہو

صرصر نے جیب گرد کیا جبکہ تار تار   رہوارِ تیز رو پہ نظر آیا اک سوار
صورت میں بدر، حسن میں یکتائے روزگار (۳۶)   شانے پہ ڈھال میان میں شمشیرِ آبدار
چالاک و چست زانوں میں رخش سمند تھا
مانندِ مہر ہاتھ میں نیزہ بلند تھا

جائے قبا وہ پہنے ہوئے جسم میں کفن   کافور سے بسے ہوئے تھے صاف عضوِ تن
خوشبو سے جس کی دشت بنا غیرتِ چمن (۳۷)   چتوں سے یہ عیاں تھا کہ ہے شیرِ صف شکن
تازی اڑائے آتا تھا غازی کی شان سے
نعرہ تھا یا حسینؑ کا جاری زبان سے

پہنچا جو وہ قریبِ امامِ فلک مقام   بولا کہ السلام علیک ایہا الامام
بابا پہ اور آپ کے نانا پہ بھی سلام (۳۸)   ماں باپ میرے تم پہ فدا اے شہ انام
تسلیم تو قبول کی اس خیر خواہ کی
لیکن بغور سر سے قدم تک نگاہ کی

رو کر کہا کہ کون ہے تو اے نکو شیم   مظلوم کے سلام کو جو ہے ادب سے خم
اے شخص اب سلام کے قابل نہیں ہیں ہم (۳۹)   آفت میں مبتلا ہیں اسیرِ غم و الم
چاروں طرف سے نرغۂ فوجِ غرور ہے
ہیں جاں بلب سلامتی اب ہم سے دور ہے

امت ہے یہ نبیؐ کی نبیؐ کا ہوں میں خلف — یہ جانب یزید میں اللہ کی طرف
دنیا میں حُب میں دین کو کرتے ہیں یہ تلف (۴۰) راہِ خدا میں دیر سے بندہ ہے سر بکف
ان ظالموں کے ظلم کی کچھ انتہا نہیں
بچہ بھی چھ مہینے کا میرا بچا نہیں

ہوتا ہے تیرے حال سے ظاہر یہ سربسر — سابق کے تو شہیدوں سے ہے اے نکوسیر
کی عرض اس نے ہاتھ کفن سے نکال کر (۴۱) بے شک یونہی ہے اے جگر سید البشر
اختف ہے نام خادم شاہِ سعید ہوں
اصحاب سے رسولؐ کے ہوں اور شہید ہوں

شہ بولے ترک قبر کی کیا وجہ کہہ شتاب — کی عرض اشتیاق قدمبوسیِ جناب
لوں گا دوبارہ آج شہادت کا میں ثواب (۴۲) اک دم ہوا نبیؐ کی جو خدمت میں باریاب
دیکھا کہ رنگ زرد ہے بے چین ہوتے ہیں
ہل جائے جیسے عرشِ خدا یوں وہ روتے ہیں

میں نے کہا فدا ہوں میرے مادر و پدر — صدمہ ہے کیا حضور جو روتے ہیں اس قدر
بولے تڑپ تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر (۴۳) روح الامیں نے آ کے ابھی دی ہے یہ خبر
بھر جائے گی حسینؑ سے امت رسولؐ کی
لوٹے گی کربلا میں کمائی بتولؑ کی

نرغے میں چار لاکھ کے گھر جائے گا حسینؑ — فاقے میں زخم تیر و سناں کھائے گا حسینؑ
سوکھی زباں ہر ایک کو دکھلائے گا حسینؑ (۴۴) قطرہ نہ مہر فاطمہؑ کے پائے گا حسینؑ
میں جس گلے کو چومتا ہوں روز پیار سے
کٹ جائے گا یہ شمر کے خنجر کی دھار سے

جس سرزمیں پہ ہوگا بھرا گھر مرا تباہ — جبرئیل خاک واں کی مجھے دے گئے ہیں آہ
ہوگا فدا حسینؑ پہ جو بندۂ الٰہ (۴۵) وہ محسنِ خدا و نبیؐ ہے خدا گواہ
ہر چند مرتبہ ہے برابر شہیدوں کا
پر وہ ثواب پائے گا ستّر شہیدوں کا

سن کر وقارِ فدیہ مظلوم کربلا مشتاق جاں نثاریِ حضرت کا دل ہوا
پھر اک جہاد پر جو گئے شاہِ انبیاء (۴۶) میں ہمرہ رکاب تھا اے سبطِ مصطفیٰ
اصحاب کام آئے بہت حربگاہ میں
بسمل یہ باوفا بھی ہوا حق کی راہ میں
آئے جو نانا آپ کے خادم کی لاش پر زانو پہ رکھا بندہ نوازی سے میرا سر
فرمایا آرزو ہو جو تیری، بیان کر (۴۷) آہستہ میں نے عرض کی اے سیّد البشر
صدقہ ہوا حضور پہ رتبہ بڑا ملا
بر آئے آرزوئے دلی مدّعا ملا
پر ایک آرزو ہے یہ اے فخرِ انبیاء اک دن بیاں کیا تھا یہ حضرت نے برملا
ہوئے گا کربلا میں جو شبیر پر فدا (۴۸) ستّر شہیدوں کا اسے حق دے گا مرتبہ
گر یہ شرف حضور کا خادم نہ پائے گا
مرقد میں حشر تک نہ مجھے چین آئے گا
مانگو دعا خدا سے یہ اے فخرِ مرسلیںؐ مژدہ مرا مثال امانت رکھے خدا
پر کربلا میں جبکہ لٹے بوستانِ دیں (۴۹) اور غرق خوں میں مہرِ نبوت کا ہونگیں
قدرت سے زندہ بندہ کو اس دم خدا کرے
جانِ نبیؐ پہ جان یہ خادم فدا کرے
سن سن کے میری حسرتِ دل شاہِ انبیاء روئے کمال اور یہ خالق سے کی دعا
بر لائیو حسینؑ کی خاطر یہ مدعا (۵۰) حضرت دعا میں تھے کہ مرا دم نکل گیا
رتبے پہ رتبہ بعد شہادت دیا مجھے
مولاؐ نے اپنے ہاتھ سے مدفون کیا مجھے
میں سو رہا تھا چین سے مرقد کے درمیاں اس وقت اک ملک نے ندا دی یہ ناگہاں
اخنف نکل مزار سے محشر ہوا عیاں (۵۱) ہاں دشتِ نینوا کی طرف جلد ہو رواں
آخر ہوئی سپاہ شہ تشنہ کام کی
نوبت ہے اب حسین علیہ السّلام کی

سنتا تھا یہ کہ قبر سے نکلا میں بے قرار　　اور قبر سے نکل کے ہوا رخش پر سوار
رہبر جو ہر قدم ہوئی تائید کردگار (۵۲)　　حاضر ہوا حضوریِ مولا میں جاں نثار
شکر خدا تو زندہ تو پایا امامؑ کو
حکم جہاد دیجیے اب اس غلام کو

کہنے لگے یہ سن کے شہنشاہِ کربلا　　اک بار چکھ چکا ہے شہادت کا تو مزا
پھر جا لحد میں چین سے سو اجر ہو چکا (۵۳)　　کی عرض اس نے اے پسر شاہِ لافتا
سو بار قتل ہو کے جو زندہ غلام ہو
پھر بھی کہے یہ دل کہ فدائے امام ہو

پہلے جو میں شہید ہوا یہ مزا کہاں　　وہ دشت دشتِ جنگ تھا یہ کربلا کہاں
خاک اس زمیں کی خاکِ شفا تھی خاکِ شفا کہاں (۵۴)　　پیغمبرِؐ خدا پہ یہ جور و جفا کہاں
ان کو پیمبریؐ کے شرف سب حصول تھے
پر آپ کی طرح سے نہ بیکس رسولؐ تھے

حضرت نے سر جھکا کے کہا جو تری رضا　　اللہ حافظ اور ترا حامی ہو کبریا
تسلیم آخری کو ہوا خم وہ باوفا (۵۵)　　اور مثل شیر، لشکر روباہ بڑھا
کھینچی جو تیغ حشر کے ساماں عیاں ہوئے
پتلی کی طرح پردوں میں مردم نہاں ہوئے

چمکی جو ناریوں پہ نکل کر وہ شعلہ بار　　ہر نخلِ قد میں آگ لگی صورت چنار
جلنے لگے جو قلب و جگر بھی کباب وار (۵۶)　　عنقائے جاں بدن سے اڑا ہو کے بے قرار
پر اس کے شعلے سے نہ پروں کو مفر ملا
چھپنے کو آشیانہ، قعرِ سقر ملا

آنکھوں میں آئی پلکوں کی چلمن کو کاٹ کے　　شہ رگ کا خوں پی گئی گردن کو کاٹ کے
سینے سے لپٹی بکتر و جوشن کو کاٹ کے (۵۷)　　راکب کو پھینکا خاک پہ توسن کو کاٹ کے
منہ میں گئی تو قطعِ زباں اس کا کام تھا
پھر ہونٹ تھے نہ منہ نہ زباں تھی نہ کام تھا

بجلی کی شکل صاف صفوں پر چمک گئی　　مثل عقاب طائرِ جاں پر لپک گئی
بسمل کے رقص کرنے پہ یہ خود پھڑک گئی (۵۸)　　پہنچی جو سر کے پاس تو گردن سرک گئی
بگڑی جو بے دلوں پہ سواروں پہ بن گئی
آگ اس کے دم سے رن میں ہزاروں پہ بن گئی

اختف کی حرب وضرب سے گھبرائے روسیاہ　　نزدیک تھا کہ دور ہو میداں سے سب سپاہ
لیکن کہاں یہ ایک کہاں لاکھ کینہ خواہ (۵۹)　　اس پر بھی ہوش کھو دیئے سب کے خدا گواہ
جب راہِ کبریا میں نیا زخم کھاتے تھے
زخموں کی طرح عضوِ بدن مسکراتے تھے

تیغ وسنان ونیزہ سے سب جسم تھا فگار　　لیکن نہ ہاتھ رکتا تھا شہ تیغ آبدار
کہتا تھا جان، جانِ پیمبرؐ پہ ہے نثار (۶۰)　　آخر کہاں تلک نہ رہی تاب کارزار
پیہم جو زخم کھائے تن چاک چاک پر
بس یا حسینؑ کہہ کے گرا فرشِ خاک پر

گرتے ہی قاش زیں سے دلاور گزر گیا　　لاشہ پہ روتا بادشہ بحر و بر گیا
کہتے تھے یہ شہید عجب کام کر گیا (۶۱)　　مر کر ہوا یہ زندہ یہاں آ کے مر گیا
دوہرے شرف ہیں اس کے حسینؑی سپاہ میں
دو بار یہ شہید ہوا حق کی راہ میں

یہ کہکے لاش رن سے اٹھا لائے شاہِ دیں　　آئی ندا کہ اختف دیندار آفریں[1]
ناگہہ پرے جما کے بڑھا لشکر لعیں (۶۲)　　اور چاند فاطمہؑ کا ہوا زیب برج زیں
عرش بریں پہ شور نقیب ادب گیا
سر آسماں گرد سواری سے دب گیا

دہشت سے پھر زمین ہلی آسماں ہلے　　تھرائے پھر مکینوں کے دل پھر مکاں ہلے
پھر شش جہت لرز گئے پھر دو جہاں ہلے (۶۳)　　پھر تھرتھرائی فوج کے دل پھر نشاں ہلے
پھر وحشیوں نے جھاڑیوں میں سر جھکا لئے
پھر طائروں نے پہلوؤں میں پر چھپا لئے

---

[1] اس بند کے پہلے چار مصرعے بند ۳۲ میں درج ہو چکے ہیں۔ یہاں غلطی سے تکرار ہوئی ہے۔

پھر پھول ڈر کے صورت غنچہ سمٹ گئے　　شاخوں سے کانپ کانپ کے پتے لپٹ گئے
کانٹا بنے یہ خوف سے شمشاد گھٹ گئے (۶۴) پھر عندلیب کے جگر و دل الٹ گئے
پھر موسم بہار کی رنگت خزاں ہوئی
نکہت کی طرح پھولوں میں رنگت نہاں ہوئی

پھر فوج بشان و شوکت و جاہ و حشم بڑھی　　پھر فتح چومتی ہوئی تیغ دو دم بڑھی
پھر دوش پر لئے ہوئے نصرت علم بڑھی (۶۵) پھر موت سوئے لشکر جور و ستم بڑھی
قہر و جلال دیکھ کے شاہِ شہید کا
ہیبت سے دل الٹ گیا فوجِ یزید کا

مطلع ؎ آمد ہے بوستان اجل میں بہار کی　　گلچیں قضا ہے باغیچہ روزگار کی
لشکر میں بندرہی ہے ہوا ذوالفقار کی (۶۶) اک ضرب میں اجل ہے برابر ہزار کی
فوجِ ستم سے شہ کی سواری قریب ہے
فصلِ خزاں سے بادِ بہاری قریب ہے

ہیبت سے ہل رہی ہے زمیں آسماں ہے خم　　مردوں کے جسم زندوں کی لغزش میں ہیں قدم
چلا رہی ہے موت کہ دنیا ہے کوئی دم (۶۷) توبہ کرو جفاؤں سے اے بانیِ ستم
آمد ہے رن میں سبط رسولؐ قدیر کی
اور تیغ ہے کمر میں جناب امیرؑ کی

یہ تیغ وہ ہے جس سے کہ لشکر الٹ گئے　　چہروں کے پرزے ہو گئے دفتر الٹ گئے
دل رستموں کے صورت خیبر الٹ گئے (۶۸) یہ کیا ہے کافروں کے مقدر الٹ گئے
جب کھنچ کے یہ مڑی ہے کسی سے رکی نہیں
سر آسماں کے جھک گئے پر یہ جھکی نہیں

چلا رہی ہے موت صفِ بدخصال میں　　روباہو، بھاگو آتا ہے ضیغم جلال میں
غالب ہے تم سبھوں پہ یہ جنگ و جدال میں (۶۹) خیبر شکن کا زور ہے زہراؑ کے لال میں
تلوار ہے کہ قدرت پروردگار ہے
یہ اور کوئی تیغ نہیں ذوالفقار ہے

یوں بڑھ کے کر رہی تھی اجل فوج سے کلام — جو آئے باد پا کو اڑاتے ہوئے امام
کوفی لرز لرز گئے تھرائے اہلِ شام (۷۰) — جھک جھک گئے نشان ضلالت پئے سلام
بھاگے جو منہ چھپا کے لعیں منہ کے بل گرے
پھوڑے یہ پاؤں چلنے میں تیغوں کے پھل گرے

اس درجہ بدحواس ہوا لشکرِ عمر — تلوار بائیں ہاتھ میں دہنے میں تھی سپر
بند سپر سمجھ کے لگے کھولنے کمر (۷۱) — خنجر کماں میں جوڑتے تھے تیر جان کر
افسوس کر رہے تھے زد و کشت کے عوض
برچھی دہن میں رکھتے تھے انگشت کے عوض

مضطر تھی اس طرح سے سیاہ زبوں شیم — جو روک کر عناں یہ پکارے شہِ امم
تم لوگوں میں امانت محبوب حق تھے ہم (۷۲) — پر حیف تم نے رحم کے بدلے کیا ستم
سمجھے حقیر آلِ رسولؐ قدیر کو
پہلے کیا شہید جناب امیرؑ کو

زہر دغا سے ٹکڑے پھر اس کا جگر کیا — ماں باپ کی طرف سے جو افضل نسب میں تھا
یعنی حسنؑ امام زماں سبطِ مصطفاؐ (۷۳) — مہماں بلا کے لوٹ لیا آج گھر مرا
کاٹے نہال تم نے علیؑ و بتولؑ کے
اب مستعد ہو قتل پہ سبطِ رسولؐ کے

لو اب بھی باز آؤ نہ جور و جفا کرو — مہماں کے قتل کرنے سے شرم و حیا کرو
خوفِ خدا، لحاظِ رسولِ خدا کرو (۷۴) — دنیا کے واسطے نہ مرا سر جدا کرو
بیکس ہوں بے دیار ہوں یارو پناہ دو
ترک و حبش کو یاں سے چلا جاؤں راہ دو

لو، اب نہ روحِ فاطمہؑ کو خلد میں رلاؤ — سید پہ بے وطن پہ مسافر پہ رحم کھاؤ
تھوڑا مجھے ستایا ہے بس بس نہ اب ستاؤ (۷۵) — پیاسا ہوں یارو پیاسا ہوں پانی مجھے پلاؤ
گلشن قلم کیا مرے نانا رسولؐ کا
کاٹو نہ اب چھری سے کلیجہ بتولؑ کا

بولے عدو کہ جاہ و جلالت دکھا چکے   کیوں اے حسینؑ زور شجاعت دکھا چکے
تیغ علیؑ کی برش و ضربت دکھا چکے (۷۶)   بس بس بہت زبان کی طاقت دکھا چکے
دو باتوں میں ہے فیصلہ یا تیغ لیجیے
یا ہاتھ ہم کو واسطے بیعت کے دیجیے

یہ سن کے تیغ ابروئے اقدس میں بل پڑا   پنجہ میانِ قبضۂ سیف اجل پڑا
رومیِ روز پردۂ شب سے نکل پڑا (۷۷)   یا ناریوں پہ آگ کا دریا ابل پڑا
خط صبح کا لفافۂ شب سے بدر ہوا[۱]
لشکر سیاہ کاروں کا زیر و زبر ہوا

چمکا ہلال تیغ دو پیکر ادھر اُدھر   بھاگے ملک فلک سے لرز کر ادھر اُدھر
جن خاک میں چھپانے لگے سر ادھر اُدھر (۷۸)   سیمرغ نے سمیٹ لئے پر ادھر اُدھر
ہستی لرز کے پہلوئے اعدا سے ہٹ گئی
ڈر کر اجل جو بھاگی صفوں سے لپٹ گئی

صف صف لپک کے جو وہ شعلہ رو گئی   کچھ پیش ناریوں کی نہ پھر جستجو گئی
چل کر ہوئی جو سرد شرارت کی خو گئی (۷۹)   دوزخ کو روح لے کے ہر اک آرزو گئی
قلب و جگر جو اس کی شرارت سے جلتے تھے
سینے سے بدلے سانس کے شعلے نکلتے تھے

نہر فرات اس کی روانی سے رہ گئی   بجلی تڑپ کے شعلہ فشانی سے رہ گئی
نارِ سقر بھی گرم زبانی سے رہ گئی (۸۰)   بجھ بجھ کے آگ تیغ کے پانی سے رہ گئی
آئی سر سحاب جو یہ جھوم جھوم کر
مانگی پناہ اس نے قدم چوم چوم کر

---

[۱] نسخہ — غل تھا عجیب تیغ دو سر کے جلال ہیں
بے آسماں کے آج عیاں دو ہلال ہیں

اس کی ہوا نسیم سحر سے جو لڑ گئی — برق خزاں بہارِ گلستاں پہ پڑ گئی
رنگت گلوں کی غنچوں کی صورت بگڑ گئی (۸۱) ہو کر خجل بلندیِ شمشاد گڑ گئی
آنکھوں میں عندلیب کے گل خار ہو گئے
اور سرو قمریوں کے لئے دار ہو گئے

دریا پہ قہر سی جو یہ سیل فنا گئی — مچھلی تڑپ کے جانب تحت الثریٰ گئی
سو کشتیِ فلک بھی تلاطم میں آ گئی (۸۲) تڑپی وہ اس قدر کہ صدف تھرتھرا گئی
دریا پہ آب تیغ کا یہ خوف چھا گیا
موتی کی آب بن کے صدف میں سما گیا

جس نور سے ستاروں میں ہے آفتاب فرد — جس رنگ سے ہے سارے گلوں میں گلاب فرد
تیغوں میں ہے یہ سیف جلالت مآب فرد (۸۳) جوہر ہے فرد دھار ہے فرد آب و تاب فرد
انسان کیا یہ دیو کو دو ٹکڑے کرتی ہے
بے جاں لئے نہ یہ سرِ جن سے اترتی ہے

وحش و طیور و حور و ملک دوزخ و جناں — بارہ بروج شمس و قمر نجم و آسماں
دشت و جبال و معدن و صحرا و بوستاں (۸۴) نار و تراب و آب و ہوا قوم انس و جاں
سب کی بنی تھی جان پہ اس قتل عام سے
تن کانپتے تھے ضربتِ تیغِ امام سے

سج دھج میں تھی پری سے بھی خوشرو یہ دلپذیر — مشرق میں مہر غرب کے اندر مہ منیر
جوہر میں فرد رخ کی صفائی میں بے نظیر (۸۵) خونریز جانستان و جگر سوز و قلب گیر
چم خم میں تھی ہلال فلک سے بڑھی ہوئی
کھنچنے میں تھی یہ قوس قزح سے چڑھی ہوئی

نعرہ تھا قہر و طیش میں ہر بار وار پر — کاٹے ہیں سر جنوں کے فرشتوں کے میں نے پر
بنیاد کفر پھینک دی میں نے اکھاڑ کر (۸۶) آگے مرے ہیں دیو کے اعضا خیار تر
دریائے خوں ہوئے ہیں رواں میرے آب سے
رکتی نہیں ہوں میں سپہر آفتاب سے

یہ کہہ رہے تھے قہر و غضب میں وہ لالہ فام[1]   جو یک بیک ہوا ہوئی فوج امیر شام
تنگ اپنا سمجھے ان کا تعاقب شہ انام (۸۷)   سایے میں اک درخت کے کر گیا وہ شام
گو قہر سے تھی شہ کی کریمی بڑھی ہوئی
پر تیغ تھی کھنچی ہوئی تیوری چڑھی ہوئی

رکنا تھا تیغ کا جو سمٹ آئی پھر سپاہ   آمادۂ جدال بڑھی سب وہ روسیاہ
دہنی طرف کو آگے ہوئے حملہ ور جو شاہ (۸۸)   اک دم میں کجروں کو بتائی عدم کی راہ
شعلہ فشاں تھی تیغ دو پیکر سپاہ میں
یا برق کوندتی تھی وہ ابر سیاہ میں

اونچی ہوئی تو نوک سناں لے کر اڑ گئی   کیسی سناں یہ زاغ کماں لے کے اڑ گئی
سوفار کے لبوں کا نشاں لے کے اڑ گئی (۸۹)   خنجر جو منہ چڑھا تو زباں لے کے اڑ گئی
جب تک نہ یہ ملی تھی گلے کا گلا رہا
جب یہ گلے ملی نہ گلہ نے گلا رہا

ماہی کے سر پہ گاہ سر آسماں پہ تھی   گاؤ زمیں کی شاخ پہ گہہ کہکشاں پہ تھی
گہہ ابر و رعد پر کبھی برق طپاں پہ تھی (۹۰)   دوش ہوا پہ تھی کبھی آب رواں پہ تھی
شعلہ فگن تھی گہہ کرۂ زمہریر پر
مہر منیر پر کبھی بدر منیر پر

کیا کیا ہنر یہ تیغ دو پیکر نہ رکھتی تھی   قالب میں روح جسم پہ یہ سر نہ رکھتی تھی
عنقا کی طرح پاؤں زمین پر نہ رکھتی تھی (۹۱)   پر فضل حق سمجھئے کہ یہ پر نہ رکھتی تھی
چار آئینہ بدن میں برابر پگھلتے تھے
لوہے کی یہ گرمی تھی کہ پتھر پگھلتے تھے

اس لیلیٔ ظفر کی اداؤں کا تھا یہ حال   مجنوں وہ بن گیا جسے دکھلا دیا جمال
کیا ناز تھا کہ مل کے گلے سے کیا ہلال[2] (۹۲)   شیریں ادا پہ غش ہوئی ایسی چلی یہ چال
دشت عدم کو ڈر کے ختن سے ہرن گئے
مجنوں کی طرح شیر بھی دیوانے بن گئے

---

[1] ن ۔ برسا رہی تھی خون کا مینہ یوں وہ لالہ فام   [2] نسخہ ۔ نہال

آئی تڑپ کے گنبد مغفر گرا گئی ہاتھوں سے دستانے برابر گرا گئی
چار آئینے کو کاٹ کے جوہر گرا گئی (۹۳) پرزے اڑا کے جسم کے بکتر گرا گئی
جب تک کھلا نہ قلعۂ جوشن کھڑی رہی
کڑیاں زرہ کی نرم ہوئیں یہ کڑی رہی

لائے نہ تاب جنگ ستمگر ہوئے فرار کیا بے حیا تھی فوج یزید ستم شعار
آکر وہیں کھڑے ہوئے پھر شاہِ نامدار (۹۴) مہلت ملی تو جمع ہوئے پھر وہ نابکار
صف صف بڑھے وہ تیغ و سناں تولتے ہوئے
حضرت چلے اِدھر سے صفیں رولتے ہوئے

آیا نظر جو ان میں ہجوم سپاہ شام اٹھی برائے جائزہ تیغ ظفر نیام
بے مثل پہلوان نظری ہو گئے تمام (۹۵) چہروں سے خط و خال لئے دفتروں سے نام
زیر و زبر پیادے تھے برہم رسالے تھے
بس یک قلم پرے کے پرے کاٹ ڈالے تھے

جس سمت آئی تیغوں کے بادل قلم کئے جو خیرہ سر تھے ان کے سر اوّل قلم کئے
تیروں کے دستے نیزوں کے جنگل قلم کئے (۹۶) ڈھالوں کے پھول برچھیوں کے پھل قلم کئے
چار آئینوں میں عکس کی صورت سما گئی
پیکر بدن میں چار عناصر کو کھا گئی

تیغ دو دم کے سایے میں تھی برق کی سرشت جل جل کے خاک ہو گئی عمر عدو کی کشت
حاضر ہوئے جو ضرب سے اس کے عدوئے زشت (۹۷) بھاگے سقر کو پشت کئے جانبِ بہشت
میداں سے پھر فرار جو چھوٹے بڑے ہوئے
پھر کر اسی شجر کے تلے شہ کھڑے ہوئے

سر الشہادتین میں آگے ہے یوں لکھا اک نامہ آسمان سے آیا بصد ضیاء
اور ہاتھ پر حسینؑ کے رونق فزا ہوا (۹۸) کھولا جو اپنے قتل کا محضر نظر پڑا
واضح ہوا یہ شاہ پہ بین السطور سے
لکھا ہے پشت نامہ پہ کچھ خطِ نور سے

مطلع ۵ جب صرف کارزار امامِ زماں ہوئے — تیغِ دو دم سے خون کے دریا رواں ہوئے
روحوں کے سوئے نار رواں کارواں ہوئے (۹۹) — زیر و زبر زمیں ہوئی خم آسماں ہوئے
شعلہ فشاں تھی تیغِ دو پیکر سپاہ میں
یا برق کوندتی تھی وہ ابرِ سیاہ میں

مصروف تھے جہاد میں یوں شاہِ کربلا — اک نامہ آسمان سے آیا بصد ضیاء
اور ہاتھ پر حسینؑ کے رونق فزا ہوا (۱۰۰) — کھولا جو اپنے قتل محضر نظر پڑا
واضح ہوا یہ شاہ پہ بین السطور سے
لکھا ہے پشت نامہ پہ کچھ خطِ نور سے

کیا دیکھتے ہیں نامہ الٹ کر شہِ امم — مضمون تو یہ خامۂ قدرت سے ہے رقم
شبیرؑ اپنے عز و شرف کی ہمیں قسم (۱۰۱) — زہراؑ سے بھی زیادہ تجھے چاہتے ہیں ہم
یہ مہر ہے تمہاری یہ محضر تمہارا ہے
اب شوقِ زیست ہے کہ شہادت گوارا ہے

راہِ خدا میں آج اگر سر نہ دیجئے — تو چاک اپنے خون کا محضر نہ کیجئے
راضی ہے حق کہ جامِ شہادت نہ پیجئے (۱۰۲) — نصرت میں بھیجتا ہوں ملک مجھ سے لیجئے
حاصل ہو فتح اور تمہیں رنج و الم نہ ہو
رتبہ جو ہے تمہارا وہ اک ذرّہ کم نہ ہو

سر دینے کی جو دل میں تمہارے امنگ ہے — پھر کس لئے یہ غیظ ہے یہ طرزِ جنگ ہے
شبیرؑ آج تیغ زنی کا وہ رنگ ہے (۱۰۳) — مخرجِ یزید کیا ہے کہ دل سب کا تنگ ہے
بس لڑ چکے نیام میں صمصام کیجیے[۲]
اب آئیے بہشت میں آرام کیجیے

---

[۱] یہ بند نسخہ کے طور پر دوبارہ درج ہوا ہے۔

[۲] نسخہ ۵ — بس لڑ چکے جلال و شجاعت دکھا چکے
آؤ ہمارے پاس اذیت اٹھا چکے

تھرا گئے یہ سنتے ہی مظلوم کربلا   پیچیدہ کر کے نامہ ہوا میں اڑا دیا
بیساختہ نیام میں کی تیغ مرتضےٰ[۱۰۴] پھر یوں زبانِ حال سے کی رو کے التجا

بندوں کا پردہ پوش خدائے جلیل ہے
امیدوارِ عفو یہ عبدِ ذلیل ہے

شاہی کی اب ہوس ہے نہ لشکر کا اشتیاق   صغرا کا اشتیاق نہ اب گھر کا اشتیاق
بس ہے تو وصلِ خالق اکبر کا اشتیاق[۱۰۵] بچپن سے اس گلے کو ہے خنجر کا اشتیاق

تیرا مطیع ہو کے نہ سر کو فدا کروں
محضر پہ مہر کر کے نہ وعدہ وفا کروں

صدیقہ ماں ہے صادق الاقرار ہے حسینؑ   مرنے پہ جان دینے پہ تیار ہے حسینؑ
شرمندہ آپ کھینچ کے تلوار ہے حسینؑ[۱۰۶] پر اب ترے کرم کا سزاوار ہے حسینؑ

جو جو ستم کریں یہ ستمگر اٹھاؤں گا
محرابِ تیغ میں سرِ طاعت جھکاؤں گا

جو ظلم آج مجھ پہ ہوئے انتہا نہیں   شکوے سے پر زبان میری آشنا نہیں
بیٹا جوان مر گیا ماتم کیا نہیں[۱۰۷] بازو کے شانے کٹ گئے پر کچھ کہا نہیں

بس اب تمام زندگی بے ثبات ہے
ہنگام ذبح شرم میری تیرے ہات ہے

یوں ملتجی تھے حق سے امام فلک وقار   جو آئی چار سمت سے پھر فوج بدشعار
دیکھا کہ ہے نیام میں حیدر کی ذوالفقار[۱۰۸] جرأت ہوئی ہر ایک نے بڑھ کر لگایا وار

راہِ خدا میں شاہ نے سب کو بھلا دیا
جب زخم کھایا شکر کیا مسکرا دیا

مارا کسی نے گرز جو سر پر کہا کہ شکر   دل پر لگا جو نیزۂ شش پر کہا کہ شکر
گذرے جو تیر سینے سے باہر کہا کہ شکر[۱۰۹] تیغیں لگیں جو منہ پہ برابر کہا کہ شکر

سنبھلا گیا نہ خانۂ زیں پر امامؑ سے
غش کھا کے گر پڑے فرس تیز گام سے

آیا قریب شاہ کے تب شمر بے حیا   اور اُقتُلُوا الحسینؑ کا اعدا میں غل ہوا
اس شور سے لرز گئی ناموسِ مصطفیٰؐ (۱۱۰) گھبرا کے نکلی خیمہ سے زینبؑ برہنہ پا
اک اک سے پوچھتی تھی نواسی رسولؐ کی
باقی ہے یا اجڑ گئی بستی بتولؑ کی

اے مصطفیٰؐ کی گود کے پالے کہاں ہے تو   اے مرتضیٰؑ کے گھر کے اجالے کہاں ہے تو
اے فاطمہؑ کے گیسوؤں والے کہاں ہے تو (۱۱۱) آکر بہن گلے سے لگا لے کہاں ہے تو
اکبرؑ کے پاس یا علی اصغرؑ کے پاس ہو
یا نہر علقمہ پہ برادر کے پاس ہو

اے آلِ مصطفیٰؐ کے سہارے جواب دے   اے تین دن کے پیاس کے مارے جواب دے
اے عرشِ کبریا کے ستارے جواب دے (۱۱۲) اے بھائی سرپرست ہمارے جواب دے
آواز دو بہن کو برادر کدھر گئے
جیتے ہو بھائی جان کہ جی سے گذر گئے

بھائی کو جب پکارتی تھی زینبؑ حزیں   ہلتا تھا آسماں لرز جاتی تھی زمیں
ناگاہ پہنچی حضرت شبیرؑ کے قریں (۱۱۳) دیکھا کہ خاک پر ہیں پڑے غش میں شاہِ دیں
سینے پہ شہ کے شمر ستمگر سوار ہے
حلقوم سے ملی ہوئی خنجر کی دھار ہے

تھرا گئی یہ دیکھ کے وہ غم کی مبتلا   منہ پیٹ کر یہ شمر ستمگر کو دی صدا
بے فکر جس کے قتل کی یہ تجھ کو بے حیا (۱۱۴) وہ پارۂ جگر ہے علیؑ و بتولؑ کا
للہ رحم کر کہ کئی دن کا پیاسا ہے
پیاسا ہے اور تیرے نبیؐ کا نواسا ہے

اے شمر کیا تجھے نہیں خوفِ اللہ ہے   سید ہے بے دیار ہے اور بے گناہ ہے
ہم بیکسوں کا بس یہی پشت و پناہ ہے (۱۱۵) بعد اس کے خاندانِ رسالت پناہ ہے
ظالم ظلم نہ کر شہ دلگیر کا گلا
بھائی کے بدلے کاٹ لے ہمشیر کا گلا

منظور یہ نہ ہو جو تجھے اے ستم شعار مہلت دے اتنی تو ہمیں اب بہر کردگار
صدقے ہوں گرد بھائی کے سر کے میں سات بار (۱۱۶) بو سونگھوں اور چوموں گلے کو میں دلفگار

چھاتی لگاؤں فاطمہؑ کے نورِ عین کو
آنسو چھڑک ہوش میں لاؤں حسینؑ کو

بے سایہ دھوپ میں ہے جگر بند مرتضٰیؑ اے شمر گر کہے تو کروں سایۂ ردا
مہلت دے کچھ کہ ہے دم آخر حسینؑ کا (۱۱۷) کچھ باتیں کرے بھائی سے یہ غم کی مبتلا

بھائی بہن میں حرف و حکایات ہوئے گی
بچھڑی جو اب تو پھر نہ ملاقات ہوئے گی

خلد بریں سے فاطمہؑ آلے، تو ذبح کر بیٹے کو ماں گلے سے لگالے تو ذبح کر
پیاسے کو تھوڑا پانی پلالے، تو ذبح کر (۱۱۸) بے کس افاقہ غش سے جو پالے تو ذبح کر

تم جاؤ ابھی کہ سینے میں دل بے قرار ہے
میں پھر کے جاؤں خیمے میں پھر اختیار ہے

یہ کہکے دل جو فرطِ قلق سے الٹ گیا سر پیٹی اس قدر کہ قیامت ہوئی بپا
غش میں سنی جو شاہ نے ہمشیر کی صدا (۱۱۹) کھولی جو آنکھ دیکھا غضب کا یہ ماجرا

سینے پہ شمر بیٹھا ہے خنجر لئے ہوئے
زینبؑ کھڑی ہے چاک گریباں کئے ہوئے

تغیر گو تھی حالتِ مظلوم کربلا غیرت سے بند بند مگر تھرتھرا گیا
رو کر کہا کہ اے جگر اشرف النساء (۱۲۰) بھائی کے جیتے جی یہ بہن تم نے کیا کیا

سر ننگے آئی ہو سپہ نابکار میں
ماں کا چلن بھلا دیا بھائی کے پیار میں

وہ بولی صدقے جاؤں نہیں کچھ مری خطا جب اقتلو الحسینؑ کی میں نے سنی صدا
بے اختیار ہو کے میں نکلی برہنہ پا (۱۲۱) فرمایا شہ نے خیر جو ہونا تھا وہ ہوا

مصروف اب حسینؑ ہے یادِ الٰہ میں
جاؤ ہمارے سر کی قسم خیمہ گاہ میں

زینبؑ اِدھر پھری اُدھر آفت ہوئی بپا خنجر سے بوسہ گاہِ پیمبرؐ ہوئی جدا
بیکس نے منہ پھرایا تو محشر نظر پڑا (۱۲۲) تھراتی تھی زمین فلک کو ہے زلزلہ
ریتی پہ لوٹتا ہے پڑا پیکرِ حسینؑ
اور ہاتھ میں ہے شمرِ لعیں کے سرِ حسینؑ

سر پیٹنے لگی جگرِ شیرِ ذوالجلال ڈیوڑھی پہ تھی کھڑی ہوئی سب مصطفیٰؐ کی آل
حیران تھی کہ دیکھئے ہوتا ہے کیا مآل (۱۲۳) بولی تڑپ کے ماں سے سکینہؑ بصد ملال
سر پیٹتی ہیں آنکھوں سے آنسو بہاتی ہیں
باباکی خیر ہوئے پھوپھی روتی آتی ہیں

یہ کہکے وہ بڑھی تو یہ زینبؑ نے دی صدا لوگو میں رہو پئے خلاقِ دوسرا
اب کوئی دم میں دربدری کا ہے سامنا (۱۲۴) لٹ جائیں گے خیام شہنشاہِ کربلا
پردیس میں نصیب ہمارا الٹ گیا
بی بی تمہارے باپ کا سر تن سے کٹ گیا

دیکھو سرِ سناں جو وہ سر ہے لہو میں تر یہ سر ترے پدر کا ہے اے عاشقِ پدر
بے سر بدن پڑا ہے جو وہ ریگِ گرم پر (۱۲۵) وہ لاشۂ حسینؑ ہے اے سوختہ جگر
پردیس میں تباہ ہمیں کر گئے حسینؑ
ہم بے نصیب جیتے رہے مر گئے حسینؑ

سر پیٹی دونوں ہاتھوں سے وہ غم کی مبتلا منہ لاشۂ شہدار کی طرف کرکے یوں کہا
ہے ہے سکینہؑ ہو نہ گئی آپ پر فدا (۱۲۶) پانی بھی وقتِ ذبح ملا یا نہیں ملا
امت نے کچھ نبیؐ کا نہ پاس و ادب کیا
ہے ہے مجھے یتیم کیا کیا غضب کیا

مرضی ہو گر حضور کے لاشے پہ آؤں میں پھر پھر کے گرد لاش کے چھاتی لگاؤں میں
بالینِ لاش بیٹھ کے آنسو بہاؤں میں (۱۲۷) دل پر جو کچھ گذرتی تھی تم کو سناؤں میں
تقصیر بخشواؤں میں رو رو کے لاش سے
مرجاؤں پھر لپٹ کے تن پاش پاش سے

کیا کہہ رہی ہوں سنتے ہو بابا جواب دو — آؤں نہ آؤں لاش پہ مولا جواب دو

اصغر کا صدقہ اے شہِ والا جواب دو [۱۲۸] کیا کچھ خفا ہو لونڈی سے آقا جواب دو

آخر وہی میں عاشقِ شاہِ مدینہ ہوں

لوگو وہی میں نازوں کی پالی سکینہؑ ہوں

یہ کہہ کے دوڑی جانبِ مقتل وہ نوحہ گر — چلائی ماں لپٹ کے کہ بی بی کدھر کدھر

آتی ہے لوٹنے کے لئے فوجِ بدگہر [۱۲۹] آؤ ہماری گود میں اے عاشقِ پدر

یہ سن کے ہوش اڑ گئے گھبرا کے گر پڑی

اٹھی جو پھر تڑپ کے تو غش کھا کے گر پڑی

یہ دیکھ کر تڑپ گئی وہ غم کی مبتلا — گودی میں لے کے خاک سے کرنے لگی بکا

ناگہہ آئے خیمے کی غارت کو اشقیا [۱۳۰] خاموش اے دبیر کہ محشر ہے جابجا

اعدائے دیں خیام امامِ امم میں ہیں

برقع نبیؐ کے آل کی دستِ ستم میں ہیں

مرثیہ

عباسؑ دلاور کا لقب سیفِ خدا ہے — بندوں میں یہ فرخندہ حسب سیفِ خدا ہے
یہ مُطّلبی طالبِ رب سیفِ خدا ہے (۱) — یہ ماہِ عجم مہرِ عرب سیفِ خدا ہے
سرخیلِ شجاعانِ حجازی ہے یہ غازی
یکتا ہے دو عالم میں وہ غازی ہے جو غازی

کیا نام خدا نام میں رعب خدا داد — اے صلِّ علا امن و اماں کی ہے یہ بنیاد
عباسؑ و نجف ایک ہیں گننے اگر اعداد (۲) — اس رمز پہ کہتی ہے یہ فکرِ سخن ایجاد
حیدرؑ کا خلف حمزہؑ و جعفرؑ کا شرف ہے
عباسؑ دلاور سندی درِ نجف ہے

ختم ان پہ ہے ہمت بھی مروت بھی حیا بھی — طاعت بھی شجاعت بھی عدالت بھی سخا بھی
سطوت بھی مودت بھی صداقت بھی وفا بھی (۳) — شوکت بھی جلالت بھی نجابت بھی عطا بھی
افضل نہ ہو کیوں فضلِ الٰہی سے یہ ذوالفضل
سب فضل و شرف جمع ہیں کنیت ہے ابوالفضل

بے ہاتھ ہیں اور عقدہ کشائی دوسرا بھی — شاہوں کے مددگار معین فقرا بھی
دلبند علیؑ بازوئے شاہِ شہدا بھی (۴) — شمشیرِ خدا بھی سپرِ حفظِ خدا بھی
یکتا ہیں یہ مانندِ علیؑ دادرسی میں
مشغول شب و روز ہیں فریادرسی میں

کچھ روز کرم سب کا ہے دائم کرم ان کا — رتبے میں یہ جبریل ہیں شہپرِ عالم ان کا
کیواں سے ہے برتر حشم ان کا خدم ان کا (۵) — خورشید کی عینک ہے نشانِ قدم ان کا
کب گردِ قدم طور کے آنکھوں کا ہے سرمہ
ایمن میں ہے غل نور کی آنکھوں کا ہے سرمہ[۱]

---

۱ نسخۂ دیگر ۔ شاہد ہے ضیا نور کی آنکھوں کا ہے سرمہ

مطلع

عباسؑ علیؑ بازوے شاہ شہدا ہیں ‏ بے ہاتھ ہیں اور عقدہ کشائے دوسرا ہیں
شاہوں کے مددگار معینِ فقرا ہیں (۶) ‏ شمشیر خدا ہیں سپرِ حفظِ خدا ہیں

کیواں سے ہے برتر حشم ان کا خدم ان کا
خورشید کی عینک ہے نشانِ قدم ان کا

اک وصف رخ پاک ہے سیپارۂ قرآن ‏ اک جلوۂ خال ان کا ہے لاکھ انجم تابان
اک جزو کمال ان کا ہے ستو یوسف کنعان (۷) ‏ اک شمّہ حشم ان کا ہزار اوجِ سلیمان

ہیں ہفت جہاں گوشہ نشیں ظلِ کرم میں
نہ ۹ چرخ ہیں اک گوشۂ دامان علم میں

سر تا بقدم قلزم عرفاں میں ہیں یہ غرق ‏ شہزوروں میں دھاک آپ کی ہو غرب سے تا شرق
حیدر سے نہ صورت میں نہ سیرت میں ہے کچھ فرق (۸) ‏ حقا وہی چہرہ وہی گردن ہے وہی فرق

خردی و بزرگی کا جو ہے فرق تو کیا ہے
قرآن و حمائل جو کہوں میں تو بجا ہے

کیا چہرۂ روشن ہے تبارک و تعالا ‏ خود حسن نے منہ پردۂ قدرت سے نکالا
منہ چاند ہے گیسوئے رسا چاند کا ہالا (۹) ‏ صبح شب نوروز کا ہر سو ہے اجالا

خورشید چھپا ڈر کے ہوا شہر بدر چاند
یاں بیچ میں ہے مہر ادھر چاند اُدھر چاند

رخ وہ بھی کہ خورشید درخشاں کہیں جس کو ‏ فرقانِ مبیں صاحب عرفاں کہیں جس کو
کہنے کو فقط قدرت سبحاں کہیں جس کو (۱۰) ‏ مومن بخدا کعبۂ ایماں کہیں جس کو

ابرو جنہیں سمجھے ہوئے ہیں قبلہ نما ہے
ماتھا نہیں خود حسن کے سجدے کی یہ جا ہے

ابرو وہ ہیں لکھے جنہیں بیت الحرم نور ‏ بینی ہے وہ زیبا جسے کہیے علم نور
رخسار ہیں گر لوح تو یہ ہے قلمِ نور (۱۱) ‏ موجیں کہیں گیسو کو تو آنکھوں کو یم نور

وصف رخ و بینی میں جو تقریر ہوئی ہے
کیا نور علیؑ نور کی تفسیر ہوئی ہے

وہ چشم کہ سرچشمۂ عرفاں جنہیں کہیئے   یکساں دو چراغِ رہِ ایماں جنہیں کہیئے
چشمک زنِ صد عیسیٰؑ دوراں جنہیں کہیئے (۱۲) لطف و کرمِ ایزدِ سبحاں جنہیں کہیئے

زیبا ہے جو صحت کی دلیل ان کو بتائیے
بیمار وہ خود بھی جو علیل ان کو بتائیے

وہ وصفِ دہن تنگ میں عاجز ہیں سخنداں   غنچوں کی طرح سے ہیں سراسر بہ گریباں
حقا ذقن و لب کی ثنا کا نہیں امکاں (۱۳) وہ کوثرِ جنت ہے یہ سرچشمۂ حیواں

خاک و لب رنگیں کی عجب شوکت و شاں ہے
یہ ساغرِ کوثر لبِ کوثر پہ عیاں ہے

خود اپنی بزرگی پہ ہے گویا یہ وہ جُز ہے   ہے نقطۂ موہوم سراپا یہ وہ جز ہے
بالکل ہے صداقت کا معما یہ وہ جز ہے (۱۴) کہتے ہیں جسے لا یتجزی یہ وہ جز ہے

ہر چند خموشی و تامل کی یہ جا ہے
پر جوہرِ فرد اس کو لکھوں میں تو بجا ہے[۱]

ہے شکر کہ شکر سے لبالب دہن ایسا   رنگیں سخن ایسا ہے نہ شیریں سخن ایسا
برتر ہے مہِ نو سے لبِ ضو فگن ایسا (۱۵) نے لعلِ بدخشاں نہ عقیقِ یمن ایسا

مشتاق ہیں ایسا کسؑ تو شیدا ہیں مسیحاؑ
اک لب سے خضرؑ ایک سے زندا ہیں مسیحا

کب سنبل پیچیدہ ہے کاکل سے زیادہ   کاکل ہے مگر رتبے میں سنبل سے زیادہ
سو تار شعاعی کے تجمل سے زیادہ (۱۶) خوشبو گل رخسار میں ہے گل سے زیادہ

صرصر سے پریشاں جو ادھر اور ادھر ہے
گیسو نہیں یہ موج شمیمِ گلِ تر ہے

۱؎ نسخہ ہے   گو وصفِ دہن وردِ لبِ جن و ملک ہے
پر اہلِ سخن میں تو کلام آج تلک ہے

اب طبع رسا کو صفتِ گوش میں ہے جوش   ہوں بزم میں سامع صفتِ گل ہمہ تن گوش
پر گیسوئے مشکیں ہیں جو یکسر ہیں یہ روپوش (۱۷)   سرگوشیاں کرتی ہیں بہم یوں خرد و ہوش
ظلمت میں اندھیرے کے سوا کیا نظر آئے
شب ہو جو بسر نور کا تڑکا نظر آئے

کیا فکر رسا وصف بناگوش سنائے   کچھ عقل سرِ دست ہنر اپنا دکھائے
کانوں سے اگر کاکلِ مشکیں کو ہٹائے (۱۸)   مشتاقوں کو تو شمع گلو کی نظر آئے
گیسو کے ہٹانے کی جو رخصت نہ ملے گی
زنہار کلیدِ درِ جنت نہ ملے گی

گو تشنہ گلو ہیں پہ صراحی سی ہے گردن   چہرے سے اتر کر ہے یہاں حسن کا قدغن
کیوں کر کہوں کافور کی اک شمع ہے روشن (۱۹)   یہ وادیِ ایمن کی تجلی کا ہے معدن
نقشہ کہیں کھینچ سکتا ہے گردن کی صفا کا
چھوٹا رگِ بلور سے فوارہ ضیا کا

تابوتِ سکینہؑ ہے وہ سینہ ہے یہ سینہ   آرامِ دلِ شاہِ مدینہ ہے یہ سینہ
سرورؑ کی محبت کا خزینہ ہے یہ سینہ (۲۰)   اللہ کی رحمت کا سفینہ ہے یہ سینہ
مخزن ہے یہ معبود کی تسلیم و رضا کا
معدن ہے یہ دلبندِ پیمبرؐ کی ولا کا

موتی کی صفا گرد ہو رنگ بدن ایسا   گلشن میں خجل ورد ہو رنگ بدن ایسا
بازارِ قمر سرد ہو، رنگ بدن ایسا (۲۱)   خورشیدِ مبیں زرد ہو، رنگ بدن ایسا
فردوس ہے صحرا تنِ اقدس کی مہک سے
ہر خار ہے گل اس گلِ نورس کی مہک سے

وہ دستِ زبردستِ قوی جن سے ہے ایماں   رہتے ہیں سدا ہیکلِ شاہنشہِ ذیشاں
دلبندِ یداللہ ہیں اشجعِ دوراں (۲۲)   بازو ہیں یہ ان کے جو ہیں سرخیلِ شہیداں
موزوں جو سرِ دست جو تعریف وہ کم ہے
اک زیب وہ مشک ہے اک زیبِ علم ہے

یکدست پئے امن دو عالم ہیں یہ دونوں ہیں سیف یداللہ جو باہم ہیں یہ دونوں
رتبہ ہے دو چندان کا معظم ہیں یہ دونوں (۲۳) بس عقدہ کشائے بنی آدم ہیں یہ دونوں
رن میں عوض تیغ یہ رہتے ہیں علم بھی
سجدے میں مہِ نو کی طرح رہتے ہیں خم بھی

شہرہ شرف قد کا ہے تا عالم بالا سدرہ سے ہے رتبے میں فزوں یہ قد بالا
طوبائے بہشتی کا ہے نام اس کے قبالا (۲۴) طوبیٰ لکم اے بزم نشینِ شہِ والا
قامت سے ہویدا ہے جو عالی حسبی ہے
یہ قد شجر شجرۂ والا نسبی ہے

اس نخل سے سرسبز ہے جنت کا گلستاں گلگشت سے بالا نہ ہو کیوں خلد کا ایواں
شمشاد جناں کی نہیں تشبیہ ہے شایاں (۲۵) ساکن ہے وہ خجلت سے یہ ہے سرو خراماں
ہر دم رہے ثابت قدم آفات و بلا میں
یہ پاؤں وہ ہیں جو نہ ڈگے راہِ رضا میں

ہے نقشِ کفِ پا سے زمیں مطلع خورشید سبزے کو بھی ہاتھ آئے ہے سرسبزی جاوید
وا مردمکِ چشم پہ اس نقش کا ہے بھید (۲۶) یہ ہیں گل امید کہ نقشِ دلِ امید
کہتی ہے خرد ان کو تو عینک ہی بنالے
ہے ختم سراپا قدم آنکھوں سے لگالے

مطلع ہاں اے علم خامہ سردست علم ہو اس طرح علم ہو کہ علم کفر کا خم ہو
یوں معرکے میں ہم روشِ تیغ دودم ہو (۲۷) جو یک قلم اعدا کا سرِ نحس قلم ہو
رستم کی وغا دیدۂ انصاف سے گر جائے
خیبر کی لڑائی کا سماں آنکھوں میں پھر جائے

جادو قلم اعجاز رقم ہو تو مزا ہے منکر بھی ہوں قائل کہ یہ تائید خدا ہے
مفتاح مضامیں جو کہوں میں تو بجا ہے (۲۸) جبرئیل کی انگشت پہ اسرار نما ہے
ذرے کو دیا حق نے شرف بدر دوجا کا
کیا فیض ہے ممدوح کی توصیف و ثنا کا

ناقدر ہیں گر اہلِ جہاں کچھ نہیں پروا — ہے شکر کی جا ہم کو شکایت نہیں اصلا
بندے کو ہے کافی کرمِ خالقِ یکتا [۲۹] — تعریف کی تحسین کی خواہش نہیں حاشا
جو حق کی طرف سے ہے وہ عزت نہیں جاتی
اجماع سے حیدرؑ کی خلافت نہیں جاتی

جو حق کا طلب گار ہے مطلوب وہی ہے — سرقہ سے ہے نفرت جسے مرغوب وہی ہے
جو عیب جو اوروں کا ہے معیوب وہی ہے [۳۰] — ہر رنگ میں جو خوب کہے خوب وہی ہے
گو غنچہ صفت دل میں نہیں کینۂ بلبل
تا چند مگر قصۂ پارینۂ بلبل

ذی فہم جو ہیں جانتے ہیں سب کی حقیقت — بے فائدہ تکرار ہے بے سود ہے حجت
موزوں ہوئے الفاظ جو بے عطف و اضافت [۳۱] — سمجھے اسے نافہم ہے یہ بھی کوئی صنعت
کہتے ہیں لغت اس کو سمجھتے نہیں جس کو
پوچھے کوئی ان سے کہ زباں کہتے ہیں کس کو

بس طبع رسا اشہبِ خامہ کی عناں تھام — موقع یہ رجز کا نہیں آمد کا ہے ہنگام
آنے کو ہے رن میں اسد اللہ کا ضرغام [۳۲] — ہلتی ہے زمیں زلزلہ ہے کوفے سے تا شام
دہشت کے سبب رن میں عدو تھم نہیں سکتے
لاکھوں میں قدم ایک کے بھی جم نہیں سکتے

نو لاکھ میں اک شیر کی آمد سے ہے ہلچل — رو کش ہے اجل شکل اماں آنکھوں سے اوجھل
ہیبت کی چڑھائی سے ہے آخر صفِ اول [۳۳] — ہے خوف سے ابتر سپہِ شام کا بادل
غل ہے کہیں موت آئی ہوئی سر سے ٹلی ہے
اب وقت ہے کچھ اور ہوا اور چلی ہے

ہر سو صفِ لشکر میں قیامت کے ہیں آثار — بے ہوش و سراسیمہ و خود رفتہ ہیں اشرار
صرصر کی طرح دوڑتے پھرتے ہیں خبردار [۳۴] — ہر مورچے پر جا کے یہ کہتے ہیں کہ ہشیار
حیدرؑ کا جو ہے شیرِ نر آتا ہے وہ غازی
ہفتم سے ہے جس کی خبر آتا ہے وہ غازی

چاروں طرف اک خوف کا مضموں ہے توارد   نخوت، نہ خشونت نہ تجبر نہ تمرد
ٹل جائیں دم رزم یہی عزم ہے لابد [۳۵]   آمد کے سبب فوج میں ہے بھاگنے کی شد
دل سینے میں یہ کہہ کے اچھلتا ہے کہ بھاگو
کہتے تو ہیں کچھ منہ سے نکلتا ہے کہ بھاگو

ابرو کی طرح کند ہیں تیغیں صفہانی   چم خم ہے نہ کس بل نہ برش ہے نہ روانی
تابیں ہے شکستِ صفِ لشکر کی نشانی [۳۶]   چلتی نہیں سرداروں کی کچھ قاعدہ دانی
چہرے سے تو رنگ اڑتا ہے اور ہوش سروں سے
کچھ آپ کھلی جاتی ہیں تیغیں کمروں سے

ہیبت سے طپیدہ قفسِ تن میں ہیں جانیں   ہاتھوں سے چھٹی جاتی ہیں گھوڑوں کی عنانیں
انگڑائیاں لیتی ہیں سرِ دوش کمانیں [۳۷]   اور پھرتے ہیں ہونٹوں پہ جمدھر بھی زبانیں
خنجر کو بھی یہ ہیبتِ شمشیرِ ظفر ہے
پوشیدہ کمر میں صفتِ موئے کمر ہے

پیکانوں کے غنچے جو ہیں مرجھائے ہوئے ہیں   ڈھالوں کے جو ہیں پھول وہ کملائے ہوئے ہیں
رایت سرِ تسلیم کو نیہوڑائے ہوئے ہیں [۳۸]   نیزوں کا یہ عالم ہے کہ بل کھائے ہوئے ہیں
ہر گرز نگوں سار ہے شمشیر کی صورت
بے حس ہیں عدو پیکرِ تصویر کی صورت

کہتے ہیں قدم چھوڑ کے میدان کو ٹل جاؤ   بہتر ہے سلامت کسی کوچے سے نکل جاؤ
کیوں تیغِ شرر دم سے جلو آگ میں جل جاؤ [۳۹]   کیا خاک سنبھل جائیں جو کہتے ہو سنبھل جاؤ
یہ بھی سہی تو خیر توقف نہ کرو تم [۱]
دریا تو ہے نزدیک چلو ڈوب مرو تم

اللہ رے ہیبت کہ زمانہ ہے دگرگوں   غنچے کا ہے دل چاک تو لالے کا جگر خوں
اک ذرہ جو ہاموں ہے تو اک قطرہ ہے جیحوں [۴۰]   اغلب ہے گریں خاک پہ نُہ شیشۂ گردوں
سیاروں کو جنبش ہے نہ طاقت تگ و دو کی
خورشید نے رکھ دی ہے سروحی مہِ نو کی

---

[۱] نسخہ سے: شق ہو جو زمیں اور سما جائیں تو بہتر :: اے کاش درندے ہمیں کھا جائیں تو بہتر

میدان وغا گرد کے دامن میں ہے پنہاں   ہر شیر ژیاں مور کے روزن میں ہے پنہاں[1]
ابلیس دلِ خولیِ بدظن میں ہے پنہاں (۴۱) اور کفر و حسد کوفیوں کے تن میں ہے پنہاں
دو حصّہ ہے دن دیکھ کے اس شور و شغب کو
چھپنے کے لئے ڈھونڈتا ہے پردۂ شب کو

جلّاد فلک سکتے میں ہے ترک فلک بھی   ہلتے ہیں فلک لرزے میں ہے عرش تلک بھی
حیران و سراسیمہ سما بھی ہے سمک بھی (۴۲) انسان بھی جنات بھی حوریں بھی ملک بھی
قطبین کو اک جا پہ قرار آج نہیں ہے
ہے اک کہن سرگشتہ اک آوارہ کہن ہے

نے دمدمۂ جوق ہے نہ غلغلۂ بوق   نہ دبدبۂ عوج ہے نہ طنطنۂ عوق
ارزاں ہے قضا گرم فنا زیست کا ہے شوق (۴۳) دامان ثریا میں ہے پنہاں سرِ عیوق
گردوں خس و خاشاک میں چھپنے کو جھکا ہے
گر پڑتا ہے مگر خوف کے ہاتھوں سے رکا ہے

کیوں ڈر سے نہ ہوں دیدۂ افواج ستم بند   در امن و اماں کا ہے بجز راہ عدم بند
سکتے میں ہیں سب خوف سے ہر اک کا ہے دم بند (۴۴) جتنے کہ رے و روم کے باجے ہیں قلم بند
بوق و دف و مزمار ہیں چپ فرط محن سے
آواز نکلتی نہیں قرنا کے دہن سے

حیرت سے ہے انگشت بدنداں عمر سعد   تشویش میں ہے سر بگریبان عمر سعد
لشکر کی طرف سے ہے ہراساں عمر سعد (۴۵) ہے قلب سپہ میں ہے پہ بے جان عمر سعد
کہتا ہے نہیں تاب و تواں خوف سے تن میں
کیا رعب ہے گویا کہ علیؑ آتے ہیں رن میں

کچھ سوچ کے پھر آپ ہی کہتا ہے وہ مکار   بے فائدہ تشویش ہے بے جا ہے یہ گفتار
کچھ غم نہیں آنے دو جو آتے ہیں علمدار (۴۶) ہم قوت حیدرؑ ہیں تو ہوں غم نہیں زنہار
وہ بھی تو بشر تھے کہ لڑے ضیغم حق سے
جو معرکے سابق میں پڑے ضیغم حق سے

---

[1] لہ نسخہ ۔ دہشت کے ہوا مادہ یہ کے بن میں ہے پنہاں

آفاق میں ہے ہند جگر خوار کی شہرت   کہنے کو تو وہ صاحب توقیر تھی عورت
جرأت میں مگر لے گئی مردوں پہ وہ سبقت (۴۷)   سب مان گئے کئے وہ سر معرکہ ہمت
عموئے نبیؐ پہ نہ ترس کچھ اسے آیا
کیا دل تھا کہ حمزہؑ کا جگر ہند نے کھایا

ہیبت سے ہے یاں گور کنارے صف بے پیر   جنگاہ کا عازم ہے اُدھر بازوئے شبیرؑ
جرأت کا تقاضا ہے کہ اب ہو ہدفِ تیر (۴۸)   دل کہتا ہے چلئے تو حضورِ شہِ دلگیر
تا چند ادب عرض ہی کرنے کا ہے موقع
اب چلنے کا موقع نہیں مرنے کا ہے موقع

دم گھٹتا ہے سن سن کے بیانِ دلِ نالاں   خاموش ہے گردن کو جھکائے ہوئے ذیشاں
آیا ہے سلح خانہ میں ابن شہِ مرداں (۴۹)   ہے پیش نظر موت و یا حسرت و حرماں
کچھ منہ سے تو کہتے نہیں پر بدمزگی ہے
سر دینے کی لو شمعِ یداللہ کو لگی ہے

تھا متصل خیمہ سلح خانۂ سرورؑ   خیمے میں جو پہنچی خبر آمد صفدر
بیتاب ہوئی زوجۂ عباسؑ دلاور (۵۰)   زینبؑ سے کہا خیر کرے خالق اکبرؑ
جس واسطے آئے ہیں میں پہچان گئی ہوں
سامان رنڈاپے کا ہے میں جان گئی ہوں

بی بی مرے بچوں سے ذرا رہیو خبردار   کہتی ہوں میں یہ جوڑ کے ہاتھوں کو بتکرار
گھبرا کا جو عالم ہے نہیں حاجت اظہار (۵۱)   ناسور رنڈاپے کے قلق سے ہے دل آزار
وارث سے بچھڑ کر نہ میں یاں ہاتھ ملوں گی
تھامے ہوئے گھوڑے کی عناں ساتھ چلوں گی

فضہؑ نے جو دیکھا ہوئے دروازہ رخ ان کا   ڈیوڑھی پہ کھڑی ہوگئی وہ روک کے پردا
خیمے میں سلح خانے میں آئی جو وہ دکھیا (۵۲)   پوشاک بدلتے ہوئے عباسؑ کو دیکھا
خیبر میں جو کی زیب تن احمدؐ کی وصی نے
پوشاک وہی پہنی ہے دلبندِ علیؑ نے

دھانی وہ قبا جس سے خنک چشم بصارت وہ رنگ کی خوبی وہ لطافت وہ ملاحت
ہر تار سے شرمائے رگِ گل کی نزاکت (۵۳) نکہت بھی وہ نکہت کہ خجل سندس جنت

دلبند ید اللہ ہو ہاتھ آئے یہ جس کو
گویا کہ ملے خضر اسے مل جائے یہ جس کو

وہ تاج مرصّع وہ کلاہِ قمر آسا بس نورِ علیؑ نور کہیں جس کو شناسا
وہ آب جسے دیکھ کے سیراب ہو پیاسا (۵۴) روشن ہے کہ معکوس مہِ نو کا ہے کاسا

ہوئے گا وہ تا یک قد آدم یہ سنا ہے
خورشید قیامت اسے کہیئے تو بجا ہے

زیبا تنِ پر نور پہ ہے جنگ کا زیور حمزہؑ کی سپر تیغِ علیؑ جوشنِ جعفرؑ
زیبائش تن دیکھ کے تنہا ہے وہ صفدر (۵۵) خود اپنی سجاوٹ پہ ہے نازاں وہ دلاور

انداز لڑائی کا علیؑ کی ہے نظر میں
منہ دیکھتے ہیں آئینۂ تیغ ظفر میں

جب تک ہوا آراستہ وہ سرو خراماں زوجہ رہی خاموش بصد حسرت و حرماں
باندھی جو کمر چاک ہوا صبر کا داماں (۵۶) کی عرض بہت آخری خلعت سے ہوں شاداںؑ

کیا شاہِ شہیداں کے مصاحب کو خوشی ہے
سمجھی ہوں میں جس بات کی صاحب کو خوشی ہے

کیا منہ جو کہوں وجہ بتاتے ہوئے جاؤ پر خاک عزا منہ پہ لگاتے ہوئے جاؤ
ہنستے ہوئے خود ہم کو رلاتے ہوئے جاؤ (۵۷) لونڈی کو بھی رنڈسالہ پنہاتے ہوئے جاؤ

فدیہ شہ مظلوم کا بننا ہو مبارک
یہ آخری پوشاک پہننا ہو مبارک

یہ میں نہیں کہتی مجھے آفت میں نہ چھوڑو بے جرم بگردشت مصیبت میں نہ چھوڑو
اس معرض اندوہ و ہلاکت میں نہ چھوڑو (۵۸) لائے ہو بہت دور سے غربت میں نہ چھوڑو

اچھی نہیں تنہائی کبھی راہ گذر میں
ساتھی جو برا بھی ہو تو چھوڑے نہ سفر میں

منزل بھی وہ منزل نہ پتا جس کو ہو معلوم — طے ہونے کی امید رکھے کیا دلِ مغموم
دن رات چلے جاتے ہیں سب نیک ہوں یا شوم (۵۹) — لے جاتی ہے کیا جانے کدھر خواہشِ مقسوم
کیا راہ ہے جس میں کہ شناسا نہیں کوئی
گو ایک ہی رستہ ہے پہ ملتا نہیں کوئی

جادے کا نشاں ہے نہ نشانِ کفِ پا ہے — نے قافلہ والوں کا نہ منزل کا پتا ہے
نے گردِ پسِ قافلہ نے بانگِ درا ہے (۶۰) — دم لینے کو سایہ ہے نہ رہنے کو سرا ہے
کوسوں کہیں ملتا نہیں اشجار کا سایہ
جز گورِ غریباں نہیں دیوار کا سایہ

غازی نے کہا کچھ ہمیں وسواس نہیں ہے — ہمت تو ہے گر زادِ سفر پاس نہیں ہے
رہ جائے جو ایسا بھی تو عباسؑ نہیں ہے (۶۱) — اللہ کی رحمت سے ہمیں یاس نہیں ہے
اس راہِ خطرناک کی پروا سے کیا ہو
شبیرؑ سا جس قافلے کا راہ نما ہو

زوجہ نے کہا اس میں کسے شک ہے مگر ہاں — مطلب تو یہ تھا اے اسدِ ضیغمِ سبحاں
تنہا سفرِ مرگ نہیں ہے تمہیں شایاں (۶۲) — خدمت کے لئے مجھ کو بھی لو ساتھ میں قرباں
خدمت سے تو حوریں ہوں سرفراز جناں میں
محروم رہے خادمۂ خاص جہاں میں

تقصیر معاف آپ کو زیبا نہیں یہ بات — کنبے نے دیا ہاتھ میں صاحب کے مراہات
کچھ لاج نہیں ہات پکڑنے کی بھی ہیہات (۶۳) — مطلق نظرِ مہر ہے نے چشمِ عنایات
دینا تھا اگر داغ ہی فرقت کے الم کا
خوگر کیا پھر آپ نے کیوں لطف و کرم کا

کہتی تھی جو بات آپ کو میں کہتی ہوں مضطر — امید یہ رکھتی تھی میں اے وارثِ حیدرؑ
خود آپ کو ہوئے گا مرا دھیان مقرر (۶۴) — ظاہر ہوا برعکس یہ خوبیِ مقدر
چپ رہتی ہوں تو سینے میں دل روتا ہے صاحب
کہتی ہوں اگر کچھ تو گلا ہوتا ہے صاحب

کس طرح بسر ہوں گی غم ہجر کی راتیں یاد آئیں گی الطاف و عنایات کی باتیں
اک قلب حزیں لاکھ غم و درد کی گھاتیں (۶۵) ٹکرائے کو سر خیمۂ ویراں کی قناتیں

خالی جو بچھونا یہ نظر آئے گا صاحب
غم سے دل ماتم زدہ بھر آئے گا صاحب

عباسؑ نے فرمایا کہ اے مونس و ہمدم ہم کو بھی جدائی کا تمہاری ہے بہت غم
کیوں کر تمہیں دکھلائیں جو کچھ دل کا ہے عالم (۶۶) جو تم نے کہا سچ ہے پہ یہ پوچھتے ہیں ہم

ہمراہ میرے گر سوئے فردوس چلو گے
کیا بانوئے شبیرؑ کا تم ساتھ نہ دو گے

بانوئے کنیزی کا جو دعویٰ تھا ہوا کیا کی ہم نے تو آقا کی غلامی یہاں کیا کیا
حق ان کی رفاقت کا ہوا تم سے ادا کیا (۶۷) ہم اہل وفا ہیں نہیں تم اہل وفا کیا

کہنے میں سرافراز کئے جاتے ہیں تم کو
بی بی کی کنیزی میں دئے جاتے ہیں تم کو

حیدرؑ کی بہو کہنے لگی سن کے یہ تقریر شاہد مری الفت پہ ہیں خود بانوئے شبیرؑ
واقف ہیں عقیدے سے مرے شاہ کی ہمشیر (۶۸) بے وجہ نہیں کہتی ہوں چلنے کو میں دلگیر

دل خستہ و غم دیدہ و ناچار و حزیں ہوں
کم مرتبہ گھر بھر میں اگر ہوں تو میں ہی ہوں

اپنا تو نہیں آپ ہی کے نام کا ہے دھیان یاں خاتمۂ جنگ و جدل ہوئے گا جس آن
لوٹیں گے عدو خیمہ گہہ سرور ذیشان (۶۹) بے رحم سہی کہنے کو یوں ہیں وہ مسلمان

زہراؑ کی بہو بیٹیوں کا پاس کریں گے[۱]
مجھ پر نہ جفا کرنے میں وسواس کریں گے

۱؎ نسخہ سے پاس آل محمدؐ کا تو بے پیر کریں گے
اک میں ہوں مجھے بلوے میں تشہیر کریں گے

لو اب تمہیں فرماؤ یہ مرضی ہے تمہاری   شانوں میں رسن باندھ کے باذلت و خواری
لے جائے مجھے شام میں یہ فرقۂ ناری (۷۰)   تعزیر ملے آہ دم گریہ و زاری
بعد آپ کے رن میں جو مرے بال کھلیں گے
کیا خلد میں صاحب پہ نہ یہ حال کھلیں گے

تھرانے لگا فرطِ حمیت سے دلاور   فرمایا کدھر دھیان ہے اے بیکس و مضطر
چھینیں گے عدو زینبؑ و کلثومؑ کی چادر (۷۱)   اور ہوئے گا عریان سر بانوئے سرورؑ
بیوؤں پہ یتیموں پہ جفا ہوئیگی بی بی
بے پردگی آلِ عباؑ ہوئیگی بی بی

دیکھو مرے کہنے کو نہ زنہار بھلانا[1]   جب شام کے بازار میں سر ننگے ہو جانا
بلوے میں وفا بانوئے مضطر کو دکھانا (۷۲)   چادر نہ ہو تو آڑ میں تم ان کو چھپانا
بچوں کو نہ سینے سے لگائے ہوئے رہنا
دامن میں سکینہؑ کو چھپائے ہوئے رہنا

یہ سن کے ہوئی غش[2] وہ گرفتارِ غم و یاس   اور بندِ قبا باندھتے باہر گئے عباسؑ
غازی پہ ہوئے پہلے فدا خضرؑ اور الیاسؑ (۷۳)   ممتاز زیارت سے ہوئے پھر ملک و ناس
آواز یہی عرش کے کاشانے سے نکلی
اللہ کی شمشیر سلح خانے سے نکلی

دیکھا علی اکبرؑ نے مسلح انہیں جس آن   جا کر کہا حضرت سے کہ اے سرورِ ذیشان
معلوم ہے کچھ آپ کو ہیں حشر کے سامان (۷۴)   دروازے پہ خیمے کے ٹہلتے ہیں چچا جان
استادہ ہیں رکھے ہوئے سر چوب علم پر
بے طور نگہ قہر کی ہے فوجِ ستم پر

---

[1] نسخہ ۔ دیکھو یہ وصیت مری ہرگز نہ بھلانا

[2] نسخہ ۔ چُپ

کچھ سوچ کے بے چین ہوئے سرورِ ذیجاہ فرمایا کئی بار توکلت علی اللہ
خیمے کے قریب آئے کمر پکڑے ہوئے شاہ (۷۵) روشن نظر آئی وہاں شمعِ ید اللہ
باچھیں ہیں کھلی جنگ کی شادی و فرح سے
باندھی بھی بہادر نے کمر اور طرح سے

پاس آکے لگے پوچھنے یوں سرورِ دستگیر کیا فکر بھی کیا سوچ ہے اے عاشقِ شبیرؑ
جانباز نے کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر (۷۶) جی کچھ نہیں بہتر ہے جو کچھ خواہشِ تقدیر
مسرور ہو حُر دہر میں مغموم رہیں ہم
جاگیر جہاں پائے وہ محروم رہیں ہم

حضرت کی تو یہ پرورش و لطف و عنایت اکبرؑ سے فزوں خادمِ ادنا پہ ہے شفقت
کچھ مجھ سے ادا ہو نہ سکا حقِ رفاقت (۷۷) اور کی بھی تو کیا لاشیں اٹھالانے کی خدمت
حیران ہوں کیوں مر نہ گیا شرم و حیا سے
گویا کہ میں واقف تھا نہ آئینِ وفا سے

سچ بھی ہے کہ اندازِ وفا اور میرے قابل گلگشتِ گلستانِ قضا اور میرے قابل
فردوسِ معلیٰ کی فضا اور میرے قابل (۷۸) یہ معرکۂ اہلِ وفا اور میرے قابل
قسمت یہ کہاں حُر کی طرح سے جو فدا ہوں
جب اہلِ وفا ہوں تو شریکِ شہدا ہوں

لوٹا گیا سب گلشنِ ہاشم مرے آگے مرجھائے گلِ نورسِ مسلم مرے آگے
پامال ہوا لاشۂ قاسم مرے آگے (۷۹) بے جان ہوئے سب شہ کے ملازم مرے آگے
زینبؑ کو بھی فرزندوں سے چھٹتے ہوئے دیکھا
اک رات کی بیاہی کو بھی لٹتے ہوئے دیکھا

چھینی گئی دریا کی ترائی نہ کہا کچھ دیکھا کیا اعدا کی چڑھائی نہ کہا کچھ
بے دینوں نے کی گھر کی صفائی نہ کہا کچھ (۸۰) لوٹی گئی حیدرؑ کی کمائی نہ کہا کچھ
یکبار ہوئے پانچ برادر تہہ شمشیر
اس پر بھی نہ خادم نے رکھا سر تہہ شمشیر

میں چپ ہوں پہ قابو مرا دل پر تو نہیں ہے　　عباسؑ جگر بند پیمبرؐ تو نہیں ہے
مانا کہ جگر سخت ہے پتھر تو نہیں ہے (۸۱)　　ہے خشک زباں ہونٹوں سے باہر تو نہیں ہے
غم پیاس کا وہ غم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
بچوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

ملتا جو مجھے حکم سوئے علقمہ جاتا　　قسمت جو رسا ہوتی تو خفت نہ اٹھاتا
تھوڑا سا بھی پانی مجھے واں ہاتھ جو آتا (۸۲)　　میں اپنی سکینہ کو ابھی لا کے پلاتا
سنتا ہوں کہ دنیا سے گزرتی ہے سکینہؑ
جیتا ہوں میں اور پیاس سے مرتی ہے سکینہؑ

غیرت سے عطش خانے میں اب جا نہیں سکتا　　منہ زینبؑ و کبریٰ کو میں دکھلا نہیں سکتا
بابا ہیں نجف میں میں انھیں بلا نہیں سکتا (۸۳)　　یثرب میں ہیں ماں ان کو میں بلوا نہیں سکتا
حسرت کے سوا کون گذارش کے لیے آئے [1]
اس خادم ادنا کی سفارش کے لیے آئے

زینبؑ نے سنی جبکہ یہ حسرت بھری تقریر　　بردے کے قریب آن کے چلائی وہ دلگیر
کیا کہتی ہو عباسؑ ابھی زندہ ہے ہمشیر (۸۴)　　حاضر ہوں سفارش کو میں اے عاشق شبیرؑ
تم فدیۂ شبیرؑ ہو بابا سے سنا ہے
قربان بہن سعی کی حاجت تمہیں کیا ہے

حضرت سے یہ کہنے لگی ہمشیر دل افگار　　کیوں بھائی سنی آپ نے تقریر علمدار
گو ان کی جدائی ہے بہت آپ پہ دشوار (۸۵)　　پر ان کی خوشی کیجئے اے شہِ ابرار
رخصت جو عنایت ہو عدم کے سفری کو
روکا ہے کسی نے بھی نسیم سحری کو

---

[1] نسخہ ہ　　کی ہم نے تو سب کی شہ والا سے سفارش
کرتا نہیں میری کوئی آقا سے سفارش

خرد ان کی جو تھی سامنے ان کے ہوئی بے جان   لڑ بھڑ کے ہزاروں سے بصد عظم و بصد شان
حضرت نے مگر ان کو نہ دی رخصت میدان (۸۶)   سو اس کو حقارت یہ سمجھتے ہیں میں قربان

یہ میں نہیں کہتی جو یہ سمجھے ہیں یو نہیں ہے
پوچھے کوئی مجھ سے تو مناسب بھی نہیں ہے

فرمانے لگے رو کے شہ کرب و بلائی   عباسؑ گئے اور ہماری اجل آئی
شبیرؑ کی ہے روح سکینہؑ کا فدائی (۸۷)   کیوں شاق نہ ہو روح کو پیکر کی جدائی

مرنے کی رضا دوں اُسے شادی و فرح سے
وہ بھائی جسے پالا ہو بیٹوں کی طرح سے

منظور ہوا ان کو غم و رنج ہمارا   پر ہم کو نہیں دل شکنی ان کی گوارا
آباد کریں شوق سے دریا کا کنارا (۸۸)   لو کہہ دیا جنت کا مبارک ہو نظارا

حکم و عمل دنیا و عقبیٰ نہ اٹھے گا
اپنا بھی تر و خشک سے قبضہ نہ اٹھے گا

رونا ہوا قاسمؑ کی طرح چھوڑ کے جائیں   توڑا ہے دل اس نے یہ کمر توڑ کے جائیں
غربت میں ستم دیدہ سے منہ موڑ کے جائیں (۸۹)   پیش پدرِ حق دست ادب جوڑ کے جائیں

بتیس برس کی یہ ریاضت کو مٹا دیں[1]
جینے کی جو ہے شکل اسی صورت کو مٹا دیں

الفت تو دکھائی انہیں اب صبر دکھائیں   مانع نہیں دریا پہ یہ جاتے ہیں تو جائیں
رایت تو ہے اب مشک سر دوش اٹھائیں (۹۰)   دوہرے شرف و جاہ سر دست یہ پائیں

پانی کی سبیل ان سے مگر ہو نہ سکے گی
پیاسی کی زباں پانی سے تر ہو نہ سکے گی

---

[1] نسخہ ہے   جس شکل کو میں دیکھ کے جیتا ہوں مٹا دیں
تصویر علی خاک کے دامن میں چھپا دیں

کان اپنے پس پردہ لگائی ہوئی ناداں سنتی تھی یہ تقریر جناب شہ ذیشاں
خیمے سے نکل آئی کیے بال پریشاں (۹۱) بابا سے کہا آپ کو بیٹی کا نہیں دھیاں
تاخیر قیامت ہے رضا دیجئے ان کو
حاضر ہے یہ مشکیزہ عطا کیجئے ان کو

عباسؑ کے پاس آئی وہ عباسؑ کی شیدا غازی نے جھکایا علم سرور والا
پیاسی نے لیا سوکھے ہوئے ہونٹوں سے بوسا (۹۲) پرچم کی جگہ چھوٹے سے مشکیزہ کو باندھا
چپکے سے کہا یاد ہے حالت مرے غش کی
مشکیزہ نہ سمجھو یہ نشانی ہے عطش کی

رونے لگے نادان کی باتوں پہ علمدارؑ منہ چوم کے لپٹا لیا سینے سے کئی بار
پھر گود میں قبضہ کے دیا اس کو باصرار (۹۳) رخصت ہوئے اک ایک سے عباسؑ خوش اطوار
باہر بھی پس پردہ بھی تھی دھوم بکا کی
ساعت تھی وفات حسنؑ سبز قبا کی

کی آخری تسلیم جو غازی نے ادب سے غش آنے لگے شاہ کو افراط تعب سے
روکر یہ کہا اکبرؑ فرخندہ لقب سے (۹۴) اٹھ سکتے نہیں ہم تو نقاہت کے سبب سے
تم اپنے چچا جان کے بچانے کو جاؤ
تا نہر میری جان کے بچانے کو جاؤ

رستے میں کوئی ان پہ بلا آنے نہ پائے بازو یہ میرا ہاتھوں کو کٹوانے نہ پائے
فاقے سے ہے پھل برچھیوں کے کھانے نہ پائے (۹۵) پیاسے کو کوئی خون میں نہلانے نہ پائے
بابا کے عوض فدیۂ بابا یہ فدا ہو
میدان میں سینہ سپر سیف خدا ہو

تم فضل الٰہی سے ہو ہمشکل پیمبرؐ اور بازوئے شبیرؑ ہو ہم شوکت حیدرؑ
بہتر ہے بہم فتح وظفر ہو جو میسّر (۹۶) ورنہ سوئے فردوس روانہ ہو برابر
عباسؑ اور اکبرؑ ہوں جو ہمراہ بجا ہے
حیدرؑ کا پیمبرؐ کا بہم ساتھ رہا ہے

عباسؑ نے کی عرض بجا ہے شہِ ذی جاہ لاریب علیؑ ختم رسل کے رہے ہمراہ
سنتا ہوں رضائے کے نبیؐ سے اسد اللہ (۹۷) تنہا بھی گئے لڑنے کو اکثر سوئے جنگ گاہ
ہے قصۂ خیبر العلم اس بات پہ شاہد
اللہ ہے اس بات کے اثبات پہ شاہد

خادم کو حضور آپ یہ کلمہ نہ سنائیں یہ دھیان کبھی ذہن مبارک میں نہ لائیں
ہمشکل نبیؐ اور مرے پہنچانے کو نہ جائیں (۹۸) جس میں کہ حقارت ہو وہ زحمت یہ اٹھائیں
گو پہنچنے میں آپ کو وسواس نہیں ہے
کیا شکل پیمبرؐ کا مجھے پاس نہیں ہے

اکبرؑ نے کہا اس میں نہ فرمائیے اصرار حضرت نہیں اب منع کریں گے مجھے زنہار
تا نہر اگر آپ کو لے جانا ہے دشوار (۹۹) رستے سے پھر آؤں گا اے ثانی طیارؑ
گھوڑے کی عناں تھامے ہوئے جائیگا اکبرؑ
فرمائینگے جب آپ تو پھر آئیگا اکبرؑ

یہ سن کے چلے رن کو علمدار پیادہ اور ساتھ ہوا ان کے دو عالم کا خوزادہ
تھے نقشِ قدم ضو میں جو انجم سے زیادہ (۱۰۰) رن رشکِ فلک کاہکشاں بن گیا جادہ
کوتل بجلو دو فرس حور لقا تھے
چلنے میں ٹھہرنے میں ہم پائے صبا تھے

طے چند قدم راہ ہوئے تھے کہ وہ جرار کہنے لگا ہمشکل پیمبرؐ سے باصرار
لو پیارے بس اب جاؤ ہیں تنہا شہ ابرار (۱۰۱) قربان چچا قبلۂ عالم سے خبردار
غفلت نہ ذرا کیجیو مکاروں کے شر سے
اک دم نہ جدا ہو جیو زہراؑ کے پسر سے

ہمشکل نبیؐ ٹھہرے مگر دل تھا پریشاں عباسؑ نے فرمایا کہ اللہ نگہباں
کچھ بڑھ کے پھرے اور کہا اے مرے ذیشاں (۱۰۲) اک بات مجھے اور بھی یاد آگئی اس آن
احسان کرو کچھ تو نہ خاموش رہوں میں
کچھ میری وصیت ہے جو مانو تو کہوں میں

اکبرؑ نے کہا آپ کچھ ارشاد تو فرمائیں
تعمیل جو ممکن ہو تو آنکھوں سے بجا لائیں
مرضی ہو تو ہم مشتعل آتش میں چلے جائیں (۱۰۳)
موتی کفِ دریا سے ابھی توڑ کے لائیں
طوبیٰ کے ثمر حکم جو ہو توڑ کے لائیں
افلاک کے تارے جو کہو توڑ کے لائیں

غازی نے کہا اجر کم اللہ تعالیٰ
پیارے نے ہمارے دل مضطر کو سنبھالا
منجدھار سے اس ڈوبتی کشتی کو نکالا (۱۰۴)
کیوں کر نہ ہو ہم نے تمہیں گودی میں ہے پالا
از راہ محبت جو کہا پیارے نے ہم سے
ہے اس سے فزوں ہم کو توقع ترے دم سے

تعویق سے تھرّاتا ہے میرا دلِ ناکام
ڈر ہے کہ بلالیں نہ کہیں قبلۂ اسلام
لو جلد سنو میری وصیت مرے گلفام (۱۰۵)
خود میں نے سنا مشورۂ فوجِ بدانجام
کس منہ سے کہوں ظلم جو تجویز ہوا ہے
منظور انھیں پامالیِ لاشِ شہدا ہے

کچھ سمجھے تم اس ظلم سے ہے ان کی غرض کیا
مفقود ہے تو ہین شریب و بطحا
جس کشتے کی تذلیل کا ہوتا ہے ارادہ (۱۰۶)
پامال اسے کرتے ہیں یہ ہے رسم عرب کا
سامان وہی آج ہے اس دشت بلا میں
غل نعلوں کے بندھوانے کا ہے فوجِ دغا میں

پیارے مرے اپنی تو نہیں کچھ مجھے پروا
کیا چیز ہوں میں گر مجھے ذلت ہوئی تو کیا
مضطر ہے دلِ زار پئے سیدِ والا (۱۰۷)
یہ بے ادبی اور جگر گوشۂ زہراؑ
چارہ نہیں اس ظلم کا ہے غم کے سوا کچھ
یہ درد ہے وہ درد نہیں جس کی دوا کچھ

اور اس پہ یہ طرّہ ہے میں ہوں عازم دریا
ہیں ابر صفت گھاٹوں پہ چھائے ہوئے اعدا
اغلب ہے وہیں معرکۂ حشر ہو برپا (۱۰۸)
مقتل ہے وہی میرا، یہ فرماتے تھے مولا
حضرت کا یہ ارشاد بلاشک شدنی ہے
لکھی ہوئی قسمت میں وہی جاں شکنی ہے

اس وقت تلک رن میں جو بے جاں ہوئے غازی — لاش ان کی اٹھا لائے شہنشاہِ حجازی
پر دیکھنا گردوں کی ذرا تفرقہ سازی (۱۰۹) — ہم ہوں گے کہیں اور کہیں زہرا کا نمازی

اب میرے سوا جتنے ہیں سب پاس رہیں گے
ہم دور ترائی میں بصد یاس رہیں گے

اوّل تو اسی کا ہے مجھے صدمۂ جانکاہ — جلتی ہوئی ریتی پہ تو ہوں سرورِ ذی جاہ
اور خادمِ دیرینہ ترائی میں رہے آہ (۱۱۰) — پر خواہش تقدیر سے کچھ بس نہیں واللہ

زندوں میں نہ اب اے مرے پیارے مجھے سمجھو
ساحل کے قریں گورِ کنارے مجھے سمجھو

اٹھ سکتے نہیں ضعف سے اب سبطِ پیمبرؐ — کس طرح اٹھائیں گے مری لاش کو سرورؐ
زینبؑ جو نہ وسواس کریں اے مرے دلبر (۱۱۱) — لاشا مرا ساحل سے اٹھا لائیو جا کر

زحمت یہ گوارا جو میری جان کرو گے
واللہ میری روح پہ احسان کرو گے

پھر لاش اٹھانے کی جو تکلیف اٹھانا — پہلے میرے لاشے کو سرِ راہ لٹانا
کہہ جاؤں گا میں شمر کو تم یاد دلانا (۱۱۲) — بڑھ کر عمرِ سعد جفا جو کو سنانا

حاضر ہے یہ بسمل شہِ دلگیر کے بدلے
پامال کر اس لاش کو شبیرؑ کے بدلے

گر مان لے ظالم تو خوشحال ہمارا — محفوظ رہے احمدؐ مختار ہمارا
ورنہ ہے شہیدوں کا جہاں قافلہ سارا (۱۱۳) — رکھ دینا وہیں لاش ہماری بھی خدارا

دو بار اٹھانے کی جو زحمت یہ کرو گے
لاشے پہ عنایت پہ عنایت یہ کرو گے

دو ہرا تمہیں اجر اس کا خدا بخشے گا پیارے — نکلیں گے وہ ارمان جو ہیں دل میں ہمارے
پامال بدن ہوں گے شہیدوں کے جو سارے (۱۱۴) — محروم رہوں گا نہ میں صدقے میں تمہارے

جو حال پیمبرؐ کے جگر بند کا ہو گا
وہ حال یداللہ کے فرزند کا ہو گا

اکبرؑ نے گذارش کی یہ ممکن نہیں اصلا[114] پامال مرے سامنے ہو آپ کا لاشا
مانیں گے اگر شاہ کے بدلے ستم آرا[115] کس طرح گوارا کریں گے سید والا

خادم سے یہ جس طرح پر اظہار کیا ہے
اس بات کا حضرت سے بھی اقرار لیا ہے

لاشے کا ترائی سے اٹھانا نہیں اچھا جلتی ہوئی ریتی پہ لٹانا نہیں اچھا
اس معرض آفات میں لانا نہیں اچھا[116] ظالم کو ستم یاد دلانا نہیں اچھا

کیا چارہ ہے ہم سب پہ جو نازل یہ بلا ہو
جز آپ ہی کی لاش نہ پامال جفا ہو

یہ کہکے مڑے خیمے کی جانب علی اکبرؑ اور زینت رہوار ہوا ثانی جعفر
تھامی جو عناں رخش بڑھا شکل غضنفر[117] روباہوں کے لشکر پہ کنوتی بدل کر

ہر گام پہ یہ چار طرف دھوم بپا تھی
جنبش میں اب آئی ہے وہ ساکن جو ہوا تھی

مرثیہ ۸

خورشید نے برہم جو کیا دفترِ انجم   سالارِ قمر لے کے چلا لشکرِ انجم
ذروں کی تجلی نے کیا ہمسرِ انجم (۱)   زائل صدفِ شب سے ہوا گوہرِ انجم
انگشتری صبح کا خورشید نگیں تھا
کیا خوب نگیں تھا کہ جہاں زیرِ نگیں تھا

منشیِ سحر مہر سے لے کر قلمِ زر   لکھنے لگا معزولی و منصوبیِ لشکر
فردِ سیہ شب کو کیا خارجِ دفتر (۲)   منصوب ہوا حاملِ روز اپنی جگہ پر
چہرہ نہ رہا لشکرِ انجم میں کسی کا[۱]
پروانہ چراغوں کو ملا برطرفی کا

جس طرح سے دیوان زحل کو کیا تبدیل   بخشیِ عطارد کو بھی بخشی وہی تعطیل[۲]
پنہاں قلمِ کاہکشاں کی ہوئی تطویل (۳)   روشن تھی دواتِ مہِ بے نور کی تفصیل
تعزیز سبھوں کو شہِ خاور نے کیا تھا
پر جائزہ ذروں کا بحالی کا لیا تھا

مریخ فلک مہر سے روکش ہوا ناگاہ   توسنِ فلک اور اسلحۂ جنگ بھی دلخواہ
انجم کی زرہ نیزۂ عقرب سپرِ ماہ (۴)   پر خنجرِ خورشید نے کیا کام کیا واہ
جلادِ فلک قرصِ قمر چھوڑ کے بھاگا
خورشید کی دہشت سے سپر چھوڑ کے بھاگا

اوراقِ فلک خطِ شعاعی سے محشا   اطباقِ زمیں غیرتِ اوراقِ مطلا
تھی سورۂ والفجر کی تفسیر ہر اک جا (۵)   معنیِ جعل الشمس ضیائی کی ہویدا
دنیا میں نہ ظلمت شبِ یلدا کی رہی تھی
پر ایک سیاہی رخِ اعدا کی رہی تھی

---

[۱] نسخہ ۔ مہتاب پہ جاری تھا قلم امر و نفی کا۔ [۲] غیر مطبوعہ

گو عامل شب کا تھا نہ دنیا میں کچھ احکام　موجود تھی پر کرب و بلا میں سپہ شام
واں حکم عمر سے ہوئے صف بستہ بد انجام[۱] (۶) یاں رن میں ہوا جائزۂ لشکرِ اسلام
جو محفل ایماں میں پئے جلوہ گری تھی
(مطلع) سو شام کے دفتر میں وہ چہرے نظری تھی

گم ہو گیا جب درج فلک سے گہرِ ماہ　اور دوش سے گردوں نے اتاری سپرِ ماہ[۲]
باقی نہ رہی مجمر شب میں شررِ ماہ (۷) جاتا رہا تعویذ فلک سے اثرِ ماہ
جوں حرف غلط چہرہ قمر کا نظری تھا
منصوب مگر چہرۂ نورِ سحری تھا

اک دم میں نظر سے ہوئے پنہاں مہ و اختر　عالم کو ضیاء دینے لگا مہر منوّر[۳]
تختِ فلکِ پیر پہ بیٹھا شہ خاور (۸) ہونے لگی مہتاب کی برطرفی لشکر
گردوں نے معین کیا منشی سحر کو
معزول کر کے بیٹھ کے سب فوج قمر کو

صف بستہ برابر درِ مولا پہ تھے انصار　اک راستیِ مدعا ان کی تھی نمودار
مضمون پہ تھا ہو گئے فدائے شہ ابرار (۹) حرف غلط زیست کا مطلق نہ تھا اظہار
پیشانی عرصہ سے کشادہ ان کی جبیں تھی
سو زیب جبیں مہرِ ولائے شہ دیں تھی

کوئی تھا قمر کوئی ہلال اور کوئی شمس　اظہر تھے من الشمس اور ابین تھے من الامس
اللہ نے کیا خوب حواس ان کے دیئے خمس (۱۰) جز خاک درِ پنجتن اور کچھ نہ کیا لمس
اکسیر کے مس کرنے میں تو کسر حیا تھی
اکسیر انھیں خاکِ درِ آلِ عبا تھی

سب حسن میں بے مثل تھے اور زور میں نایاب　دیکھے رخ پر رعب نہ وہ چشم نے جز خواب
پایا نہ نظیر ان کا نظر نے کہیں جز آب (۱۱) صابر تھے مگر پیاس کئے دیتی تھی بے تاب
آئینہ حضور رخ روشن اگر آئے
تب ان کا نظیر آنکھ کو ان کی نظر آئے

---

[۱] واں عزل کو اکب تو کیا مہر نے ارقام - [۲] غیر مطبوعہ [۳] غیر مطبوعہ

سب رحمدل و پاک نظر، نیک شمائل　　دل مائل طاعت تو جبیں سجدے پہ مائل
قرآن بنا اس لئے دنیا میں حمائل (۱۲)　　یعنی شہدا بر میں کریں مجھکو حمائل
پایا تھا جو ہاتھوں کی لکیروں میں لکھا تھا
ہر ہاتھ میں دامانِ شہِ کرب و بلا تھا

شیران سے کریں حوصلہ کیا جن و بشر کا　　چاہیں تو سر کوہ کو دیں پاؤں سے سر کا
پرتاب جو گردوں پہ کریں تیر نظر کا (۱۳)　　غربال ہو سینہ فلک ہفت سپر کا
مختار تھے اقلیم شجاعت کے عرب میں
کوس لمن الملک بجاتے تھے وہ سب میں

پڑھتا تھا کوئی فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار　　اس سمت توکلت علی اللہ کی تکرار
اک جا فسیکفیکھم اللہ کی گفتار (۱۴)　　منہ سے کہیں وجہت الی اللہ کا اظہار
وہ مصحفِ ناطق کی حفاظت میں سدا تھے
گر حافظِ قرآن رفقا تھے تو بجا تھے

تھا شہؑ کے تصور میں دعا کا یہ قرینہ　　اصغر ترے سائے میں پلے اور سکینہ[1]
اک چومتا تھا حضرت عباسؑ کا سینہ (۱۵)　　اک پوچھتا تھا چہرۂ قاسمؑ کا پسینہ
کہتا تھا کوئی بعث بھی حق نشر بھی حق ہے
میزان بھی حق موت بھی حق حشر بھی حق ہے

کرتا تھا کسی کو کلمے کا کوئی شاہد　　اک ایک سے کہتا تھا کہ اللہ ہے واحد[2]
کرتا تھا بیاں کوئی نبوت کے عقائد (۱۶)　　کرتا تھا کوئی وردِ امامت کے قواعد
ہے ایک امام اپنا علیؑ ایک حسنؑ ہے
اور تیسرا معصوم شہ تشنہ دہن ہے

اک جھوم کے کہتا تھا میں قربان سر شاہ　　یہ کسی شیر کا تھا یا اسد اللہ
بند آنکھوں کو اک کر کے یہی کرتا تھا آگاہ (۱۷)　　جنت کی فصیل نظر آتی ہے مجھے راہ
اک کہتا تھا ہم صاحب اقبال بڑے ہیں
مشتاق ہمارے ملک و حور کھڑے ہیں[3]

---

[1] نسخہ۔ یا شاہ مدینہ تک فتحا و مبینا۔ [2] غیر مطبوعہ۔ [3] دیکھو وہ پیمبر در جنت پہ کھڑے ہیں۔

بولا کوئی مجھ کو یہ صدا آتی ہے اس آن　　شبیرؑ پہ قربان ہو زہراؑ ترے قربان
کہتا تھا کوئی مجھ پہ عجب حق کے ہیں احسان (۱۸)　　اے یارو مری پشت کی جانب تو کرو دھیان
کس پیار سے ہاتھ اپنا کوئی پھیر رہا ہے
ہاتف کی ندا آئی کہ یہ شیرِ خدا ہے

اک جا تھے عزیزانِ حسینؑ ابنِ علیؑ جمع　　شبیرؑ کے پروانے تھے وہ رشک دہِ شمع
شبیرؑ کے احکام میں نطق و نظر و سمع (۱۹)　　اور دیکھتے اعدا کو پئے قتل و پے قمع
مقتل کی زمیں رشک دہِ برج سما تھی
یہ انجمن انجم کی طرح جلوہ نما تھی

گل پیرہن و گلبدن و گلرخ و گلفام　　شمشاد قد و غنچہ دہان و سمن اندام
خوش قامت و خوش رو، و خوش آغاز و خوش انجام (۲۰)　　حسنِ چمن شرع بہارِ گل اسلام
کس عرصے میں یہ فاطمہؑ کا باغ کھلا تھا
سو ظہر تلک رن میں تہ خاک ملا تھا

اک سمت کو اکبرؑ شہِ مظلوم کا جانی　　سر تا بقدم مرگ جوانی کی نشانی
اٹھارھواں سال آمدِ خط حسن جوانی (۲۱)　　وہ پانی کا قحط اور وہ غم تشنہ دہانی
پیدا تھا یہ نورِ رخِ ہمشکلِ نبیؐ سے
خورشید نے بھی قرض لیا نور اسی سے

مسلمؑ کے پسر نور میں خورشید سے افضل　　مشتاق اجل باپ کے اندوہ سے بیکل
کہتے تھے کہ بابا تو ہوئے کشتۂ اول (۲۲)　　اب جائیں گے ہم پہلے سبھوں کے سوئے مقتل
مرنے کے نہیں جنت و کوثر کے لئے ہم
سر دینگے رضامندیٔ سرورؑ کے لئے ہم

زینبؑ کے مرقع کی بھی تصویریں تھیں کیا خوب　　یوسفؑ ہو فراموش جو دیکھے انھیں یعقوبؑ
ماں باپ کے اور پنجتن پاک کے محبوب (۲۳)　　کس شوق سے کہتے تھے اجل ہے ہمیں مطلوب
ہم اکبرؑ و اصغرؑ کی بلا لے کے مریں گے
ہم والدہ کا دودھ حلال آج کریں گے

---

[۱۸] ن ۔ ملتا تھا ۔ [۲۳] م ۔ ن ۔ دونوں وہ دلاور کہ کریں شیر کو مغلوب

تھے یاں تو عزیز و رفقاء مرنے پر تیار — اور خیمے میں تھے صرف عبادت شہ ابرار
ہر سجدے میں تھے بخشش امت کے طلبگار (۲۴) آتی تھی یہ آواز محمدؐ کی ہر اک بار
لو صبح ہوئی تم بھی طلبگار قضا ہو
ہاں میرے نواسے مری امت پہ فدا ہو

ناگاہ ادھر فوج مخالف میں بجا کوس — جس کوس کی آواز گئی رن سے کئی کوس
سیدانیاں ہونے لگیں مولا کے قدمبوس (۲۵) یاں تھی عوض طبل صدائے کف افسوس
روئے جو حرم سر قدم شاہ پہ دھر کے
کمسن جو کئی لڑکے تھے غش ہوگئے ڈر کے

بانو کو جو ہوش آتا تھا کرتی تھی یہ تقریر — لو ہوگئی لوگو مرے رنڈ سالے کی تدبیر
کس درجہ سے شور دہل لشکر بے پیر (۲۶) ڈر ڈر کے لپٹتا ہے گلے سے میرے بے شیر
نقارۂ رحلت اسے کہئے تو بجا ہے
یہ نوبت قتل پسر شیر خدا ہے

اس رونے میں شبیرؑ نے زینبؑ کو پکارا — ملبوس کہن لاؤ کفن لاؤ ہمارا
وہ بولی کہ صدقے مجھے کر ڈالو خدارا (۲۷) میں داغ نہ دیکھوں گی نہ دیکھوں گی تمہارا
ماں جائی کو چھوڑو نہ ابھی ساتھ سے اپنے
مدفون تو بھلا کر لو مجھے ہاتھ سے اپنے

جس خواہر ناشاد کے ہوئیں کئی بھائی — آساں ہے اسے ایک برادر کی جدائی
میرا تو تو ہی ایک ہے خالق کی دہائی (۲۸) کس بیٹی کو پیاری نہیں مادر کی کمائی
بن بھائی کے ہو کر نہ میں دنیا میں رہوں گی
کیا حشر میں خاتون قیامت سے کہوں گی

حضرت نے کہا خیر بہن یہ مجھے بتلا — کچھ خواب میں اس شب کو تمہیں کہہ گئیں زہرا
وہ بولی کہ ہاں یاد ہے مجھکو سخن ان کا (۲۹) کہتی تھیں کہ کل ہوئے گا بے سر مرا بیٹا
تم آج نہیں بچنے کے یہ مجھ کو یقیں ہے
لیکن دل بیتاب ہی قابو میں نہیں ہے

شہؑ نے کہا زینبؑ دل بیتاب کو سمجھاؤ تم بنتِ علیؑ ہو نہ زباں پر یہ سخن لاؤ
وہ بولی میں صدقے گئی جو چاہو سو فرماؤ (۳۰) مر جاؤں گی پر منہ سے نہ نکلے گا کہ تم جاؤ
ہو خشک زباں جس سے تمہیں رن کی رضا دوں
ماں باپ کی نانا کی کمائی میں لٹا دوں

بالفرض کہ مر جاؤں میں تم قبر بناؤ اور خیمے میں زینبؑ کو تہہ خاک سلاؤ[۱]
پھر تم جو سواری درِ خیمہ پہ منگاؤ (۳۱) میں قبر سے چلاؤں کہ للّٰلہ نہ جاؤ
شق کر کے لحد قبر سے ہاتھ اپنے نکالوں
گہہ پاؤں پکڑ لوں کبھی دامن کی بلا لوں

شہ بولے یہ منظور ہے اے زینبؑ ناچار زنداں میں مصیبت میں ہو شبیرؑ گرفتار
لے جائیں گلا باندھ کے یاں سے مجھے کفار (۳۲) وعدہ ہے شہادت کا نہ کھینچوں گا میں تلوار
امت کی نہ بخشش نہ شہادت ہو ہماری
زنداں میں رہیں اور وہیں رحلت ہو ہماری

یہ خوب ہے ہم قید میں تنہا ہوں بصد یاس تم آؤ مرے پاس نہ میں جاؤں ترے پاس[۲]
عابدؑ ہو کہیں قید، کہیں اکبرؑ و عباسؑ (۳۳) جینے کا نہ کچھ لطف نہ چھٹنے کی کبھی آس
سجادؑ کو اپنے پاس بلانے بھی نہ پاویں
سینے پہ سکینہؑ کو سلانے بھی نہ پاویں

زینبؑ ہوئی ناچار کہا ہائے مقدر یاد آگیا احوالِ گرفتاریِ حیدرؑ
کی عرض کہ اے جانِ علیؑ روحِ پیمبرؐ (۳۴) پھر ایسی اسیری سے تو ہے قتل ہی بہتر
الزام مجھے دیں گے علیؑ روزِ جزا میں
تیرے لئے شبیرؑ پھنسا کرب و بلا میں

پر اک یہ مری عرض پذیرا ہو میں قربان گو حق نے کیا ہے تمہیں کونین کا سلطان
لیکن مرے دل کو یہ تمنا ہے یہ ارمان (۳۵) شاہانہ جلوس آپ کریں خیمے میں اس آن
تم جلوہ کرو صحن میں کرسی کو بچھا کر
جو جس کو ہو توفیق تصدق کرے لا کر

۱۔ غیر مطبوعہ ۲۔ غیر مطبوعہ

شہؑ نے کہا زینبؑ ترے مطلب کو میں سمجھا گر تجھ کو یہ حسرت ہے تو حاضر ہوں میں اچھا
اور ہے مرے مالک کی مشیت میں یہ گذرا (۳۶) ہو زینت دنیا کے عوض شوکتِ عقبیٰ
لاشہ مرا بے گور و کفن خاک پہ دیکھے
سر نیزے پہ دیکھے تو بدن خاک پہ دیکھے

تب فضہؓ نے حاضر کیا وہ تاج اور پوشاک جو تھا شب معراج لباس شہؑ لولاک
حضرت نے گریبان کیا شکل کفن چاک (۳۷) حیدرؑ کے کمر بند سے باندھی کمرِ پاک
پوشاک یہ آراستہ کی جبکہ بدن پر
ادریسؑ تصدق ہوئے سلطان زمن پر

کرسی جو سنواری حرم خسرو دیں نے جلوہ کیا کرسی پہ شہ عرش نشیں نے
نہوڑا دیا تسلیم سر عرش بریں نے (۳۸) چلا کے کہا زینبؑ ناشاد و حزیں نے
اے صاحبو تم نذر نہیں دیتے یہ کیا ہے
بھائی کو مرے ملک شہادت کا ملا ہے

القصہ جلوس شہ دیں جب نظر آیا بانو نے وہیں خیمے میں اکبرؑ کو بلایا
کلثوم نے سجاد کو بستر سے اٹھایا (۳۹) باہر یہ خبر سن کے رفیقوں نے سنایا
ہم تو نہ انھیں لعل و گہر نذر کریں گے
شہؑ خیمے سے نکلیں گے تو سر نذر کریں گے

گھبرا کے سکینہؑ گئی دروازے پہ اس آن عباسؑ کو بلوا کے کہا میرے چچا جان
ہے آخری خیمے میں جلوس شہ ذی شان (۴۰) سب گھر نے تصدق کا مہیا کیا سامان
ایسا نہ ہو گذرے یہ دل شاہِ اممؑ پر
کچھ لا کے سکینہؑ نے نہ صدقے کیا ہم پر

صدقے کے لئے لائے ہیں بیٹوں کو پھوپھی جان بھیا علی اکبرؑ کی طرف اماں کا ہے دھیان
تم مجھ کو چھپا لو کہ میں ہوں سخت پشیمان (۴۱) عباسؑ نے فرمایا کہ ناحق ہو ہراسان
ایسا کوئی فدیہ نہ ملا ہوگا حرم کو
تم شوق سے لے چل کے تصدق کرو ہم کو

ہمراہ سکینہؑ ہوئے عباسؑ علمدار   یاں اہلِ حرم بھی تھے تصدق کو تیار
حاضر ہوئے سب آ کے حضورِ شہِؑ ابرار (۴۲) زینبؑ تھی پر اک ایک سے سبقت کی طلبگار
کرتی تھی دعا پہلے تمنا مری بر آئے
میرا ہی تصدق نظرِ شہ سے گذر جائے

ناگاہ صدا پہلوئے شہؑ سے ہوئی پیدا   شبیرؑ تصدق نہ کسی کا ابھی لینا
ہے رسم کہ بیٹے کو جو کچھ ملتا ہے رتبا (۴۳) ماں پہلے نثار آن کے کچھ کرتی ہے بیٹا
سُن کر یہ شہادت کا جلوس آئی ہے زہرؑا
اور روح تصدق کے لئے لائی ہے زہرؑا

سن کر سخن والدہ رونے لگے سرورؑ   اور آگے بڑھی شہؑ کی بہن بیٹوں کو لے کر
بانو نے کہا آپ کو سبقت نہیں بہتر (۴۴) ہرچند میں کہ رائی ہوں تم آلِ پیمبرؐ
پر مجھ پہ مناسب نہیں تقدیم کسی کو
صدقے کے لئے لائی ہوں ہمشکل نبیؐ کو

بانو کا بیاں سن کے سکینہؑ یہ پکاری   اے لوگو! میں ہوں سب سے سوا باپ کی پیاری
دینے میں تصدق کے ہے پہلے مری باری (۴۵) ہدیہ بھی مرا فضلِ الٰہی سے ہے بھاری
یہ ماہ بنی ہاشمی اور میرا چچا ہے
میں اس پہ فدا یہ مرے بابا پہ فدا ہے

شہؑ بولے میں جس کا ہوا شرمندۂ احساں   لائی ہو تصدق کو مرے اپنے دل و جاں
اس ہدیے کا دے اجر تمہیں خالقِ یزداں (۴۶) میں نانا کی امت پہ کروں گا انہیں قرباں
لو دے چکیں نذریں پسرِ شیرِ خدا کو
اب جاتے ہیں مرنے کو ہمیں سونپو قضا کو

تختِ شہِ خاور جو بچھا بامِ سحر میں   اور طائرِ خورشید پھنسا دامِ سحر میں[1]
گردوں نے مئے نور بھری جامِ سحر میں (۴۷) جز شمس کوئی ماہ نہ تھا شامِ سحر میں
ذرّے نہ تھے کیا تھے وہ ستارے تھے زمیں پر
خورشید نے گردوں سے اتارے تھے زمیں پر

---

[1] غیر مطبوعہ

صف باندھ کے استادہ ہوا لشکرِ بے پیر گھبرائے ہوئے آئے درِ خیمہ پہ شبیرؑ
زینبؑ کو بلا کر یہ لگے کہنے کہ ہمشیر (۴۸) معلوم ہوا تم کو جو ہے خواہشِ تقدیر
خنجر پھرے گردن پہ یہی خواہشِ رب ہے
درگاہِ الٰہی میں مری آج طلب ہے

پھر رو کے یہ زینبؑ سے لگے کہنے وہ سرور معلوم ہے تم کو ہیں اُدھر لاکھ ستمگر
ہو جاویں گے جب قتل مرے مونس و یاور (۴۹) اس وقت تہہ تیغِ جفا ہوگا مرا سر
جو دیکھنا تھا دیکھ چکیں میرے حشم کو
اب خالقِ اکبر کے حوالے کرو ہم کو

رو کر کہا زینبؑ نے ذرا اور ٹھہر جاؤ اب جانے میں کیا دیر ہے تعجیل نہ فرماؤ
زینبؑ کو شمار اپنے مددگاروں کو بتلاؤ (۵۰) خلعت کسی غازی کو علمداری کا پہناؤ
ممتاز کرو رتبوں سے سارے شہدا کو
سب عہدے مرے سامنے بخشو رفقا کو

شہ بولے کہ بالکل مرے یاور ہیں بہتّر کیا تھوڑے سے لشکر میں کروں عہدے مقرر
سب کے لئے اک رتبہ شہادت کا ہے بہتر (۵۱) رتبے میں برابر ہیں یہاں اکبرؑ و اصغرؑ
وہ بولی اگر کوئی علمدار نہ ہوگا
لشکر کا تجمّل کبھی زنہار نہ ہوگا

کچھ سوچ کے عباسؑ سے بولے شہِ عالی اک فرد پہ لکھ لاؤ تو کتنے ہیں موالی
تین اسموں کی جا رکھیو مگر فرد میں خالی (۵۲) ہے خامۂ قدرت نے لکھی ان کی بحالی
رتبے ہیں عیاں تم پہ شجاعانِ عرب کے
عہدے بھی لکھو اپنی ہی تجویز سے سب کے

عباسؑ چلے خیمے سے میدان کو بیدل زینبؑ نے کہا راز دلی ان سے مفصّل
ہوں میرے پسر پیش روِ جادۂ مقتل (۵۳) آخر تو اجل آئی یہ ہوں کشتۂ اوّل
شہ بولے کسی کے یہ مقدر میں نہیں ہے
لشکر کا ہراول ابھی لشکر میں نہیں ہے

---

۱ غیر مطبوعہ ۲ غیر مطبوعہ

عباسؑ نے جاکر کیا نظارۂ لشکر شان اپنی دکھانے لگا اک ایک دلاور
آخر قلم فیض رقم ہاتھ میں لے کر (۵۴) لکھنے لگے اک فرد پہ نام ان کے برابر
ہر نام خوش انجام کو توقیر بڑھی تھی
خود مہر شہادت لئے تقدیر کھڑی تھی

جب اسم لکھا عونؑ و محمدؑ کا تو اک بار یاد آگیا دل کو سخن زینبؑ ناچار
فرمایا یہ ہیں رتبۂ عالی کے سزاوار (۵۵) نانا بھی علمدار ہے دادا بھی علمدار
تھا بسکہ ادب خواہر سلطانِ امم کا
دونوں کے لئے لکھ دیا اک عہدہ علم کا

القصہ مرتب ہوئی وہ فرد اسامی عہدے بھی لکھے نام کے پائین تمامی
لکھنے جو لگا اسم شریف اپنا وہ نامی (۵۶) لکھا کہ ہے کافی مجھے آقا کی غلامی
رتبہ یہی عباسؑ دلاور کے ہے قابل
سالاریِ لشکر علیؑ اکبر کے ہے قابل

پھر خیمے میں داخل ہوا وہ عاشق شبیرؑ کرسی پہ رکھی فرد حضورِ شہؑ دلگیر
دیکھا شہ بیکس نے کہ سب نام ہیں تحریر (۵۷) باقی ہے مگر نام علی اصغرؑ بے شیر
گھبرا کے یہ پوچھا خلفِ شیر خدا سے
اصغرؑ کو جدا کر دیا تم نے شہدا سے

کیا قد میں اصغر مرا اکبرؑ سے ہے کچھ کم واللہ کہ ہم رتبۂ اصغرؑ سے ہیں محرم
عباسؑ نے کی عرض بجا اے شہ عالم (۵۸) اصغرؑ کے لئے عہدے کی تجویز میں تھے ہم
کیا لکھتے جو نام اصغرِ بے شیر کا لکھتے
شہؑ نے کہا اس کے لئے پھل تیر کا لکھتے

ناگاہ پڑھا فرد میں عباس کا بھی نام دیکھا کہ فقط عہدہ غلامی کا ہے ارقام
فرمانے لگے ہنس کے شہنشاہِ خوش انجام (۵۹) قربان تری رتبہ شناسی کے میں ناکام
تم نے تو غلامی مری اے بھائی لکھی ہے
خالق نے علمداری و سقائی لکھی ہے

عباسؑ پکارے کہ یہ ہے شہؑ کی عنایت　بندے کو ہے آقا کی غلامی ہی کفایت
پر میں جو اٹھاؤں علمِ شاہِ ولایت　(۶۰) زینبؑ کو تو کچھ آپ سے ہوگی نہ شکایت
سر رشتۂ اطاعت کا نہ میں ہاتھ سے دوں گا
یہ ہاتھ سے اپنے جو علم دیں گے تو لوں گا

زینبؑ نے کہا عین خوشی ہے مری واللہ　خود کاندھے پہ عباسؑ کے رکھا علمِ شاہ
حیدرؑ کی صدا آئی مبارک تجھے یہ جاہ　(۶۱) اس وقت کیا شاہ نے عباسؑ کو آگاہ
زینبؑ سے تو پایا علمِ شاہِ مدینہ
باقی رہی سقائی سو وہ دے گی سکینہؑ

اس وقت لگی پوچھنے بنتِ شہِ ذی جاہ　تین اسموں کی جا فرد میں خالی جو ہے یا شاہ
صدقے گئی یہ کون ہیں کیا میں نہیں آگاہ　(۶۲) سنتی ہوں کہ ان روزوں میں ہے بند ہر اک راہ
کیوں کر یہ رفیق آئیں گے گھر ان کا کدھر ہے
شہؑ نے کہا ان لوگوں کا دل میں مرے گھر ہے

یہ کہکے چلا رن کو امامِ ملک و جنّ　رو رو کے حرم بولے اور اطفال بھی کم سن
اللہ نگہبان رسولؐ آپ کا ضامن　(۶۳) شہؑ خیمے سے نکلے کہ عیاں شب ہے ہوا دن
سب فوج نے کی سیدِ ابرار کو تسلیم
مجرا کیا اکبرؑ کو علمدار کو تسلیم

شہؑ نے کہا کیوں غازیو کیا دل میں ہیں ارمان　سب بولے کہ قربان ہوں قربان ہوں قربان
حضرت نے کہا خیر کوئی دم کے ہو مہمان　(۶۴) عباسؑ نے صف کو کیا آراستہ اس آن
کیا فوج تھی کیا لشکرِ شاہِ دوسرا تھا
بہشت سے پراگندہ لعینوں کا پرا تھا

عباسؑ سے کہنے لگے اس وقت یہ سرورؑ　بھائی کوئی جاسوس کرو جلد مقرر
لادے خبرِ کثرتِ افواجِ ستمگر　(۶۵) دریافت تو ہوئے کہ ہے کیا مرضیِ لشکر
مرقد میں مجھے بعد فنا سونے بھی دیں گے
سر لے کے مرا چادرِ زینبؑ تو نہ لیں گے

سلہ - م - ے　اس دم جو لگی پوچھنے بنتِ اسد اللہ

غازی نے معین کیا جاسوس اسی دم فرمایا کہ ہاں لا خبرِ لشکرِ اظلم
میں کیا کہوں چالاکیِ جاسوس کا عالم (۶۶) وہ عمر کا تھا ہمسفر اور بدرج کا ہمدم

یوں فوجِ عدو میں ادھر آیا اُدھر آیا
دیکھا انھیں اس نے نہ انہیں یہ نظر آیا

جب لے چکا بالکل خبر لشکرِ اعدا پھر آیا وہ جاسوس حضورِ شہؑ والا
لیکن عرق و گرد میں آلودہ سراپا (۶۷) خشکی و تری کی وہ خبر لایا تھا گویا

آیا تو مگر لے کے وہ غم کی خبر آیا
جو چاک گریباں کئے اور ننگے سر آیا

حضرت کو دعا دی کہ بڑھے عمر اور اقبال سب دوست ترے شاد ہوں دشمن ترے پامال
تحقیق خبر لایا ہوں دیکھ آیا ہوں سب حال (۶۸) تم کوئی گھڑی جیتے ہو اے فاطمہ کے لال

تم خلق ہدایت کو ہوئے خلق کی خاطر
خنجر ہیں ہزاروں ترے اک حلق کی خاطر

شہؑ نے کہا یہ بات تو تھی مجھکو بھی معلوم منظور انہیں کیا ہے پئے زینبؑ و کلثومؑ
وہ بولا نہ پوچھو یہ خبر اے شہِ مظلوم (۶۹) زینبؑ کی اسیری کی تو سب فوج میں ہے دھوم

کہتا ہے عمر زیورِ زینبؑ میں ہی لوں گا
سر ڈھانپنے کو بلوے میں چادر بھی نہ دوں گا

اور شمر کا یہ قول ہے یا شاہِ مدینہ ہے میرے تو حصے میں دُرِ گوشِ سکینہؑ
جب بعد ظفر لوٹ کا ہوئے گا قرینہ (۷۰) میں لوں گا فقط بانوئے سرورؑ کا خزینہ

مقنعہ نہ رکھوں گا سرِ بانوئے حزیں پر
یہ سن کے عرق آگیا اکبرؑ کی جبیں پر

شہ بولے کہ ہاں خوف نہیں ان کو خدا سے اک پیاسے کے خوں کے ہیں کئی لاکھ پیاسے
بیعت تو نہیں کرنے کا جو ہو سو بلا سے (۷۱) جب اپنا بھی سر کٹ گیا شمشیر جفا سے

زینبؑ اگر از پردہ بروں شد شدہ باشد
بعد از سرِ من کن فیکون شد شدہ باشد

لہ غیر مطبوعہ

دل فاطمہؑ کے لال کا بھی ہو گیا پارا   خیمے کی طرف مڑ کے مکرر یہ پکارا
زینبؑ بہن، اللہ نگہبان تمہارا (٧٢) قسمت میں اسیری ہو تو کیا بس ہے ہمارا

گردوں سے ندا آئی تردّد تجھے کیا ہے
حافظ تری ہمشیر کی عصمت کا خدا ہے

پھر شاہ نے جاسوس سے فرمایا کہ بھائی   کیا ہو گی ہزاروں سے بہتّر کی لڑائی
سنتا ہوں کہ ہر شہر سے واں خلق ہے آئی (٧٣) تو نے مری الفت بھی کسی شخص میں پائی

کافر ہی یہ سب ہیں کہ کوئی صاحبِ دیں ہے
کیا ایک بھی اتنوں میں مرا دوست نہیں ہے

جاسوس نے سر اپنا ہلا کر کہا مولا   ہاں ایک محب آپ کا چھ لاکھ میں دیکھا
لب سوکھے ہیں گویا وہ کئی دن سے ہو پیاسا (٧٤) اور چہرے سے اس کے ہے عجب نور ہویدا

جو کہتا ہے لڑتا ہوں میں زہراؑ کے خلف سے
منہ پھیر کے رو دیتا ہے وہ اس کی طرف سے

اس فوج کو وہ دیکھتا ہے پیار سے ہر بار   گہہ سوئے نجف دیکھ کے کچھ کرتا ہے گفتار
قسمت کی ہے کچھ دیر وہ آنے پہ ہے تیار (٧٥) یوں آہ و بکا کرتا ہے جیسے کہ گنہگار

جب واں سے غلام آپ کا اس سمت چلا تھا
تب ہاتھوں کو رومال سے وہ باندھ چکا تھا

شہ بولے کہ ہم تو ہیں بحل کر چکے تقصیر   لائیگا وہ ساتھ اپنے کئی فدیہ شبیرؑ
عباس سے بولے کہ سنی خواہشِ تقدیر (٧٦) وہ اسم جو باقی ہیں سو اب کیجیو تحریر

شبیرؑ تو کھولے ہوئے آغوش کھڑے تھے
حیراں رفقا سامنے خاموش کھڑے تھے

اک شور اٹھا لشکرِ کفار سے ناگاہ   ہاں روکیو حر جانے نہ پائے طرف شاہ
دو غول چپ و راست تو اک غول سرِ راہ (٧٧) بے ساختہ حر لیتا تھا نام اسد اللہ

اس نام کے قربان کہ یہ تازہ اثر تھا
دشمن کے لئے تیغ تھا اور حر کے سپر تھا

مَل مَل کے غرض ہاتھ کو رہ گئے مغرور   حُرؔ فوجِ سیہ قلب سے نکلا صفتِ نور
جس طرح سدا کفر سے ایمان رہے دور (۷۸) فرزند و برادر بھی چلے خرم و مسرور
ان شیروں کو ڈر لشکرِ روباہ سے کیا ہو
جن کی کہ حمایت کے لئے شیر خدا ہو

عباسؑ کو شبیرؑ نے ہنسکر یہ پکارا   آیا مرا محسن مرا عاشق مرا پیارا
میں جاتا ہوں لینے کو ہے کیا قصد تمہارا (۷۹) عباسؑ نے کی عرض کہ ہے فخر ہمارا
ساتھ آپ کے ہر ایک قدم آنکھوں سے جائیں
تم جاؤ جہاں پاؤں سے ہم آنکھوں سے جائیں

پھیلائے ہوئے ہاتھ چلے پھر تو شہؑ پاک   عباسؑ اور اکبرؑ بھی ہوئے ساتھ فرحناک
حُر نے کہا بخشو مجھے سبطِ شہؑ لولاک (۸۰) تم عفو ہو میں جُرم ہوں تم نور ہو میں خاک
شرمندہ جو دیکھا بہت اس نیک سیر کو
اللہ رے کرم شاہ نے نہوڑا لیا سر کو

حیدرؑ کی صدا آئی کہ شرماؤ نہ شبیرؑ   پہلے تم ہی مہمان سے ہو جاؤ بغلگیر
یہ ساتھ مجھے لایا ہے بخشانے کو تقصیر (۸۱) شہ آپ گلے حُر کو ملے واہ رے تقدیر
حُر بولا ابھی ہاتھ نہ کھلواؤں گا مولا
میں سامنے زینبؑ کے یوں ہی جاؤں گا مولا

شہ بولے میں لے چلتا ہوں پر یہ مجھے بتلا   اسرار سے خالی یہ عقیدہ نہیں تیرا
پہلے ہی ملاقات سے تو ہم پہ ہے شیدا (۸۲) تھا مصلحتاً راہ میں تو نے ہمیں روکا
پھر شب کو ہمیں کوچ کا بھی حکم دیا تھا
کس نے تجھے واقف مرے رتبے سے کیا تھا

حُر نے کہا جب کوفے سے میں آتا تھا یا شاہ   ہر کوچ میں سنتا تھا عجب نالۂ جانکاہ
پوشیدہ مری نظروں سے اک بی بی سرِ راہ (۸۳) کہتی ہوئی آتی تھی مرے گھوڑے کے ہمراہ
جاتا ہے کسے روکنے کو دھیان کدھر ہے
سب مر گئے اب ایک ہی زہراؑ کا پسر ہے

شہ نے کہا اے حُر وہ مری ماں کی تھی آواز   وہ رو کے یہ بولا کہ سنو اور بھی کچھ راز[لہ]
پکڑی تھی تری باگ جو اے شاہِ سرفراز (۸۴) آتی تھی صدا ظلم سے رہتا تو نہیں باز
بیکس کی عناں چھوڑ نہیں حشر میں آئے
پکڑوں گی گریبان ترے آگے خدا کے

زینبؑ درِ خیمہ پہ پسِ پردہ تھی استاد   چلائی کہ اے بھائی یہ کیا کرتے ہو ارشاد
اے حُر کے میں قربان کہ کی آپ کی امداد (۸۵) سو جان سے ہیں اس پہ فدا اور مری اولاد
لے آؤ کہ حُر ایک وفادار ہے سو میں
بابا نظر آتے ہیں مجھے حُر کے جِلو میں

پھر بیٹوں سے بولی کہ قدم جلد اٹھاؤ   حُر آتا ہے تم میرے عوض لینے کو جاؤ
تعظیم سے لاؤ اسے تکریم سے لاؤ (۸۶) شبیرؑ کا مہمان ہے آنکھوں پہ بٹھاؤ
وہ وقت ہے شہ پر کہ مدد غیروں نے کی ہے
بس دل میں سمجھ جاؤ جو کچھ ماں کی خوشی ہے

جب ڈیوڑھی پہ حُر آیا تو دیں سب نے دعائیں   زینبؑ نے کہا کہدو میں لیتی ہوں بلائیں
حُر بولا زباں پر یہ سخن آپ نہ لائیں (۸۷) آقا کی بلا رد ہو تو ارمان بر آئیں
اب عفو خطا بندی کی فرمائیے حضرت
رومال مرے ہاتھوں سے کھلوائیے حضرت

زینبؑ نے کہا جرم ہے کیا بخش چکے ہم   اور تھا بھی تو وہ عفو کیا اب تجھے کیا غم
ہر دم ہے ترا عقدہ کشا خالقِ اکرم (۸۸) یہ ذکر تھا جو کھل گئے ہاتھ اس کے اسی دم
حُر سے یہ کہا ہنس کے شہ کرب و بلا نے
لے ہاتھ ترے کھول دیئے عقدہ کشا نے

اس وقت یہ زینبؑ نے کہا شہ سے کہ آقا   اب سب تو ہوا حُر کی تواضع میں کروں کیا
معلوم ہے واری تمہیں احوال تو گھر کا (۸۹) کیا اپنے شریک اس کو بھی تم رکھو گے پیاسا
مہمان سے کچھ کہہ نہ سکے آنکھ ملا کر
بس رو دیا شبیرؑ نے گردن کو جھکا کر

لہ غیر مطبوعہ

پھر خیمے میں شبیرؑ گئے سر کو جھکائے　　اور گود میں گہوارہ سے اصغرؑ کو لے آئے
معصوم کے سوکھے ہوئے لب حُرؑ کو دکھائے　　(٩٠) اصغرؑ سے کہا اس لئے ہم تم کو یہیں لائے
مہماں سے ہمیں عذر کے کرنے میں حیا ہے
تم کہدو کہ مجھکو بھی نہیں پانی ملا ہے

پھر حُرؑ سے یہ بولا پسرِ شیرِ الٰہی　　بے شیر کی یہ تشنہ لبی اور یہ تباہی
محتاجی شبیرؑ پہ دیتی ہے گواہی　　(٩١) یوں لوٹتا ہے جھولے میں جس طرح سو ماہی
ہے اس کی زباں ہونٹوں پہ تالو سے نکل کر
بچے جو سمجھ والے ہیں روتے ہیں مچل کر

حُرؑ نے کہا اب بندہ خجل ہوتا ہے واللہ　　اصغرؑ کو لٹا آیئے گہوارے میں بِللہ
میں بے سرو سامانی مولا سے ہوں آگاہ　　(٩٢) بندے کو ضیافت میں ہے کوثر کی فقط چاہ
جاگیر میں حر کو چمن خلد عطا ہو
وہ دو کہ مری ملک میں تا روز جزا ہو

کی شہ سے جو حُرؑ نے طلب جنت و کوثر　　ناچار رخص کیا شبیرؑ[1] نے رو کر
میداں کو چلا حُرؑ مع فرزند و برادر　　(٩٣) رو رو کے یہ فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ[2]
پیاسا کوئی مہماں کسی سے نہ جدا ہو[3]
جا تیرا مددگار علیؑ شیرِ خدا ہو

حُرؑ کود پڑا گھوڑے سے سن کے یہ مذکور　　شہ سے کہا بس کیجے تکلیف نہ منظور[4]
بولے شہ دیں اہل مروّت کا ہے دستور　　(٩٤) مہمان جو رخصت ہو تو پہنچاتے ہیں تا دور
پیاسا کوئی مہماں کسی سے نہ جدا ہو
جا تیرا مددگار علیؑ شیرِ خدا ہو

---

[1] م ـ کی حُرؑ نے جو شہ سے طلب جنت و کوثر ـ　[2] م ـ ہمراہ پیادہ ہوا فرزند پیمبرؐ
[3] م ـ اکبرؑ نے کہا حر تجھے کچھ دھیان نہیں ہے ∴ تو گھوڑے پہ ہے اور پیادہ شہؑ دیں ہے
[4] م میں یہ بند اسی طرح بند نمبر ٨٤ کے تحت درج ہے ـ بند ٩٣ اور ٩٤ کی ٹیپ میں تکرار ہے
بند ٩٤ قلمی نسخے میں نہیں ہے غیر مطبوعہ ہے ـ

پھر حُر نے شہِ پاک کو مجرا کیا جھک کر   اور گھوڑے پہ چڑھ کر وہ ہوا راہی لشکر
پہلے یہ رجز پڑھنے لگا حُر دلاور (۹۵)   واللہ نہیں کوئی جہاں میں مرا ہمسر
پوچھا پسرِ سعد نے کیا تجھ میں شرف ہے
وہ بولا کہ آقا مرا حیدرؑ کا خلف ہے

زہراؑ کا شناسا ہوں میں حیدرؑ کا شناسا   اس دکھ میں دیا آلِ پیمبرؐ کو دلاسا
آقا ہے مرا تین شب و روز کا پیاسا (۹۶)   مولاؑ ہے مرا احمدِ مرسلؐ کا نواسا
ایماں سے قریں کفر سے میں دور ہوا ہوں
سابق میں کفِ خاک تھا اب نور ہوا ہوں

لشکر سے عمر بولا سنا تم نے یہ مذکور   ہاں جلد غرور اس کا مٹا دو یہ ہے مغرور
برسانے لگے تیر و تبر ظالم مقہور (۹۷)   جب تیغ کھنچی حُر کی سب آگے سے ہوئے دور
کیا تیغ میں تھی آب کہ بیتاب تھے اعدا
آتش تھی جو یہ تیغ تو سیماب تھے اعدا

گو صف تھی ہر اک نظمِ مسلسل کے مقابل   جوں نثر پریشان ہوا لشکرِ قاتل
ہر چار عناصر کی رباعی ہوئی باطل (۹۸)   خمسہ تھا جو اس سپہٗ شام کا زائل
دو کر کے کیا چار ہر اک اہلِ حسد کو
کیا قطع کیا تیغ نے ہر مصرعِ قد کو

تھا وزنِ شجاعت میں جو یاں مصرعِ یکتا   تقطیع جو کی تیغ نے پایا گیا سکتا[1]
سکتا بھی وہ سکتا تھا کہ تھا دیکھ نہ سکتا (۹۹)   وہ شعر کا سکتا تھا دیا موت کا سکتا
کرتے تھے گریز اہلِ جفا دشتِ جفا میں
تھی قافیہ کی طرح وہ تلوار قفا میں

ہوتے تھے سواروں کی ردیف آ کے پیادے   جز قصد روی محو تھے سب دل سے ارادے
تھا شورِ خدا بیت دو عالم کو بچا دے (۱۰۰)   مضمون بقا سے ورق جسم تھے سارے
جز پنجتنؑ اور کوئی مخمس نہ رہا تھا
جز شش جہت اور کوئی مسدّس نہ رہا تھا

---

[1] غیر مطبوعہ

ناگاہ تہہ تیغ ہوا حُر کا برادر حُر بولا تو ہے فدیہ عباسؑ دلاور
بیٹا جو ہوا قتل تو کہنے لگا ہنسکر (۱۰۱) میں شاہ کے صدقے، تو نثار علی اکبرؑ
روؤں تجھے کیا فکر شہادت طلبی ہے
آئی یہ صدا اس کا عزادار نبیؐ ہے
پھر حُر نے ہر اک لاش کو گودی میں اٹھایا اور خدمتِ شبیرؑ میں ہنستا ہوا آیا
اک لاش کو تو پاؤں پہ اکبرؑ کے لٹایا (۱۰۲) اک لاش کو عباسؑ کے قدموں پہ گرایا
ہنس کر کہا میں جاتا ہوں ہشیار تم ان سے
فدیہ یہ تمہارے ہیں خبر دار تم ان سے
آواز سکینہؑ نے یہ دی غصے سے اس آن عباس چچا آپ کے فدیہ کے میں قربان
یاں لاش کو لے آؤ تو مجھ پر کرو احسان (۱۰۳) میں آپ کے فدیہ کے لئے روؤں چچا جان
اکبرؑ سے کہا بانو نے کہتے مجھے کیا ہو
روؤں پسر حُر کو اگر تم نہ خفا ہو
یاں حُر نے پریشاں کیا پھر لشکرِ کفار ناگاہ کلیجے سے ہوئی نوک سناں پار
گھوڑے سے گرا اور یہ پکارا وہ مددگار (۱۰۴) ہے وقت مدد اے خلف حیدر کرار
بن آپ کے دیکھے نہ مروں گا نہ مروں گا
سر پاؤں پہ رکھکر سفر خلد کروں گا
سن کر یہ صدا روئے یہاں تک شہ والا لاشے پہ بھی جانے کی نہ طاقت رہی اصلا
ناچار چلا ان کو جو لخت دلِ زہراؑ (۱۰۵) لکھا ہے یہ راوی نے کہ گرتے تھے ہر اک جا
اک سمت حبیب اور زہیر ایک طرف تھا
اور بیچ میں ان کے پسر شاہ نجف تھا
پہنچے جو سر لاشۂ حُر شہ نے یہ دیکھا سینہ تو ذرا گرم ہے اور سرد سب اعضا
اور خون ہے آنکھوں میں بھرا زخم جبیں کا (۱۰۶) پر ضعف سے کچھ پلکوں کو جنبش نہیں اصلا
یوں لپٹے حسینؑ آن کے غمخوار سے اپنے
جس طرح پدر ملتا ہے دلدار سے اپنے

حُر نے کہا یہ کون گلے ملتا ہے اس آن بولا یہ زہیر آنکھ ذرا کھول کے پہچان
شبیرؑ ہے شبیرؑ وہ بولا میں ترے قربان (۱۰۷) پھر ہاتھوں کو پھیلا کے لگا کہنے وہ مہمان
آنکھیں نہیں کھل سکتیں کہ ہنگام دعا ہے
دو مجھکو کدھر دامنِ شاہِ شہدا ہے

دامن جو دیا ہاتھ میں حُر کے تو وہ بولا اے یارو قیامت میں گواہی مری دینا
کہہ دیجیو یہ روبروئے فاطمہ زہراؑ (۱۰۸) بی بی ترے فرزند کا عاشق تھا حُر ایسا
عشقِ شہِ دیں تا دمِ مردن نہیں چھوڑا
مر بھی گیا اور ہاتھ سے دامن نہیں چھوڑا

شہؑ نے کہا اے حُر تری الفت کے میں قرباں تجھ سا بھی وفادار نہ ہوگا کوئی انساں
کیا تجھکو نظر آتا ہے کہہ اے مرے مہماں (۱۰۹) وہ بولا کہ اللہ کی قدرت کا ہے ساماں
اک مردِ مقدس مری بالیں پہ کھڑا ہے
گیسو ہیں کھلے اور گریبان پھٹا ہے

ساغر بکف اس دم ہیں فرشتے نظر آتے اک کرسی زر ہیں مرے پہلو میں بچھاتے
اس مردِ مقدس کو ہیں کرسی پہ بٹھاتے (۱۱۰) وہ کرتے ہیں انکار اور ان کو ہیں سناتے
کرسی پہ نہ بٹھلاؤ قلق ہے شہِ دیں پر
شبیرؑ کے اطفال تڑپتے ہیں زمیں پر

شہ بولے اسی شخص کا ہے شیرِ خدا نام کیا بیٹھے وہ کرسی پہ کہ دل کو نہیں آرام
ہر ایک کے ہنگامِ قضا آتے ہیں یہ کام (۱۱۱) دامن کو مرے چھوڑ دے دامانِ علیؑ تھام
خنجر کے تلے جبکہ مجھے پائیں گے بابا
میرے بھی سرہانے یونہی آئیں گے بابا

یہ کہتے تھے حضرت کہ وہ آخر ہوا ناگاہ آغوش میں لاشہ لئے خیمے کو چلے شاہ
وہ لاشہ درِ خیمہ پہ لاکر جو رکھا آہ (۱۱۲) زینبؑ سے کہا حُر مرا مہمان ہے واللہ
سب روئیں اسی خاطرِ سلطانِ زمن سے
اب ظہر تلک لاشے یونہی آئیں گے رن سے

بھائی سے کہا زینبؑ ناشاد نے رو رو ٭ مہمان کو کیا کہہ کے میں روؤں یہ بتادو
حضرت نے کہا بھائی کا عاشق کہو اس کو (۱۱۳) تم کہہ کے ہر اول اسے شبیرؑ کا پیٹو
وہ بین کرو مردے پہ جو ہوتے ہیں زینبؑ
جس طرح عزیزوں کے لیے روتے ہیں زینبؑ

زینبؑ نے کہا اے مرے مظلوم برادر ٭ اس لاش پہ ہم منہ کو تو ڈھاپیں گے مکرر
ماں حُر کی نہیں دیتی ہیں پرسہ اسے روکر (۱۱۴) زہراؑ کی صدا آئی کہ میں حُر کی ہوں مادر
کیوں پلٹے کو اب منہ پہ تو لیتی نہیں زینبؑ
پرسہ مجھے فرزند کا دیتی نہیں زینبؑ

اے یارو یہ نکتہ نہیں رونے کے لئے کم ٭ سیدانیوں نے لاشۂ حُر پر کیا ماتم
زینبؑ کو بھی پرسا دیا زہراؑ نے بصد غم (۱۱۵) پر حیف کہ جب ذبح ہوئے سیّد عالم
کیا ایسی خطا کی تھی حسینؑ ابن علیؑ نے
زینبؑ کو نہ پرسا دیا بھائی کا کسی نے

خود لاشۂ حُر گود میں سرورؑ نے اٹھایا ٭ شبیرؑ کا لاشہ کوئی مقتل سے نہ لایا
رونے کے لئے بھی کوئی لاشے پہ نہ آیا (۱۱۶) چلاتی تھیں سیدانیاں فریاد خدایا
احکام ہے مردے کے لئے گور و کفن کا
لاشہ ہوا پامال شہ تشنہ دہن کا

کر عرض دبیر اب یہ شہ کرب و بلا سے ٭ یا شاہ کہو بہر خدا جلد خدا سے
ذاکر ترا محفوظ رہے رنج و بلا سے (۱۱۷) دے گوہر مقصد اسے دریائے عطا سے
مداح ترا ہو کے دل افگار رہوں میں
تم سے نہ کہوں میں تو بھلا کس سے کہوں میں

مرثیہ ۹

جب کوزۂ خورشید بھرا شیرِ سحر سے   ذروں کی ہوئی نشو و نما شیرِ سحر سے
تھے جوش میں اربابِ سما شیرِ سحر سے   (۱) روحِ دل اٹھاتی تھی مزا شیرِ سحر سے (کذا
صبحِ شبِ عاشور بہشتوں کی چمن تھی
نہرِ خطِ ابیض صفتِ نہرِ لبن تھی

جب لیلیٔ شب محملِ مغرب میں در آئی   مجنوں کی طرح چشم ہر انجم کی بھر آئی
پھر نوبت بربادیٔ بزمِ قمر آئی (۲)   خود حجلۂ مشرق سے عروسِ سحر آئی
زینت تھی دلہن کی کہ یہ سرخی تھی شفق کی
یا پنجۂ خورشید میں مہندی تھی شفق کی

سجادۂ ظلمت جو اٹھا کعبۂ شب سے   راہی ہوئیں تاروں کی صفیں پاسِ ادب سے
بھاگا مۂ کامل فلکِ سفلہ تعب سے (۳)   اٹھا سرِ خورشید بریں سجدۂ رب سے
تعقیب کی تاکید جو کی فوج نے بڑھ کر
ذرے بھی سورۂ والفجر کو پڑھ کر

طاؤسِ شب آیا جو سوئے گلشنِ مغرب   تڑپے صفتِ طائرِ پربستہ کواکب
مرغانِ زمیں نغمہ گری میں ہوئے راغب (۴)   یکساں ہوئے نورِ سحرِ صادق و کاذب
صیادیٔ خورشید محیطِ دوسرا تھی
مرغابیٔ مہ غوطہ زنِ بحرِ فنا تھی

تابندہ ہوئی مثلِ شبِ نور شبِ غم   طولِ قمر سورۂ والنجم ہوئی کم
تاراج ہوا بدرِ شہ ظلمتِ عالم (۵)   اطفالِ کواکب کی جماعت ہوئی برہم
شمسہ کی جو تحصیل میں اربابِ زمیں تھے
واللیل کے سورہ کے سبق یاد نہیں تھے

پھولی صفتِ تختۂ لالہ شفقِ صبح   تھا ذروں کے سونے سے مطلا ورقِ صبح
جز سورۂ والشمس نہ تھا کچھ سبقِ صبح (۶)   پوچھے کوئی خورشید علیؑ سے قلقِ صبح
فرماتے تھے اب قبر میں آرام کریں گے
اس صبح کی فردوس میں ہم شام کریں گے

خورشید نے کی سلطنتِ صبح جو آباد   سلطان جز و کل پہ اُدھر پڑ گئی افتاد
ذراتِ زمیں مہر کے پر تو سے ہوئے شاد [7]   ہنگام سحر بدر علیؑ پر ہوئی بیداد
ظاہر میں فقط صبح کو ٹھنڈک تھی ہوا میں
پر آگ برستی تھی سپاہِ شہدا میں

کی پردہ دری رات کی خورشید نے ناگاہ   شام آنے نہ پائی کہ لٹا خیمۂ ذی جاہ
مرغانِ سحر نے تو کئے نغمۂ جانکاہ [8]   منہ ڈھانپ کے رونے لگے اہلِ حرم شاہ
سرخیِ شفق رنگ تو لائی تھی غضب کے
دن تھا ابھی باقی کہ لہو بہہ گئے سب کے

رخ صبح شبِ عاشور میں تھے حشر کے آثار   سجادہ نشیں تھا پسرِ احمدِ مختار
باندھے ہوئے صف خیمے کی ڈیوڑھی پہ سب انصار [9]   مشغول نمازِ سحری تھے وہ وفادار
بھائی کے حضور آتی ہوئی جاتی تھی زینبؑ
جوں جوں یہ سحر ہوتی تھی گھبرائی تھی زینبؑ

ناگاہ اٹھے خوابِ ضلالت سے ستم گار   چونکا عمر سعد کہ فتنہ ہوا بیدار
سرداروں کو بلوا کے پکارا یہ جفا کار [10]   درپیش ہے شیرانِ عرب سے مجھے پیکار
نو لاکھ کو اک ایک سے کب تاب وغا ہے
بندہ ہیں اِدھر ان کی طرف آج خدا ہے

مشہور ہے ہر شہر میں شمشیر دو پیکر   یہہ تحفۂ باری ہے سوئے حیدر صفدر
طفلی میں یہ تھی طاقتِ دامادِ پیمبر [11]   دو انگلیوں سے چاک کیا کلۂ اژدر
سنتے ہیں کہ غل نعرۂ تکبیر کے اٹھے
جھولے سے جو اٹھے تو اسے چیر کے اٹھے

جنگِ جمل و بدر و احد کر گئے یہ سر   صفین و سلاسل کی صفیں ہو گئیں ابتر
خندق میں جو لی میان سے شمشیر دو پیکر [12]   جبرئیلؑ نے روکا تو قلم کر دیئے شہپر
پردے حسد و کبر کے بھی پھاڑ کے نکلے
خیبر سے جو نکلے تو علم گاڑ کے نکلے

دنیا میں سبھی بیر العلم کے رہے شاکی   کو دے جو علیؑ ہوگئی تائید خدا کی
تلوار سے اسلام محمدؐ کی بنا کی (۱۳)   پڑھوالیا کلمہ تو اماں ان کو عطا کی
جنّ دائرۂ لعنت اللہ سے نکلے
یوسفؑ کی طرح آپ ادھر چاہ سے نکلے

شاہِ شہدا بھی ہیں اسی شاہ کے دلدار   طاقت وہی بازو میں وہی ہاتھ میں تلوار
ابن حسنؑ و اکبرؑ و عباسؑ وفادار (۱۴)   اس فوج میں یہ تین بہادر ہیں نمودار
کچھ رشتے میں ہیں اور کچھ اصحاب نبیؐ کے
بیٹے ہیں بھتیجے ہیں نواسے ہیں علیؑ کے

جب مار لیا ان کو تو انعام ملیں گے   جام مئے عشرت سحر و شام ملیں گے
جاگیر ہے کیا مال بڑے کام ملیں گے (۱۵)   اس فتح سے سب کو بہت آرام ملیں گے
مارو گے اگر آج تم ان ناموروں کو
بھر دوں گا زرِ سرخ سے سب کی سپروں کو

ناگاہ بجے بوق و دف و بربط و قرنا   باجوں کی صداؤں سے ہلا گنبدِ خضرا
آواز جلاجل سے یہ آواز تھی پیدا (۱۶)   دنیا میں ہوئی نوبت بربادیِ زہرؑا
غل تھا کہ تہ چوب کرو طبلِ وغا کو
ہاں بند کرو دین کے ڈنکے کی صدا کو

اب لشکرِ شبیرؑ کا دیکھو حشم و جاہ   خیمے میں شہنشاہ ہے باہر ہیں ہوا خواہ
سب منتظرِ آمدِ فرزندِ ید اللہ (۱۷)   صف باندھے ہوئے اہلِ وفا دیکھتے ہیں راہ
باہم ہیں یہ چرچے گلِ امید کھلیں گے
بھوکے ہیں تو ہوں میوۂ فردوس چکھیں گے

قرآن ہے شاہد کہ سبھی تھے وہ مفسّر   فاقوں میں شہ دیں کی طرح صابر و شاکر
یکساں صفتِ آئینہ تھے باطن و ظاہر (۱۸)   اک ایک غریب الوطن اک ایک مسافر
ثابت قدمی میں صفتِ شمع کیا تھا
اللہ نے چن چن کے انہیں جمع کیا تھا

زینبؑ کے پسر جنگ کی باندھے ہوئے تھے دھاک — وہ پھول سے رخسار وہ بوٹے سے قد پاک
بچپن کی طبیعت کئے دیتی تھی غضبناک (۱۹) — شمشیر دو پیکر کی طرح قائل سفاک

کیا یک دل و یک جاں دم تسلیم و رضا تھے
دو مہر جہانتاب تھے دو بدر دوجا تھے

قاسمؑ کا وہ عالم کہ فدا تھے حسنؑ پاک — سرتابقدم عطر میں ڈوبی ہوئی پوشاک
جس سمت ٹہلتے تھے جھک جاتی تھی وہ خاک (۲۰) — سہرہ کی طرح حسرت شادی میں جگر چاک

فرماتے تھے کار دلِ آگاہ بنیں گے
اب گلشن فردوس میں نوشاہ بنیں گے

عباسؑ علیؑ نام و نشانِ شہ مردانؑ — بالکل ہے یہ تصویر جلال و حشم و شان
ہر مرتبہ کھینچتے ہیں سوئے نہر دل و جاں (۲۱) — فرماتے ہیں ہم خضر ہیں یہ چشمۂ حیوان

آرام کریں گے وہیں اقبال خدا سے
نیند آتی ہے شیروں کو ترائی کی ہوا سے

آفاق میں تھا شہرۂ حسن علیؑ اکبر — سرتاج حسینانِ جہاں شکل پیمبرؐ
زلفوں میں وہی پیچ وہی روئے منور (۲۲) — قامت میں وہی حسن وہی جسم مطہر

اللہ کی کھینچی ہوئی تصویر نبیؐ تھی
اک مہر نبوت تو نہ تھی اور وہی تھی

دیکھا حشم فوج سنو حال شہنشاہ — فارغ جو عبادت سے ہوئے سید ذی جاہ
فضہؓ نے لپیٹا جو مصلیٰ تو بھری آہ (۲۳) — تعقیب سحر پڑھ کے اٹھا فاطمہؑ کا ماہ

استادہ ہوئے سوئے نجف خیمے میں آکر
حیدرؑ کی زیارت پڑھی انگشت اٹھا کر

زینبؑ سے کہا آؤ کہ آفت کی گھڑی ہے — کیا غش میں پڑی ہو یہ مصیبت کی گھڑی ہے
یہ ہجر کی ساعت ہے یہ فرقت کی گھڑی ہے (۲۴) — ماں جائی سے مل لو کہ یہ رخصت کی گھڑی ہے

قربان خدا آکے کرو شاہ امم کو
پہناؤ پرانی کوئی پوشاک بھی ہم کو

زینبؑ نے کہا خیر تو ہے اے شہ ابرار کونین کے مالک ہو خدائی کے ہو مختار
پوشاک کہن آپ کے لائق نہیں زنہار (۲۵) حضرت نے کہا ظلم پہ آمادہ ہیں کفار

ان کپڑوں سے مطلب ہے یہی سبطِ نبیؐ کا
لاشہ نہ ہو عریاں حسینؑ ابن علیؑ کا

یہ سنتے ہی بھائی سے لپٹ کر وہ پکاری ماں باپ کی تو جا چکی جنت کو سواری
صدقے گئی اب دشمنوں کی آئی ہے باری (۲۶) میرا بھی ٹھکانا کہیں کر جاؤ میں واری

پردیس میں بللہ نہ تڑپاؤ بہن کو
جاتے ہو تو ہمراہ لئے جاؤ بہن کو

کچھ یاد بھی ہے آپ کو اماں کی وصیت زہراؑ نے یہ ارشاد کیا تھا دم رحلت
زینبؑ سے خبردار یہ ہے میری امانت (۲۷) راحت جو اسے دوگے تو میں پاؤں گی راحت

دیکھو میں تمہیں سونپتی ہوں بنت علیؑ کو
آزردہ نہ کرنا میری نازوں کی پلی کو

اچھا میں خفا ہوں مجھے سمجھا کے سدھارو رہنے کا ٹھکانا کہیں بتلا کے سدھارو
میرے لئے کیا حکم ہے فرما کے سدھارو (۲۸) ماں جائی پہ اس وقت ترس کھا کے سدھارو

مقبول خدا بنت رسولؐ عربی ہے
اماں نے سفارش اسی دن کے لئے کی ہے

ناگاہ صدا بنتِ نبیؐ کی ہوئی پیدا کچھ خیر ہے کیا کہتی ہے اے دختر زہراؑ
میں نے تجھے اس واسطے شبیرؑ کو سونپا (۲۹) ہر دکھ میں ہو تو آج شریکِ شہ تنہا

احسان ہے یہ فاطمہؑ و روحِ نبیؐ پر
رونا ہے تجھے لاشۂ فرزندِ علیؑ پر

یہ سنتے ہی غش کھا کے گری زینب ذی جاہ پوشاک کہن زیب بدن کر کے اٹھے شاہ
سادات نبیؐ فاطمہؑ در تک گئی ہمراہ (۳۰) پردہ جو اٹھا بیبوں میں حشر ہوا آہ

تصویرِ شہنشاہِ رسالت نکل آئی
یا عرش سے اللہ کی قدرت نکل آئی

عباسؑ بڑھا لائے جو شبدیز صبا دم — جس نے کہ ہوا کو کبھی لینے نہ دیا دم
خدام ادب کرتے تھے پڑھ پڑھ کے دعا دم (۳۱) کیا رنگ تھا کیا چال تھی کیا جست تھا کیا دم
تربت میں علیؑ جیب و کفن پھاڑ رہے تھے
جبرئیل امیں دامنِ زیں جھاڑ رہے تھے

کیا ابلقِ ایام کو نسبت حشم ایسا — گذرے نظرِ برق جہندہ سے دم ایسا
شرمندہ نہ تو بھی ہو گردن میں خم ایسا (۳۲) پانی پہ بھی دوڑا کرے دریا قدم ایسا
ٹھہرے نہ یہاں پر نظر آئے نہ کہیں پر
دوؔ پاؤں سرِ چرخ پہ دوؔ روئے زمیں پر

رتبے میں براقِ نبویؐ سے نہیں کم تر — وہ دبدبہ باری یہ عنایاتِ پیمبرؐ
ہر جست میں ٹھہرا جو سرِ تخت سے بڑھ کر (۳۳) سایے کے تجسس میں ہوا پھرتی تھی گھر گھر
ہر رگ میں ہے اعجاز رسولؐ عربی کا
بے سایہ نہ کیونکر ہو کہ گھوڑا ہے نبیؐ کا

ناگاہ ہوئے زینتِ زیں سیّدِ ابرار — آداب بجالائے رفیقانِ وفادار
اک ایک کو بخشا چمنِ خلد کا گلزار (۳۴) وارد ہوئے مقتل میں معہ فوج و علمدار
اللہ رے ارمان ملاقات خدا کے
نو لاکھ جوانوں کے مقابل ہوئے آ کے

ترتیب دہِ فوج ہوا نائبِ اللہ — فرزند مظاہر کو دیا میسرہ ناگاہ
بخشی پسرِ قین کو پھر میمنہ کی جاہ (۳۵) چن چن کے کیے قلب میں اطفال ہوا خواہ
تزئینِ علم اپنے برادر کو عطا کی
سرداری لشکر علی اکبرؑ کو عطا کی

آراستہ جب ہو چکی فوج ابن علیؑ کی — اک ایک بہادر نے مبارز طلبی کی
دل کھول کے سب نے کمرِ حرب قوی کی (۳۶) آتی تھی صدا روحِ رسولؐ عربی کی
اللہ و نبیؐ پر ہیں یہ احسان تمہارے
سیّد کے فدائی ہو میں قربان تمہارے

جبرئیل کو حق نے دی یہ اس وقت اجازت   اس فوج کی آنکھوں سے اٹھا پردۂ غفلت
دکھلادو انہیں عزّ و شرف قدر شہادت (۳۷) کہہ دو کہ یہ حوریں ہیں یہ ہے کوثر و جنت
گھبراتے ہو کیوں تشنہ دہانی کے الم سے
اس راہ میں مرنے کے صلے پاؤ گے ہم سے

وہ پردۂ غفلت جو اٹھا آنکھوں سے اک بار   لشکر کو نظر آنے لگی قدرتِ غفار
گذرے جو نگاہ حُر غازی سے یہ اسرار (۳۸) دیکھا کہ ادھر گلشن جنت ہے ادھر نار
اس سمت تو حوریں رسولان سلف ہیں
دوزخ کے عذاب اہلِ ضلالت کی طرف ہیں

یہ دیکھ کے پیشِ عمر بد سیر آیا   بدلے ہوئے تیور صفتِ شیر نر آیا
فردوس میں جانے کو کمر باندھ کے آیا (۳۹) بولا پسر سعد کہ اے حُر کدھر آیا
پہلے تو ہی تعمیل کر احکام وغا کو
جا کاٹ کے لے آ سر شاہِ شہدا کو

حُر نے کہا ہم کو کسی سرہنگ سے لڑوا   مظلوم کو سیّد کو جو مارا تو لیا کیا
پر ہم سے نہ ہوگا یہ ہمارا نہیں پیشا (۴۰) بولا پسر سعد یہ تقریر ہے بے جا
معلوم ہوا جی کو چراتا ہے ابھی سے
اے تو سہی یہ کام میں لوں آج تجھ ہی سے

بولا وہ جری سوچ ذرا او ستم آرا   ایسا کلمہ آج نہیں مجھکو گوارا
ان کو جو کہا کچھ تو سمجھ مجھکو ہی مارا (۴۱) بندہ نے بہت صبر کیا اب نہیں یارا
تسلیم کروں گا پسر جن و بشر کو
لے روک تو لے مجھکو کہ جاتا ہوں ادھر کو

یہ کہہ کے جو لی باگ تو ہاں ہاں کا اٹھا غل   اس باد سے شمع خرد فوج ہوئی گل
پیدا ہوئی ہر سمت سے آوازِ جزو کل (۴۲) وہ گلشن جنت کو روانہ ہوئی بلبل
ان باغیوں سے حُر خوش ایماں نکل آیا
رہ رہ گئے کانٹے گل خنداں نکل آیا

آغازِ وغا فوجِ بد انجام سے نکلا   خورشیدِ سحر ابر صفت شام سے نکلا
طاؤس جناں حلقۂ گلدام سے نکلا (۴۳) یونسؑ شکمِ ماہی آلام سے نکلا
فرعونیوں سے حضرت موسیٰؑ نکل آئے
آرے کے تلے سے زکریا نکل آئے

زینبؑ کے پسر دوڑ پڑے کھینچ کے تلوار   بڑھکر یہ صدا دی کہ وہیں رہیو خبردار
پکڑی تھی لجامِ فرسِ سیدِ ابرار (۴۴) اب اور ارادہ ہو جو کچھ وہ بھی کر اظہار
اس امر میں ہرگز کوئی قاصر بھی نہ ہو گا
آگے جو بڑھا پاؤں تو پھر سر بھی نہ ہو گا

ظلم و ستم و جور کے یہ گرم ہیں بازار   جنس سرِ فرزندِ نبیؐ کے ہو خریدار
دو روز کی وہ پیاس وہ آزار پہ آزار (۴۵) تھوڑا ہے کہ چپکے رہے اب تک شہ ابرار
دیکھیں تو بھلا آئیں تو نو لاکھ سمٹ کر
ہاں کہدیں جو ماموں تو صفیں رکھدیں الٹ کر

حُر کہنے لگا ہوں میں گنہکار تمہارا   پھر کود کے گھوڑے سے عمامہ کو اتارا
حضرت کی طرف ہاتھ بڑھا کر یہ پکارا (۴۶) شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را
خادم کو ادھر پاؤں بڑھانے نہیں دیتے
دیکھو مرے آقا مجھے آنے نہیں دیتے

بپھرے ہوئے دو شیر مرے روکتے ہیں راہ   ڈرتا ہے کہیں صید نہ ہو آہوئے جاں آہ
فریاد کہ ہالے میں لئے ہیں مجھے دو ماہ (۴۷) درپیش ہے ابرِ اجل اے سیدِ ذی جاہ
بڑھنے نہ دیا گردشِ تقدیر نے روکا
اک ذرہ کو دو مہرِ جہانگیر نے روکا

دو باز وہیں اک صید ہے دو پھول ہیں اک خار   اک قطرۂ پیمانہ ہے دو قلزمِ ذخار
دو روزِ منور ہیں محیط ایک شبِ تار (۴۸) اک پیکرِ کاہیدہ ہے دو تیغِ شرربار
اے گلشنِ زہراؑ چمنِ عمر خزاں ہے
دو حلقۂ گل دام ہیں اک طائرِ جاں ہے

کھنچے ہوئے تلواریں ہیں دو رستم شہ زور وہ فخر سلیماں کی چڑھائی ہے سرِ مور
ان کے ہر ایک تنِ زار سے ہیں شور (۴۹) پہنچا ہے ترا عبد گنہگار لبِ گور
کیا دیر لگی ہے کہ ہدایت نہیں ہوتی
توبہ مری مقرون اجابت نہیں ہوتی

اے عاجز و بیکس کے مددگار دہائی ہے جعفر طیار کے پوتوں کی چڑھائی
ہم مشورہ آپس میں ہے اک بھائی سے بھائی (۵۰) ان نیچوں کی آج دکھائی ہے صفائی
ماموں کے مخالف کو تہہ تیغ ستم کر
میں قطع کروں ہاتھ کو تو پاؤں قلم کر

یہ سنتے ہی ہاں ہاں کی صدا دے کے بڑھے شاہ آنے دو اسے خلد کی کھونٹی نہ کرو راہ
کچھ مرتبہ حُر سے بھی اس وقت ہو آگاہ (۵۱) دیکھو مری آنکھوں سے ذرا قدرت اللہ
پاس اس کے ید اللہ و حسنؑ آئے ہوئے ہیں
محبوب خدا چھاتی سے لپٹائے ہوئے ہیں

یہ خاص غلام پسرِ شیر خدا ہے یہ بندۂ درگاہ غریب الغربا ہے
تم کو نہیں معلوم کہ حُر کون ہے کیا ہے (۵۲) ماموں کو تمہارے یہ عزیزوں سے سوا ہے
مقدور ضیافت نہیں سلطان امم کو
اس روکنے سے اور ندامت ہوئی ہم کو

جب بھانجوں نے ماموں کو آتے ہوئے دیکھا شرما کے پکارے پسر دخترِ زہراؑ
اے حُر جری بخش کہ یہ امر تھا بے جا (۵۳) ہم یہ نہیں سمجھے ہوئے تھے تو بھی ہے اپنا
لڑ جانے میں آپس کے محبت نہیں رہتی
مومن کی طبیعت میں کدورت نہیں رہتی

حُر کہنے لگا دست ادب باندھ کے ایکبار تم بھی میرے مختار ہو یہ بھی میرے مختار
پر عفو خطا ہو ادھر آیا ہے گنہگار (۵۴) لپٹا کے گلے حُر کو پکارے شہ ابرار
اماں تجھے علیؑ نے شہ ذی جاہ نے بخشا
میں نے تجھے بخشا مرے اللہ نے بخشا

لشکر میں پھر اس کو پسرِ فاطمہؑ لایا   اک ایک بہادر نے گلے حُر کو لگایا
نزدیکِ خیامِ شہِ بیکس جو وہ آیا (۵۵) حضرت نے کہا تو نے بڑا مرتبہ پایا
آداب بجا لا کہ ادب کی یہی جا ہے
پردے کے قریں بنتِ شہِ عقدہ کشا ہے

زینبؑ نے ندا دی مری جانب سے دعا دو   بھیّا اسے تسلیم سکینہؑ بھی سنا دو
جس چیز کی خواہش ہو اسے بہرِ خدا دو (۵۶) مہمان کو تسنیم دو فردوسِ علا دو
کوثر کو تصرف میں معہ خلدِ بریں ہے
پانی کی طلب ہو تو سنا دو کہ نہیں ہے

حُر کہنے لگا اے اسداللہ کی پیاری   سب کچھ تو ملا مجھکو عنایت ہے تمہاری
اب میرے لئے حکمِ وغا کیجئے جاری (۵۷) ڈر ہے کہیں سبقت نہ کرے فرقۂ ناری
سر خیلِ شہیدانِ بلا کیجئے مجھکو
جاگیرِ ہراول کی سند دیجئے مجھکو

زینبؑ نے کہا شرم مجھے آتی ہے ہیہات   دعوت نہ ضیافت نہ تواضع نہ مدارات
کیا یاد کرے گا ہمیں تو اے حرِ خوش ذات (۵۸) بولا وہ جری آپ کے کہنے کی ہے یہ بات
سب کچھ پسرِ حیدرِ کرار سے پایا
بندہ نے خدا کو اسی سرکار سے پایا

زینبؑ نے کہا خیر سدھار اے حُرِ جرّار   اللہ و نبیؐ کو تجھے سونپا دمِ پیکار
آداب بجا لا کے ہوا زینتِ رہوار (۵۹) مانندِ نگہہ دوڑ گیا جانبِ کفار
مارے جو طمانچے رخِ روشن کی ضیا کے
بے ساختہ پھر پھر گئے منہ اہلِ جفا کے

صحرا میں ہوا وادیٔ ایمن سے سوا نور   ہر سنگ کے ٹکڑے نے صدا دی کہ انا الطور
عکسِ رخِ گلگوں نے کیا دشت کو معمور (۶۰) خورشید تھا سُم نعل ہلالِ شبِ دیجور
میداں میں فرشِ نگہہ چشمِ ملک تھا
ذروں میں کہیں چاند کہیں مہرِ فلک تھا

اللہ رے اقبال زہے مرتبہ و جاہ اٹھ اٹھ گئے رن سے قدم لشکرِ روباہ
دوڑا فرس حُر جو مثالِ روش ماہ (۶۱) پوشیدہ تگ و دو میں ہوا عرصۂ جنگاہ
منہ ڈھانپ لیا کفر نے ہیبت سے دہل کر
فتنہ بھی دبے پاؤں گیا رن سے نکل کر

تھی دامن مقتل میں شکن چین جبیں سے دھوپ اڑ گئی اک پرتوۂ روئے مبیں سے
للکار دیا بڑھ کے جو ہیبت نے یہیں سے (۶۲) پشتارۂ افلاک گرا پشت زمیں سے
مردہ تھے نہ زندہ نہ بقا تھی نہ فنا تھی
تھی موت کی موت اور قضا کی بھی قضا تھی

بڑھ کر عمر سعد نے لشکر کو پکارا یہ حُر ہے وہی حُر کہ فلک کا ہے ستارا
اس وقت وہ تیوری ہے کہ ہم کو نہیں یارا (۶۳) جادو ہے کہ اعجاز شہ دیں ہے یہ سارا
نو لاکھ جواں کانپتے ہیں ایک کے ڈر سے
کیا جانئے کیا ہو کے یہ آیا ہے ادھر سے

دم بھر کی ہے یہ بات ابھی گذری نہیں دیر مل کر بسرِ شیرِ خدا سے یہ ہوا شیر
غصے کی ہے چتون کہ اُبلی ہے کوئی شمشیر (۶۴) یہ پیش ہوا کیا کہ زبردست ہوئے زیر
اس سمت یہ تیور تھے کب اس اہل وفا کے
انسان ملک ہو گیا اس فوج میں جا کے

حُر نے یہ صدا دی کہ زمانہ ہے ہمارا قصہ نہیں ستم کا فسانہ ہے ہمارا
مرجاتے ہیں لڑ کر یہی بانا ہے ہمارا (۶۵) جنت جسے کہتے ہیں وہ تانا ہے ہمارا
پردے کی نہیں بات سبھوں پر یہ جلی ہے
یہ فیض غلامئ حسینؑ ابن علیؑ ہے

سن او عمر سعد ستمگر یہ حقیقت ہم حُر ہیں وہی تیری طرف تھے جو بہ غفلت
تائید اسے کہتے ہیں یہ ہے لطف و عنایت (۶۶) کیا جلد جہنم سے ہوئے داخل جنت
بھٹکے رہے برسوں مگر اب راہ پر آئے
اللہ و نبیؐ مل گئے جب راہ پر آئے

تیری طرف اک خار تھا اب میں گل گلزار　　قطرہ تھا اُدھر جا کے ہوا قلزم زخّار
برسوں رہا کافر مگر اب ہو گیا دیندار (۶۷) ذرّہ کو کیا بخت نے خورشید ضیا بار
شیطان کی صورت کفِ افسوس ملا کر
ہم خوب نکل آئے تو دوزخ میں جلا کر

فردوس عطا کی ہمیں محبوبِ خدا نے　　کوثر کی سند دیدی شہ عقدہ کشا نے
بخشے ہمیں حُلّے حسنؑ سبز قبا نے (۶۸) رومال دیا فاطمہؑ خیر نساء نے
جاگیر ہر اول شہ دلگیر سے پائی
مرنے کی رضا خواہر شبیرؑ سے پائی

او دشمن دیں حُر کی طرح تو بھی چلا آ　　فردوس کی لے راہ جہنم سے نکل جا
کیسا ہی گنہگار ہو بندہ کوئی اس کا (۶۹) جب پاؤں بڑھایا اُدھر اللہ نے بخشا
کس سوچ میں ہے مصلحت وقت یہی ہے
جنّت تجھے دیگا وہ سخی ابنِ سخی ہے

یہ سن کے ہوا اور وہ پرکالۂ آفت　　لشکر سے کہا کھینچ لو شمشیر شقاوت
ایسی یہ سزا پائے کہ اوروں کو ہو عبرت (۷۰) تا پھر کوئی حاکم سے نہ ہو صرف عداوت
برچھی وہ لگے نوک سناں ٹوٹ کے نکلے
ہر زخم سے تاثیر نمک پھوٹ کے نکلے

حُر کہنے لگا بس نمک افشانہ ہو ہٹ جا　　آب و نمک خلق ہے سب حصۂ زہراؑ
دنیا کے مزے میں تو پڑا رہ نہ بک اتنا (۷۱) حُر کے رگ و پے میں تو بھرا ہے نمک ان کا
اس دانہ کا ہے شور میرے ہر رگ و تن میں
ہر قطرۂ خوں ہے نمکیں اپنے بدن میں

یہ کہکے جو لی میاں سے شمشیر شرر بار　　برہم ہوئے شمر و عمرِ سعد جفا کار
مقتل میں تڑپتی ہوئی کانپی جو وہ ہر بار (۷۲) بجلی کی صدا اٹھی کہ بچانا مجھے غفّار
افلاک پہ آئی کبھی بالائے زمیں تھی
ڈھونڈھا جو اجل نے نہ وہاں تھی نہ یہیں تھی

جس صف پہ گری صاف صفائی نظر آئی ــ جس غول پہ چمکی تو ہوا غل کدھر آئی
جھپٹی جو پرے پر تو لہو میں یہ بھر آئی (۷۳) ــ اک اک کو خبر بھی نہ رہی اپنی پرائی
لہرا کے جو بیٹھی تو جگر کاٹ کے اٹھی
ناگن کی طرح شبنم خوں چاٹ کے اٹھی

جب ابروؤں پر بیٹھی تو خم کاٹ کے نکلی ــ زلفوں میں جو الجھی تو قلم کاٹ کے نکلی
پلٹی جو بھرے سے علم کاٹ کے نکلی (۷۴) ــ سر میں جو در آئی تو قدم کاٹ کے نکلی
بیزار پروں سے دم پیکار ہوئی تھی
اک اک صف جو ہر اُسے دشوار ہوئی تھی

اونچی جو ہوئی کاٹ گئی چوب علم کی ــ بازو سے جو لپٹی تو کلائی بھی قلم کی
لینے نہیں دیتی تھی یہ مہلت کوئی دم کی (۷۵) ــ ٹھہری کبھی دوڑی کبھی تڑپی کبھی چمکی
زلفوں میں الجھنے کا خیال آنے نہ پایا
آئینۂ شمشیر میں بال آنے نہ پایا

جب خود کو کاٹا تو جھلم پر اتر آئی ــ شرمائی زرہ جب یہ کڑی ہو کے در آئی
چار آئینے میں صاف سمجھ کر یہ گھر آئی (۷۶) ــ شانے سے اترتی ہوئی زیر سپر آئی
کاٹ آئی ہر اک ڈھال کے ہر نشو و نمو کو
دو ٹکڑے کیا چاند کی ضو پھولوں کی بُو کو

ہونٹوں سے گئی مثل زباں کنج دہن میں ــ یوسف کی طرح کود پڑی چاہِ ذقن میں
سینے میں کبھی دل میں کبھی ہر رگ تن میں (۷۷) ــ یہ ڈھونڈتی تھی روح کو اعضا بدن میں
تلوار کے رومال سے منہ ڈھانک کے نکلی
ہر زخم کے روزن سے اجل جھانک کے نکلی

ناگہ بنِ حجاج بڑھا کھینچ کے تلوار ــ لکھا ہے کہ تھا میمنہ والوں کا وہ سردار
لشکر سے کہا اب نہ لڑے کوئی خبردار (۷۸) ــ مدت سے میری اس کی رہا کرتی تھی تکرار
غصہ کبھی آیا تو طرح دے گیا ٹل کر
رہ رہ گئی اکثر سپر و تیغ سنبھل کر

القصہ قریب حُر عالی گہر آیا جل کر صفت گبر وہ نار سقر آیا
تقریر ستم چھیڑ کے غازی کو ڈرایا[٧٩] معلوم ہے مرنے کے لئے تو ادھر آیا

ہر چند کہ مدت سے بہم رد و بدل ہے
پر کھل گیا یہ ساتھ تیرے آج اجل ہے

حُر نے کہا بس جھوٹ نہ بول او ستم آرا سب جانتے ہیں شام میں احوال یہ سارا
جا کر عمر و شمر سے پھر پوچھ دو بارا[٨٠] کیا بھول گیا ہاتھ چلا تھا جو ہمارا

ڈر ڈر کے مقابل جو ہوا ابھی کبھی آ کر
دو چوٹوں میں ہی بھاگ گیا جان بچا کر

شیطان نے نامرد کو پھر مرد کیا ہے روباہ لڑے شیر سے یہ شان خدا ہے
منصف کو گلا کاٹ کے مر جانے کی جا ہے[٨١] اب کی یہ لڑائی نہیں پیغام قضا ہے

بھاگے ہوؤں کو طرز حمیت نہیں آئی
چار آنکھ کئے ہے تجھے غیرت نہیں آئی

یہ سن کے غضب ناک ہوا وہ ستم ایجاد کھینچا اکر ظلم سے پھر خنجر بیداد
چاہا کہ کروں ہستی جاں کو ابھی برباد[٨٢] مارا حُر عالی نے جو دستانۂ فولاد

شیشے کی طرح چور کیا زور بدن سے
آواز شکستہ دم خنجر ہوئی چھن سے

گرز اس نے اٹھا کر یہ ندا دی کہ خبردار اے حُر جری اب تو بھلا روک لے یہ وار
غازی نے یہ سن کر جو لگائی اسے تلوار[٨٣] چورنگ ہوا گرز مع بازوئے بیکار

بنیاد ستم تیغ شرر دم سے جلائی
پہونچے سے لیا گرز تو کہنی سے کلائی

ظالم نے سپر پھینک کے لی میان سے تلوار پھر تول کے شمشیر بڑھا حُر وفادار
اک ہاتھ میں یوں شانہ و بازو کو کیا چار[٨٤] اس دست ستم کو بھی کیا موت نے فی النار

شانوں سے جدا بازوئے مکار و لعین تھے
خود سوچ میں تھا ہاتھ مرے تھے کہ نہیں تھے

جلاد نے پھر کام لیا تیغ زباں سے　　وہ لاف زنی کی کہ بڑھا حُر بھی یہاں سے
غازی نے جھپٹ کر کمر دشمن جاں سے　　(۸۵) کھینچا تو اٹھ آیا فرس ننگ جہاں سے
معراج سیہ رو کو ملی زشتئ عمل کی
یا پنجۂ خورشید میں تھی ڈھال زحل کی

یہ دیکھ کے دوڑا پسر ظالم خود سر　　تھا نام شریک آتے ہی شرکت کی برابر
غازی نے سنبھلنے نہ دیا پشتِ فرس پر　　(۸۶) پھر دست سپر سوئے کمر بند بڑھا کر
نزدیک پدر سے گئے بیٹے کو اٹھا کے
اک اور نوالہ یہ گیا منہ میں قضا کے

اک ہاتھ میں تھا باپ تو اک ہاتھ میں بیٹا　　ہیبت کے سبب دونوں کے دل تھے تہہ و بالا
اس کی اُسے پروا تھی نہ اس کی اِسے پروا　　(۸۷) یہ کلمۂ حق تھا دہن کفر سے پیدا
کیا دونوں کو ہاتھوں میں اٹھایا ہے جری نے
دو ٹکڑے کیا تھا یوں ہی اژدر کو علیؑ نے

دونوں کو اچھالا جو سوئے گنبد دوار　　آوازہ کسا مالک دوزخ نے کی فی النار
گرتے ہوئے اک ہاتھ جو مارا تو کیا چار　　(۸۸) دو بار اچھل کر یہ پکاری صفِ کفار
کیا ہاتھ ہے کیا ضرب ہے کیا تیغ جری ہے
چو رنگ کا ہالہ جو سنا تھا وہ یہی ہے

جو لوگ برابر تھے وہ ڈر ڈر کے ہٹ آئے　　بچ جا کے الگ خنجروں کو سنگ چٹ آئے
القصہ کئی لاکھ پیادے سمٹ آئے　　(۸۹) بھاگے ہوئے تھے ساتھ انہیں کے پلٹ آئے
غل تھا کہ اب ایمان سے منہ پھیر کے مارو
سب مل کے اسے قتل کرو گھیر کے مارو

فرزند و برادر بھی معہ عبد وفادار　　یہ تین جوان ایک طرف گھر گئے اک بار
اندوہ پہ اندوہ تو آزار پہ آزار　　(۹۰) ڈھالوں کے کہیں ابر کہیں تیروں کی بوچھار
ایذا غم و مرگ ادھر اور اُدھر تھی
ان کو خبر اس کی نہ اُسے ان کی خبر تھی

ناگاہ غلام حُرِ غازی یہ پکارا   آ آ میرے آقا مجھے بے رحموں نے مارا
حُر نے یہ صدا دی کہ کرو ہم سے کنارا [91] اب حضرت قنبر سے علاقہ ہے تمہارا
ہنگام اجل اور بھی احسان کریں گے
مشکل کو تمہاری وہی آسان کریں گے

یہ سن کے ہوا وہ تو فدائے سرِ قنبر   اتنے میں سنی بھائی نے آواز برادر
غازی نے کہا مجھ سے نہ امداد طلب کر [92] مالک ہے تیرا بازوئے فرزند پیمبرؐ
صدقہ تجھے دیتا ہوں طریقت کی سند ہو
شاید کہ بلا حضرت عباسؑ کی رد ہو

بھائی جو ہوا فدیہ عباسؑ علمدارؑ   پھر آئی صدائے پسر حُر وفادار
بیٹےؑ کی خبر لیجیے اے والد غم خوار [93] بولا وہ کہ قربان علی اکبرؑ دلدار
یارب تو بچا لیجیو ہمشکل نبیؐ کو
آئی ہوئی اکبرؑ کی بھی لگ جائے اسی کو

بیٹے کو صدا دی کہ خدا کو تمہیں سونپا   ہمشکل رسولؐ دوسرا کو تمہیں سونپا
جان خلفِ عقدہ کشا کو تمہیں سونپا [94] نوبادۂ فردوس علا کو تمہیں سونپا
اللہ سے کہکر تمہیں بخشائیں گے اکبرؑ
فردوس میں بھی ساتھ لئے جائینگے اکبرؑ

فرزند بھی یہ سن کے ہوا داخلِ جنت   پھر حُر پہ اُدھر ٹوٹ پڑے اہلِ شقاوت
مصروف زد و کشت ہوئی فوج ضلالت [95] غازی کو نظر آ گئے سامان شہادت
بجلی سی چمکتی ہوئیں پاس آ گئیں تیغیں
سر پر صفتِ ابر اجل چھا گئیں تیغیں

پاس آکے یزید بن شقان نے دغا سے   مجروح کیا کاسۂ سر گرز جفا سے
بعد اس کے حصینِ ستم آرا نے قضا سے [96] جاری کیا پیغام قضا تیغ قضا سے
پھر نیزۂ فولاد ستمگار نے مارا
ایوب بن مصرعۂ غدار نے مارا

گرتے ہوئے گھوڑے سے پکارا حُرِ غازی فدوی کی مدد کیجئے یا شاہِ حجازی
کرتی ہے تن و جاں میں اجل تفرقہ بازی (۹۷) دم بھر کے لئے آکے کرو بندہ نوازی
دیدار دکھا دو تو ہے احسان تمہارا
بھوکا اب اسی کا ہے یہ مہمان تمہارا

یہ سنتے ہی شبیرؑ گئے اس کے سرہانے بے دم اُسے دیکھا تو لگے اشک بہانے
خوش ہو کے یہ کی بات تب اس اہل وفا نے (۹۸) بندہ کو سبکبار کیا آج خدا نے
ایک اور ثواب ابدی میں نے لیا ہے
بھائی کو فدای سرِ عباسؑ کیا ہے

یہ کہکے روانہ ہوا وہ دارِ فنا سے پھر گردن شہ مل گئی شمشیر جفا سے
سیراب ہوئے آب دم تیغ کے پیاسے (۹۹) سیدانیوں میں دھوم تھی سیّد کی قضا سے
اسباب لٹے پردہ نشینان حیا کے
خیموں کی طرح جل گئے دل آلِ عبا کے

بے ہوش ہوئی بنت علیؑ سن کے یہ آواز اے طبع دبیر ہنر آراو سخن ساز
کر شکر کہ انجام کو پہونچی تیری آغاز (۱۰۰) اس طرح کے مضموں پہ نہ کس طرح کروں ناز
خطرہ ہے ذرا مجھکو نہ مضمون کہن کا
تو آپ ہراول ہے صفِ فوج سخن کا

مرثیہ ۱۰

رن کو رواں ہے سیفِ خدا آج خیر ہو   مہرِ عرب ہے گرمِ وغا آج خیر ہو
ہستی سے کہہ رہی ہے قضا آج خیر ہو(۱)   بدلی ہے آب و گِل کی ہوا آج خیر ہو
ہر اک قدم فلک سا زبردست زیر ہے
بپھرا ہوا نجف کے نیستاں کا شیر ہے

دریا میں شور ہے تو عیاں رن میں زلزلہ   صحرا میں کوہسار میں گلشن میں زلزلہ
عنقا کے اور ہُما کے نشیمن میں زلزلہ(۲)   آہو کے اور شیر کے مسکن میں زلزلہ
نے آہوؤں میں نافہ نہ نافے میں مشک ہے
آتا ہے شیر خون غزالوں کا خشک ہے

آتے ہیں ہر قدم پہ نچھاور کو چار سو   گلشن سے نخل نخل سے گل گل سے رنگ و بو
قالب سے سینہ سینے سے دل دل سے آرزو(۳)   دریا سے موج موج سے دُر دُر سے آبرو
الماس زہر کھاتا ہے حُسن و جمال پر
مرجان جان دیتا ہے حیدرؑ کے لال پر

کیوں کر نہ ہو تردد و تشویش و انتشار   ہے رن میں گرم آمد عباسؑ نامدار
پنبہ بگوش مہر سے ہے چرخ بے مدار(۴)   آثار رستخیز ہیں ذروں سے آشکار
ہستی کا عرصہ مردمِ آبی پہ بند ہے ۱؎
غل ہے یہ کس محیط کا نعرہ بلند ہے

ہوش و حواس شیر دلوں کے نہیں بجا   اک اک سے پوچھتا ہے کہ یہ ماجرا ہے کیا
نہ اختیار میں تن و سر ہیں نہ دست و پا(۵)   یہ آمد بشر ہے و یا آمد قضا
یہ دبدبہ یہ رعب ہے کس باوقار کا
کون و مکاں میں غلغلہ ہے الفرار کا

۱؎ نسخہ دوم ؎   ہستی کا نقشہ مردمِ آبی پہ تنگ ہے
غل ہے یہ کس محیط کا تازہ نہنگ ہے

اہل جفا سکوت میں ہیں وقت مشورت — نہ زندگی نہ موت نہ دنیا نہ آخرت
روشن ہے دل سے شرح اذا الشمس کوّرت (۶) — جنبش ہے کوہسار کی تفسیر سُیّرت
نقارۂ فلک سے صدا واہ واکی ہے
نوبت سلامیِ خلف مرتضےٰ کی ہے

قربانِ مرکب دور کا یہ ہزار چاند — ہوتا ہے چاند رات کو اک آشکار چاند
یاں نعلوں کے نشان سے ہیں برقرار چاند (۷) — رن کی زمیں کے منہ پہ لگائے ہیں چار چاند
جائے ابھی فلک پہ مہ نو رکاب کا
پر پیچ میں ہے پائے مبارک جناب کا

اندھیر صبحِ حشر کا ہے اہلِ شام میں — سردار فوج جا کے چھپے ہیں خیام میں
ترکش میں تیر چھپتے ہیں تیغیں نیام میں (۸) — تیغِ زباں تلک بھی ہے بیکار کام میں
سکتہ و فور خوف سے چرخ بریں کو ہے
مردے یہ کانپتے ہیں کہ جنبش زمیں کو ہے

مصری کو زیست تلخ ہے شامی کباب ہیں — دریا میں زہرہ مردم آبی کے آب ہیں
کوہی جو بت بنے ہیں تو شہری خراب ہیں (۹) — اہل خطا نشانۂ تیرِ عذاب ہیں
حال آئینہ ہے اہل حلب کے قرار کا
پردہ بھی تار تار گروہ تتار کا

اللہ رے ہیبتِ اسدِ برج حیدری — تھرّا کے زرد ہوتا ہے خورشید خاوری
نقدِ حیات بیچتا پھرتا ہے مشتری (۱۰) — مریخ چھپ کے کہتا ہے مشکل ہے جانبری
چرخ چہارمی یہ مسیحا میں دم نہیں
سیاروں پر ہوا ابھی یہ ثابت کہ ہم نہیں

ثور فلک پہ گاؤ زمیں کا یہ ناز ہے — بیٹا خدا کے شیر کا ذرہ نواز ہے
تجھ سے زیادہ آج میرا امتیاز ہے (۱۱) — جس پر قدم یہ رکھے وہی سرفراز ہے
رشک و حسد سے سینہ ہے پیچ و تاب میں
ہے مثل لالہ داغ سیہ آفتاب میں

بالاتفاق ہیں یہ سخن فوج شام کے
نہ آج سر بچیں گے نہ تن خاص و عام کے
ابن علیؑ دکھائیں گے جوہر حسام کے
(۱۲) نام اب مٹیں گے زال و نریمان و سام کے
طے کی ہے ان کے فیض نے حاتم کی داستاں
زیر و زبر ہے خوف سے رستم کی داستاں

روحیں یہ تن میں ہیں کہ غزال رمیدہ ہیں
ہوش و حواس اڑانے میں مرغ پریدہ ہیں
اہل کبادہ خوف سے خاطر کبیدہ ہیں
(۱۳) ترکش سے تیر، تیر سے چلّے کشیدہ ہیں
مضمون خود غلط ہے قرار و ثبات کا
شیرازہ کھل گیا ہے بیاض حیات کا

تاب و توان و وہم و خرد ہیں سبھوں کی گم
کہتے شمر اور عمر ابن بطنکم
گلگوں لہو سے ہو دیں اب تا زندگی تم
(۱۴) سیل فنا سے اب نہ بچیں گے نہ ہم نہ تم
مضمون رن میں آج کا ہے
(کرم خوردہ)
حق میں کے کلمہ کا ہے

بولا یہ شمر جائے کوئی پیک ہوشیار
لائے خبر شتاب کہ ہے سخت اضطراب
کس شان کا سوار ہے کیسا ہے راہوار
(۱۵) دریا کا رخ ہے یا طرف دشتِ کارزار
تیور کا حال کیا ہے اور ابرو و چشم کا
لطف و کرم کا طور ہے یا قہر و خشم کا

یہ سن کے ایک پیک چلا واں سے جلد تر
یوں آیا سوئے خیمۂ سلطانِ بحر و بر
جیسے ہوا کے جھونکے کا گلزار میں گذر
(۱۶) یاں سے پھرا تو فوج کو دی جا کے یہ خبر
چھوٹے بڑے کھڑے ہوئے ڈیوڑھی پہ روتے ہیں
عباسؑ سے حسینؑ بغلگیر ہوتے ہیں

عباسؑ عرض کرتے ہیں اے قبلۂ امام
اب اذن دو کہ فوج حسینی ہوئی تمام
پامال گھوڑوں سے ہوا قاسمؑ سا لالہ فام
(۱۷) مولا خطا معاف نہ مانے گا یہ غلام
کہتے ہیں شاہ سر جو میرا کاٹا جائے گا
عباسؑ بھائی لاش میری کون اٹھائے گا

لہ نسخہ دیگر - طرنہ

وارث جو کوئی گھر میں نہ پائیں گے اشقیا لوٹیں گے اور آگ لگائیں گے اشقیا
اس ظلم پر بھی باز نہ آئیں گے اشقیا (۱۸) زینبؑ کو شہر شہر پھرائیں گے اشقیا
بھائی تمہیں یہ صدمۂ زینبؑ قبول ہے
عباسؑ عرض کرتے ہیں اب سب قبول ہے

جبرئیل قتل ہونے کا محضر جو لائے تھے مضموں تمہیں بھی اس کے نبیؐ نے سنائے تھے
سنتا ہوں اپنے قتل پہ تم مسکرائے تھے (۱۹) پر اک جگہ حضورؑ کو پیہم غش آئے تھے
وہ کیا نوشتِ خامۂ پروردگار تھی
بے پردگیٔ زینبؑ عالی وقار تھی

فرماتے ہیں حسینؑ کہ ہاں بھائی جان ہاں زینبؑ کی بے ردائی کا محضر میں ہے بیاں
عباسؑ رو کے کہتے ہیں اے شاہ دو جہاں (۲۰) تقدیر میں تو قید ہے پھر مخلصی کہاں
آقا کا اس میں زور نہ قابو غلام کا
کنبہ اسیر ہووے گا خیر الانام کا

ناگہہ صدا یہ آئی کہ عباسؑ العطش اے فخرِ خضر حرمت الیاس العطش
اب زندگی سے پیاسوں کو ہے یاس العطش (۲۱) جز اشک آب و دانہ نہیں پاس العطش
تھوڑا ہے تین روز سے بچوں کو کل پڑی[1]
پر اب زباں سکینہؑ کی باہر نکل پڑی

عباسؑ خیمے میں گئے با دیدۂ پُر آب سوکھی سی مشک لے کے برآمد ہوئے شتاب
روشن کیا ہے پاؤں سے اب دیدۂ رکاب (۲۲) اور زین کو نشست سے دی تاب آفتاب
حیراں تھی عقل زین مزیّن کے نور پر
کہتے تھے سب یہ ہو کہ موسیٰ ہیں طور پر

بولا عمر یہ جنگ کے ساماں نرالے ہیں سنتا ہوں گرد حور و ملک[2] کے رسالے ہیں
کی عرض اس نے زین کے گوشے سنبھالے ہیں (۲۳) حوران خلد غرفوں سے گردن نکالے ہیں
آتا ہے خوش خرام عناں چومتا ہوا
جس طرح شیر مست چلے جھومتا ہوا

---

[1] ۔ تھوڑے ہے تین دن بھی جو بچوں کو کل پڑی۔ [2] ۔ جن و ملک

رَو میں سمند اور جلو میں رواں ظفر   انگشتِ تیغ فتح بتاتی ہے سب کے سر
نیزے کی ہے بلند صدا حکم ہو اگر (۲۴) چھانوں زرہ کی شکل میں افلاک کی سپر
توسن کا ہے یہ نعرہ اگر جست میں کروں
پامال سب کے سر کو سرِ دست میں کروں

غازی کا دبدبہ ہے کہ قدرت خدا کی ہے   ذرّوں میں عکس رخ سے تجلّی ضیا کی ہے
اب آسمانِ نور زمیں کربلا کی ہے (۲۵) آواز فرش و عرش پہ صَلِّ علیٰ کی ہے
شعلہ ہر ایک سنگ سے ہے نور کا بلند
اور کوہ سے ہے شورِ اَنَا الطّور کا بلند

دہشت سے آسماں نے سینہ چرایا ہے   خورشید نے رخ اپنا زمیں میں چھپایا ہے[۱]
تاروں نے گھٹ کے ذروں میں منہ کو ملایا ہے (۲۶) بدلی ہے پانی پانی یہ خوف اس پہ چھایا ہے
گل آسماں پہ شمس و قمر کا چراغ ہے
وہ آبلہ ہے یہ دلِ گردوں کا داغ ہے

نہر فرات دشمن موج سراب ہے   دریا دلوں کا زہرا مگر آب آب ہے[۲]
بھر بھر کے مثل موج وہی پیچ و تاب ہے (۲۷) مردم کا آب آنکھوں میں مثل حباب ہے
کھٹکا ہے دل کو، کشتیٔ ہستی کی فوت کا
غل ہے کہ گھاٹ آج اترتا ہے موت کا

اس شان سے جناب شجاعت مآب آئے   روشن ہوئی زمیں خلفِ بوتراب آئے
پریوں میں غل ہوا کہ سلیماں جناب آئے (۲۸) خورشید بارگاہِ ثریّا رکاب آئے
جرأت پناہ ہے یہ شجاعت پناہ ہیں
حسن و وفا پہ مشک و علم بھی گواہ ہیں

ناگہ پکاری شرح کہ حسنِ بیاں دکھاؤ   سیفِ خدا ہو جوہرِ سیفِ زباں دکھاؤ
پہلے علم کی طرح نسب کا نشاں دکھاؤ (۲۹) پھر شیرِ ذوالجلال کی تاب و تواں دکھاؤ
تم پر ہر ایک دم ہے شجاعت کا خاتمہ
پہلے کرو لعینوں پر حجت کا خاتمہ

---

۱ ۔ نسخہ ندارد ۔   ۲ ۔ نسخہ ندارد

پڑھنے لگا رجز یہ علمدار نیکنام　　اے قوم میں سکینہؑ کے بابا کا ہوں غلام

(۳۰) آیا میرے پدر کے لئے آیۂ حُسام　　سب سورتوں سے پایا ہے اعزاز و احترام

کوثر پہ اپنا قبضہ ہے تسنیم پر بھی ہے

واں راہِ حق بھی ہے تن و جاں بھی ہو سر بھی ہے

عباسؑ میرا نام ہے سیفِ خدا ہوں میں　　سیفِ خدا ہوں قبضۂ تیغِ وفا ہوں میں

(۳۱) امت کے واسطے سپرِ ہر بلا ہوں میں　　طوفانِ حشر کے لئے اک ناخدا[۱] ہوں میں

جس دبدبے نے خلق کو بے موت مارا ہے

ہم بندۂ خدا ہیں وہ بندہ ہمارا ہے

آگاہ سارے حرب ہیں بابا کے حرب سے　　واقف ہیں جبرئیل کے پر ان کے ضرب سے[۲]

(۳۲) عنتر کو خوں میں تر کیا اس رنج و کرب سے　　جو آئی واہ واہ کی صدا شرق و غرب سے

پھینکا کئے قدم سرِ مرحب کو کاٹ کر

خندق کو پل کیا درِ خیبر سے پاٹ کر

مشہور ہیں یہ زورِ جنابِ امیرؑ کے　　دو حصے مہد میں کیا اژدر کو چیر کے[۳]

(۳۳) باندھی انگوٹھی سیف سے دیوِ شریر کے　　جن بھی ہیں زیرِ دست شہِ قلعہ گیر کے

تیغ ان کی ساحروں کی سحر کو مٹا گئی

طاؤس بن کے اژدرِ طغیاں کو کھا گئی

ہاں اس کو یاد رکھ کہ اسی کا پسر ہوں میں　　قدرت کی چشمِ پاک کا نورِ نظر ہوں میں[۴]

(۳۴) مشکل کشائے خلق کا لختِ جگر ہوں میں　　شاہد قضا ہے اور قضا و قدر ہوں میں

چاہوں تو تم کو غرق کروں نہر چھین کے

مثلِ ورق ابھی طبق الٹوں زمین سے

رن میں تو مرتضیٰ میں دمِ ذوالفقار ہوں　　اور جانماز پر علیؑ روزہ دار ہوں[۵]

(۳۵) نیزے کے فن میں حمزۂ عالی وقار ہوں　　ناوک زنی میں ہاشم جرأت شعار ہوں

کھولوں گا بابِ فتح رخِ کائنات پر

باندھوں گا پل تمہارے سروں کا فرات پر

---

[۱] نسخہ۔ خاکِ شفا، [۲] [۳] [۴] [۵] نسخہ ندارد

یہ کہکے دیں فروشوں سے سودائے سر کیا — خالی سخن میں کیسۂ نقدِ ظفر کیا
جولاں سمند کو سوئے فوجِ عمر کیا (۳۶) ہر کوہ سر کی روح کو توسن نے سر کیا
لشکر پہ برق گرنے لگی کوند کوند کر
مرکب گیا فلک پہ صفیں روند روند کر

ناگہہ اٹھا نقاب رخ شاہد اجل — پیدا ہوئی نیام سے تلوار بر محل
پھل دیکھتے ہی ہو گئی کم زور پر دغل (۳۷) سرکش پکارے زلفِ اجل نے دکھایا بل
یکسر سرِ پیادہ و اسوار کھنچے گئے
سرداروں کو یہ تیغ سرِ دار کھنچے گئے

ہر نخل قد کے واسطے بادِ خزاں بنی — دیکھی زرہ کی اوس جہاں دھوپ واں بنی[1]
موجِ فنا کبھی، کبھی سیلِ رواں بنی (۳۸) کھانے کو جان دشمنوں کی مہماں بنی
زندوں کے جسم خاک کے پیوند کر دیئے
اک تیغ نے ہزاروں کے دم بند کر دیئے

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — پڑتے ہی چوب گونج گیا دشت دور تک
تیغیں بلند ہو کے دکھانے لگیں چمک (۳۹) قرنا کا شور سنتے ہی تھرا گیا فلک
غل تھا دلیرو جان لڑانے کا وقت ہے
حق سپہ گری کے دکھانے کا وقت ہے

ہاں رستمانِ شام، دم نام و ننگ ہے — اس مرد میں بھرا شہ مرداں کا رنگ ہے[2]
ہاں بزدلانِ کوفہ بڑھو کیا درنگ ہے (۴۰) دیکھو جوانِ پنجتنی محوِ جنگ ہے
بھر کر لہو میں شہ کا نشاں نام لیجیو
نام آوری ہو جسے وہی کام کیجیو

دونے ہاتھ اس ندا سے بڑھے دل جوانوں کے — استادہ تن پہ بال ہوئے پہلوانوں کے
لچکی جو ڈانڈ پھل وہیں چمکے سنانوں کے (۴۱) چلّائے مل کے کان سے چلّے کمانوں کے
پھر کہکے یا علی[3] جو علمدار[4] آ پڑا
اک شیر تھا کہ گلۂ روبہ میں جا پڑا

---

[1] نسخہ ندارد، [2] نسخہ ندارد

شمشیر جانستاں تھی کہ قہرِ خدا تھی وہ — شعلہ، شرارہ، برقِ قیامت بلا تھی وہ
یہ کچھ نہیں پھر اب کوئی بتلائے کیا تھی وہ — (۴۲) ہستی کی موت کیسی قضا کی قضا تھی وہ
آگے رکھا جو پاؤں کسی فتنہ خیز نے
جرمانے میں سر ان کا لیا تیغ تیز نے

تیزے جو پست حوصلوں نے واں کئے بلند — غازی نے نیشکر کی طرح کاٹا بند بند[۱]
شہباز سے دوچند تھا پرواز میں سمند — (۴۳) تھے بال اس کے مرغِ ہوا کے لئے کمند
شیرانہ جب وہ سوئے گروہِ عمر گیا
غش کھا گیا گروہِ عمر بلکہ مر گیا

یہ تیغ بے دریغ جو بالائے سر گئی — دو حصّے کر کے ناخنِ پا سے گذر گئی
سیماب وار حلق میں جس دم اتر گئی — (۴۴) الماس کا وہ کام اترتے ہی کر گئی
ہو کر بلند جب سوئے کفّار پھر پڑی
غل پڑ گیا کہ کوند کے بجلی وہ گر پڑی

تھا شور یہ گری وہ اٹھی چرخ پر گئی — یہ خود پر چڑھی وہ کمر سے اتر گئی
یہ آئی کوند کر وہ چمک کر ادھر گئی — (۴۵) آئی تو پاؤں کاٹتی بالائے سر گئی
یہ تیغ جس سے مل کے چلی غش ہوا مُوا
ضرب المثل یہ سچ ہے کہ جس کو چھوا مُوا

توسن کے گرد حوصلہ صرصر کا ہو گیا — برہم رسالہ ہستیِ لشکر کا ہو گیا[۲]
دربار وہاں جو تیغِ دلاور کا ہو گیا — (۴۶) طوفاں نمودِ نوحِ پیمبرؑ کا ہو گیا
بالائے خاک وہ فرس آب برد تھا
زیرِ زمیں چھپا تو وہ سب گاؤ خورد تھا

یوں رخش و تیغ نے جو لعینوں کو دی شکست — اک پہلوان پرے سے بڑھا مثلِ فیل مست
ہمراہ کفر و بیر و شیطاں جفا پرست — (۴۷) کاندھے پہ ڈھال بر میں زرہ اور سناں بدست
زنجیر سے کمر کو تھا محکم کسے ہوئے
حلقے میں تھا پہاڑ کو اژدر لئے ہوئے

---

[۱] نسخہ ندارد، [۲] نسخہ ندارد

بدعت کا وہ خلیفہ ضلالت کا وہ امام ... اس مرتبے پہ حاکمِ بے پیر کا غلام
آنکھیں تھیں یا یزید[لہ] کی بادہ کشی کا جام (۴۸) شکلِ سیاہ وادیٔ پر بھوت کی تھی شام
تھا خودِ بے شکوہ سرِ بے شکوہ پر
یا آشیانہ چغد نے باندھا تھا کوہ پر

قہر و غضب سے چیں بجبیں اور لب گراں ... اک دوش پر گرز اور دوش پر کماں
تلوار ایک ہاتھ میں ایک ہاتھ میں عناں (۴۹) کبر و غرور چہرۂ بے نور سے عیاں
توسن پہ تھا وہ گرمِ فساد و جہاد پر
جیسے چڑھے بخار کسی دیوزاد پر

ابرو میں بل نگہ میں کجی قلب میں غبار ... آیا حضورِ حضرتِ عباسِ نامدار
شیرانہ نعرہ کر کے پکارا کہ ہوشیار (۵۰) گلگوں کروں گا خون سے میدانِ کارزار
جو دل میں آرزو تھی وہ اظہار کیجئے
تلوار جلد کھینچئے ہاں وار کیجئے

اس طور سے تھی صرف زد و کشتِ تیغِ تیز ... جیسے نہ تھی رباعی و قالب کو کچھ گریز
علت سے خوف و بیم کے مقتل بھی فتنہ خیز (۵۱) جازم تھی فعلِ شر کے حسام شرارہ ریز
تخفیف پر جو فوج ستمگر کے آگئی
مانندِ جزم سیکڑوں کے سر کو کھاگئی

عباسؑ بولے اتنا نہ گھبرا تو اے لعیں ... ہم نقدِ شیرِ حق ہیں یہ اپنا چلن نہیں
بے زخم کھائے شیرِ خدا لڑتے ہیں کہیں (۵۲) یہ سن کے آگ ہوگیا بس وہ عدوئے دیں
تیغ و تبر کو جلوہ دیا نابکار نے
غازی کے سر پہ وار کیا نابکار نے

پڑتی جو کوہِ قاف پہ وہ تیغِ دل شگاف ... تو بے خلاف کانپتی وہ ناف کوہِ قاف
خالی دیا حضور نے پر اس کا وار صاف (۵۳) خفت ہی ہاتھ آئی لعیں کو دمِ مصاف
غازی کی تیغ تیغ پہ چل کر جو پڑ گئی
قبضے سے اس کے چھوٹ کے مقتل میں گر گئی

لہ نسخہ ندارد

شرمندہ ہو کے اس نے لیا گرز گاؤسر جھپٹا بسوئے بازوئے سلطانِ بحر و بر[1]
ے کے یہاں سے شیر کی شمشیر شعلہ ور (۵۴) دو ہو کے گرز نصف اِدھر نصف تھا اُدھر
نے گرز اور نہ گرز کا دستہ نظر پڑا
دیکھا ہر آئینہ تو شکستہ نظر پڑا

جھنجھلا کے اس نے نیزۂ سرکش پہ علم کیا سیف خدا نے سیف سے وہ بھی قلم کیا[2]
کیا دم تھا تیغ کا کہ قیامت کا دم کیا (۵۵) کسوئے فلک جو سر کو بلند ایک دم کیا
رخ طائران صدرہ کا دہشت سے مڑ گیا
سیمرغ زور چھوڑ کے نیزے سے اڑ گیا

بازوئے شہ نے گرز لیا پھر بہ خروشاں کافر کے خودِ سر پہ لگایا جو ناگہاں[3]
آرد کی طرح پس گئی سب سر کے استخواں (۵۶) خشخاش جیسے قبۂ خشخاش سے عیاں
آرد جو استخوان سر نحس بن گئی
چھلنی زرہ کے پاس تھی صاف اس میں چھن گئی

پھر نامور نے نام شہ لافتا لیا پنجے میں نیزۂ اسد کبریا لیا
سینے میں یوں لگایا کہ دل نے مزا لیا (۵۷) ظالم کو صدر زیں سے انی پر اٹھا لیا
پھینکا تو سیدھا تحت الثریٰ کو روانہ تھا
قاروں کی پائتی تھی اور اس کا سرہانہ تھا

آواز دی حسینؑ نے عباسؑ مرحبا اللہ رے ہنر ترے نیزے کا واہ وا
واں گوش حق نیوش میں پہونچی جو یہ صدا (۵۸) مڑ کر کہا کہ سب یہ تصدق ہے آپکا
شہ بولے حال کیا ترا اے حق شناس ہے
سوکھی زباں لبوں پہ پھرائی کہ پیاس ہے

بے سر ہوئے جو سیکڑوں اعدائے بدشعار کانٹوں سے صاف ہو گیا میدان کارزار
دریا کی سمت رخ کیا غازی نے ایکبار (۵۹) مثل نگاہ جا پڑا ساحل پہ راہوار
حیراں تھے لعیں کہ کدھر سے کدھر گیا
وہ مثل ماہ آب رواں میں اتر گیا

---

[1]، [2]، [3] نسخہ ندارد

درِ نجف جو نہر میں آیا بصد بکا — پانی کا تختہ سطحِ انوار ہو گیا
ماہی سے تا بماہ ہوا شور برملا (۶۰) — دریا دلی پہ حضرت عباسؑ کی فدا
شرمندہ خشک ہونٹوں سے ہونے لگے حباب
دریا میں پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے حباب

مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بزیب جاہ — اور باگ چھوڑ کے سوئے رہوار کی نگاہ
راغب ہوا نہ پانی پہ وہ اسپ خیر خواہ (۶۱) — پھر ہاتھ پاؤں مار کے چھینٹیں اڑائیں آہ
دریا میں باد پا نے جو تازہ ہنر کیا
سقائے اہل بیت کے کپڑوں کو تر کیا

چمکار کر سمند کو عباسؑ نے کہا — کپڑے تو میرے تر کئے خود پیاسا رہ گیا
بولا وہ بے زباں کہ قلق ہیں ہزار ہا (۶۲) — اک غم یہ ہے کہ دشت میں پیاسوں کا خوں بہا
چلو میں لے کے تم نے جو پانی گرا دیا
اس امر نے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا

چھینٹیں اڑا کے تر جو کیا آپ کا لباس — مشکیزہ کی طرف سے ہے خادم کے دل میں یاس
تیروں کو جوڑے چلوں میں ظالم ہیں آس پاس (۶۳) — پوری کرے جناب الٰہی یہ میری آس
مانگا تھا پانی ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
شہزادی کو پلائیو کپڑے نچوڑ کر

نکلا غرض فرات سے ساقی نامدار — بھاگے ہوئے پھر آئے لعینان نابکار
چلاتی تھی صفوں میں منادی یہ بار بار (۶۴) — مشکیزہ لے چلا ہے علمدار مار مار
جانیں لڑا لڑا کے سر اس کا اتار لو
مشکیزہ چھین لو اُسے نیزوں سے مار لو

یہ سن کے گرد ہو گیا سب لشکرِ عمرؔ — چاروں طرف سے پڑنے لگے تیر اور تبر
حضرت کھڑے تھے یاں درِ خیمہ پہ ننگے سر (۶۵) — ہاتھوں سے تھامتے تھے کبھی دل کبھی جگر
فرماتے تھے کہاں میرے بھائی نے دیر کی
آتی نہیں دماغ میں بو میرے شیر کی

کہتی تھی یوں محبت عباس نامدار کیوں بھائی کو رضا دی جو ایسے ہو بے قرار
گھوڑے پہ ہائے کیوں انہیں بھجنے دیا سوار (۶۶) راضی نہ ہوتے تم نہ جاتے وہ زینہار
اس وقت دل پہ صبر کی سل رکھ کے ہٹ گئے
کیوں دوڑ کر نہ بھائی سے اپنے لپٹ گئے

بھائی کی جان تم نے گنوادی یہ کیا کیا گردن دم وداع جھکا دی یہ کیا کیا
اک بیوہ کی کمائی لٹادی یہ کیا کیا (۶۷) شاہ نجف کی شمع بجھا دی یہ کیا کیا
راضی قضا پہ ہوگئے جو اس نے رو دیا
بھائی کو تم نے پیار میں بھائی کے کھو دیا

کہنے میں پیارے بھائی کے تم آگئے حسینؑ عاشق کے پاؤں پڑنے سے شرما گئے حسینؑ
کیا بجھے تم وہ کیا تمہیں سمجھے گئے حسینؑ (۶۸) غش ہونے سے سکینہؑ کے گھبرا گئے حسینؑ
اب سوچ ہے کہ کیا ہمیں قسمت دکھائے گی
اس دم نہ سوچا آنکھوں کی بینائی جائے گی

تم روکتے وہ مرنے کو جاتے یہ کیا مجال دیتے قسم تم اور نہ آتے وہ کیا مجال
تم روٹھتے وہ اور مناتے یہ کیا مجال (۶۹) رتبہ امام دیں کا بھلاتے یہ کیا مجال
سچ ہے تو یہ تباہ مروت میں ہو گئے
بن بھائی کے بھی شیعوں کی الفت میں ہو گئے

زینبؑ نے پوچھا خیر تو ہے اے شہ انام ہوتے ہیں ٹکڑے دل کے یہ کیا کہتے ہیں امام
آئے گا یا نہ آئے گا سقائے تشنہ کام (۷۰) رو کر حسینؑ بولے کہ ہے پاس کا مقام
بس آچکے بسائیں گے اب وہ ترائی کو
بھائی ہمیں نہ روئے ہمیں روئیں بھائی کو

عباسؑ کا بڑا تھا سہارا حسینؑ کو جز موت اب نہیں کوئی چارا حسینؑ کو
بتلاؤ کچھ علاج خدارا حسینؑ کو (۷۱) زینبؑ کر کے درد نے مارا حسینؑ کو
گلشن حواس و ہوش کا تاراج ہو گیا
بھائی حسنؑ کا داغ نیا آج ہو گیا

(۷۱)
تھرا گئی یہ سن کے سکینہ[۱] بحال یاس   بولی میں پاؤں پڑتی ہوں یا شاہ حق شناس
کہدو مرے چچا سے بھتیجی ہے بے حواس   پانی سے گذری خیر سے تم آؤ میرے پاس
ناحق مرے چچا سے ہیں، ساماں لڑائی کے
صدقے ہوئی یہ روکنے والے ترائی کے

(۷۲)
لوگو! ابھی نہ پانی منگایا پھر ان کو کیا   سقہ چچا کو میں نے بنایا پھر ان کو کیا
عمو مرا فرات سے لایا پھر ان کو کیا   دادی کا نہر پوتے نے پایا پھر ان کو کیا
سقہ وہاں کھڑا ہے یہاں پیاسے روتے ہیں
مالک ہیں ہم فرات کے وہ کون ہوتے ہیں

(۷۳)
گھبرا کے پھر نجف کی طرف اپنا رخ کیا   لے کر بلائیں دور سے روضے کی دی صدا
دادا تمہاری روح مقدس کی میں فدا   آؤ مدد کو ان میں کھڑے ہیں مرے چچا
فاقے میں تین دن کی نیا رنج کھاتی ہوں
دادی کے مہر کا نہیں پانی بھی پاتی ہوں

(۷۴)
سلماں کو تم نے شیر نیستاں سے دی نجات   طوفاں میں بخشا نوح کو سرمایۂ حیات[۱]
مغرب سے آفتاب کو پھیرا پئے صلوٰۃ   سب کے لئے حضور ہیں حلال مشکلات
واجب میری مدد ہے کہ حضرت کی پوتی ہوں
اس فاقے میں خجل بچی اماں سے ہوتی ہوں

(۷۵)
جس دم سنی یہ زاری بنت شہ ہدیٰ   بے ساختہ لرز گئی ناموس مصطفیٰ[۲]
گھبرا کے شہ نے اکبر[۳] غازی سے یہ کہا   دیکھو تو بڑھ کے نہر پہ اب کیا ہے ماجرا
افواج نابکار کا کیا رنگ ڈھنگ ہے
ریتی میں ہے وغا کہ ترائی میں جنگ ہے

(۷۶)
اکبر[۳] ہوئے رواں سوئے مقتل پیادہ پا   دیکھا کھڑا ہے نرغے میں فرزند مرتضیٰ[۴]
ہیں گرد شیر کے کھڑے روبہ ہزارہا   چھائی ہے چاند پر اسداللہ کی گھٹا
آفت کا سامنا ہے غضب کی لڑائی ہے
غل ہے کہ اب حسینؑ کے گھر کی صفائی ہے

(۷۷)

۱ے، ۲ے، ۳ے نسخہ ندارد

تنہا کو چار سمت سے گھیرے ہیں اہل شر   مانند شیر لڑتے ہیں عباسؑ نامورؑ
ناگہہ بقصد ظلم بڑھا ایک بد سیر (۷۸)   اک وار تیغ کا کیا بس دست راست پر
بازوئے پاک کٹ کے بروئے زمیں گرا
پوچھو جو راست بازوئے سلطان دیں گرا

غازی نے دست چپ میں لیا شاہ کا علم   اس پر بھی باز آئے نہ وہ بانیٔ ستم
ہیہات دست چپ بھی ہوا تیغ سے قلم (۷۹)   تھرا کے گر پڑا علمِ سیّدِ اممؑ
بازوئے چپ قلم جو کیا بے شعور نے
دانتوں میں تسمۂ مشک کا تھاما حضورؑ نے

فرمایا راہوار سے ہاں اسپ خیر خواہ   بن ہاتھوں کے سوار کو لے چل حضور شاہؑ
اس بے زباں نے عرض یہ کی اے فلک پناہ (۸۰)   جاتا غلام اڑ کے ابھی سوئے خیمہ گاہ
بنتا نہیں ہے کچھ بھی جو قسمت بگڑتی ہے
یاں کی زمین میرے سُموں کو پکڑتی ہے

اتنے میں تیر مشکِ سکینہؑ پہ آ لگا   پانی تمام پیاسوں کی قسمت کا بہہ گیا
سقائے اہل بیت نے اس وقت رو دیا (۸۱)   منہ سوئے خیمۂ شہِ دیں کر کے یہ کہا
چاہا تھا سب کا حق محبت ادا کروں
پانی نہیں نصیب میں پیاسوں کے کیا کروں

آواز دی زہے مرے عباس نوجواں   آیا کہیں سے نوفل بے رحم ناگہاں
اور فرق پر یہ گرز لگایا کہ الاماں (۸۲)   سر پیٹ کر مزار میں حیدرؑ نے کی فغاں
سر ہو گیا شگافتہ تھرا کے گر پڑے
چہرہ سفید ہو گیا غش کھا کے گر پڑے

چلائے گر کے یاشہِ دیں قبلۂ انام   آؤ شتاب آؤ تصدق ہوا غلام
اکبرؑ کے ہوش اڑ گئے سنتے ہی یہ کلام (۸۳)   بڑھ کر کہا حسینؑ سے افسوس یا امام
شیر خدا جہان سے اس دم گذر گئے
لشکر ہوا تمام علمدار مر گئے

---

۱ تا ۶ بند، نسخہ دیگر میں نہیں ہیں۔

جب صدرِ زیں سے رن میں علمدار گر پڑے　　غل تھا کہ بازوئے شہؑ ابرار گر پڑے[۱]
بے بے نشان حیدرؑ کرار گر پڑے　　(۸۴) خورشید برج احمدؐ مختار گر پڑے
قاتل کوئی نہ سر کو بدن سے اتار لے
کوئی نجف سے شیرِ خدا کو پکار لے

اتنے میں غل اٹھا کہ دہل فتح کے بجاؤ　　نوفل کے واسطے زرِ خلعت شتاب لاؤ
بولی سکینہؑ بابا یہ کیا شور ہے بتاؤ　　(۸۵) ناگہہ صدا یہ آئی کہ بھائی حسینؑ آؤ
ظالم نیا ستم مرے لاشے پہ کرتے ہیں
اعضا بدن کے کاٹ کے نیزے پہ دھرتے ہیں

تشریف دیر میں جو خداوند لائیں گے　　خادم کی لاش کا بھی پتا یاں نہ پائیں گے
محرومیِ جمال کا داغ ہم اٹھائیں گے　　(۸۶) پر کس قدر سکینہؑ سے شرمندہ جائیں گے
کہہ دیجیو خلاف مروّت کیا نہیں
دریا سے پوچھ لیجیو پانی پیا نہیں

سنتے ہی یہ لرز گیا شبیرؑ کا جگر　　بے ساختہ پکارے کہ ٹوٹی میری کمر
زینبؑ یہ پیٹی ہائے علمدار نامور　　(۸۷) شہ بولے بس تمام ہوا اب علیؑ کا گھر
عباسؑ جاں بلب ہیں مگر میں گذر گیا
بھینا یہ کہکے پیٹو کہ شبیرؑ مر گیا

سر پیٹتے چلے سوئے دریا شہِ انام　　خاموش ہو دبیرؔ نہیں طاقتِ کلام
سرورؑ سے عرض کر یہی رو رو کے یا امام　　(۸۸) روشن تمہاری ذات پہ ہے حالِ دل تمام
للہ ہند سے مجھے آقا بلائیو
مولا مدد کو آئیو مدفن دکھائیو

تمام شد مرثیہ ہذا بخط بدسید ارجمند علی ولد سید گلزار علی..... بتاریخ ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۷۰ھ روز دوشنبہ امور اتمام و حلیہ اختتام در بر کشید.....؟

مرثیہ کشمیری کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ آخری ورق پر کچھ حساب ہے۔ اس پر غرہ رمضان سنہ ۱۲۹۰ھ مطابق نومبر سنہ ۱۸۷۳ء کی تاریخ بھی درج ہے۔

نسخہ دوم۔ انیسؔ و دبیرؔ کے پانچ مرثیوں کے ساتھ ہے۔ یہ مرثیے نور محمد عرف نور الحسن کو کب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سنہ ۱۲۸۰ھ کی تاریخ درج ہے۔

---

[۱] نسخہ دیگر میں نہیں ہے۔

مرثیہ ۱۱

جب رن میں ابن شیر خدا حملہ ور ہوا   باہر نیام سے سر تیغ دو سر ہوا
چلایا آفتاب وہ شق القمر ہوا (۱)   جو پیش تیغ آیا وہ زیر و زبر ہوا
مولا بڑھے جو تیغ دو پیکر کو تول کر
روح الامیں سپر ہوئے شہپر کو کھول کر

جب ذوالفقار رن میں علم کی حسینؑ نے   دکھلائے دو ہلال شہِ مشرقین نے
لی داد حرب فاطمہؑ کے نور عین نے (۲)   کی مدح حرب فاتح بدر و حنین نے
یہ ہیبت جہاد شہ نیک خو ہوئی
جو ذوالفقار میان سے نکلی سو دو ہوئی

نصرت نے بوسۂ لب تیغ دو دم لئے   بجلی نے ذوالجناح کے جھک کر قدم لئے
اقبال آیا پشت پہ جاہ و حشم لئے (۳)   زینبؑ کی آہ آئی جلو میں علم لئے
نازاں تھا حق جلال شہِ مشرقین پر
قرباں تھی فتح تیغ پہ زہراؑ حسینؑ پر

برچھی جگر پہ لگ چکی تھی خشک تھا دہن   پر دل میں ہفت قلزم جرأت سے موجزن
عباسؑ سے بھی چھوٹ چکے تھے شہ زمن (۴)   بازو نہ تھا پہ قبضے میں تھا زور پنجتن
برہم صفیں عدو کی یمین و یسار تھیں
دس انگلیاں وہ آپ کی دس ذوالفقار تھیں

جولاں جو مرکب ہنر ایجاد ہو گیا   اڑ کر غبار یم سے پری زاد ہو گیا
رن گرد بن کے پہلے ہی برباد ہو گیا (۵)   سایہ تو صید اور وہ صیاد ہو گیا
وہ بال دوش پر تھے کہ قدرت کا جال تھا
گہہ حال میں عقاب تھا گاہے غزال تھا

حیرت کا نقشہ چہرۂ کفار بن گیا   رہوار پر سوار ہو دیوار بن گیا
تصویر کا سوار ہر اسوار بن گیا (۶)   دلال مرگ سب کا خریدار بن گیا
لڑتے نہ بھاگتے نہ ٹھہرنے بنی انہیں
جاں سے بدن سے سر سے گذرتے بنی انہیں

شمشیر تھی کہ ناخنِ مشکل کشا تھا وہ دستِ قضا تھا یا کہ اجل کا عصا تھا وہ
الیاسِ بحرِ فتح کو خضرِ فنا تھا وہ (۷) زخموں سے تنگ کونچوں سے خوب آشنا تھا وہ
بے یار کیوں خمیدہ سرِ ذوالفقار تھا
اعدا کے تن پہ سر تھے یہی اس پہ بار تھا

سایہ سے فرشِ تیغ سے رن میں بچھا دیا سب کو سلا دیا یہ اجل کو جلا دیا
جوہر نے دن کو خواب پریشاں دکھا دیا (۸) ہستی و نیستی کو گلے سے ملا دیا
امڈا جو آبِ تیغ تو باراں نظر پڑا
طوفاں میں کشتی کشتی میں طوفاں نظر پڑا

طوفانِ آبِ تیغ دو سر نے اٹھایا سر مثلِ حباب بیٹھ گئے صاف گھر کے گھر
دریا پہ شعلہ ور جو ہوئی تیغ شعلہ ور (۹) گرداب آشنا بنے حدت سے سوکھ کر
قیدِ بدن سے مچھلیوں کی جان حُر ہوئی
کشتی صدف کی تختۂ تابوتِ دُر ہوئی

زخموں سے تیغ گلِ صد برگ سر بنے ڈھالوں کے پھول کٹ کے گلِ نیلوفر بنے
کاٹے جو بر تو قدِ شجر بے ثمر بنے (۱۰) ثمرہ یہ پایا ہیمۂ نارِ سقر بنے
وہ تیغ تھی کہ قدرتِ پروردگار ہے
گلچیں بھی باغباں بھی چمن بے بہار ہے

دیکھے جو ذوالفقار ید اللہ کے ہنر نرگس نے تیر تیر نے صدقے اتارے پر
قبضے نے تیغ تیغ نے آب آب نے اثر (۱۱) جوشن نے جسم گرز نے سر نیزے نے کمر
جوہر غضب تھا تیغ شہ نامدار کا
لوہا سلاح ہی مان گیا ذوالفقار کا

جسم و دہن سے مثلِ نگاہ و زباں گئی شکلِ نیام قلب کے یہ درمیاں گئی
آئی یہاں وہاں سے یہاں سے وہاں گئی (۱۲) اور یہ نہ کچھ کھلا کہ کدھر آئی کہاں گئی
کوئی نہ ذکرِ عیش میں نہ فکرِ موت میں
انگلی کی طرح سب کی زباں بھی سکوت میں

گہہ بھاگنے کا مشورہ گمراہ کرتے تھے　　دریا میں ڈوبنے کی کبھی چاہ کرتے تھے
پیشِ حسینؑ آکے کبھی واہ کرتے تھے (۱۳) گہہ دیکھتے تھے تیغ کو اور آہ کرتے تھے
کہتے تھے کچھ تو کرتے تھے کچھ اضطراب میں
جس طرح کوئی بھولے سخن کہکے خواب میں

بھاگی سپاہِ شمر یسار و یمین سے　　بوجہل جیسے حمزہؑ سے اور کفر دین سے
پیدل پیروں سے اڑ گئے اسوار زین سے (۱۴) جلاد چرخ چرخ سے قاروں زمین سے
حیران تیغ پہ فلک و شش جہات تھے
دو سر بھی دو زبانیں دو پیکر دو بات تھے

آخر اٹھایہ شور کہ مولا پناہ دے　　پشت و پناہِ آدمؑ و حواؑ پناہ دے
اپنے پدر کی گور کا صدقہ پناہ دے (۱۵) بہر نبیؐ و فاطمہ زہراؑ پناہ دے
اکبرؑ کا صدقہ نانا کی امت کو جان دو
عباسؑ نامدار کا صدقہ اتار دو

مارا ہے ہم نے آپ کا اک نوجواں پسر　　حضرت کے نوجوانوں کا ٹکڑے کیا جگر
اصغرؑ کا خوں بہا لو در و لعل و سیم و زر (۱۶) شش ماہہ تین روز کا پیاسا نہیں ادھر
دل سے غبار مرگ برادر نکالیے
سقے ہماری فوج کے سب مار ڈالیے

شہ رو کے بولے توبہ کرو توبہ کیا کہا　　کیسا قصاص کیسی دیت کیسا خوں بہا
انصاف اب زمانے میں باقی نہیں رہا (۱۷) روز جزا کھلے گا کہ یہ کس کا خوں بہا
کیا عقل ہے نہ فرق بد و نیک سمجھو تم
فوج یزید و فوج خدا ایک سمجھو تم

یاقوت دو اور اصغرؑ ناداں کا خوں بہا　　ماموں کے سامنے تو یہ کہکر کہو ذرا
پوچھو تو اہل دل سے بہا کس کا ہے سوا (۱۸) اصغرؑ کے آنسوؤں پہ وہ موتی کریں فدا
ہوں لعل و زر برابر اصغرؑ محال ہے
وہ سنگ ہے وہ پانی یہ بانوؑ کا لال ہے

اکبرؑ سا ئم میں یوسفِ تاثیر کون ہے   دیکھو تو میرے نانا کی تصویر کون ہے
بھائی سا میرے صاحبِ شمشیر کون ہے (۱۹)   جوہر ہیں ذوالجلال کے شمشیر کون ہے
سقے تو یاں بہت ہیں پر ایسا نہیں کوئی
خیر النسا کے پوتے کا سقا نہیں کوئی

یہ کہہ کے ذوالفقارِ علیؑ کی نیام میں   اور جان ڈال دی بدن خاص و عام میں
کی سعی تشنہ کام نے امت کے کام میں (۲۰)   لب کھولے حمدِ خالقِ ذوالاحترام میں
قبلہ کو ہاتھ زخمی برابر اٹھا دیئے
آمین کہہ کے کان ملک نے لگا دیئے

سوکھی زباں سے بولے یہ مولا گہر فشاں   یارب خوشا وہ بندۂ مسکین و ناتواں
تو اپنی بارگاہ میں بخشے جسے اماں (۲۱)   وہ التجا کرے تو سنے ہو کے مہرباں
ذکرِ دعا مجھے بھی نہایت پسند ہے
پر کیا کروں کہ پیاس سے آواز بند ہے

قابلِ طوافِ عرش کے میری صدا نہیں   لائق بلند ہونے کی دستِ دعا نہیں
بندے بہت ہیں تجھ سے پہ تجھ سا خدا نہیں (۲۲)   تجھ سا سخی نہیں کوئی مجھ سا گدا نہیں
مسکین ہوں غریب ہوں تقصیر وار ہوں
العفو اے کریم بہت شرمسار ہوں

نازاں نہیں ہوں گھر جو فدا تجھ پہ کر دیا   تو ہی نے اقربا دیئے تو نے ہی گھر دیا
کیا فخر اس پہ سر تجھے تحفہ اگر دیا (۲۳)   تو ہی نے حوصلہ دیا تو نے ہی سر دیا
کچھ نذر میں نہیں تجھے دینے کو آیا ہوں
خط شیعوں کی نجات کا لینے کو آیا ہوں

ناگاہ شش جہت میں خروش و بکا ہوا   اک رقعہ آسمان سے آیا اڑا ہوا
دستِ دعائے شہ پہ وہ رونق فزا ہوا (۲۴)   اور نعرہ زن منادیِ عرشِ خدا ہوا
دیکھو تو سرنوشت شہ مشرقین کو
مصحف نبیؐ کو آیا صحیفہ حسینؑ کو

پڑھنے لگے وہ شقہ قدرت شہ امم ۔ دیکھا تو خطِ سبز سے مضمون ہے رقم
شبیرؑ اپنے عزّ و شرف کی ہمیں قسم (۲۵) زہراؑ سے بھی زیادہ تجھے چاہتے ہیں ہم
ہم فخر تیری ذات پہ کرتے ہیں اے حسینؑ
تجھ سے ہمارے کام سنورتے ہیں اے حسینؑ

کیا عجز و انکسار و تضرع ہے مرحبا ۔ آتی ہے فقرے فقرے پہ اللہ کو حیا
ہے تجھکو آرزو کہ سنے حق مری صدا (۲۶) پیچیدہ عرش میں تیری آواز ہے سدا
ہم تو ترے کلام کے مشتاق رہتے ہیں
جب تو سوال کرتا ہے لبیک کہتے ہیں

تو کبریا کا عاشق جانباز ہے حسینؑ ۔ تو انبیا کا وارث اعجاز ہے حسینؑ
سجدہ تری جبیں سے سرافراز ہے حسینؑ (۲۷) کعبہ ترے طواف سے ممتاز ہے حسینؑ
ایماں تیری جان تو زہراؑ کی جان ہے
قرباں تری زباں کے تو میری زبان ہے

معشوق تم نبیؐ کے ہو عاشق اللہ کے ۔ مالک ہو نیک و بد کے سفید و سیاہ کے
حاکم جو صبح و شام کے خورشید و ماہ کے (۲۸) منصف ہو دین و کفر و ثواب و گناہ کے
یہ رتبہ انبیائے سلف کو دیا نہیں
ایسا کسی کو پیار خدا نے کیا نہیں

وعدے کے ساتھ وعدہ برابر ہوا تیرا ۔ یعنی خطاب شافع محشر ہوا تیرا
بے دستخط وہ خون کا محضر ہوا تیرا (۲۹) اقرار نامہ داخلِ دفتر ہوا تیرا
مرقوم اپنا نام تھا تم نے فقط کیا
لو ہم نے سید الشہداؑ دستخط کیا

سب زیر عرش حشر کو ہوں گے برہنہ پا ۔ پر ہم کریں گے نور کا منبر تجھے عطا
اب فکر کر نہ ہدیہ کی اے فخر انبیا (۳۰) روز جزا بر آئیگا یہ دل کا مدعا
وہ نذر دے گا تو کہ نبیؐ سارے رووینگے
ستر دو تن کے سر تیرے ہمراہ ہووینگے

پڑھتے ہی یہ عبارت فرمان ذوالجلال — چہرہ ہوا علیؑ کے گہر کا خوشی سے لال
اور فوج موجزن ہوئی طوفان کی مثال (۳۱) — بولے صفوں سے بڑھ کے نقیبان بدخصال
ہاں شیرو اپنے جدّو پدر پر نظر کرو
اب زیر تیغ شیر خدا کا جگر کرو

جب رن میں گوشوارۂ عرش بریں گرا — یعنی ستارۂ فلک شرع دیں گرا
بے ہوش ہو کے سدرہ سے روح الامیں گرا (۳۲) — نعل تھا سوار دوش رسولؐ مبیں گرا
تسلیم کی اجل نے شہ کربلائی کو
ستر ہزار آئے ملک پیشوائی کو

یہ سن کے حملہ ور ہوئے کفار لاکھہاں — اک دل نبیؐ کا اور دل آزار لاکھہاں
اک گل علیؑ کے باغ کا اور خار لاکھہاں (۳۳) — اک یوسف بتول خریدار لاکھہاں
رن میں علیؑ کا اختر امید گر پڑا
خورشید مثل پرتو خورشید گر پڑا

اب یوں بیاں کرتا ہے راوی بحال زار — گرتے ہی زخم پھٹ گیا دل ہو گیا فگار
جلتی زمیں پہ لوٹتے تھے ہو کے بے قرار (۳۴) — اور یا علیؑ زبان سے جاری تھا بار بار
فوارے چھٹ رہے تھے تن چاک چاک سے
اک رخ بھرا تھا خون سے اور ایک خاک سے

بسمل تھا یوں زمین پہ وہ خاصہ اللہ — اور تیغ کھینچے مستعد ذبح تھی سپاہ
ہو جمع در پہ بی بیاں کہتی تھیں آہ آہ (۳۵) — پھرتے تھے ننھے بچے سراسیمہ و تباہ
بڑھ کر نگاہ کرتے تھے دشت قتال کو
اصغر کی تھی تلاش ہر اک خورد سال کو

عبداللہ حسن بھی کھڑا کرتا تھا نگاہ — ناگاہ اس نے دور سے دیکھا یہ ماجرا
پھر بلبلا کے ماں کو پکارا وہ رشک ماہ (۳۶) — اماں یہ کون لوٹ رہا ہے زمیں پہ آہ
میری بہن سکینہؑ کے بابا کدھر گئے
اصغر پھرے نہ رن سے بچے یا کہ مر گئے

لیٹا ہوا ہے دھوپ میں یہ کون خستہ تن　　کیا یہ مرے چچا کی طرح سے ہے بے وطن
ایوائے بے کسی نہ پسر ہے نہ یاں بہن　(۳۷)　مرجائے گا تو کون اسے دے جائیگا کفن
اماں خدا سے کیا یہ نہیں لوگ ڈرتے ہیں
کیوں خون بندگان الٰہی کا کرتے ہیں

ماں رو کے بولی کیا کہوں کیا پوچھتا ہے لال　　واری ترا چچا ہے تو ہے یہ لہو میں لال
ناطاقتی کا زور ہے قوت کا ہے زوال　(۳۸)　بھیجوں کسے مدد کو کہ ہو تم تو خورد سال
افسوس بھوک پیاس سے تم بے قرار ہو
کیوں کر کہوں کہ جا کے چچا کے نثار ہو

جھولے میں تھے یہ زور جناب امیرؑ کے　　تکیے کے نیچے رکھ دیا اژدر کو چیر کے
رستم ہوئے غلام شہ قلعہ گیر کے　(۳۹)　کیوں تم بھی پوتے ہو اسی شیر قدیر کے
بابا حسنؑ چچا تیرا شاہ شہید ہے
گر تم بھی ایسے کام کرو کیا بعید ہے

مردوں کو تیغ چاہیئے میدان چاہیئے　　شیروں کو برچھیوں کا نیستان چاہیئے
آقا کا فدویوں کو سدا دھیان چاہیئے　(۴۰)　ہر وقت سرخروئی کا سامان چاہیئے
دل جن کے ہیں حسینؑ کے جب ہے بھرے ہوئے
پھرتے ہیں ہاتھ پر وہ سر اپنا دھرے ہوئے

شیر خدا کے چھوٹے بڑے شیر ہوتے ہیں　　بچے بھی آبرو کے لئے جان کھوتے ہیں
ماموں کے شیر خوار تلک رن میں سوتے ہیں　(۴۱)　خاطر ہے جمع آپ بھی حیدر کے پوتے ہیں
واری ارادہ شرط ہے کار ثواب میں
حصہ دھرا ہوا ہے خدا کی جناب میں

آمین کہہ کے اس نے کہا لو نہ کھاؤ غم　　تم دودھ بخشو ہم سے بھی نانا کی لو قسم
اماں ابھی تو مرتے ہیں صدقے چچا پہ ہم　(۴۲)　مجھکو خبر نہ تھی کہ ہے مولا پہ یہ ستم
لو میرے یہ چچا ہیں شہ مشرقین ہیں
ہے ہے یہ میرے قبلہ و کعبہ حسینؑ ہیں

ملبوس آخری اُسے ماں نے پنہا دیا   فرزند نامراد کو دولہا بنا دیا
بخشا جو دودھ پیاس کا صدمہ بھلا دیا (۴۳)   سر تا قدم بلائیں لیں اور یہ سنا دیا

تیرے سبب سے کنبہ میں اب میں عزیز ہوں
آگے تو ماں تھی آج سے تیری کنیز ہوں

لو بادری اماں جاؤ سدھارو روانہ ہو   جاتے ہی رن میں تیر ستم کا نشانہ ہو
مقتل ہو خواب گاہ فلک شامیانہ ہو (۴۴)   اصغرؑ کی پائنتی ہو تمہارا سرہانہ ہو

کھیلے جو وہ بہشت میں تو اس کے ساتھ ہو
دامن ہو اس کے کرتے کا اور تیرا ہاتھ ہو

جھک جھک کے اہل بیتؑ کو اس نے کیا سلام   لیکر سلام دوڑ کے لپٹے حرم تمام
زینبؑ پکاری بھائی خدارا پسر کو تھام (۴۵)   اب ایک آسرا ہے فقط اور خدا کا نام

وہ بولے مجھکو آرزوئے زندگی نہیں
دنیا میں جو حسینؑ نہیں کوئی بھی نہیں

روکو نہ میرے شیر کو جانے دو جانے دو   اصغرؑ کا پہلو سونا پڑا ہے بسانے دو
پیاسے کو میرے دودھ کی طاقت دکھانے دو (۴۶)   فاقے میں میرے بچے کو تلوار کھانے دو

یہ تو ازل سے اپنے چچا کا فدائی ہے
لوگو حسنؑ کا لال ہے قاسمؑ کا بھائی ہے

ماں کا اشارہ پا کے حسنؑ کا وہ دلربا   مثل قرار سب کے جگر سے ہوا جدا
دل میں خدا خدا تو زباں پر چچا چچا (۴۷)   بچپن کے دو رفیق تھے اک پیاس اک قضا

مقتل میں رو کے کہتی تھی یہ روح فاطمہؑ
ہے ہے حسنؑ کے لال کا ہوتا ہے خاتمہ

اس شان سے رواں پسر مجتبےٰ ہوا   سر پر حسنؑ کا سبز عمامہ بندھا ہوا
اور بھائی کے قلق میں گریباں پھٹا ہوا (۴۸)   ایک ایک قدم پہ حسن دو عالم فدا ہوا

پرتو جو عارضوں کا پڑا دو جہان پر
اک چاند تھا زمین پر ایک آسمان پر

دشمن پکارے دیکھ کے چہرے کی آب و تاب   تو نکلا برج خیمہ سے ایک اور آفتاب
کس معدن شرف کا ہے یہ گوہر خوش آب (۴۹)   ہے صاف اس میں نورِ نبیؐ شان بوترابؑ
آئی ندا یہ برج حسنؑ کا ہلال ہے
بن باپ کا پسر زن بیوہ کا لال ہے

اس وقت گرد شاہ کھڑی ہو گئی سپاہ   پہنچا قریب اتنے میں برج حسنؑ کا ماہ
بے دین بولے ٹھہرو وہیں ہم نہ دینگے راہ (۵۰)   آواز دی یتیم نے یارو میرا گناہ
اس سن میں مجھکو اپنی شہادت خوش آئی ہے
سب سے چھڑا کے الفت شبیرؑ لائی ہے

دیکھیں گے ہم ضرور جمال شہ امم   واللہ حوصلہ ہے بہت گو کہ سن ہے کم
واقف ہیں میرے نام و نسب سے عرب عجم (۵۱)   جد میرا وہ ہے جس نے کہ اللہ کی قسم
بت سے خدا کو کفر سے دیں کو جدا کیا
باطل سے حق کو شک سے یقیں کو جدا کیا

مادر مری بہو ہے پیمبرؐ کی خوش سیر   زینبؑ پھپھی ہے خواہر سلطان بحر و بر
بابا وہ ہے کہ زہر ملا جس کو پیشتر (۵۲)   عمو وہ ہیں کہ پیاسے تڑپتے ہیں خاک پر
ادنیٰ غلام ان کا میں ہوں اور فدائی ہوں
پامال جس کی لاش ہوئی اس کا بھائی ہوں

دشمن پکارے نام و نسب سے سنا ہوا   پھر جاؤ گھر حسینؑ ہے غش میں پڑا ہوا
اب تم یقین جانو کہ بے سر پچا ہوا (۵۳)   عرصہ نہیں گلے سے ہے خنجر ملا ہوا
نوبت بجے تو آنسو بہانے کو آئیو
عابد کے ساتھ لاش اٹھانے کو آئیو

یہ بات سن کے اور بھی تڑپا دل و جگر   آخر نجف کو پھر کے پکارا وہ بے پدر
دادا یتیم پوتے کی مشکل کشائی کر (۵۴)   اک نعرہ شیر کا ہوا فوراً ادھر ادھر
آواز شیر سن کے وہ لشکر جو ہٹ گیا
یہ دوڑ کر چچا کے گلے سے لپٹ گیا

روکر پکارا ہائے چچا بے وطن چچا   زخمی چچا غریب چچا خستہ تن چچا
بولو تو کچھ زباں سے مرے کم سخن چچا(۵۵)   جلتی ہوئی زمیں پہ ہے فرش بدن چچا
افسوس ہے کب آئے ہیں پہلو میں آپ کے
جب پیاس سے زباں نہیں قابو میں آپ کے

کیوں کر یہ خون بند میں بے دست و پا کروں   ہے ہے چچا کی آنکھ نہیں کھلتی کیا کروں
اللہ ان کی موت کی کیا میں دوا کروں(۵۶)   آقا کو ہوش آئے تو سجدہ ادا کروں
اس دم ثواب روزہ کشائی لے کوئی
اک بوند پانی منہ میں چوانے کو دے کوئی

پھر زخم جو گنے گئے اس نے وہ گن لئے   اتنے ہی ٹکڑے اپنے عمامہ کے بھی کئے
اور ظالموں کو واسطے اللہ کے دیئے(۵۷)   یعنی مری مدد کرو اللہ کے لئے
آرام دو جگر کو رسول الٰہ کے
بندھوا لو زخم سبط رسالت پناہ کے

یوں چار سو جو رو کے پکارا وہ دل حزیں   ہاتھوں سے دل کو تھام کے اٹھ بیٹھے شاہ دیں
معصوم کی جبیں پہ رکھی خوں بھری جبیں(۵۸)   بولے یہ کیا غضب کیا اے میرے نازنیں
کیوں آئے تم یہاں تو ہے بلوا حسینؑ پر
وہ بولا صدقہ ہوگا شہ مشرقین پر

ناگاہ چیخے عمر نے کئی شخص تیغ زن   اک سر کے کاٹنے کے لئے پہنچے بارہ تن
لپٹا حسینؑ سے وہ جگر گوشہ حسنؑ(۵۹)   منہ کر کے سوئے خیمہ کیا رو کے یہ سخن
دیکھو بہن سکینہؑ یہ جلاد آتے ہیں
دیکھو بھتیجی چچا پہ یہ نیزے لگاتے ہیں

القصہ آئے بارہ مخالف ادھر ادھر   اس میں سے ابن کعب بڑھا تیغ کھینچ کر
اللہ رے حسنؑ کے جگر بند کا جگر(۶۰)   کرتا اٹھا کے چاند سا سینہ کیا سپر
استادہ یوں وہ پیش امام امم ہوا
قد اس کا شہؑ کو حفظ خدا کا علم ہوا

آگے سے آیا سوئے قفا قاتلِ شریر — پشت و پناہِ شاہ ہوا یہ مہِ منیر
پہلو میں شہ کے پہنچا جو وہ دشمنِ قدیر (۶۱) شانے سے یہ لپٹ کے بنا جوشنِ صغیر
روحِ حسنؑ یہ کہتی تھی اس نورِ عین کو
ہاں اے پسر بچا میرے بھائی حسینؑ کو

قاتل کے ساتھ پھرنے میں جو سست ہو گیا — آخر بڑھا کے ہاتھوں کو جلاد سے کہا
خوفِ خدا تجھے نہیں اے دشمنِ خدا (۶۲) ہے ہے تو کس کے قتل کے درپے ہے بے حیا
سید عیال دار یہ شاہِ غیور ہے
یہ تو بتا چچا کا مرے کیا قصور ہے

وہ ننھے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا یہ کہہ رہا — غصے سے قہر تیغ لگاتا تھا بے حیا
ہے گوشت ہاتھوں کا تا استخواں کٹا (۶۳) کہنی پہ پوست رہ گیا باقی حباب سا
اس پوست میں کٹی ہوئی باہیں لٹکتی تھیں
اور آستیں سے خون کی بوندیں ٹپکتی تھیں

گرنے لگا پھرنے لگا گردِ شاہِ دیں — باہیں لٹکتی پوست کے اندر سنبھال لیں
اور پیار سے حسینؑ کے گیسو میں ڈال دیں (۶۴) منہ مل کے منہ سے بولا چچا رویئے نہیں
اب ہم وداع ہوتے ہیں دنیا سے جاتے ہیں
رو کر حسینؑ بولے چلو ہم بھی آتے ہیں

یہ سن کے وہ تو جانبِ کوثر رواں ہوا — تنہا حسینؑ رہ گئے پھر وا مصیبتا
مظلوم ایک اور وہ ظالم ہزار ہا (۶۵) جلتی زمیں پہ زخمی بدن وا محمدا
آتی تھی یہ ندا کہ نبیؐ کا نواسا ہوں
پانی دو پانی مجھ کو کہ دو دن کا پیاسا ہوں

سینے سے تین پھل کا جو ناوک گذر گیا — دل کو پکڑ کے لوٹ گئے رن میں مرتضاؑ
پیکان حلق پر ابو ایوب کا پڑا (۶۶) خولی نے تیغ سر پہ لگائی بصد جفا
خولی نے ظلم تازہ کیا نیزہ مار کر
سید کا تاج لے گیا سر سے اتار کر

غش ہو گئے زمین پہ شبیرؑ قبلہ رو زخموں کی طرح منہ سے بھی جاری ہوا لہو
تب دست شمر چوم کے کہنے لگے عدو(۶۷) فرصت کا ایسا وقت کبھی پائے گا نہ تو
زینبؑ پکارتی ہے کہ غش آیا بھائی کو
ہاں لوٹ لو نبیؐ و علیؑ کی کمائی کو

لشکر سے شمر آیا جناں سے رسولؐ آئے قاتل نے چاہا پشت بخاک آپ کو لٹائے
زہراؑ نے دونوں ہاتھ بزیر بدن بڑھائے(۶۸) سینے پہ چڑھ کے سر کو لگا کاٹنے وہ ہائے
سر کٹ گیا تو تھام کے گیسو اٹھا لیا
مردے کو فاطمہؑ نے گلے سے لگا لیا

سر پیٹنے کی جا ہے اب آگے کہوں میں کیا چڑھتا ہے نیزے پر سر سلطانِ کربلا
تاراجیِ خیام کو جاتے ہیں اشقیا(۶۹) پر آگے آگے شمر ستمگار ہے چلا
بس اے دبیرؔ حشر ہے اب کائنات میں
سادات کی ردائیں ہیں اعدا کے ہاتھ میں

کعبہ ہے اک دریچۂ ایوانِ کربلا مسند نشین عرش ہے سلطانِ کربلا
خاک شفا ہے خاک بیابانِ کربلا (۱) ہے آفتاب ذرۂ میدانِ کربلا
برتر سپہر پیر سے واں کی زمین ہے
قندیل آشیانۂ روح الامین ہے

روضہ بھی بے نظیر ہے مرقد بھی بے نظیر ہوتا ہے جس مکان میں شہ آسماں سریر
شمۂ ہے اس کا شمسۂ برج سپہر پیر (۲) مہتابی اس مکاں کی ہے مہتاب دلپذیر
روضے کی جالیوں نے عجب رتبہ پائے ہیں
گویا فلک سے نور کے تارے لگائے ہیں

یارو میں اس زمین پہ سو جان سے فدا دار الشفائے خلق ہے وہ ارض کربلا
پارس وہاں کے سنگ ہیں اور خاک کیمیا (۳) لے کر یہاں سے جو مس عصیاں وہاں گیا
جاری بعفو خامۂ تقدیر ہو گیا
بوسہ ضریح پاک کا اکسیر ہو گیا

وہ شامیانہ مرقد انور پہ ہے کھنچا کیا منہ کرے جو اطلسِ گردوں بھی سامنا
ہے دودِ آہِ فاطمہؑ یا رحمتِ خدا (۴) یا ابرِ نور مرقد انور پہ چھا گیا
سب ایک سمت بندہ ہے اس در کا جبرئیل
سایہ کئے ہے قبر پہ شبیر کا جبرئیل

اللہ رے فرش روضۂ پر نور کی ضیا گر واں کی چاندنی کو کہوں چاندنی تو کیا
ہے میر فرش صورتِ مہتاب واں دھرا (۵) آنکھیں ملک بچھاتے ہیں روضے میں جا بجا
انصاف سے نظر جو کرے عرش خاک پر
دل لوٹ جائے عرش کا بھی فرش خاک پر

دیوار ہائے روضہ میں آئینے ہیں جڑے بازاریوں کے چہروں کے یہ عکس ہیں پڑے
یہ کچھ نہیں شرف ہیں اس ایوان کے بڑے (۶) دیکھا جو اس مکان کا رتبہ کھڑے کھڑے
اس درجہ محوِ دید سب یکبار ہو گئے
حسرت میں آ کے نقش بدیوار ہو گئے

مطلع ۔ سبطِ رسولؐ پاک ہے وہ خاصۂ ودود　　ستّر ہزار قدسیوں کا ہے وہاں ورود
پڑھتے ہیں قبرِ پاک پہ بیٹھے ہوئے درود (۷)　　کرتا ہے جس پہ سایہ کوئی اور کوئی سجود
جاتے ہیں زیرِ عرشِ خدا پَر سے جبرئیل
آتے ہیں اس زمیں پہ مگر سر سے جبرئیل

عباسؑ نامدار کا روضہ ہے گو جدا　　پر قبر پر حسینؑ کے رہتے ہیں بارہا
خادم کی طرح حکم ہر اک لاتے ہیں بجا (۸)　　زائر جو کوئی ہوتا ہے مہمانِ کربلا
زیرِ قدم ملائکہ شہپر بچھاتے ہیں
عباسؑ پیشوائی کو تشریف لاتے ہیں

ہے بلکہ یہ تصدقِ سلطانِ کربلا　　عباسؑ تجھ سے کام فقط ہے یہی مرا
زائر جو کوئی راہ میں ہو موردِ بلا (۹)　　جایا کرو تم آپ بچانے کو برملا
وہ میہمان مرے ہیں اور باتمیز ہیں
تجھ سے سوا حسینؑ کو زائر عزیز ہیں

اللہ رے عطائے شہنشاہ باسخا　　حیدرؑ کی طرح مومنوں کے ہیں گرہ کشا
نیت بخیر ہو وہاں عرصہ نہیں ذرا (۱۰)　　ہے کل کا دستگیر یداللہ کا مہ لقا
حامی حسینؑ ہوتے ہیں ہر وقت قہر میں
صحرا میں شاہ خضر ہیں الیاس نہر میں

مطلع ۔ کہتا ہے ایک زائرِ شاہنشہِ ہدا　　میں شہرِ طوس سے ہوا مہمانِ کربلا
وہ کربلا کہ عرش سے رتبے میں ہے سوا (۱۱)　　مدفون جو اس زمین پہ جا کر کوئی ہوا
نظری ہر ایک ہو گیا نامہ عذاب کا
دھڑکا فشار کا نہ سوال و جواب کا

وہ کربلا حسینؑ پہ جس میں ہوئے جفا　　وہ کربلا کہ آب نہ شہ کو جہاں ملا
وہ کربلا کہ خونِ حسینؑ اس جگہ بہا (۱۲)　　وہ کربلا جہاں کہ گلہ شاہ کا کٹا
وہ کربلا کہ بانو جہاں ننگے سر ہوئی
وہ کربلا بتولؑ جہاں بے پسر ہوئی

وہ کربلا جہاں کھلے زینبؑ کے سر کے بال   وہ کربلا لٹی جہاں سب مصطفیٰؐ کی آل
زہراؑ کا لال خوف سے اس جا ہوا ہے لال (۱۳)   لاشہ بھی ہوگیا سم اسپاں سے پائمال

وہ دشت جس میں شیرِ خدا آ کے روتا ہے
پھیلائے پاؤں فاطمہؑ کا شیر سوتا ہے

دریا ہے اک میانِ خراسان و کربلا   ہمراہ قافلہ میں فروکش وہاں ہوا
دیکھا کہ پیر کور ہے اک مردِ باصفا (۱۴)   آنکھیں ہیں بند دیدۂ دل بھی کھلا ہوا

سیرِ رواقِ شاہ جو دل کو پسند ہے
گویا اسی خیال میں آنکھ اس کی بند ہے

سرتا قدم ہے جس میں وہ قدرتِ خدا   عمامۂ سفید ہے اک فرق پر بندھا
مثلِ شعاعِ نور ہے اک ہاتھ میں عصا (۱۵)   زوجہ ہے اس کی سامنے خوش بخت و پارسا

شوہر کی طرح نیک وہ اہلِ تمیز ہے
یہ ہے عزیز اس کو وہ اس کی کنیز ہے

اس کے سوا نہ یار ہے کوئی نہ غمگسار   ہے قافلہ کے ساتھ بھی ہے اس کو ننگ و عار
تنہا ہی قطع کرتا ہے رستہ وہ دیندار (۱۶)   اس روز ساتھ ہوگیا لیکن قضائے کار

کہتا ہے بات بات یہ یا مرتضیٰ علیؑ
آمد شد نفس سے ہے آواز یا علیؑ

پوچھا سبب جو اس کا تو بولا وہ بھر کے آہ   کیا قافلے کے ساتھ بھی ہو جاتے ہیں تباہ
کھٹکا ہو کس طرح سے بھلا پھر میانِ راہ (۱۷)   ہمراہ زائروں کے ہیں سلطانِ دیں پناہ

بھولیں گے راہ اور نہ ڈوبیں گے چاہ میں
ہمراہ وہ بھی جاتے ہیں ہم سب کی راہ میں

بھولیں گے راستہ تو خضرؑ خود بتائیں گے   الیاسؑ غرقِ چاہ سے ہم کو بچائیں گے
قزاق راستے میں جو آ کر ستائیں گے (۱۸)   عباسؑ نامدار بچانے کو آئیں گے

ہرگز نہ فرق ہوگا ہمارے شکوہ میں
رستہ علیؑ کے نام سے ہے بطنِ کوہ میں

القصہ رات بھر تو یہی تذکرہ رہا   پر باغ صبح میں گل خورشید جب کھلا
بیدار کر کے زوجہ کو اس کور نے کہا (۱۹) پانی وضو کے واسطے دریا سے چل لا

کر لوں وضو تو خالقِ اکبر کا نام لوں
بعد اس کے پھر زباں سے حیدرؑ کا نام لوں

پہنچا جو کان تک لب شوہر کا یہ بیاں   مانند سیل جانب دریا ہوئی رواں
لیکن کنار نہر جو پہنچی وہ ناگہاں (۲۰) دکھلائے رنگ چرخ نے کچھ اور ہی وہاں

چھوڑا کنارِ قلزم و دریائے زشت کو
دریا میں غرق ہو کے سدھاری بہشت کو

اس کور سے یہ قافلہ والوں نے تب کہا   غرق محیط ہوگئی زوجہ تری سنا
وہ بولا خیر ہے تمہیں یہ کہہ رہے ہو کیا (۲۱) سوگند سب نے کھائی تو بولا یہ دو پتا

یوں ہی گذر گئی وہ صراط جہان سے
گرنے میں یا علیؑ بھی کہا تھا زبان سے

سب نے کہا کہ دور تھی ہم نے نہیں سنا   بولا وہ خیر گرنے کا باعث ہوا ہے کیا
دریا میں وہ گری میں ہوا غم کا مبتلا (۲۲) کیا خوف ہے معین سا ہے ہمارا حسینؑ سا

کوئی نہیں جو اپنا نہ ہوئے خدا تو ہے
مشکل پڑی تو کیا ہوا مشکل کشا تو ہے

یہ کہکے وہ تو صرف نماز سحر ہوا   اور شور کوچ کا ہوا پانی میں قافلا
اس مرد کور سے بھی کسی شخص نے کہا (۲۳) کر صبر خیر ہونا تھا جو کچھ وہ ہو چکا

پیغام موت آئے گا ہر نیک و بد تلک
تو ہی بتا کہ زندہ رہے گا ابد تلک

اب اس کے بدلے سب تیری خدمت کرینگے ہم   بولا وہ کور کچھ مجھے اس کا نہیں الم
میرے تو دل کو اور ہی اک بات کا ہے غم (۲۴) افسوس ہم کو بھول گئے یوں شہ امم

پیدا ہوئے نہیں کل کی وہ مشکل کشائی کو   (کذا)
نہ آپ آئے اور نہ بھجوایا بھائی کو

تم جاؤ مجھکو رہنے دو یاں خاک پر پڑا　　اب دامنِ حسینؑ ہے اور ہاتھ ہے میرا
مقتل میں اپنی صاحبِ مقتل نے ہے لکھا[۲۵]　　عشرے کے دن جو رہ گئے تنہا شہِ ہدا

تاجر کی عین بحر میں حاجت روائی کی
اس روز بھی حسینؑ نے مشکل کشائی کی

بہرِ مدد جو جاتے نہ اس دن شہِ ہدا　　واللہ کوئی شیعہ نہ کرتا کبھی گِلا
کس واسطے کہ آپ تھے خود موردِ بلا[۲۶]　　لاشہ جوان بیٹے کا تھا سامنے پڑا

سنگِ الم سے شیشۂ دل چور چور تھا
نہ بازوؤں میں زور نہ آنکھوں میں نور تھا

خنجر لئے تھا شمر لعیں ہاتھ میں کھڑا　　اور آرہی تھی رونے کی زینبؑ کی بھی صدا
دوہری مصیبتوں میں تھے سلطانِ کربلا[۲۷]　　کہتے تھے تو گواہ ہے اے خالقِ خدا

سہل است گر رود سرِ من بر سرِ سنین
زینبؑ اگر اسیر شود وائے بر حسینؑ

اس دم سنی حسینؑ نے تاجر کی واردات　　بہرِ مدد گئے وہاں شبیرؑ نیک ذات
اب آج تو وہ چین سے ہے شاہِ خوش صفات[۲۸]　　خنجر کا سامنا ہے نہ اہلِ حرم کا ساتھ

پھیری نہ اس طرف کو سواری حسینؑ نے
کیا وجہ لی خبر نہ ہمارے حسینؑ نے

وہب تھا اس کا اک غلام کیا میں نہیں غلام　　بہرِ خدا زیادہ کرو اب نہ کچھ کلام
تم جاؤ کربلا کو مجھے تم سے کیا ہے کام[۲۹]　　اب تا ابد یہاں پہ میرا ہوئے گا قیام

زوجہ بغیر تو نہ قدم میں بڑھاؤں گا
میں داد پائے یاں سے گیا ہوں نہ جاؤں گا

پھر اتنی آرزو ہے اب جس دم بصد شرف　　کچھ سوجھتا نہیں ہے کہ آنکھیں ہوئیں تلف
کہتا ہوں تم سبھوں سے بحقِ شہِ نجف[۳۰]　　منہ کر دو میرا روضۂ شبیرؑ کی طرف

تم جاؤ سب میں پیٹ کے محشر مچاتا ہوں
دیکھو تو کس طرح سے نہیں داد پاتا ہوں

مایوس ہو کے واں سے چلے زائرانِ شاہ — تنہا وہ مرد کور رہا پھر تو صرف آہ
تسبیح رکھ کے ہاتھوں پہ بولا وہ داد خواہ (۳۱) کیوں اے حسینؑ بھول گئے مجھکو واہ واہ
حضرت کو کچھ خبر نہیں ہم یاں پہ مرتے ہیں
کیا یوں ہی میہماں کی مدارات کرتے ہیں

یہ میں تو جانتا ہوں کہ حاجت روا ہو تم — ابن علیؑ ہو خلق کے مشکل کشا ہو تم
درد و الم میں دافعِ رنج و بلا ہو تم (۳۲) ہادی ہو تم امام ہو تم رہنما ہو تم
جاتے ہو جملہ خلق کی حاجت روائی کو
آئے فقط نہ میری ہی مشکل کشائی کو

آزردہ کچھ غلام سے ہو یا شہ ہدا — یا کربلا سے آج کہیں کا سفر ہوا
بہر طواف قبر پیمبرؐ سدھارے کیا (۳۳) یا گور پر حسنؑ کے کھڑے کرتے ہو بکا
بہر سکینہؑ آپ گئے ملک شام کو
یا قبرِ فاطمہؑ پہ گئے ہو سلام کو

پہنچا نہ گوش پاک تلک نوحۂ غلام — نزدِ علیؑ گئے ہو سوئے وادی السلام
سمجھا سبب میں دیر کا اے شاہ تشنہ کام (۳۴) روتی ہے قبر میں تمہیں بنتِ علیؑ مدام
تشریف لے گئے اسے ڈھارس بندھانے کو
کوئی نہ تھا غریب کا پلہ چھڑانے کو

عباسؑ بھی نہ آئے یہ طرفہ ہے واردات — ہاں وہ بھی تو غلاموں کے مانند ہونگے ساتھ
اڑ کر کہیں گئے نہیں اے شاہ نیک ذات (۳۵) دو نقد مدعا مجھے پھیلائے ہوں میں ہات
گر میں نے کچھ گناہ کیا ہو بحل کرو
مشکل کشا کے لال ہو مشکل کو حل کرو

دیکھو حسینؑ تکتا ہوں کب سے تمہاری راہ — جلد آؤ ورنہ آپ کا خادم ہوا تباہ
روضہ علیؑ کا پاس ہے اے شاہ دیں پناہ (۳۶) اللہ ہے گواہ رسولؐ اس کا ہے گواہ
تم جانو یا حسینؑ میں آخر کو مرتا ہوں
شکوہ تمہارا حیدرؑ صفدر سے کرتی ہوں

واللہ یا حسینؑ میں اب ہوتا ہوں ہلاک   میّت پڑی رہے گی یہاں پر بروئے خاک
پوچھیں گے راہ گیر جو یہ حال دردناک (۳۷)   مردہ جواب دے گا مرا اے امام پاک
میں بھی مُوا چھٹا یہاں زوجہ کا ساتھ بھی
کیسی مدد حسینؑ نے پوچھی نہ بات بھی

زوّارِ کربلا ابھی کرتا تھا یہ بیاں   ناگاہ ایک شور ہوا چار سو عیاں
آیا نقاب دار سوار ایک ناگہاں (۳۸)   دی کور کو صدا کہ کدھر ہے ترا گماں
واللہ کیا دعا نے اثر برمحل کیا
لے تیرا عقدہ دلبرِ زہراؑ نے حل کیا

زوجہ تری حضور ترے کرتی ہے بکا   اٹھ اس کا ہاتھ تھام کے لے راہ کربلا
بولا وہ مرد کور کہ اے نورِ کبریا (۳۹)   وہ تو غریق بحر ہوئی اب یہاں کجا
کیوں کر یقیں ہو کہ وہی مہ جبیں ہے یہ
ہرگز نہیں نہیں مری زوجہ نہیں ہے یہ

بولا وہ شہسوار یہ تب بادل حزیں   اے زن تو منہ سے بول کہ ہوتا اسے یقیں
کہنے سے اس سوار کے بولی وہ مہ جبیں (۴۰)   لیکن کہے گیا وہ زباں سے نہیں نہیں
رحمت سے شاہِ دیں کی وہ کچھ جانتا تھا اور
دل کو تو تھا یقیں مگر مدعا تھا اور

ہنس ہنس کے اس سوار نے تب کور سے کہا   کیوں کر یقین ہو تجھے اس بات کو بتا
وہ بولا دیکھوں آنکھ سے تب دل ہو خوش مرا (۴۱)   اب شاہ باکرم سے بھی ہے میری دعا
میرا گناہ عفو کی میزان میں تول دے
زوجہ یہ جس نے دی ہے وہی آنکھ کھول دے

وہ بولا شہسوار کہ اک لحظہ ٹھہر جا   مجھکو یہی تھا حکمِ شہنشاہ کربلا
زوجہ کو اس کی تم مرے زائر سے دو ملا (۴۲)   اب تو نے یہ کہا ہے تو میں پوچھ لوں ذرا
گر حکم ہووے فاطمہؑ کے نورِ عین کا
بینا ابھی تو ہوتا ہے زائر حسینؑ کا

یہ کہہ کے اک دفعہ وہ نظروں سے چھپ گیا   بعد ایک دم کے آئی نظر قدرتِ خدا
اللہ رے نورِ چشم یداللہ کی عطا (۴۳) انگشت پاک سے لبِ اقدس لگا دیا
جنسِ نجات رحم کی میزان میں تل گئی
تارے کی طرح آنکھ ہر اک اس کی کھل گئی

خوش خوش اٹھا وہ زائرِ سلطان نیک نام   صدقے ہوا سوار پہ اور یہ کیا کلام
اکبرؑ ہو تم کہ قاسمؑ دلبندِ سبز فام (۴۴) یا بھائی ہو حسینؑ کے عباسؑ نیک نام
جلدی بتاؤ نام تو صرفِ کلام ہوں
فرمایا میں حسینؑ کا ادنیٰ غلام ہوں

وہ ابن بوترابؑ ہے میں خاکسار ہوں   جانِ علیؑ و فاطمہؑ کا جاں نثار ہوں
اس راہ سے حضور خدا ذی وقار ہوں (۴۵) آقا کے زائروں کا میں خدمت گزار ہوں
حکم جنابِ دلبرِ حیدرؑ جو پاتا ہوں
روضہ سے زائروں کی حفاظت کو آتا ہوں

بولا وہ زائر پسرِ ضیغمِ خدا   احسان آج آپ نے مجھ پر بڑا کیا
بینا غلام آپ کے الطاف سے ہوا (۴۶) دو ہاتھ مجھکو آنکھوں سے یوں اک ذرا لگا
مقبول بارگاہ خدائے قدیر ہو
چوموں گا ہاتھ میں کہ مرے دستگیر ہو

زوّارِ کربلا نے کیا جب کہ یہ سوال   تھرا کے اس سوار نے کھولے لبِ مقال
بے مہر آرزو کو ترے سر سبز زوال (۴۷) ہیہات ہاتھ بھی نہیں رکھتا میں خستہ حال
عشرے کو کربلا میں نہ کیا کیا ستم ہوئے
دریا کنارے ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

عباسؑ مرا نام ہے اہلِ وفا ہوں میں   شتو جان سے غلام امامِ ہدا ہوں میں
سیفِ خدا ہوں میں دلِ شیرِ خدا ہوں میں (۴۸) بحرِ وفا کا اک دُرِّ بے بہا ہوں میں
خادم ہوں لاکھ جان سے شاہِ مدینہ کا
مشہور ہوں جہان میں سقّہ سکینہؑ کا

یہ کہکے واں سے ہو گیا پنہاں وہ شہسوار   اور یاں ہوا مخاطب زوجہ وہ دیندار
پوچھا کہ حالِ بحر کچھ اب کر تو آشکار (۴۹)   بولی وہ دیندار کہ شاہد ہے کردگار
جس وقت دامِ موج میں دریا نے لے لیا
گرتے ہی مجھکو گود میں زہراؑ نے لے لیا

گلزارِ خلد میں مجھے جب لے گئیں جناب   اور حلّہ ہائے خلد پنہائے بصد شتاب
حوروں سے سیدہؑ نے کہا اس طرح خطاب (۵۰)   خدمت ہے اس کی عین تمہارے لئے ثواب
جل جائے گا وہ قہر سے جس پر نگاہ کی
یہ زائرہ ہے سبطِ رسالت پناہ کی

یارو یہ وقتِ غور ہے اور جائے الاماں   حلّہ پنہائے غیر کو جس بی بیوں کی ماں
بلوائے عام میں ہوں کھلے سر وہ بی بیاں (۵۱)   بارہؑ گلے اسیروں کے اور ایک ریسماں
اور اس پہ ظالموں نے یہ صدمے دکھائے تھے
زینبؑ کی پشتِ پاک پہ دُرّے لگائے تھے

در در پھراتے تھے انہیں کوچوں میں اشقیا   گر پوچھتا کوئی کہ یہ ہیں کون بے خطا
کہتا تھا شمر کنبہ ہے یہ سب رسولؐ کا (۵۲)   زہراؑ کی بہو بیٹیاں یہ سب ہیں بے ردا
اس کے حرم ہیں جن کو جھلاتے تھے جبرئیلؑ
بے اذن اُن کے در پہ نہ جاتے تھے جبرئیلؑ

اے چرخ آہ وہ حرمِ سیّد البشر   جس پر کبھی پڑی نہ فرشتوں کی بھی نظر
باغِ ارم کے قصرِ جواہر ہوں جن کے گھر (۵۳)   وہ شام کے خرابے میں قیدی ہوں ننگے سر
فریاد ان کی سن کے کوئی نوحہ گر نہ ہو
ٹکرائیں سر وہ آہ کسی کو خبر نہ ہو

جس رحم دل نے سیکڑوں بندے کئے رہا   سلطانِ دیں امیرِ امم شاہِ لافتا
مشکل کشائے کون و مکاں حجّتِ خدا (۵۴)   اس کے حرم ہوں قید یہ ہے پیٹنے کی جا
کنبے پہ جس ولی کے یہ ظلم و ستم ہوا
نیرنگ تیرے دور میں ایسا بھی کم ہوا

آلِ رسولؐ پر یہ محن وا مصیبتا — وہ خاک اور وہ گل سے بدن وا مصیبتا
زنداں میں شاہِ دیں کی بہن وا مصیبتا (۵۵) بارہ گلے اور ایک رسن وا مصیبتا
محبس میں کیا گذرتی ہے پرساں نہیں کوئی
وا حسرتا کہ سلسلہ جنباں نہیں کوئی

کیا آلِ مصطفیٰؐ کی مصیبت ہے ہئے غضب — رونے میں دن گذرتا ہے اور پیٹنے میں شب
سر پر کوئی شفیق نہ تھا غیر ذاتِ رب (۵۶) بچے تھے ساتویں سے محرم کے تشنہ لب
جُز آبِ اشک ایک کو پانی ملا نہ تھا
صبر اس کو کہتے ہیں کہ زباں پر گلا نہ تھا

تھا وارثوں کے غم میں نہ سیدانیوں کو چین — نوحے تھے دن کو رات کو ماتم سحر کو بین
کہتے تھے کوئی واحسناؑ کوئی واحسینؑ (۵۷) نعرہ کسی کے لب پہ یہ تھا وائے نورِ عین
غل تھا یہ لونڈیوں میں کہ آقا سے چھٹ گئے
بچے پکارتے تھے کہ بابا سے چھٹ گئے

یہ سن کے راہ گیروں سے سب پیٹتے تھے سر — ہے ہے حسینؑ کہہ کے تڑپتے تھے خاک پر
بس اے دبیر اب تو پھٹا جاتا ہے جگر (۵۸) کر عرض یوں حسینؑ سے با دیدہ ہائے تر
ہر چند رحمت آپ کی یا شاہِ دیں ہوئی
لیکن خدا گواہ کہ سیری نہیں ہوئی

مرثیہ ۱۳

اعدا جو باغِ فاطمۂ تاراج کر چکے نوکِ سناں پہ شہ کا سرِ پاک دھر چکے
دامن کو اپنے گوہرِ مقصد سے بھر چکے (۱) بولا عمر کہ سیدِ عالم مر چکے
استادہ ایک خیمہ حضورِ نگاہ ہو
شب بھر اسی میں آلِ رسالت پناہ ہو

ایک خیمہ تب علیحدہ رن میں ہوا بپا اس میں ہوئے مقیم اسیرانِ کربلا
تقسیم فوجِ شام میں ہونے لگی غذا (۲) ہر قسم کا طعام مہیا تھا جا بجا
آسائش طعام تھی ہر بد خصال کو
اور فاقہ تیسرا تھا محمدؐ کی آل کو

سردار پھر گئے پسرِ سعد سے تمام اور آگے ابنِ سعد سے کرنے لگے کلام
جی چاہتا ہے اب کہ مٹا دیں ترا بھی نام (۳) ناحق تری صلاح سے کاٹا سرِ امام
تجھ سے شقی کا ساتھ دیا آہ کیا کیا
سید کا ہم نے خون کیا آہ کیا کیا

وہ بولا کچھ کہو تو سہی میں نے کیا کیا سب بولے متفق تجھے غارت کرے خدا
اب کیا کرے گا نامِ نبیؐ تو مٹا چکا (۴) بالفرض تجھ کو سبطِ پیمبرؐ سے بغض تھا
سیدانیوں سے آب و طعام اب جو دور ہے
بے چاری بی بیوں کا بھلا کیا قصور ہے

یہ رسم ہے عرب ہیں آگاہ اس سے سب قوم عرب میں مرتا ہے جس کا عزیز جب
کھانا اسے کھلاتے ہیں بھجا کے سب عرب (۵) اور حاضری بھی بھیجتے ہیں گھر میں وقتِ شب
بھوکا ہے تین روز سے کنبہ بتولؑ کا
فاقہ نہ ٹوٹا آج بھی آلِ رسولؐ کا

تقسیم تو نے سب کو جو اس دم کیا طعام آلِ نبیؐ کی بھوک پہ ہم روئے لاکلام
انکا حوالہ حلق میں کھانا ہوا حرام (۶) بے رحمی اور سنگدلی تجھ پہ ہے سب تمام
آلِ نبیؐ کے واسطے فکرِ غذا نہیں
تجھکو حمیتِ عرب اور بے حیا نہیں

یہ ذکر تھا جو ایک خبردار بول اٹھا ہاں سچ تو ہے اسیروں پہ اب رحم کی ہے جا
اس دم میں ان کے خیمہ کے نزدیک جو گیا (۷) ننھی سی ایک لڑکی نے کھانا طلب کیا
مادر نے رو دیا تو وہ بے آس ہو گئی
آخر وہ کھانے کے لئے رو رو کے سو گئی

بولا یہ ابن سعدؔ کہ لے جاؤ تم شتاب چالیس خوان کھانے کے اور سرد جام آب
تب ایک ایک نے یہ عمرؔ کو دیا جواب (۸) کس منہ سے آگے جائیں ہے ان سے ہمیں حجاب
پیاروں کو ان کے سامنے نیزے لگائیں ہم
اور حاضری بھی ان کے لئے لے کے جائیں ہم

بولا عمرؔ یہ شمر سے تو جا بہ انکسار عباسؑ کا تو آپ کو کہتا ہے رشتہ دار
اس نے کہا میں سب سے زیادہ ہوں شرمسار (۹) زینبؑ کے آگے سینۂ شہ پر ہوا سوار
میں نے کیا شہید شہ مشرقین کو
میں نے طمانچہ مارا یتیم حسینؑ کو

انکار جب کہ جانے میں اک ایک نے کیا پھر تو عمرؔ لعین نے زوجۂ حُرؔ کو طلب کیا
بولا یہ کھانا لے کے تو اہلِ حرم میں جا (۱۰) کرنا میری طرف سے بہت عذر و التجا
شوہر ترا ہے فدیہ شہ مشرقین کا
دینا تو شہر بانو کو پرسا حسینؑ کا

جانے پہ مستعد ہوئی جس دم وہ باوفا ہمراہ اپنے خواہر ہاشم کو بھی لیا
ہاشم بھی ایک فدیہ تھا سبطِ رسولؐ کا (۱۱) ساتھ ان کے عورتیں تھیں بہتّر پیادہ پا
خوانوں کے گرد و پیش پیادہ تمام تھے
مشعل کی روشنی میں وہ خوان طعام تھے

تھی آگے آگے زوجۂ حُرؔ شہ کی دوستدار پھر خیمۂ حرم کے جو در تک ہوا گذر
کچھ روشنی بھی خیمے میں پائی نہ زینہار (۱۲) دیکھا کہ ایک بی بی ہے ڈیوڑھی پہ بے قرار
یہ بات کہکے ہوتی ہے مشغول آہ میں
اصغرؑ ہے قتل گاہ میں میں خیمہ گاہ میں

مشعل کی روشنی پہ جو زینبؑ نے کی نگاہ　　بولی کہ لو پھر آئی ہمیں لوٹنے سپاہ
پھر اس طرح پکاری ہوا ہم سے کیا گناہ (۱۳)　　لوگو! ڈرو خدا کے غضب سے یہ کیا ہے آہ

کوئی بھی پوچھتا نہیں اس روداد کو
لوٹے ہوؤں کو لوٹنے آئے ہو رات کو

گر اور کچھ گماں ہو، کر لو ہمیں شمار　　بھاگا نہیں ہے کوئی تمہارا قصوروار
موجود ایک جا ہیں تمہارے گناہ گار (۱۴)　　اس سے تو ہم سبھوں کو کرو قتل ایک بار

کل ہم کو لوٹ لیجیو اب کیا ضرور ہے
نے قیدی بھاگے جاتے ہیں نے صبح دور ہے

بچے ہمارے مانگ رہے تھے ابھی غذا　　بہلا کے ان سبھوں کو ابھی ہے سلا دیا
ضامن خدا ہے ہم نہیں کرنے کے کچھ دغا (۱۵)　　ہے فوج میں تمہاری سرِ شاہِ کربلا

اس سر سے منہ پھرا کے کیسے منہ دکھائیں گے
قرآن بیچ میں ہے نہ ہم بھاگ جائیں گے

یہ بات سن کے زوجۂ حُر روئی خوب سا　　پردہ اٹھا کے خیمے میں آئی وہ باوفا
ہمراہ ساری عورتیں کرتی ہوئی بکا (۱۶)　　خوانِ طعام رکھ دیے خیمے میں جابجا

سب عورتوں کی شکل تھی پنہاں نقاب سے
زینبؑ نے سر جھکا لیا اپنا حجاب سے

زینبؑ پھر اپنے دل کو یہ دینے لگی خبر　　ان خوانوں میں یقیں ہے شہیدوں کے ہوں گے سر
ناگاہ بولی زوجۂ حُر پاس آن کر (۱۷)　　لونڈی سلام کرتی ہے للہ کرو نظر

میں عاشقِ حسینؑ کنیزِ بتولؑ ہوں
میں زوجۂ حُر اولِ سبطِ رسولؐ ہوں

آیا زبانِ زوجۂ حُر پر جو حُر کا نام　　تعظیم کو کھڑی ہوئی وہ خواہرِ امام
بولی تو حُر کی زوجہ ہے اے بی بی نیکنام (۱۸)　　حق تجھ سے حُر کو واہ عجب کر گیا وہ نام

پہلے خبر نہ تو نے کی زہراؑ کی جائی کو
سر ننگے در پہ آتی تیری پیشوائی کو

یہ کہکے اس کو اپنے برابر بٹھا لیا پلا نہ تھا جو ڈھانپ کے منہ روتی خوب سا
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے لگی رونے اور کہا (۱۹) پرسا میں حُر کا دیتی ہوں تو ساتھ دے مرا
وہ رو کے بولی نام نہ لو اس غلام کا
میں تم کو دینے آئی ہوں پرسا امام کا

بانو نے حُر کی زوجہ سے پھر کی یہ گفتگو ہمدرد میں تمہاری ہوں مجھ سے بھی تم ملو
بانو کی شکل دیکھ کے بولی وہ نیک خو (۲۰) واللہ دل میں ڈھونڈ رہی تھی میں آپ کو
اکبرؑ تھا لال آپ کا اٹھارہ سال کا
پرسا تو مجھ سے لیجئے اس خوش خصال کا

زینبؑ کی سمت دیکھ کے بانو نے یہ کہا اکبرؑ کی ماں یہی ہیں وہ ان کا تھا دلربا
مادر کے ہوتے دائی کا پرسا ہے کب روا (۲۱) تھا میرا منہ نہ قابل ہم شکل مصطفےٰؐ
زینبؑ کے ساتھ رو علی اکبرؑ کے واسطے
ہمراہ میرے رو علی اصغرؑ کے واسطے

مجرا پھر آ کے خواہر ہاشم نے بھی کیا زینبؑ نے پوچھا کون ہے تو غم کی مبتلا
وہ بولی میں کنیز ہوں فضہؑ کی باوفا (۲۲) بھائی یہ آپ کے میرا بھائی ہوا فدا
زینبؑ پکاری عاشق شاہ زمن ہے تو
کلثوم ہے بہن میری یا اک بہن ہے تو

بھائی ترا شہید ہوا رن میں بے گناہ چہرہ اتر گیا، تیری دیکھ حالت تباہ
بھائی کا داغ پوچھئے میرے دل سے آہ (۲۳) ہاشم کے غم میں صبر تجھے دے مرا اللہ
ہنستا ہے شمر سن کے مری آہ سرد کو
اس سے بیاں تو کیجئے بھائی کے درد کو

زینبؑ نے رو کے زوجۂ حُر سے یہ پھر کہا پیاری تمہارے آنے کا یاں کیا سبب ہوا
کی عرض اس نے لونڈی کی قسمت ہوئی رسا (۲۴) بھیجے ہیں ابن سعد نے یہ خوانِ پُر غذا
کھینے سے اس کے کھانے کے ہمراہ آئی ہوں
یہ حاضری حسینؑ کے مرنے کی لائی ہوں

سنتے ہی نام حاضریِ شاہِ بے کفن ۔ زینبؑ کا سینہ ہل گیا تھرّا گیا بدن
بولی کہ ہائے اے مرے ماں جائے بے وطن (۲۵) اس حاضری کے کھانے کو جیتی رہی بہن

دنیا میں یادگار رہا سانحہ تیرا
ہم نے نہ ہاتھ اٹھا کے دیا فاتحہ تیرا

یہ بین کر کے زوجۂ حُر سے کیا خطاب ۔ کھانا تو لے کے آئی تجھے بھی ہوا ثواب
اب دل کو مطلقاً نہیں ذوقِ طعام و آب (۲۶) کھایا ہے غم عزیزوں کے مرنے کا بے حساب

ہم سب حسینؑ پیاسے کے ماتم میں روتے ہیں
کس کو کھلائیں بچے بھی اس وقت سوتے ہیں

انصاف کر تو پانی پیوں کیا میں خستہ جاں ۔ پیشِ نظر ہے بھائی کی سوکھی ہوئی زباں
پیاسا موا حسینؑ کا فرزند نوجواں (۲۷) کیا ایڑیاں رگڑتا تھا اصغرؑ بھی الاماں

جب تک قضا نہ آئے گی مجھ بے حواس کو
روؤں گی پیاسے بھائی کو اور ان کی پیاس کو

وہ بولی کوئی عذر زباں پر نہ لائیے ۔ فاقہ کے توڑنے کے لئے کچھ تو کھائیے
ان بھوکے پیاسے بچوں کو بھی اب جگائیے (۲۸) اک ایک نوالہ آلِ نبیؐ کو کھلائیے

اب فاقہ توڑو، روحِ پیمبرؐ کے واسطے
پانی بھی پیو، ساقیِ کوثر کے واسطے

زینبؑ کو تھا زوجۂ حُر کا کمال پاس ۔ سجادؑ کو پکاری ذرا آؤ میرے پاس
ہنگامِ ذبح کہتے تھے بھائی بحالِ یاس (۲۹) پانی ملے تو بھول نہ جانا ہماری پیاس

دو فاتحہ حسینؑ کا پانی کے جام پر
صدقے میں ان کی پیاس پر اور ان کے نام پر

القصّہ شاہ کا فاتحہ پانی پہ جب ہوا ۔ زینبؑ نے کی وہ آہ کہ محشر ہوا بپا
شانہ ہلا ہلا کے سکینہؑ سے یہ کہا (۳۰) پانی پیو اٹھو یہ پھوپھی تم پہ ہو فدا

جاگیں ابھی تو واسطے پانی کے روئی تھیں
کل تک تو اپنے بابا کے سینے پہ سوئی تھیں

پانی کا نام بالی سکینہؑ نے جب سنا   اک بار آنکھیں ملتی اٹھی اور یہ کہا
پانی تو تم پہ بند تھا کیونکر تمہیں ملا (۳۱)   کیا آیا نہر سے مرا سقہ میرا چچا
دن کو تو فوج گھیرے ہوئے تھی فرات کو
پانی چھپا کے لائے ہیں عباسؑ رات کو

میرے طمانچہ کھانے کا ان سے نہ کہنا حال   وہ مجھکو چاہتے ہیں کریں گے چچا کمال
میں سرخرو چچی سے ہوئی شکر ذوالجلال (۳۲)   مجھکو چچی کے منہ سے نہایت تھا انفعال
کہدوں گی میں چچا سے کہ مجھ سے خفا رہیں
تم تو جدا رہے تو چچی بھی جدا رہیں

بانو پکاری سن کے یہ تقریر دلخراش   پانی پیو، کرو نہ مرے دل کو پاش پاش
واری چچی کہاں ہیں جسے کرتی ہو تلاش (۳۳)   شانے کٹے پڑی ہے لب نہر ان کی لاش
اٹھو پیو یہ پانی ہے نذر امامؑ کا
اب فاتحہ ہوا ہے شہ نیک نام کا

یہ کہکے جام آب سکینہؑ کو بھر دیا   وہ پی چکی تو جام کو زینبؑ نے لے لیا
پانی وہ کچھ کسی نے پیا اور نہ کچھ پیا (۳۴)   تقسیم اہل بیتؑ میں کھانے کو پھر کیا
اللہ رے فیض زینبؑ عالی صفات کا
تڑوایا فاقہ سب حرم نیک ذات کا

اس دم جو حُر کی زوجہ پہ زینبؑ نے کی نظر   دیکھا تلاش کرتی ہے وہ کچھ ادھر اُدھر
زینبؑ نے پوچھا کیوں یہ تردد ہے اس قدر (۳۵)   وہ بولی ٹوٹے فاقے ہیں سب کے یہاں مگر
میں سن رہی ہوں یاں کوئی اک بی بی روتی ہے
ڈھونڈا ہر اک طرف نہیں معلوم ہوتی ہے

زینبؑ نے یہ جواب دیا ہو کے بے قرار   جس دم تھا شمرلع سینۂ شبیرؑ پر سوار
اس وقت سے بتولؑ کا مقتل میں ہے گذار (۳۶)   چھوٹا بس اماں جان پہ اب گوشۂ قرار
سنتی ہے جس ضعیفہ کے تو شور و شین کو
زینبؑ کے ساتھ روتی ہے زہراؑ حسینؑ کو

یہ گفتگو تمام ہوئی تھی نہ مطلقا   ناگاہ کانپنے لگا میدانِ کربلا
اور ہر طرف سے شور اٹھا وا محمداؐ[۳۷]   عابدؑ سے اہلِ بیتؑ نے پوچھا یہ کیا ہوا
آگاہ رازِ غیب سے تم لاکلام ہو
تم وارثِ حسینؑ علیہ السلام ہو

عابد سر اپنا پیٹ کے بولے کہوں میں کیا   پھٹتا ہے میرا سینہ نہ پوچھو یہ ماجرا
اس وقت قتل گہہ میں بڑا حادثہ ہوا[۳۸]   سنتا ہوں میں کہ ہاتفِ غیبی ہے کہہ رہا
سر تو جدا تھا تن سے شہِ مشرقین کے
اب ہاتھ ساربان نے کاٹے حسینؑ کے

اس دم رسولؐ آتے ہیں مقتل میں ننگے سر   کہتے ہیں اے فرشتو! وہ ہے ساربان کدھر
زہراؑ نے بال کھولے ہیں بیٹے کی لاش پر[۳۹]   شیرِ خدا یہ کہتے ہیں غصے سے کانپ کر
مرنے کے بعد سبطِ نبیؐ پر ستم کیا
ہاتھوں کو میرے بیٹے کے تن سے جدا کیا

ہر چند اختتامِ روایت نہیں ہنوز   بس اے دبیرؔ آتشِ غم سے ہے دل میں سوز
اور آہ مومنوں کی ہے شمعِ جہاں فروز[۴۰]   کر یہ دعا خدا سے کہ ہر شب ہر ایک روز
گر دشمن گو سدا فلکِ کینہ جو رہے
یارب علیؑ کے دوستوں کی آبرو رہے

مرثیہ ۱۴

جب فوجِ حسینؑ کے علمدار کو مارا کہتے تھے شقی حیدرؑ کرار کو مارا
غل خیمے میں تھا شاہ کے غمخوار کو مارا (۱) اس کو نہیں مارا شہ ابرار کو مارا
رو بیٹھے ہیں اجازت کے لئے روتے ہیں اکبرؑ
یہ اور غضب ہے کہ جُدا ہوتے ہیں اکبرؑ

یہ سنتے ہی غش ہو گئی بانوئے خوش اوقات شہؑ خیمے میں آئے علی اکبرؑ کو لئے سات
اک ایک سے چلا کے کہی شاہ نے یہ بات (۲) اے بی بیو ہے آخری اکبرؑ کی ملاقات
اب تم سے جدا ہو کے یہ دلبر نہ ملے گا
یوسفؑ تو ملا تھا مگر اکبر نہ ملے گا

سب لینے لگیں آن کے اکبرؑ کی بلائیں روتی تھی کوئی اور کوئی دیتی تھی دعائیں
اکبرؑ نے کہا بی بیاں سجادؑ کو لائیں (۳) میں ان سے ملوں وہ مجھے سینے سے لگائیں
میدان میں اب جا کے میں کاہے کو پھروں گا
کچھ دل میں ہے ارمان سو عابدؑ سے کہوں گا

زینبؑ گئی اور بازوئے عابدؑ کو ہلایا ہوش آیا تو بیمار کو رو کر یہ سنایا
بیٹوں کو تو زینبؑ کے مقدر نے چھڑایا (۴) اب لینے کو اکبرؑ کے بھی پیک اجل آیا
پھر دیکھ لو تصویر رسولؐ عربی کی
اب آج سے ترسو گے زیارت کو نبیؐ کی

یہ سنتے ہی گھبرا کے اٹھے عابدؑ بیمار تھرا کے گرے اور کہا یا حیدرؑ کرار
اکبرؑ تلک آئے گئے جا بیٹھ کے دشوار (۵) اور بولے کہ لو آپ تو ہیں مرنے پہ تیار
اے بھائی یہ بیمار برادر جو مرے گا
پردیس میں یاں کون مجھے دفن کرے گا

واللہ غضب کرتے ہو مانگو نہ سواری کیا خاک عزیزؑ آپ کریں گے نہ بیماری (کذا)
یہ سنتے ہی اکبرؑ کو بھی رقت ہوئی طاری (۶) بولے کہ شفا دے گا تمہیں خالق باری
چالیسؑ برس باپ کے ماتم میں رہو گے
بھائی کو بھی بابا کو بھی تم دفن کرو گے

پھر سینے سے سجادؑ کو اکبرؑ نے لگایا قرآن کی آیہ پڑھی پہلو میں بٹھایا
گیسو کو ہٹا کان پہ منہ اپنا جھکایا (۷) وہ بات کہی جس سے کہ عابدؑ کو غش آیا

اک حشر ہوا بی بیوں کے آہ و فغاں سے
غل تھا کہ ہوئی رحلتِ سجادؑ جہاں سے

اکبرؑ سے کھڑی کہتی تھی ماں غم کی ستائی کیا تم نے کہی بات جو غش ہو گیا بھائی
سجادؑ نے تسکین ذرا غش سے جو پائی (۸) بانو نے قسم روحِ پیمبرؐ کی دلائی

بولی کہ کلیجے میں مرے درد اٹھا ہے
سچ مجھ سے کہو کیا علی اکبرؑ نے کہا ہے

عابدؑ نے کہا کیا کہوں کیا کرتے ہیں ارشاد کہتے ہیں علیہ میں اگر جانا ہو سجاد
اور پوچھیں جوانانِ مدینہ مری روداد (۹) کہنا کہ گلا خشک تھا اور خنجر فولاد

ہر عشرے میں تم یاد ہمیں کیجیو یارو
اور فاتحہ پانی پہ میرا دیجیو یارو

یہ سن کے حرم کرنے لگے گریہ و زاری زینبؑ نے کہا کچھ تو کہو مجھ سے بھی واری
اکبرؑ نے کہا تم سے یہ ہے عرض ہماری (۱۰) خوش آتی ہے بو فدوی کو چھپتی سے تمہاری

مقتل میں مری لاش پہ جب آئیو زینبؑ
تم اپنی ردا میں مجھے کفنائیو زینبؑ

زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں گئی واری کی دل پہ رقم میں نے وصیت یہ تمہاری
پر ان دنوں برگشتہ ہے تقدیر ہماری (۱۱) چھن جائیگی چادر تو میں لاچار ہوں واری

کیا جانیئے کیا بعد امام دو جہاں ہو
ہم جائیں کہاں اور تیری لاش کہاں ہو

شہزادہ چلا خیمے سے باجاہ و تجمل گویا کہ بجھی شمع حریم نبوی گل
سدرہ پہ یہ جبریلؑ کے رونے کا اٹھا غل (۱۲) لو خاتمہ فوج حسینی ہوا بالکل

اکبرؑ تو چلے اک شہ ابرار ہیں باقی
سو ان کے لیے خنجر خونخوار ہیں باقی

اے مومنو لکھتا ہے ابو مخنف دیندار   میدان میں اس وقت کھڑا تھا میں دل افگار
شہزادہ ہوا تھا نہ ابھی گھوڑے پہ اسوار (۱۳)   کیا دیکھتا ہوں خیمے سے نکلے شہ ابرار
ہاتھوں سے جگر پکڑے تھے پر صبر نہیں تھا
عمامہ کہیں تاج سر پاک کہیں تھا

چلاتے تھے اے مری ضعیفی کے سہارے   گہ کہتے تھے اے یار وفادار ہمارے
دل سینے میں گھبرایا ہے جانے سے تمہارے (۱۴)   اک بار گلے اور لگا لو ہمیں پیارے
اس وقت یہ جلاد بھی کہتے تھے زباں سے
یارب نہ جدا باپ ہو فرزند جواں سے

آئے جو قریب علی اکبرؑ شہ والا   بیٹے سے عجب یاس سے مظلوم وہ لپٹا
منہ چوما گلا چوما جبیں پر دیا بوسا (۱۵)   سینے کو کبھی سونگھا کبھی زلفوں کو سونگھا
یہ جوش محبت ہوا زہراؑ کے قمر کو
لپٹا لیا سینے سے کئی بار پسر کو

رونے لگا اس دم شہ مظلوم کا دلدار   رخسار پہ آنسو تھے رواں چشم تھی خونبار
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے سید ابرار (۱۶)   اتنا نہ کرو پیار کہ فدوی ہو گنہگار
نازل کہیں امت پہ نہ اب کوئی بلا ہو
تم صبر کرو مالک تسلیم و رضا ہو

شہ بولے کہ سمجھانا ہی بس آتا ہے اے لال   یہ بھی تو ذرا پوچھو کلیجے کا ہے کیا حال
دل ہے سو وہ ناسور ہے سینہ ہے سو غربال (۱۷)   سیدھا نہیں ہو سکتا کمر کا ہے یہ احوال
کچھ کہنے کا موقع نہیں خاموش ہو بیٹا
سمجھاؤ تو اس کو کہ جسے ہوش ہو بیٹا

آگے بھی کبھی آپ کو یوں پیار کیا تھا   نور آنکھوں سے دل سینے سے کس روز جدا تھا
اب تک نہ مجھے داغ پسر حق نے دیا تھا (۱۸)   یہ داغ مگر آج مقدر میں لکھا تھا
دیکھوں میں تمہیں دیکھ لو تم شاہ امم کو
اب ہم تمہیں پائیں گے نہ تم پاؤ گے ہم کو

اکبرؑ نے شہ تشنہ کو روتے ہوئے چھوڑا — رہوار کو پھر تیز کیا مار کے کوڑا
مانند نظر دوڑ گیا دشت میں گھوڑا (۱۹) رخ مثل کمان اپنا کمانداروں نے موڑا
وارد علی اکبرؑ جو ہوئے شیر کی مانند
سر خم تھے شجاعوں کے بھی شمشیر کی مانند

یاں خیمے کے در پہ شہ مظلوم تھے استاد — بے ہوش سراسیمہ مصیبت زدہ ناشاد
سر ننگے گریبان پھٹا ہونٹوں پہ فریاد (۲۰) دکھ اپنے فراموش تھے اکبرؑ تھے فقط یاد
نقشِ قدم اکبرؑ کا تھا جس خاک کے اوپر
اس خاک کو ملتے تھے رخِ پاک کے اوپر

کہتے تھے کہ بے موت ہمیں بیٹے نے مارا — اب سینہ کوئی آن میں پھٹتا ہے ہمارا
گر پوچھتا تھا کوئی ہے کیا حال تمہارا (۲۱) کہتے تھے جوان بیٹا ہے مرنے کو سدھارا
آباد میں آیا تھا پر اس بن میں لٹا ہوں
اٹھارہ برس بعد میں اکبرؑ سے چھٹا ہوں

اے مومنو! واللہ روایت میں ہے لکھا — تھا ایک غلام حبشی سبطِ نبیؐ کا
شہزادے کے ہمراہ تھا بچپن میں وہ کھلا (۲۲) پردہ تھا نہ اُسے حرم شاہ میں اصلا
بیٹوں کی طرح پرورش آقا نے کیا تھا
خدمت کے لئے پھر علی اکبرؑ کو دیا تھا

اس شدتِ غم میں اسے سرورؑ نے بلایا — سر ننگے غلام حبشی خیمے سے آیا
شہ روئے اسے دیکھ کے رو کر یہ سنایا (۲۳) تجھ سے ترے ہمجولے کو قسمت نے چھڑایا
ہمدرد ہے تو بیٹھ مرے پاس فغاں کر
کچھ باتیں مرے سامنے اکبرؑ کی بیاں کر

وہ بولا میں اکبرؑ کی عنایت کہوں یا پیار — اس شب کو گلے سے مجھے لپٹایا کئی بار
کہتے تھے کہ کل ہم پہ چلے گی یہاں تلوار (۲۴) چھٹ جائیگا کل مجھ سے تو بچپن کا مرے یار
گر کھیلنے میں کوئی گنہ مجھ سے ہوا ہو
تو بخش دے اکبرؑ کو کہ خوش تجھ سے خدا ہو

اب میرے عوض دکھ میرے عابدؑ کا اٹھانا گھر جلنے لگے تب انھیں بستر سے اٹھانا
عصمت سے میری ماں کی ہے آگاہ زمانا (۲۵) مقدور بھر اپنے تو ردا ان کی بچانا
وہ قید ہوں تو پاس رہا کیجیو بھائی
بیکس مری ماں کو نہ دغا دیجیو بھائی

اکبرؑ کا بیاں سننا تھا زہراؑ کا وہ پیارا جو آئی صدا قتل کی میداں سے قضارا
بابا مددی اکبرؑ بے کس گیا مارا (۲۶) سینے سے کلیجہ نکل آیا ہے ہمارا
رخصت مجھے کر جاؤ قضا پیش نظر ہے
دنیا کا سفر ہو چکا عقبیٰ کا سفر ہے

سن کر یہ صدا شہ نے گریباں کیا پارا بانو نے کہا آپ کو اکبرؑ نے پکارا
شہ بولے کہ ہاں مرضیِ حق سے نہیں چارا (۲۷) مارا گیا فرزند بر ارمان تمہارا
انسان کا تو موت سے کچھ زور نہیں ہے
پر لاش کو بھی یاں کفن و گور نہیں ہے

یہ کہہ کے چلے جانب مقتل شہ والا کہتے تھے برابر کا پسر مر گیا میرا
اکبرؑ ترا لاشا مجھے کاہے کو ملے گا (۲۸) آنکھوں کی بصارت تھی سو تم لے گئے بیٹا
آزردہ نہ ہونا میں چلا آتا ہوں اکبرؑ
پر یہ نہیں معلوم کدھر جاتا ہوں اکبرؑ

ناگاہ شہ دیں کو ملا لاشۂ اکبرؑ دیکھا کہ ہے مائل بسفیدی رخ انور
سب عضوِ بدن سرد ہیں دم ہونٹوں کے اوپر (۲۹) لیتے ہیں کبھی سانس تو سینے کو پکڑ کر
گردش ہے نہ پتلی کو نہ کچھ دیدۂ نم کو
ہاتھوں کو تشنج ہے رگڑتے ہیں قدم کو

یارو یہ روایات صحیحہ میں ہے لکھا زانوں پہ رکھا شاہ نے سر اپنے پسر کا
اس وقت یہ شک اکبرؑ مظلوم کو گذرا (۳۰) قاتل کوئی سر کاٹنے کو آیا ہے میرا
غش طاری تھا کھولا نہ کیا دیدۂ تر کو
سرکا لیا زانو سے کئی مرتبہ سر کو

پھر باندھ کے ہاتھوں کو یہ آہستہ وہ بولا اے شخص میں دنیا میں ہوں مہماں کوئی دم کا
سر کاٹیو میرا مگر اک لحظہ ٹھہر جا (۳۱) آئے مری بالیں پہ وہ بے کس میرا بابا
آنکھوں سے ذرا دیکھ لوں دیدار پدر کو
پھر شوق سے تو کاٹ کے لیجائیو سر کو
مظلوم ہوں بے کس ہوں میرا جد ہے پیمبرؐ اس وقت ذرا میری غریبی پہ نظر کر
سینے میں تو دم رکتا ہے اور سانس ہے لب پر (۳۲) اور پاس نہ بھائی ہے نہ بابا ہے نہ مادر
رکھ لوں میں ذرا سر قدم شاہ امم پر
سر کاٹیو میرا میرے بابا کے قدم پر
شہ رونے لگے اور علی اکبرؑ کو پکارا قاتل نہیں اے لال میں بابا ہوں تمہارا
اکبرؑ تمہیں اس وقت بھی ہے دھیان ہمارا (۳۳) کیا حال ہے بابا سے کرو کچھ تو اشارا
کس درد سے ہے خون جگر دیدۂ تر میں
کیا نیزہ کھٹکتا ہے میری جان جگر میں
اکبرؑ نے بحسرت رخ شبیرؑ کو دیکھا کچھ حال نہ اپنا کہا پہلے یہی پوچھا
کہیئے تو مجھے والدہ نے دودھ بھی بخشا (۳۴) شہ بولے کہ اس بات کو عرصہ ہوا کب کا
جب آپ نے بابا کو یہاں یاد کیا تھا
تب دودھ تری ماں نے تجھے بخش دیا تھا

مرثیہ ۱۵

زہرؑا کے مرقع کو مٹایا جو قضا نے　　اور خون سے تصویر بھری اہل جفا نے
مرنے پہ کمر باندھی شہ عقدہ کشا نے (۱)　　مظلوم کو نرغے میں لیا رنج و بلا نے
فرمایا لبِ خشک سے مشغول دعا ہو
ارشاد کیا سر سے کہ امت پہ فدا ہو

یہ کہتے تھے اور تیغوں کے سائے میں کھڑے تھے　　تھے گرد وہ جلاد جو اکبرؑ سے لڑے تھے
محتاج کفن خاک پہ سب چھوٹے بڑے تھے (۲)　　زینبؑ بھی فراموش تھی دکھ ایسے سہے تھے
اک بات مگر شہ کو نہ بھولی تو وہ کیا تھی
یہ مغفرتِ امتِ عاصی کی دعا تھی

اس درجہ بہا زین پہ خونِ شہؑ والا　　جو خانۂ زیں بھر کے بنا خون کا تھالا
اک تیر کسی زخم سے گر شہؑ نے نکالا (۳)　　اس زخم میں پیوستہ ہوا بھالے پہ بھالا
خوں بہنے سے کم زور سوا ہو گئے حضرت
اور پیٹھ سے گھوڑے کے جدا ہو گئے حضرت

شہ گر کے ہوئے غش تو اٹھا غل یہ دوبارا　　ہے ہے مرا بچا مرا پیاسا مرا پیارا
یاں عالمِ غش تھا کہ ادھر شمر پکارا (۴)　　لو کھولو گریباں میں گلا کاٹوں تمہارا
دامن شہ لولاک کے جامے کا سنبھالو
سینہ سے کٹے پیچ عمامے کے اٹھالو

زہرؑا نے صدا دی کہ تجھے کچھ بھی حیا ہے　　او ظالم بے رحم ترحم کی یہ جا ہے
باقی مرے مظلوم کی اب مرنے میں کیا ہے (۵)　　لو پھر گئی ہے کان کی منکا بھی ڈھلا ہے
سینے میں غضب نیزہ لگا ابن انس کا
بچتا تو میرا مر گیا سر کاٹے گا کس کا

یہ سن کے ہوا طیش سوا شمر لعیں کا　　سر کاٹنے آیا وہ شہ عرش نشیں کا
کیوں کر کہوں اس وقت کا تھرانا زمیں کا (۶)　　جب کھولا پئے ذبح گریباں شہ دیں کا
جلاد تو تھا سینۂ شاہِ شہدا پر
شہ لوٹتے تھے سینۂ محبوبِ خدا پر

خط کھینچ کے قاتل نے رکھا حلق پہ خنجر　اور سب ملک و حور پکارے یہ تڑپ کر
کیا قہر و غضب کرتا ہے او شمر ستمگر (۷)　یہ حیدرؑ و زہراؑ یہ حسنؑ ہیں یہ پیمبرؐ
سب خلق رکھے حلق پہ خنجر کے تلے ہیں
یہ حلق نہیں ہیں ارے یہ پانچ گلے ہیں

چلاتے ہیں حور و ملک پیٹ کے سر کو　اور ذبح کیا شمر نے زہراؑ کے پسر کو
فضہؑ نے خبر دی حرم خستہ جگر کو (۸)　لو قتل خوزادہ ہوا میں جاؤں کدھر کو
سیدانیوں دنیا سے تمہارا گیا وارث
رونے کو چلو لاش پہ مارا گیا وارث

زینبؑ نے کہا ہائے اخی وائے حسیناؑ　سیدانیوں کو لے کے چلی رن کو وہ دکھیا
اس غول میں فریاد سکینہؑ تھی یہ پیدا (۹)　ہے ہے مرے بابا مرے بابا مرے بابا
مقتل پہ فلک لایا جو ناموس نبیؐ کو
حلقے میں لیا لاش حسینؑ ابن علیؑ کو

اس حلقے میں زینبؑ کو یہ بانو نے سنایا　حل کیجیے مشکل میری اب لب پہ دم آیا
ہے خواب میں زہراؑ نے دلہن مجھے بنایا (۱۰)　سر گوندھا میرا آنکھوں میں سرمہ بھی لگایا
خاتون قیامت کا بڑا مجھکو ادب ہے
سر ہاتھ سے اپنا جو میں کھولوں تو غضب ہے

تم دختر زہراؑ ہو مجھے بیوہ بنا دو　سر کھول دو اور خاک مرے منہ پہ لگا دو
بی بی میری نتھ بھائی کے لاشے پہ چڑھا دو (۱۱)　اور بین مجھے اپنے گھرانے کے بتا دو
وہ بولی بجا ہوش نہیں بھائی کے غم سے
جو تم سے بن آئے سو کرو پوچھو نہ ہم سے

اِک دن میں قضا کھا گئی بھابھی ترے گھر کو　اب سر کو جو کھولوں گی تو کب کھولوں گی سر کو
کہہ دوں میں مظلوم تو زہراؑ کے پسر کو (۱۲)　پھر منہ پہ ملا خونِ شہ جن و بشر کو
چلائی کدھر جاؤں میں فریاد کو بھائی
نے داد کو کوئی ہے نہ امداد کو بھائی

ہے ہے مرے نانا کی نشانی مرے بھائی ہے ہے نہ ملا نزع میں پانی مرے بھائی
ہے ہے مرے ماں باپ کے جانی مرے بھائی (۱۳) کس قہر کی تھی تشنہ دہانی مرے بھائی

بہنوں کی طرف سے تو ہراسان سدھارے
اولاد کی جانب سے پر ارمان سدھارے

آتی ہوئی مہندی علی اکبر کی نہ دیکھی شادی مرے پالے ہوئے دلبر کی نہ دیکھی
بنڑی مری ہمشکل پیمبر کی نہ دیکھی (۱۴) اک سال گرہ بھی علی اصغر کی نہ دیکھی

پیکاں کا اسے زخم ملا اس کو سناں کا
بچے کی یہ شادی ہوئی یہ بیاہ جواں کا

بھیا ترے گلگوں کفنی پر میں تصدق ماں جائے تیری بے وطنی پر میں تصدق
شبیر تری طبع غنی پر میں تصدق (۱۵) مظلوم تری کم سخنی پر میں تصدق

مظلومی سے تلوار پکڑنے کے میں واری
خنجر کے تلے پاؤں رگڑنے کے میں واری

اب آپ میرے پردے کا چارا نہیں کرتے اب ہاتھ سے پھرنے کا اشارا نہیں کرتے
مقبول سخن کوئی ہمارا نہیں کرتے (۱۶) یوں بہنوں سے ماں جائے کنارا نہیں کرتے

کیوں بھائی یہ کیا کر گئے بن ماں کے بہن سے
جنگل میں مجھے چھوڑ دیا لا کے وطن سے

بے رحم کھڑے ہنستے ہیں مجھ خستہ جگر پر یہ خوں بھرا دامن ہے اوڑھا دو مرے سر پر
لو فوج نے بلوہ کیا سادات کے گھر پر (۱۷) لو آگ بھی خندق سے عدو لے گئے در پر

تیار عمر گھر کے جلانے کو کھڑا ہے
اور خیمے میں بچارا بے ہوش پڑا ہے

یہ سن کے روئی مادر شبیر باوفا اور کربلا کی سمت گئے شاہ کربلا
بس اے دبیر مانگ خدا سے یہ اب دعا (۱۸) خون حسین پیاس کا دیتا ہوں واسطا

روز جزا جہاں میں مری آبرو رہے
روزہ نماز کی بھی مجھے جستجو رہے

مرثیہ نمبر ۱۶

ذرّہ ہے آفتاب در بوتراب کا
ہے عرش آستاں شہ عالی جناب کا
لاریب وہ وصی ہے رسالت مآب کا (۱)
حقّا کہ وہ شفیع ہے روزِ حساب کا
مالک ہیں کارخانۂ پروردگار میں
حکم خدا ہے مثلِ زباں اختیار میں

اللہ رے خاکساری شاہ فلک جناب
جس کو کہا رسولِ خدا نے ابوترابؑ
خیبر کی فتح سے ہوا خیبر شکن خطاب (۲)
حق نے کیا امام مبیں داخل کتاب
سائل کو تین روز جو کھانا عطا کیا
حیدرؑ کو اس عطا نے شہ ھل اتا کیا

کیا کیا ہیں اسمِ اعظم سلطان اوصیاء
جانِ رسولؐ وجہہ خدا دستِ کبریا
خورشید ھل اتا قمرِ برج لافتا (۳)
خیبر شکن درندۂ اژدر گرہ کشا
اسمائے اعظم ان میں خدا کے تمام ہیں
نام خدا علیؑ کے بھی کیا خوب نام ہیں

بارہ بروج ہفت نجوم اور دو جہاں
ارکان چار شش جہت و ہفت آسماں
پست و بلند و لوح و قلم دوزخ و جناں (۴)
ہر سرد و گرم و خشک و تر ظاہر و نہاں
ان سب پہ اختیار ہے شیر الٰہ کا
مالک ہے روز و شب پہ سفید و سیاہ کا

عینِ علیؑ سے عرش علی کی ہے ابتدا
عینِ علی سے شرع محمدؐ کی انتہا
لامِ علیؑ سے صاف دل اسلام کا ہوا (۵)
یائے علیؑ ہے جزو یدِ قدرتِ خدا
اک اپنا نقد جاں میں نثار ان پہ کیا کروں
اس ایک نام پر تو دو عالم فدا کروں

گر ہوں بیاض مل کے سب اوراقِ روز و شب
اور روشنائی جمع ہو شمس و قمر کی سب
اور شاخ ہر شجر کی قلم ہو بحکم رب (۶)
مخلوق سب ہو کاتبِ وصفِ شہ عرب
تا حشر ایک سطر ہو سطرِ دگر نہ ہو
اس میں بھی ابتدا ہو ولیکن خبر نہ ہو

کیا دفترِ فضائلِ حیدرؑ ہے بے شمار　دریائے غرق و شرق کا یکجا اگر ہو قرار
اور ان سے کرکے تر سرِ انگشت بار بار (۷)　گنئے ورق تو ختم نہ ہو خطبۂ وقار

اور صرف اس میں مایۂ دریا کو گر کریں
پانی نہ ہو کہ پھر سرِ انگشت تر کریں

کیا قرب ہے علیؑ کو خدا سے کرو نگاہ　مولدِ علیؑ کا کعبہ ہے مسجد ہے قتل گاہ
کیا ابتدا ہے واہ عجب انتہا ہے وہ (۸)　مبدا بھی منتہا بھی عجب خانۂ الٰہ

دنیا میں پہلے خانۂ حق سے عیاں ہوئے
گھر سے خدا کے پاس، خدا کے رواں ہوئے

عصیاں کو محو کرتا ہے عشقِ شہِ زماں　الفت علی کی شمع رہِ کوثر و جناں
ہیزم کا جیسے آگ نہ باقی رکھے نشاں (۹)　سرنامۂ صحیفۂ اعمالِ مومناں

عصیاں کو بوترابؑ کی الفت دوا ہوئی
بیٹے کی خاک خلق میں خاکِ شفا ہوئی

ذکرِ علیؑ سے عفوِ خطائے زیاں ہو واہ　گوش زد تو ہوئے، بحل گوش کا گناہ
لکھے جو دست ہاتھ کو عصیاں سے ہو پناہ (۱۰)　دیکھے جو لکھ کے پاک ہو ہر جرم سے نگاہ

یہ وصف ہے وہ جس کا صلا بے حساب ہے
اک مدح میں یہ نفع ہے اور یہ ثواب ہے

اکثر علیؑ کو دیکھ کے فرماتے تھے نبیؐ　ماں باپ میرے تجھ پہ فدا اے مرے وصی
یاور ہے نبیؐ وزیر ہے مرتضیٰ علیؑ (۱۱)　وہ ہے حبیبِ حق تو خدا کا ہے وہ ولی

فرمایا شق تو بدر رسولِؐ قدیر نے
کی فتح جنگِ بدر جنابِ امیرؑ نے

مرقوم ہے بتولؑ سے یہ نقلِ بوترابؑ　اک شب کیا زمین نے حیدرؑ سے کچھ خطاب
اس کا سوال سن کے علیؑ نے دیا جواب (۱۲)　اس ماجرے سے مجھکو رہا سخت اضطراب

جب صبح دم گئی میں نبیؐ کے سلام کو
وہ حال سب سنا دیا خیر الانام کو

بولے یہ مسکرا کے رسولؐ فلک جناب   زہراؑ تو شکر کر ترا شوہر ہے بوتراب
دیتی ہے ذرہ ذرہ کا اس کو زمیں حساب (۱۳)   تابع ہیں اس کے شام و سحر ماہ و آفتاب
افسوس دے حساب علیؑ کو زمیں تلک
لاشِ حسینؑ دفن نہ ہو اربعیں تلک

جاری ہوا یہ سکۂ اعجاز مصطفےؐ   ہے نقشِ سم بدر پہ انگلی کی ضرب کا
دیکھو عروج سکۂ فرمان مرتضےؑ (۱۴)   مغرب سے تین مرتبہ مہر فلک پھرا
دنیا کا سیم و زر نہ کسی کو حصول تھا
شمس و قمر پہ حکم علیؑ و رسولؐ تھا

انگشت حکم دست یداللہ پہ میں نثار   کونین مثل حلقۂ خاتم پہ اختیار
سائل کو دی نماز میں انگشتری اتار (۱۵)   دو کار ایک وقت میں یہ ہے بشر کا کار
دیکھو تو اختیار شہ کائنات کو
باہم ادا کیا ہے زکوٰۃ و صلوٰۃ کو

دی ختم اوصیا نے وہ خاتم گدا کو وا   قیمت خراج مملکتِ روم و شام تھا
دے کر انگوٹھی ایک پئے قرب کبریا (۱۶)   زیر نگیں علیؑ نے دو عالم کو کر لیا
خاتم گدا ہی کے نہیں حصے میں آئی ہے
انگشتری علیؑ سے سلیماں نے پائی ہے

کہتے ہیں ہاتھ شہ نے کیا جانبِ گدا   پر معتبر یہ ہے کہ بہ اعجاز مرتضا
انگلی سے خود بخود وہ انگوٹھی ہوئی جدا (۱۷)   اس دم ملائکہ کو خدا نے یہ دی صدا
اس پر پڑھو درود قیام و قعود میں
کی جس سخی نے حق کی سخاوت سجود میں

دی جس نے اس طرح سے انگوٹھی گدا کو آہ   اس کا پسر شہید ہوا جب کہ بے گناہ
اسباب ڈھونڈھنے لگے لاشے کا روسیاہ (۱۸)   اک ہاتھ میں انگوٹھی تھی اس پر پڑی نگاہ
انگشتری کے واسطے ایسا ستم کیا
انگلی کو شہ کی تیغ ستم سے قلم کیا

حق نے کفِ رسولؐ یداللہ کو کہا یعنی رسولؐ کی ہے کفِ دستِ مرتضےٰؑ
ہیں بیعتِ علیؑ میں شرف دو جدا جدا[19] اک بیعتِ نبیؐ ہے اور اک بیعتِ خدا

بالا ہے سب پہ دستِ خدا کائنات میں
بیعت ہوئی ہے بیچ یداللہ کے ہات میں

جب عرش پر گئے شبِ معراج مصطفےٰؐ اور ہم سخن ہوا لبِ قدرت سے کبریا
لکھا ہے صاف صاف وہ حیدرؑ کی تھی صدا[20] گویا زباں خدا کی ہے سلطانِ اوصیا

کیونکر نہ مرتضےٰ پہ صداقت تمام ہو
جس کی زباں سے آپ خدا ہم کلام ہو

بچپن میں ہاتھ بچوں کے ہیں باندھتے عرب تھے سن میں تین دن کے جنابِ امیرؑ جب
مادر نے ہاتھ باندھے علیؑ کے بصد ادب[21] مشکل کشا کو ہاتھ بندھانا روا تھا کب

دستِ خدا نے زور کے رتبے دکھا دیئے
ہاتھ اپنے کھول کر سوئے قبلہ اٹھا دیئے

حضرت کی والدہ نے کیا کچھ نہ التفات اور باندھے ہفت پارچہ سے مرتضےٰ کے ہات
کھل کھل گئے وہ جنبشِ دستِ خدا کے سات[22] اور مسکرا کے آپ نے ماں سے کہی یہ بات

غصہ کرو نہ مجھ پہ کہ شیرِ خدا ہوں میں
باندھو نہ میرے ہاتھ کو مشکل کشا ہوں میں

کرتا ہوں ذکرِ حق کا ہر انگلی پہ میں شمار اٹھتے ہیں ہاتھ بہرِ مناجاتِ کردگار
شیرِ خدا کی طاعت و قدرت پہ میں نثار[23] بندھوانا ہاتھ کا ہوا طفلی میں ناگوار

اک دن وہ تھا کہ صبر کا رتبہ دکھا دیا
ہاتھ اک طرف گلے کو رسن سے بندھا دیا

ہمت پہ شہ کی حجتِ قاطع ہے ذوالفقار دلدل زبانِ حال سے کہتا تھا شہسوار
محبوبِ کبریا کا علمدار و علمدار[24] خود سرِّ حق و کاشفِ اسرارِ کردگار

تھا شہر شہر شہرۂ حیدرؑ جہان میں
حیدرؑ نبیؐ کے علم کا ہے در جہان میں

ایسا جری کہ جس پہ شجاعت کو افتخار دیویں جسے خراج شجاعانِ روزگار
محصول میں علیؑ کو خدا نے بصد وقار (۲۵) بھیجی سلاحِ خانۂ قدرت سے ذوالفقار
انگشتری علیؑ کو جو رستے میں دے گئے
تب عرش پر رسولؐ بھی تشریف لے گئے

خیبر کے در کا حلقہ چہل من کا تھا گراں حیدرؑ نے در اکھاڑ کے پھینکا جو ناگہاں
چالیس گز بلند ہوا زیر آسماں (۲۶) پھر کر دیا اُسے پُلِ خندق زہے تواں
اس وقت تھے نہ پاؤں علیؑ کے زمین پر
خالق نے آفریں کہی آفرین پر

خندق کے عرض طول سے بھی تھا طویل تر خندق پہ اک طرف تو رکھا مرتضیٰؑ نے در
اور اک طرف رکھے تھے در وہ اپنے ہاتھ پر (۲۷) اس پُل پہ سب رسولؐ کا لشکر گزر گیا
جن کو کہ حُبّ ہے فاتح بدر و حنین سے
یوں ہی پل صراط پہ جائیں گے چین سے

کہنے لگے نبیؐ سے رفیق ذوی العقول مظہر عجائبات کا ہے یہ ہمیں قبول
حیرت پہ حیرت آج ہے اصحاب کو حصول (۲۸) پائے علیؑ ہوا پہ معلق تھے یا رسولؐ
بولے نبیؐ یقین رکھو اس دلیل پر
تھے پاؤں شیر حق کے پر جبرئیل پر

کہتے ہیں جب کیا سر مرحب علیؑ نے دو روح الامیں نے دی یہ بشارت رسولؐ کو
مرحب نے اس کو دو کیا تم مرحبا کہو (۲۹) دو کافروں کو دو کیا حیدرؑ نے داد دو
حق نے کہا ہے حرب علیؑ میری حرب ہے
افضل عبادتِ دو جہاں سے یہ ضرب ہے

جرأت تو اس قدر تھی سنو اعلم مرتضیٰؑ سو بار دی غلام کو اک وقت میں صدا
اس نے نہ ایک بار جواب آپ کو دیا (۳۰) پاس اسکے جا کے شہ نے جو پوچھا تو یہ کہا
ظاہر ہے سب پہ زور نبیؐ کے وزیر کا
میں علم دیکھتا تھا جناب امیرؑ کا

شہ بولے ہے ریا سے بری شیر کبریا — دل میں ترے یہ وسوسہ شیطان نے کیا
اس کے سبب سے غصہ کرے شاہ اولیا (۳۱) خالق کی راہ میں تجھے آزاد کر دیا
دوں گا تجھے معاش بھی جب تک جیوں گا میں
خدمت نہ لوں گا اور تری خدمت کروں گا میں

چالیس شخص کے ہوئے مہمان مرتضیٰؑ — اور ایک وقت میں گئے شب کو ہر ایک جا
سب نے کہا سحر کو نبیؐ سے یہ ماجرا (۳۲) بولے نبیؐ کہ شب کو وہ مہمان تھا مرا
جبرئیل وحی لائے کہ ہر جا ظہور تھا
اس شب کو عرش پر وہ خدا کے حضور تھا

اک دن فرات میں جو نہائے شہ زمن — مثل حباب بہہ گیا حضرت کا پیرہن
دریائے فکر میں ہوئے تب آپ غوطہ زن (۳۳) آئی ندا فلک سے کہ اے شیر ذوالمنن
دریا میں بہہ گیا ترا جامہ تو کیا ہوا
اور اور پیرہن لب دریا دھرا ہوا

پوشاک زیب تن جو امیر عرب نے کی — اک نامہ گر پڑا کہ عبارت یہ اس میں تھی
یہ خالق علیؑ کا ہے ہدیہ سوئے علیؑ (۳۴) ہارونؑ کا ہے یہ جامہ کہ موسیٰؑ کا تھا وصی
وہ جامہ تھا یہ سوزنِ قدرت سیا ہوا
پہنا تو جامہ پر شرف اولیا ہوا

کہتا ہے اہل خلد فتوحات باشعور — موسیٰ نے کوہ طور پہ دیکھا خدا کا نور
پر عرش پر گئے جو محمدؐ بصد سرور (۳۵) شکل علیؑ میں ذاتِ خدا نے کیا ظہور
ہر چند شرک ہے جو خدا کو علیؑ کہوں ؎
پر یہ بھی کفر ہے جو خدا سے جدا کہوں

بعضے منافقین یہ کہتے ہیں بار ہا — خود رفتہ ہیں علیؑ کی محبت میں مصطفیٰؐ
دیکھو تو پہلوان ہے اک شاہ لافتا (۳۶) شق القمر سا معجزہ کوئی نہیں کیا
ہر دم لب نبیؐ پہ فضائل علیؑ کے ہیں
گویا اسی لئے لب گویا نبیؐ کے ہیں

؎ میر — ہم علیؑ کو خدا نہیں مانا — پر خدا سے جدا نہیں جانا

جبرئیل لائے وحیِ خداوندِ دوجہاں   اترا زمیں پہ ساتھ ہے اک نجم آسماں
اہلِ نفاق سے یہ نبیؐ نے کیا بیاں (۳۷)   یہ نجم تم کو دے گا وحی کا مرے نشاں
نازل ستارہ ہوئے یہ جس کے مکان میں
برحق وہی وصی ہے ہمارا جہان میں

گھر میں نبیؐ کے نجم و فلک نے کیا نزول   اعدا عروج قدرِ علیؑ سے ہوئے ملول
سب نے کہا یہ متفق اللفظ یا رسولؐ (۳۸)   مہرِ خدا علیؑ پہ بہت ہے کیا قبول
ہم ذرّوں کو عقیدہ ہو جب بوتراب سے
گر کچھ علیؑ کا وصف نہیں آفتاب سے

بولے نبیؐ کہ صبح کو تم آئیو شتاب   ہوئے گا ہم سخن مرے بھائی سے آفتاب
آئے صبح وہ پیشِ رسولؐ فلک جناب (۳۹)   فرمایا مصطفیٰؐ نے کہ آ اے ابوترابؑ
بے تو دلیل مہر سے اپنے شکوہ پر
ان سب کو لائے شیرِ خدا ایک کوہ پر

یوں سوئے آفتاب علیؑ نے کیا خطاب   اے آفتاب تجھ پہ سلام ابوترابؑ
خورشید نے بھی حکمِ خدا سے دیا جواب (۴۰)   اے عبدِ حق وصیِ نبیؐ مالک الرقاب
بے شک کہ تو ہی باطن و ظاہر ہے السلام
حقا کہ تو ہی اول و آخر ہے السلام

وصفِ علیؑ کیا جو یہ خورشید نے بیاں   شرمندہ ہو کے واں سے منافق پھرے یہاں
اک اک سے پوچھنے لگے پیغمبرؐ زماں (۴۱)   دیکھا علیؑ کا مرتبہ سب نے کہا کہ ہاں
کہتے ہو تم وصی کہو میرے وزیر کو
ہم تو خدا کہیں گے جنابِ امیر کو

یا مصطفیٰؐ ہے اول و آخر تو کبریا   ظاہر ہے یہ کہ ظاہر و باطن بھی ہے خدا
کی آفتاب نے یہی حیدر کی بھی ثنا (۴۲)   بولے نبیؐ کہ بندۂ حق بھی تو ہے کہا
باطل سے یہ جدا ہیں یہ حق کا شریک ہے
پوچھو جو حق کی ذات تو وہ لاشریک ہے

اول علیؑ کو مہر نے سب سے کیا بیاں — پہلے سبھوں سے لایا ہے ایمان یہ جواں
اول تو یوں ہے معنی آخر بھی سن لو ہاں (۴۳) — یہ ہے وصی میں ہوں نبیؐ آخر الزماں
باطن میں انبیاء کی مدد مرتضیٰؑ نے کی
ظاہر میں مصطفیٰؐ کی مدد مرتضیٰ نے کی

شیر خدا ہے فخر رسولانِ ما سلف — اس گوہر کمال کے ہیں انبیا صدف
یوں خاصگانِ حق کی ہیں زینت شہ نجف (۴۴) — قرآں کا جیسا سورۂ اخلاص ہے شرف
پنہاں علیؑ سے حال زمان و زمیں نہیں
ہر جا ہے نور حق کی طرح اور کہیں نہیں

موسٰی کو بہر حفظ خدا نے دیا عصا[ل] — عیسٰی کا معجزہ تھا کہ مردے کو دیں جلا
آہن کو موم ہاتھ سے داؤد نے کیا (۴۵) — بخشے خدا نے معجزے سب کو جدا جدا
ان معجزوں کے بدلے مگر مجھ کو کیا دیا
بھائی علیؑ سا خلق کا مشکل کشا دیا

اور طاعت علیؑ میں بشر کیا کرے کلام — واجب ہوا اذان و اقامت میں جس کا نام
لکھا ہے ایک جنگ میں مشغول تھے امام (۴۶) — ناگاہ پشت پا پہ کیا تیر نے مقام
جب کھینچتے تھے پاؤں سے پیکان تیر کا
ہوتا تھا رنگ زرد جناب امیرؑ کا

پیکانِ تیر سے تھا علیؑ کو بہت ملال — چہرہ کبھی تھا زرد کبھی سبز گاہ لال
حق سے رجوعِ قلب کا طاعت میں تھا یہ حال (۴۷) — جس دم نماز پڑھنے لگے شاہ خوش خصال
کھینچا بزور پاؤں سے قنبر نے تیر کو
اصلاً خبر ہوئی نہ جناب امیرؑ کو

شب کو نہ کھانا کھاتے تھے اس غم سے مرتضیٰؑ — شاید کہ ہو گرسنہ کوئی بندۂ خدا
پیوند پیرہن میں یہاں تک تھے جا بجا (۴۸) — کہتے تھے مجھ کو آتی ہے خیاط سے حیا
خوش چھوٹی آستیں سے شہ سرفراز تھا
پر اس سخی کا دستِ سخاوت دراز تھا

[ل] نسخہ ۔ موسٰی کو حق نے تھا ید بیضا عطا کیا

کعبے میں اک عرب پہ علیؑ کی پڑی نگاہ تھیں حق سے اس کی چار دعائیں بہ اشک و آہ
عفوِ گناہ نجاتِ سقر آبرو و جاہ (۴۹) چوتھا سوال یہ تھا خدا سے کہ یا الٰہ
صدقے سے پنجتن کی دعائیں قبول ہوں
درہم بھی مجھکو چار ہزار اب حصول ہوں

شہ نے کہا عرب سے کہ اے بندۂ خدا تیرے سوال تینوں ہیں مقبولِ کبریا
پر یہ مجھے بتا کہ تو درہم کرے گا کیا (۵۰) پوچھا جو اس نے نام تو حیدرؑ نے یہ کہا
حیدرؑ ابو تراب علیؑ خاکسار ہوں
ادنیٰ میں ایک بندۂ پروردگار ہوں

بولا عرب بس اب مری حاجت ہوئی روا مشکل کشائے خلق بھی تو نام ہے ترا
تو شبرِ حق ہے اے میں ترے نام کے فدا (۵۱) یہ کہکے اس نے مصرفِ درہم بتا دیا
شہؑ بولے یاں سے عزم مدینے کا کیجیو
درہم یہ تیرے قرض ہیں واں ہم سے لیجیو

یثرب میں چند روز کے بعد آیا وہ عرب لائے حسنؑ حضورِ علیؑ کے بصد ادب
اور گھر میں فاقے سے تھے یہاں اہلِ بیت سب (۵۲) سلمان کو بلا کے یہ بولے ولیِ رب
مہماں رہے گرسنہ یہ ہمت سے دور ہے
بیچو ہمارا باغ ہمیں کچھ ضرور ہے

سلماں نے بیع باغ امیرِ عرب کیا بارہ ہزار درہم شرعی کو وہ بکا
قیمت جو آئی روبرئے شاہ لافتا (۵۳) حسب الطلب عرب کو وہ درہم کئے عطا
دعوت کے بھر چہل درہم اس کو عطا کئے
باقی تمام راہِ خدا میں لٹا دیئے

گھر میں گئے امیرؑ تو زہراؑ نے یہ کہا میں نے سنا کہ بیع ہوا باغ آپ کا
شہ نے کہا درست ہے اے بنتِ مصطفٰےؐ (۵۴) بیچا بھی اور مول بھی باغِ ارم لیا
مقبول ہو یہ قدر جناب الٰہ میں
قیمت سب اس کی صرف ہوئی حق کی راہ میں

زہراؑ نے اٹھ کے دامنِ حیدرؑ پکڑ لیا (۵۴) رو کر کہا سخی و غنی آپ ہیں بجا
درہم نہ لا کے ایک بھی تم نے مجھے دیا (۵۵) فکرِ طعام آج تو کرتی میں کچھ بھلا
بچپن میں سارے بچوں کو دنیا میں چین ہیں
فاقے سے تین دن سے حسنؑ اور حسینؑ ہیں

بھوکا ہے گو حسینؑ مرا طفل خورد سال بھوک میں کہا یہ عجب درد کا مقال
کہتے تھے دونوں بھائی ہیں ہم جیسے خستہ حال (۵۶) ایسا نہ ہوگا فاقے سے بچہ کوئی نڈھال
تقریر ہے حسنؑ کی ہمیں کیا کھلاؤ گی
اماں گرسنہ آج بھی ہم کو سلاؤ گی

میرے بھی گو حواس نہیں بھوک سے بجا پر بے حواس بھوک سے بچوں کی ہوں سوا
اب ہاتھ سے نہ چھوڑوں گی دامن کو مطلقاً (۵۷) جب تک نہ درمیاں میں کریں حکم مصطفاؐ
تسکین دی بہت سی وصیِ رسولؐ نے
چھوڑا مگر نہ دامنِ حیدرؑ بتولؑ نے

ناگاہ مثلِ وحیِ خدا آئے مصطفاؐ فرمایا کانپ کانپ کے اے فاطمہ یہ کیا
جبرئیل آئے تھے ابھی کچھ تو نے ہے سنا (۵۸) بعد از سلام تجھ کو خدا نے ہے یہ کہا
تجھ سے خجل ہے شیر یہ ربِ قدیر کا
خاطر سے میری چھوڑ دے دامن امیرؑ کا

خیر النساءؑ نے چھوڑ دیا دامنِ جناب اور عرض کی کہ عفو کر دیا ابو ترابؑ
آیا طبق بہشت سے اک مثلِ آفتاب (۵۹) اس میں طعامِ خلد رکھا تھا بہ آب و تاب
ہاتف نے دی ندا کہ دعا مرتضیٰ کی ہے
زہراؑ خوشی علیؑ کی خوشی کبریا کی ہے

یارو سنا وقارِ وصیِ رسولؐ پاک پر اب کرو تم اپنے گریباں کو چاک چاک
سر پر اڑاؤ صاحبِ قائم کی طرح خاک (۶۰) اور وا علیؑ زباں سے کہو ہو کے دردناک
شیرِ خدا تمام ہوئے وامصیبتا
سب شیعہ بے امام ہوئے وامصیبتا

ام البنین بیوہ ہوئیں پیٹو اپنا سر　　پرسا حسنؑ حسینؑ کو دیتے تھے یکسو گر
بارہ پسر ہیں لاش پہ حیدر کی نوحہ گر　　عباس نو برس کے ہوئے آج بے پدر (۶۱)
سدرہ پہ یہ بلند ہے فریاد جبرئیل
فریاد قتل ہو گیا استادِ جبرئیل

لکھا ہے کانپ گیا عرش کردگار　　زخمی ہوئے جو سجدے میں آقائے روزہ دار
اس شکل سے بھی ہوگئی جاری لہو کی دھار　　تصویر تھی علیؑ کی فلک پر جو بے قرار (۶۲)
ساماں یہ تھا کہ عرش سرِ خاک گر پڑے
نزدیک تھا کہ گنبد افلاک گر پڑے

کیا پھر ہوا شگافتہ پہلو بتولؑ کا　　جبرئیل سے ملائکہ نے آن کر کہا
جبرئیل نے کہا کہ ہوئے قتل مرتضیٰؑ　　محسن سا بچہ آج کوئی قتل پھر ہوا (۶۳)
نانا کو روئے ماں کے لئے نعرہ زن ہوئے
دنیا میں اب یتیم حسینؑ و حسنؑ ہوئے

گھر میں اٹھا کے لائے علیؑ کو جو دونوں لال　　جبرئیل تو فلک پہ یہ کرتے تھے قیل و قال
خوں سے نم ہوگئی حضرت کی ریش لال　　مسند پہ سوئے قبلہ لٹایا بصد ملال (۶۴)
لانے میں گھر کے صدمہ جو پہنچا تھا شاہ کو
غش آگیا وصی رسالت پناہ کو

اللہ رے رحم شاہ نے شفقت سے کی نگاہ　　قاتل کی مشکیں باندھ کے لائے حضور شاہ
میرا گنہگار ہے یہ میں نے دی پناہ　　بیٹوں سے اپنے کہنے لگے ضیغم الٰہ (۶۵)
ہاتھ اس کے کھولو جلد کہ حاجت روا ہو تم
مشکل کشا کے بیٹے ہو مشکل کشا ہو تم

فرزند لائے ساغر شربت تو یہ کہا　　اور وقتِ شام کے دم افطار جب ہوا
میں بھی نہیں پیوں گا جو اس نے نہیں پیا　　مجھکو تو دیتے ہو مرے قاتل کو بھی دیا (۶۶)
آب و طعام بند نہ قاتل پہ کیجیو
پہلے اسے پلا لو تو پھر مجھ کو دیجیو

القصّہ مومنو! ہوئی اکیسویں جو رات سونپا حسن کے ہاتھ میں حضرت نے سب کا ہات
بس باقی ایک رہ گئے عباس نیک ذات (۶۷) ناگہہ کہیں سے شہ نے سنی نوحہ کی یہ بات

یہ کس کی آہ دل سے مرے پار ہوتی ہے
زینبؑ پکاریں مادرِ عباسؑ روتی ہے

ام البنین یہ کہتی تھیں آنسو بہا بہا عباسؑ کو سپرد حسنؑ کے نہ کیوں کیا
کم رتبہ ہوں میں بیٹا بھی کم رتبہ ہے مرا (۶۸) قابل سپرد کرنے کے عباسؑ کیا نہ تھا

شہ بولے رو کے سمجھا میں اس شور و شین کو
عباسؑ کو بلاؤ یہاں اور حسینؑ کو

عباسؑ اور حسینؑ جو یاں آئے ننگے سر سلجھائیں زلفیں دونوں کی شہ نے بچشم تر
فرمایا اب نہ بیٹو کہ ہے رخصتِ پدر (۶۹) تم رہو دونوں پیار سے آپس میں عمر بھر

عباسؑ سے کہا کہ امام اپنا جانیو
ان سے کہا تم بھی غلام اپنا جانیو

یہ کہکے بند کر لیا حجرے کا اپنے در کلمہ پڑھا بہشت بریں کا کیا سفر
غسل و کفن حسنؑ نے دیا با دوچشمِ تر (۷۰) تابوت میں اٹھا کے رکھا لاشۂ پدر

سر ننگے سینہ پیٹتے بارہ خلف چلے
شاہ نجف کو لے کے بسوئے نجف چلے

بالیں سے تو امیرؑ کا تابوت خود اٹھا تھے پائتی کو حامل تابوت دلربا
رو رو کے تب حسنؑ نے یہ اصحاب سے کہا (۷۱) تابوت کے سرہانے ہیں پیغمبرِ خدا

اک پائے کو اٹھائے رسولِ جلیل ہیں
اک سمت خضرؑ ایک طرف جبرئیل ہیں

جب عنقریب دشتِ نجف کے کیا گذار پیدا ہوا تب ایک سوارِ نقاب دار
بولا حسنؑ حسینؑ کے پاس آکے وہ سوار (۷۲) بس اب جنازہ دو مجھے ہے مجھکو اختیار

ارشاد ہوئے گا جہاں ربِ قدیر کا
مرقد وہیں بنے گا جناب امیرؑ کا

رو کر کہا حسنؑ نے کہ اے بندۂ خدا نام اپنا تو بتا ہمیں یا شکل تو دکھا
اس نے کہا صدا انہیں پہچانئے ہو کیا (۷۳) یہ کہہ کے پھر نقاب کا گوشہ الٹ دیا
دیکھا تو چہرہ خون سے رنگین تمام ہے
خود حضرتِ امیر علیہ السلام ہے

سر کو رکاب شہ پہ یتیموں نے رکھ دیا آنکھیں قدم پہ ملنے لگے دونوں دلربا
عرشِ خدا سے آئی یہ شہزادوں کو صدا (۷۴) قدرت ہمارے دوست کو اس سے بھی ہے سوا
تابوت اپنا لے کے علیؑ تو رواں ہوئے
فرزند سر کو پیٹتے گھر کو رواں ہوئے

یارو سنا امیرؑ کے تابوت کا بیاں بارہ پسر تھے ساتھ جنازے کے نوحہ خواں
میکائیلؑ و جبرئیلؑ و خضرؑ کرتے تھے فغاں (۷۵) مظلوم کربلا کی تو ہے بیکسی عیاں
پڑتی تھی دھوپ لاش پہ اور پیرہن نہ تھا
تابوت کیسا قبر نہ تھی اور کفن نہ تھا

حیدرؑ کو قتل گاہ سے جس دم اٹھا کے لائے اصحاب حال پرسی شیر خدا کو آئے
پر زخم کھا کے رن میں گرے جب حسینؑ ہائے (۷۶) کوئی نہ تھا جو لاشۂ مظلوم کو اٹھائے
زینبؑ درِ خیام پہ کیا کیا تڑپتی تھی
مقتل کے پاس بیٹے کے زہراؑ تڑپتی تھی

شربت خدا کے شیر نے قاتل کو بھی دیا پانی نہ وقتِ ذبح بھی شبیرؑ کو ملا
لکھا ہے شمرِ لعیں کھینچ کے خنجر کو جب بڑھا (۷۷) جنگل سے آئی فاطمہؑ کے رونے کی صدا
شہ نے کہا کہ شاد ہوں میں قتل ہونے سے
پر اب کلیجہ پھٹ گیا زہراؑ کے رونے سے

پھر روح فاطمہؑ سے یہ شہ نے کیا بیاں کیوں آئیں آپ خلد سے میرے لئے یہاں
آئی صدا کہ اے مرے مظلوم و خستہ جاں (۷۸) تو ذبح ہو قبر سے نکلے نہ تیری ماں
جلتی ہوئی زمیں پہ جو تو اے حسینؑ ہو
پھر کس طرح سے قبر میں زہراؑ کو چین ہو

گر بے کے پالتا ہے کسی کا کوئی پسر اور اس پسر پہ پڑتا ہے کچھ حادثا اگر
ہوتا ہے صدمہ پالنے والے کو کس قدر (۷۹) تو تو مرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے اے جگر
تو مرتضیٰؑ کی جان ہے اور دل رسولؐ کا
واری لہو شریک تھا تجھ میں بتولؑ کا

میں نے تو نو مہینے تجھے پیٹ میں رکھا میں نے تو اپنا شیر تجھے دو برس دیا
تو لوٹ لوٹ کر مرے سینے پہ ہے پلا (۸۰) اب شمر تیرے سینۂ نازک پہ ہے چڑھا
محسن کی لاش تیرے برابر لٹاؤں گی
اب تجھکو زیر تیغ گلے سے لگاؤں گی

بس اے دبیر حق سے دعا کر با اشک و آہ ہو اوج بانیٔ مجلس کا یا الٰہ
ہو افتخار[۱] دولت و اقبال و عز و جاہ (۸۱) حیدرؑ کے حفظ میں رہے ہر شام ہر پگاہ
دنیا و دیں میں مرتبہ برتر نصیب ہو
عمر خضر وقار سکندر نصیب ہو

---

[۱] افتخار الدولہ کی تعریف میں یہ رباعی بھی دبیر کی قابل ذکر ہے ؎

اس در پہ ہر اک شاد ماں رہتا ہے خنداں گل امید یہاں رہتا ہے
ہر فصل میں دست افتخار الدولہ نیساں کی طرح گہر فشاں رہتا ہے

مرثیہ ۱۷

جب صبحِ شبِ قتل ہوئی رن میں نمودار — آفت میں گھرا لختِ دلِ حیدرِ کرار
قربان ہوئے انصار تصدق ہوئے دلدار (۱) — قائم رہے اور اکبرؑ و عباسؑ علمدار
اک دم میں دل بروں کا لہو بہہ گیا رن میں
کُل تین جواں رہ گئے ہفتاد و دو تن میں

اس وقت میں رخصت کے نہ ملنے کا جو تھا غم — استادہ تھا فرزندِ حسنؑ سر کو کیے خم
آنکھوں کے تلے تیرہ و تاریک تھا عالم (۲) — روتا تھا لہو، دل پہ چھری چلتی تھی ہر دم
سامان مہیا تھے عدم کے سفری کے
مرنے کی سند پاس تھی بازو پہ جری کے

بس تاب نہ ان کے دلِ بے تاب کو آئی — تحریر وصیت شہ عالم کو دکھائی
پڑھتے تھے اُسے، شاہ کو رقت بہت آئی (۳) — آنکھوں سے سند بھائی کی حضرت نے لگائی
حالت ہوئی تغیر شہ تشنہ دہن کی
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر حسنؑ کی

اک آہ کی اس فخرِ مسیحائے زمن نے — سر رکھ دیا قدموں پہ جگر بندِ حسنؑ نے
لپٹا لیا سینے سے شہ تشنہ دہن نے (۴) — آغوشِ تمنا میں لیا گل کو چمن نے
قاسمؑ کو لیے سرورِ جن و بشر آئے
روتے ہوئے خیمے میں شہ بحر و بر آئے

ارشاد کیا شاہ نے اے زینبؑ مضطر — جاتا ہے جہاں سے جگرِ حضرتِ شبرؑ
کیوں کر نہ گرے کوہِ الم میرے جگر پر (۵) — چھٹتا ہے مری گود کا پالا ہوا دل بر
سب مر چکے اب جینے سے تنگ آئے ہیں قاسمؑ
مرنے کی سند پاس مرے لائے ہیں قاسمؑ

تقدیر کا لکھا یہ وصیت ہے حسنؑ کی — خط ہے کہ مشیت ہے خداوندِ زمن کی
نسبت غم و شادی میں ہے اس غنچہ دہن کی (۶) — وہ وقت ہے دولہا بنے اور راہ لے رن کی
پابندِ مقدر دلِ رنجور رہے زینبؑ
بھائی کی وصیت مجھے منظور ہے زینبؑ

جنت کے مسافر سے کرو فاطمہؑ کا بیاہ　شادی کا سرانجام کرو، خواہرِ ذی جاہ
مشتاقِ شہادت کو بناؤ ابھی نوشاہ (۷)　خیمے کو کرو رشکِ دہِ حجلۂ دل خواہ
مٹ جائے گی تصویر کوئی دم میں حسنؑ کی
حسرت نہ دلِ زار میں رہ جائے دلہن کی

جس طرح بھتیجا یہ مرا تشنہ دہن ہے　کبریٰ پہ وہی پیاس کا صدمہ ہے، محن ہے
یاں جوڑے شہانے کے عوض رختِ کفن ہے (۸)　پوشاکِ عزا کے لئے ناشاد دلہن ہے
لاش ان کی تو بے گور بیاباں میں رہے گی
محبوس، دلہن، خانۂ زنداں میں رہے گی

ماں قاسمِ نوشہ کی کدھر ہیں، ادھر آئیں　دولہا کوئی دم کے لئے قاسمؑ کو بنائیں
شادی میں کسی طرح کا وسواس نہ لائیں (۹)　جو رسم کہ اس گھر کی ہے وہ آکے بتائیں
اس پھول کو پروان چڑھا دیکھ لیں بھائی
فرزند کا سہرہ تو بھلا دیکھ لیں بھائی

جس وقت سنی مادرِ قاسمؑ نے یہ تقریر　بولی کہ زہے لطف، نثار شہِ دل گیر
کیا خوب ہے، یاشاہ مرے لال کی تقدیر (۱۰)　فرماتے ہیں خود قبلۂ دیں بیاہ کی تدبیر
نادار ہوں، قدرت ہے نہ مقدور رہے مجھ کو
جو مرضیِ اقدس، وہی منظور رہے مجھ کو

بانو نے یہ تقریرِ غم اس وقت سنائی　کیا عذر جو ارشادِ شہِ کرب و بلائی
لوگو، ہوئی اک دم میں بھرے گھر کی صفائی (۱۱)　ہے ہے، ہوئی برباد غریبوں کی کمائی
غم دل میں ہے اور داغ ہیں پیاروں کے جگر میں
شادی کہیں ہوتی ہے بھلا موت کے گھر میں

ہے شورِ قضا، گرم ہے اب موت کا بازار　ہر ایک ہے مرنے پہ کمر باندھ کے تیار
جیتا نہ بچے گا کوئی جز عابدِ بیمار (۱۲)　یہ عقد کا ہنگام ہے، یا سیدِ ابرار؟
نوشاہ جو مقبولِ ستم ہوئے گا مولا
یہ دوسرا اندوہ و الم ہوئے گا مولا

شہ نے کہا کیا کہتی ہو اے بانوئے ناچار — اس امر میں ہے مصلحتِ ایزدِ غفار
مقتول ہو رن میں حسنؑ پاک کا دلدار (۱۳) بیوہ ہو مری فاطمہؑ کبریٰ جگر افگار
در بند ہوئے شادیِ اولادِ علیؑ کے
برسوں کو اٹھا بیاہ، گھرانے سے نبیؐ کے

القصہ عزاخانے میں یہ بیاہ رچایا — فی الفور دُلہن فاطمہ کبرا کو بنایا
قاسمؑ کو اُدھر خلعت شاہانہ پہنایا (۱۴) پھولوں سے گلِ باغِ محمدؐ کو بسایا
بہنیں سرِ نوشاہ پہ آنچل کو اُڑھا کر
قرباں ہوئیں مسندِ زریں پہ بٹھا کر

صیغہ شہ بے کس نے پڑھا با دلِ مغموم — رانڈوں میں مبارک کی سلامت کی ہوئی دھوم
ہاتف کی ندا آئی کہ یہ سب کو ہو معلوم (۱۵) یہ دولہا دلہن راحت و عشرت سے ہیں محروم
روتے ہوئے باہر شہ والا نکل آئے
پکڑے ہوئے ہاتھوں سے کلیجا نکل آئے

اس دم تھا عجب خیمۂ شبیرؑ میں عالم — اک سمت کو شادی تھی اور اک سمت کو ماتم
جو گرد تھے اہلِ حرم سیدِ اکرم (۱۶) اور بیچ میں نوشاہ سرِ پاک کیے خم
کہتی تھی قضا، اس لیے یہ شکل بنی ہے
اک دم میں نہ شادی نہ بنا ہے نہ بنی ہے

تھا شور کہ بے مثل یہ دولہا یہ دُلہن ہے — وہ بنتِ حسینؑ اور یہ فرزند حسنؑ ہے
وہ صیدِ اجل ہے، یہ گرفتارِ محن ہے (۱۷) یہ چاند، وہ سورج ہے، یہ نکہت وہ چمن ہے
وہ بے کس و مظلوم ہے بابا کے چلن پر
یہ صابرہ ہے فاطمہ زہراؑ کے چلن پر

ناگاہ اٹھا شور مبارز طلبی کا — کیوں جنگ میں ہے دیر یہ گویا ہوئے اعدا
یہ سنتے ہی فق ہو گیا نوشاہ کا چہرا (۱۸) اک نالۂ پُر غم دلِ پُر درد سے کھینچا
چپکے سے کہا ماں سے کہ اب دیر ستم ہے
اے والدہ صاحبہ دم امداد و کرم ہے

تنہا شہِ والا ہیں نہ یاور ہیں نہ انصار   سنیے کہ مبارز طلبی کرتے ہیں کفار
یا اکبرؑ و عباسؑ ہیں یا میں جگر افگار (۱۹) اب کوئی نہیں عمو سے بے کس کا مددگار
پردیس میں حضرت پہ مصیبت یہ پڑی ہے
آفت کا ہے ہنگام، قیامت کی گھڑی ہے

سب مر گئے ہم نے نہ رضا مرنے کی پائی   فریاد ہے کس سے کہیں قسمت کی برائی
کیا قہر ہے، باری مرے مرنے کی نہ آئی (۲۰) کس کس نے نہ میدان میں جان اپنی گنوائی
اب بھی نہ اگر اذنِ وغا پاؤں گا اماں
میں آپ گلا کاٹ کے مر جاؤں گا اماں

ہو شہ سے کسی طرح رضا مرنے کی حاصل   حل کیجیے اب آپ مرا عقدۂ مشکل
سینے میں تڑپتا ہے جگر صورتِ بسمل (۲۱) خادم کو یہ ہے رنج کہ قابو میں نہیں دل
یہ صبر کا موقع ہے، تحمل کی یہ جا ہے
اماں یہ رضا احمدؐ و زہراؑ کی رضا ہے

اب ساس ہیں، صدقے گئی، مختار تمہاری   ارشاد کیا ماں نے یہ کیا کہتے ہو واری
لو کرتی ہے گھونگھٹ میں دلہن گریہ و زاری (۲۲) وہ سب کی ہیں سردار، وہ مالک ہیں ہماری
تسکین و دلاسا دو اس آوارہ وطن کو
پہلے یہ مناسب ہے کہ سمجھاؤ دلہن کو

ہے ہے، دلِ نازک پہ یہ اندوہ یہ آفت   اب تم سے زیادہ مجھے کبریٰ کی ہے الفت
ہے قہر یہ رخصت یہ جدائی ہے قیامت (۲۳) یہ بیاہ، یہ بچپن، یہ رنڈاپے کی مصیبت
سینے میں جگر رنج سے پھٹ جائے گا اس کا
جاؤ گے جو تم، تختہ الٹ جائے گا اس کا

کلمہ کوئی تسکین کا فرما کے سدھارو   گھونگھٹ میں دلہن روتی ہے سمجھا کے سدھارو
گوشے میں دلہن کو کہیں بٹھلا کے سدھارو (۲۴) رہنے کا ٹھکانا کہیں بتلا کے سدھارو
تم چھوٹتے ہو عالمِ تنہائی ہے اس پر
اس سن میں رنڈاپے کی بلا آئی ہے اس پر

یہ سنتے ہی اِک ابر الم قلب پہ چھایا — سر شرم سے اس کشتۂ حسرت نے جھکایا
گھبرا کے قریب آکے یہ چپکے سے سنایا (۲۵) تقدیر سے یہ بیاہ ہمیں راس نہ آیا
میداں میں نہ جنگل میں نہ اب گھر میں ملیں گے
بچھڑے ہوئے بس آج کے محشر میں ملیں گے

للہ سرِ پاک کو زانو سے اٹھاؤ — گھونگھٹ کو اٹھا کر مجھے دیدار دکھاؤ
مشتاق کو آواز تو اک بار سناؤ (۲۶) دل میرا ابھر آتا ہے، آنسو نہ بہاؤ
کچھ دیر میں منہ اشکوں سے دھو لیجیو صاحب
لاشے پہ میرے خوب سا رو لیجیو صاحب

تنہا نہ تمہیں چھوڑ کے میدان کو جاتا — لاچار ہوں، ناچار ہوں، کچھ بن نہیں آتا
حضرت سے زمانہ ہے عزیزوں کو چھڑاتا (۲۷) آقا مرا دم لینے کی مہلت نہیں پاتا
مرنے کے لئے اکبرؑ و عباسؑ بہم ہیں
اس وقت عجب طرح کی تشویش میں ہم ہیں

عباسؑ کے مرنے کا الم دیکھ سکوں گا؟ — اکبرؑ سے جواں مرگ کا غم دیکھ سکوں گا؟
حضرت کا سرِ پاک قلم دیکھ سکوں گا؟ (۲۸) ناموسِ پیمبرؐ پہ ستم دیکھ سکوں گا؟
ہوں خون میں تر، مصلحتِ وقت یہی ہے
ہنگامِ وفا وقتِ اجازت طلبی ہے

کیں یاس کی باتیں جو دل و جانِ حسنؑ نے — دامانِ قبا تھام لیا رو کے بہن نے
چپکے سے کیا عرض یہ اس غنچہ دہن نے (۲۹) ہے ہے عجب اندوہ دیے چرخِ کہن نے
جاتے ہو یہاں کس پہ مجھے چھوڑ کے صاحب
منہ موڑتے ہو آس مری توڑ کے صاحب

صاحب، میرے رہنے کا ٹھکانا تو بتاؤ — والی، مجھے صدمہ سے اسیری کے بچاؤ
للہ مجھے خاک کے پردے میں چھپاؤ (۳۰) جاؤ یہ مری قبر بتاتے ہوئے جاؤ
دم نکلے تو دل کا مرے ارماں نکل جائے
مانگو یہ دعا، تن سے مری جاں نکل جائے

یہ سنتے ہی بے تاب ہوئے قاسم پرغم روکر کہا، سمجھاؤ دلِ زار کو اس دم
تقدیر سے کیا زور ہے، مجبور ہیں اب ہم (۳۱) امت کا بھلا اس میں ہے، اے صاحب ماتم
آخر دلِ بے تاب ٹھہر جائے گا صاحب
کچھ دن کا یہ صدمہ ہے گزر جائے گا صاحب

اے تازہ گرفتار، اے حافظ و ناصر اے بے کس و لاچار، خدا حافظ و ناصر
ناشاد، دل افگار، خدا حافظ و ناصر (۳۲) اے میرے عزادار، خدا حافظ و ناصر
صاحب تمہیں بانوئے شہنشاہ کو سونپا
لو، اے مرے ہمدم، تمہیں اللہ کو سونپا

یہ کہہ کے اٹھے روتے ہوئے ٹیک کے تلوار رخصت کی ہوئی دھوم، ہوا حشر نمودار
مایوس ہوئے سب حرمِ احمدِ مختار (۳۳) بہنوں کی یہ تھی قاسم نوشاہ سے گفتار
تسلیم دل افگاروں کی لیتے ہوئے جاؤ
حق نیگ کا، بھیا، ہمیں دیتے ہوئے جاؤ

بے تاب تھی اس وقت بہت بانوئے سرور قاسم کو گلے آکے لگاتی کبھی رو کر
پٹا کے گلے فاطمہ کبریٰ کو وہ مضطر (۳۴) کہتی تھی کہ ہے ہے، میری بچی کا مقدر
تقدیر میں منہ اشکوں سے دھونا تھا، میں واری
اک دم کے لئے بیاہ کا ہونا تھا، میں واری

ہے ہے، مری پیاری تجھے قسمت نے رلایا ہے ہے، مری پیاری نے بڑا داغ اٹھایا
یہ بیاہ مری لاڈلی کو راس نہ آیا (۳۵) نوشاہ تجھے بیاہ کے لے جانے نہ پایا
یہ بیاہ زمانے سے نرالا ہوا، ہے ہے
چوتھی ہوئی نبڑی کی نہ چالا ہوا، ہے ہے

یوں درد سے گریاں تھی ادھر بانوئے مغموم رخصت ہوئے اک ایک سے یاں قاسمِ مظلوم
لڑنے کو چلا لختِ دلِ سیدِ مسموم (۳۶) اس وقت یہ خیمے میں ہوئی چاروں طرف دھوم
فریاد، بڑا داغ دیے جاتے ہیں قاسمؑ
لو، فاطمہ کو رانڈ کیے جاتے ہیں قاسمؑ

ماں کہتی تھی، صورت تو دکھاتے ہوئے جاؤ کب آؤ گے، واری، یہ بتاتے ہوئے جاؤ
روٹھی ہے دلہن، اس کو مناتے ہوئے جاؤ بو، سہرے کی لڑیوں کی سنگھاتے ہوئے جاؤ (۳۷)
کس وقت سواری میری جان آئے گی رن سے
قربان گئی، کیا کہہ جاتے ہو دلہن سے

اے لال تیری چاند سی صورت کے میں صدقے کس پاس سے منہ تکتے ہو، غربت کے میں صدقے
اے میرے بہادر تیری شوکت کے میں صدقے (۳۸) کس وقت میں سر دیتے ہو ہمت کے میں صدقے
فاقوں میں چڑھے لشکر سرہنگ پہ بیٹا
پروان کے چڑھتے ہی چڑھے جنگ پہ بیٹا

تر خون میں ہو جائے گا جوڑا یہ شہانا یہ وقت شہادت کا یہ شادی کا زمانا
رہ جائے گا اس بیاہ کا دنیا میں فسانا (۳۹) صدقے گئی، اس پردے میں تھا موت کا آنا
خنجر الم و غم کا میرے دل پہ پھرے گا
سہرہ ترے چہرے سے جو کٹ کٹ کے گرے گا

یہ کہہ کے گلے پیار سے بیٹے کو لگایا اور لفظ خدا حافظ و ناصر کا سنایا
روتا ہوا ڈیوڑھی پہ وہ رشکِ قمر آیا (۴۰) پردہ درِ دولت کا خواصوں نے اٹھایا
خیمہ سے مہ برج تجلا نکل آیا
نور آنکھ سے سینہ سے کلیجا نکل آیا

پائی جو رضا سرو ریاضِ حسنی نے کی آہ جگر تھام کے گھونگھٹ میں نبی نے
ہتھیار سجے، تن پہ شجاعت کے دھنی نے (۴۱) بے تاب کیا ولولۂ تیغ زنی نے
خیمے سے مہ برج تجلا نکل آیا¹
نور آنکھ سے سینے سے کلیجا نکل آیا

دیکھا جونہی کرسی پہ شہِ عرش نشیں کو تسلیم کی آداب سے جھک کر شہِ دیں کو
خورشید نے پرنور کیا خانۂ زیں کو (۴۲) دی حق نے جگہ رحل پہ قرآنِ مبیں کو
طاؤس گلستاں کی طرح تن گیا گھوڑا
ضیغم کے اشارے سے ہرن بن گیا گھوڑا

---

¹ یہ شعر اوپر کے بند میں بھی درج ہوا ہے۔ غالباً یہ بند نسخہ کے طور پر لکھا گیا ہے۔

شمشادِ گلستانِ حسنؑ ہے یہ دلاور دل بندِ شہِ قلعہ شکن ہے یہ دلاور
مختارِ دلیرانِ زمن ہے یہ دلاور (۴۳) آئینۂ صولت ہمہ تن ہے یہ دلاور
نولاکھ پہ ہے صاحبِ شمشیر کی آمد
چلّاتے ہیں روباہ کہ ہے شیر کی آمد

جو حق ہے وہ اب حق ہو، جو باطل ہو وہ باطل کیا تاب کہ اسلام سے ہو کفر مقابل
اب صلِّ علیٰ شرک کی ظلمت ہوئی زائل (۴۴) جلوۂ توحید سے پر نور ہوا دل
قائل ہیں صنم وحدتِ ربِ دوجہاں کے
ناقوس کی آواز میں نعرے ہیں اذاں کے

سینوں میں جگر جلتے ہیں بیدادگروں کے ہوش اڑتے ہیں مانندِ ہوا خیرہ سروں کے
ہیں نقشِ علم نام و نشاں نام وروں کے (۴۵) گیسو کی طرح کھلتے ہیں کس بل کمروں کے
دہشت سے دلیروں کے عجب حال ہوئے ہیں
چیونٹی کی طرح مورچے پامال ہوئے ہیں

ہے شیرِ نیستانِ شجاعت یہ غضنفر سیرت میں حسنؑ دبدبہ و جاہ میں حیدرؑ
ایسا کوئی صفدر ہے نہ ایسا ہے دلاور (۴۶) ہے قہر کی چتون تو قیامت کے ہیں تیور
ہے دور بہادر کی سواری ابھی رن سے
پر طائرِ جاں ڈر کے اڑے جاتے ہیں تن سے

اس عمر میں یہ زور، یہ طاقت نہیں دیکھی نولاکھ پہ جاتے ہیں یہ جرأت نہیں دیکھی
صف گرتی ہے صف پر، یہ شجاعت نہیں دیکھی (۴۷) دل ہلتے ہیں شیروں کے یہ ہیبت نہیں دیکھی
فرزند ہے فرزندِ شجاعِ ازلی کا
کیوں کر نہ بہادر ہو کہ پوتا ہے علیؑ کا

ان ہاتھوں نے قوت ہے یداللہ کی پائی یہ دستِ کرامت ہیں پئے عقدہ کشائی
یہ ہاتھ یہ انگشت یہ پنجہ یہ کلائی (۴۸) خود ہاتھ سے ہے صانعِ قدرت نے بنائی
حلّالِ مہمات پئے پیر و جواں ہیں
یہ دستِ زبردستِ معینِ دوجہاں ہیں

اللہ رے نزاکت فرسِ غنچہ دہن کی — آتی ہیں نظر صاف رگیں گل سے بدن کی
سیرت ہے اگر شیر کی صورت ہے ہرن کی (۴۹) رانوں میں ٹھہرتا نہیں بو سونگھ کے رن کی
دُھن ہے کہ گزر جائے حدِ چرخِ بریں سے
ہر جست میں یہ قصد کہ اڑ جاؤں زمیں سے

معشوقیت اس کی رگ و ریشے میں بھری ہے — اس چال سے پامال سرِ کبکِ دری ہے
گرمی وہ ہے جو سردِ نسیمِ سحری ہے (۵۰) ہوش اڑتے ہیں پریوں کے عجب تیز پری ہے
اے برق خجل حال ہے یہ تیز روی کا
رفرف کا گماں، شک ہے بُراقِ نبوی کا

اسوار ہے خورشید فرس چرخِ کہن ہے — وہ گل ہے یہ بلبل ہے، وہ نکہت، یہ چمن ہے
وہ بدر ہے، یہ صدر ہے، وہ روح، یہ تن ہے (۵۱) وہ برق ہے، یہ رعد، وہ دولہا، یہ دلہن ہے
وہ بوئے جناں ہے، یہ نسیمِ سحری ہے
یہ طور، وہ موسیٰ، وہ سلیماں، یہ پری ہے

اس شان سے گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے — شانِ اسداللہ دکھاتے ہوئے آئے
رعب اپنا دلیروں پہ بٹھاتے ہوئے آئے (۵۲) دل فوج کا، نعروں سے، ہلاتے ہوئے آئے
اللہ رے آمد جگر و جانِ حسنؑ کی
دہشت سے زمیں اڑ کے ہوا ہو گئی رن کی

شہ زادۂ آفاق نمایاں ہوا رن میں — ظاہر اثرِ قدرتِ یزداں ہوا رن میں
غالب سپہ کفر پہ ایماں ہوا رن میں (۵۳) آتے ہی وہ ذی جاہ رجز خواں ہوا رن میں
دل باغیوں کے کھل گئے گلزارِ سخن سے
باتیں وہ نہ تھیں، پھول برستے تھے دہن سے

نعرہ کیا، آگاہ ہو اے فرقۂ اشرار — بابا ہے ہمارا حسنؑ سیدِ ابرار
ہے وہ جدِ امجد جو دو عالم کا ہے مختار (۵۴) بھیجی ہے جسے عرش سے اللہ نے تلوار
ہم نامِ خدا ضیغمِ ربِّ ازلی ہے
سب زیر ہیں جس سے وہ زبردست علی ہے

بر بر میں کیا تیغ سے شق کوہ گراں کو جاری تھا، مگر بند کیا آبِ رواں کو
دو ٹکڑے کیا مرحب و حارث سے جواں کو (۵۵) گاڑا درِ خیبر پہ پیمبرؐ کے نشاں کو
تیغِ دو زباں کھینچ کے جب وار کیا ہے
دادا نے مرے لاشوں سے رن پاٹ دیا ہے

یہ جان لو، جس وقت کھنچے گی میری تلوار تیغوں میں نہ دم ہوں گے نہ سر ہوں گے نہ سردار
اک حملے میں کر دوں گا پرے فوج کے بیکار (۵۶) جز گرد، نہ پیدل نظر آئیں گے نہ اسوار
سرکوبیِ افواج بد افعال کروں گا
چیونٹی کی طرح مورچے پامال کروں گا

انسان تو کیا، جن بھی نہیں ہم سے لڑے ہیں سر کے نہیں جس جا پہ قدم رن میں گڑے ہیں
نام اپنی دلیری کے دلیروں میں بڑے ہیں (۵۷) اس ضرب کے سکے عربستاں میں پڑے ہیں
کس کس پہ چلی تیغِ ظفر ناک ہماری
ہر شہر میں، ہر ملک میں ہے دھاک ہماری

کم زور ہیں، رستم سے پہلواں مرے آگے مجبور ہیں سہراب و نریماں مرے آگے
نابود ہے فرعون کا ساماں مرے آگے (۵۸) رکھتے نہیں کچھ جان نبی جاں مرے آگے
بے ہوش ہو جس صاحب شمشیر کو ٹوکوں
روباہ بنے ڈر کے، اگر شیر کو ٹوکوں

نوشاہ نے دیکھا یہ غضب فوجِ جفا کو گردان لیا آپ نے دامانِ قبا کو
اور کھینچ لیا تیغ شہِ عقدہ کشا کو (۵۹) رانوں میں دبایا فرسِ رشکِ صبا کو
یاں باگ لی، واں مورچے برہم نظر آئے
جو ہم دمِ رستم تھے وہ بے دم نظر آئے

بجلی سی گری تیغِ شرر بار سروں پر تھا قہرِ الٰہی کہ وہ تلوار سروں پر
کٹ کٹ گئے، جس وقت چلا وار سروں پر (۶۰) تھی خود پہ ہر بار تو سو بار سروں پر
ہل چل میں نہ تھا ہوش کسی کو سر و پا کا
چلاتے تھے خود سر، یہ طمانچا ہے قضا کا

چھل بل تھی، چھلاوہ تھی، طلسمات تھی اسرار
چالاک، سبک سار، نمودار، طرح دار
نیزے کہیں، خنجر تھے کہیں اور کہیں تلوار
(۶۱) بجلی تھی کبھی جا تو کہیں نور، کہیں نار
سیماب تھی، سیلاب تھی، طوفاں تھی، ہوا تھی
شعلہ تھی، شرارہ تھی، قیامت تھی، بلا تھی

ہر صف میں چمکنے لگی بجلی کی طرح سے
اعدا سے ملی ہمزۂ وصلی کی طرح سے
حلقوم پہ خم ہو گئی، ہنسلی کی طرح سے
(۶۲) شانوں پہ تڑپنے لگی مچھلی کی طرح سے
رخسار پہ تھی گیسوئے خم دار کی صورت
آنکھوں میں پھری نقشۂ بیمار کی صورت

تلواروں میں حائل کی طرح سیفِ زباں تھی
آسیب تھی، آفت تھی، بلائے دو جہاں تھی
نمرودیوں کے واسطے یہ تیغ دھواں تھی
(۶۳) بجلی کی طرح گاہ یہاں، گاہ وہاں تھی
ہر وار میں جوہر کی عجب جلوہ گری تھی
خم خم میں مہِ نو، تو کرشمے میں پری تھی

پرکالۂ آتش تھی وہ شمشیرِ شرر بار
سایہ بھی پڑا جس پہ وہ ناری ہوئے فی النار
ناگن کی طرح موذیوں کو دم میں لیا مار
(۶۴) جو رنگ تھا وہ جس سے یکایک یہ ہوئی چار
مینھ خون کا میدان میں برسا گئی دم میں
مانندِ ہما ہڈیوں کو کھا گئی دم میں

صورت میں مہِ نو تو چمک مہر سے افزوں
وہ باڑھ کہ اک دم میں بہا خون کا جیحوں
لب تشنہ تھی ایسی کہ ہزاروں کا پیا خوں
(۶۵) ہر وار میں تھا رنگ لڑائی کا دگرگوں
کشتوں سے بیابانِ بلا پاٹ رہی تھی
مل مل کے لعینوں کے گلے [illegible] رہی تھی

بجلی تھی زمیں پر مہِ اوج تھی سما میں
مجنوں تھی تجھے جس میں تو لیلیٰ تھی ادا میں
شوخی میں غزالہ تھی، غضنفر تھی وغا میں
(۶۶) تھی بدرِ دجیٰ حسن میں خورشید ضیا میں
قربان تھے انجم فلکِ ہفت چمن کے
جوہر نہ تھے ماتھے پہ یہ افشاں تھی دلہن کے

دیکھا جو جوہر اک کو عمر سعد نے مضطر (۶۶) چلایا شجاعانِ عرب کو وہ ستم گر
قاسمؑ سے مقابل کوئی ہوتا نہیں بڑھ کر (۶۷) اک طفل کا یہ رعب کہ لرزاں ہیں دلاور

تشویش کے عالم میں ہے جو پیر و جواں ہے
دیکھو تو کوئی، ازرقِ جرار کہاں ہے

القصہ کہ ازرق کو ستم گر نے بلایا   حسب الطلب ظالم بے رحم وہ آیا
آیا جو وہ خود سر تو عمر نے یہ سنایا (۶۸) تو نے بھی نہ اب تک ہنرِ جنگ دکھایا

وہ بھی ہے سپاہی جسے غیرت نہ حیا ہو
آغاز یہ ہے دیکھیے انجام میں کیا ہو

بولا پسرِ سعد کہ بے جا ہے یہ گفتار   فرزندِ حسنؑ طعن کے قابل نہیں زنہار
نامی ہے، گرامی ہے، بہادر ہے، نمودار (۶۹) یہ شیر ہے شیروں کا، یہ جراروں کا جرار

پوتا ہے یہ اس کا جو شجاعِ ازلی ہے
یہ صاحبِ شمشیر، جگر بندِ علی ہے

دریائے شجاعت کا شناور ہے یہ غازی   اہلِ ہنر و صاحبِ جوہر ہے یہ غازی
ساونت ہے، جرار ہے، صفدر ہے یہ غازی (۷۰) نامی ہے، بہادر ہے، دلاور ہے یہ غازی

لڑکا نہ سمجھ اس کو، جو لاکھوں کا جواں ہے
یہ صاحبِ شمشیر جگر بندِ علیؑ ہے

گویا ہوا ازرق کہ بہادر ہے یہ ہر چند   شہ زور سوا ان سے ہیں چاروں مرے فرزند
نام آور و نامی و اولوالعزم و ہنرمند (۷۱) رستم ہے دم معرکہ لڑنے میں نہیں بند

اچھا کوئی جائے نہ مبارز طلبی کو
گر یہ ہے تو ہاں بھیج دے ان میں سے کسی کو

بولا عمر سعد مجھے اس سے غرض کیا   تو ہو کہ ہوں فرزند ترے معرکہ آرا
جس طرح ہو، اس شیر کا سر کاٹ کے لے آ (۷۲) یہ سنتے ہی ان چاروں کو ازرق نے بلایا

یہ وجد میں آیا جو ہی چاروں پسر آئے
اس پردے میں بغض و حسد و شور و شر آئے

ان میں سے کیا ایک کو ظالم نے روانا گھوڑے پہ چڑھا نیزۂ خوں خوار کو تانا
غصے کے وہ تیور تو وہ ابرو کا چڑھانا [۷۳] وہ دعوئ بے جا وہ سخن بے ادبانا
عقرب کے طریقے سے قریں ماہ کے آیا
چمکا کے فرس سامنے نوشاہ کے آیا

یاں قاسمِ نوشاہ کی ابرو پہ بل آیا تلوار کو چمکا کے یہ ظالم کو سنایا
او بانئ شر، کیوں یہ عبث شور مچایا [۷۴] ہشیار! کہ ادبار ترے سر پہ اب آیا
جلدی کریں شیروں کا یہ دستور نہیں ہے
کیا بکتا ہے سبقت ہمیں منظور نہیں ہے

یہ سنتے ہی نامرد نے لی میاں سے تلوار ناری نے سرِ نورِ مجسم پہ کیا وار
خالی دی وہ زد قاسم نوشاہ نے یک بار [۷۵] ظالم کو کیا زور نے ظالم کے، نگوں سار
بیٹھا نہ گیا پشت پہ گھوڑے کی سنبھل کے
تلوار کی تھی جھونک کہ جھونکے تھے اجل کے

یاں آئی اجل لی وہاں رہوار نے ٹھوکر ایک حال ہوا راکب مرکب کا برابر
بالوں سے وبال آگیا اس دشمنِ دیں پر [۷۶] شیرازۂ اجزائے بلا کھل گیا یک سر
جمعیتِ خاطر کا نہ ساماں نظر آیا
مجموعہ حواسوں کا پریشاں نظر آیا

دشمن کو اُدھر جال میں قسمت نے پھنسایا نوشاہ نے پھرتی سے اِدھر ہاتھ بڑھایا
بال اس کے پکڑ کر ہنرِ جنگ دکھایا [۷۷] یعنی فرسِ تیز کو کاووں پہ لگایا
الجھن میں کوئی بات بن آئی نہ لعیں سے
چکر میں پڑا ہو کے جُدا خانۂ زیں سے

ظاہر کیا نیرنگِ جہاں نے چلن اپنا انداز دکھانے لگا چرخِ کہن اپنا
چکرا کے چُرانے لگا ظالم بدن اپنا [۷۸] وہ پیچ پڑا، بھول گیا، بانکپن اپنا
مانندِ بگولہ نہ فلک کا نہ زمیں کا
تقدیر کی گردش سے رہا تھا نہ کہیں کا

دے دے کے اسے خوب سا نوشاہ نے چکر یوں زور سے پٹکا کہ ہوا گرد ستم گر
دوزخ میں گیا ازرق بے پیر کا دل بر (۷۹) پھر سر تھا نہ مغفر تھا نہ جوشن تھا نہ بکتر
آفت میں پھنسا شیر کے پنجے سے نکل کر
پامال کیا ٹاپوں سے گھوڑے نے کچل کر

جس وقت ہوا ایک پسر دشت میں چورنگ ثانی کو روانہ کیا ازرق نے پئے جنگ
لڑنے کو چلا قاسمِ نوشاہ سے سرہنگ (۸۰) بے تاب و پریشاں و سراسیمہ و دل تنگ
جاری کیے رن میں سخن لاف دہن سے
آتے ہی مقابل ہوا فرزند حسنؑ سے

پلہ سے کھڑا ہو کے ہوا ایس خطا کار اک مرتبہ چلّے سے ملائے لب سوفار
ناوک صفتِ تیر ہوائی ہوا بے کار (۸۱) تلوار سے غازی نے قلم کر دیے یک بار
پیہم کیے واں تیر روانہ سقری نے
تودہ کیے یاں کاٹ کے اس شیر جری نے

پہنچے صفتِ شیر یہ گھوڑے کو اڑا کر ہوش اڑ گئے نعرہ کیا وہ آنکھ ملا کر
چلا کے کہا زیست نے، اب فکرِ قضا کر (۸۲) موت آئی، کہاں جائے گا اب جان بچا کر
آساں نہیں حملہ جگرِ شیرِ خدا پر
محجوب ہوا اہلِ خطا اپنی خطا پر

نامرد نے منہ ڈھال کے پردے میں چھپایا قاسم نے یداللہ کا انداز دکھایا
شمشیرِ دودم تول کے وہ ہاتھ لگایا (۸۳) سر کیا تھا، نہ گردن میں بھی تسمہ نظر آیا
تھا شور کہ یہ طرز نہیں اور کسی کے
بس ختم لڑائی ہے یہ گھرانے یہ علیؑ کے

پھر تیسرا بھائی کو سنبھالے ہوئے آیا یاں قاسم نوشاہ نے گھوڑے کو بڑھایا
نیزے کو ستم گار کے، نیزے سے اڑایا (۸۴) ہر طعن میں اندازِ یداللہ دکھایا
یوں چھائے، نہ دم لینے دیا بانیِ شر کو
چھلنی کیا مانندِ زرہ قلب و جگر کو

مہلت نہ ملی اتنی کہ بھالے کو سنبھالے — گھبرا گیا مغرور، پڑے جان کے لالے
(۸۵) قاسم نے کہا باپ کو بھی اپنے بلالے — یہ ہوش کہاں تھے کہ کوئی ہاتھ نکالے
ہے سر پہ اجل اب نہ مفر ہے نہ اماں ہے
ہشیار کہ سینہ ہے ترا اور یہ سناں ہے

سینے میں سناں تھی پہ نہ قابو میں زباں تھی — یہ ذکر یہاں تھا وہاں سینے میں سناں تھی
(۸۶) جاں تھی نہ تنِ نحس میں نہ امن واماں تھی — قابو میں زباں تھی نہ تنِ نحس میں جاں تھی
نہ امن واماں تھی نہ کوئی طرزِ مفر تھا
یہ طرزِ مفر تھا کہ وہ مابینِ سقر تھا

نعرہ کیا، ہم آئے خبردار خبردار! — جو تھے کے طرف دیکھ کے قاسم نے کیا وار
(۸۷) آتے ہی جفاکار نے نیزے کا کیا وار — گھبرا کے بڑھا فوج سے لڑنے کو وہ مکار
رد کر کے وہ زد، تیغ لی فرزندِ حسنؑ نے
حملہ کیا دل بندِ شہِ قلعہ شکن نے

نوشاہ نے پھرتی سے لگائی وہیں تلوار — یاں جھونک میں نیزے کی جھکا ظالم غدار
(۸۸) ککڑی کی طرح ہاتھ قلم ہو گیا اک بار — بھولا ہنرِ جنگ ستم گر دمِ پیکار
دستانوں سے شمشیر چمک کر نکل آئی
کاٹی جو کلائی تو سرِ دست نکل آئی

پھر پاؤں کا کچھ ہوش رہا اور نہ سر کا — بے کار ہوا ہاتھ جو اس بانیٔ شر کا
(۸۹) گھبرایا، قدم معرکۂ جنگ سے سرکا — دیکھا جونہی انداز یہ شبر کے جگر کا
دی جان، مگر بھاگ کے مردودِ ازل نے
لشکر میں پہنچ کر بھی اماں دی نہ اجل نے

بادل ہوا خورشیدِ درخشاں کے مقابل — ارزق ہوا پھر قاسمِ ذیشاں کے مقابل
(۹۰) مرحب ہوا آکر شہِ مرداں کے مقابل — فرعون ہوا موسیٔ عمراں کے مقابل
وہ گرگِ کہن سال تھا یہ شیرِ ژیاں تھا
بوجہل وہ کافر یہ رسولِ دوجہاں تھا

یہ حسن ہے، وہ قبح، یہ آدم ہے، وہ شیطاں — یہ سُبحہ وہ زُنّار ہے، وہ کفر یہ ایماں
یہ دیو شرارت میں، یہ رحمت میں سلیماں (۹۱) فرعون وہ بے دیں ہے تو یہ موسیٰ عمراں
یہ چاند وہ عقرب ہے یہ سورج وہ گہن ہے
وہ مرحب دوراں یہ شہِ قلعہ شکن ہے

میدان میں گویا تھے عیاں حشر کے آثار — جب رن میں مقابل ہوا دولہا سے وہ غدار
کڑکیت یہ بڑھ بڑھ کے صدا دیتے تھے ہر بار (۹۲) مصروف تماشا تھا ابن سعد ستم گار
کم اس کو سمجھنا نہ شہِ قلعہ شکن سے
ہشیار، لڑائی ہے جگر بندِ حسنؑ سے

رہوار کو کاوے پہ ستم گر نے لگایا — کڑکیتوں نے دل ظالم خودسر کا بڑھایا
قاسمؑ نے بھی اپنا ہنرِ زرہ دکھایا (۹۳) بھالے کو سنبھالے ہوئے نوشاہ پر آیا
مانندِ علیؑ دست ہنرمند کو کھولا
ہر طعن کو رد کر دیا ہر بند کو کھولا

جھنجھلا کے جفاکار نے لی میان سے شمشیر — بگڑا ستم آرا، نہ بن آئی کوئی تدبیر
ہشیار، خبردار، نہ مہلت ہے نہ تاخیر (۹۴) تلوار کو چمکا کے یہ گویا ہوا بے پیر
ہاں سامنے آؤ جو ارادہ ہے دغا کا
سمجھو نہ مرا وار، طمانچہ ہے قضا کا

اللہ کی قدرت تجھے اور جنگ کا یارا — ارشاد کیا غیظ سے، چپ او ستم آرا
ہم وہ ہیں کہ مرحب سے زبردست کو مارا (۹۵) نولاکھ سے رکنے کا نہیں وار ہمارا
ہم سے کوئی خودسر نہ لڑے گا نہ لڑا ہے
خیبر میں نشاں آج تلک اپنا گڑا ہے

سرتا بہ قدم خون میں عنتر کو کیا تر — میدان میں جب میاں سے لی تیغ دو پیکر
حروں سے پہلوان کو دم میں کیا بے سر (۹۶) مارا پسرِ عبدودِ نحس کو جا کر
تو زور میں، طاقت میں نہیں اُن سے سوا ہے
جب وہ ہوئے بے دم تو حقیقت تری کیا ہے

اس طنطنہ و خشم سے گونجا جو وہ ضیغم غیرت نے کیا جوش، وہ موذی ہوا برہم
تاریک ہوا چشمِ سیہ کار میں عالم (۹۷) ماری سرِ نوشاہ پہ شمشیرِ شرر دم
قرباں ہوئی جرأت شہِ عالم کے پسر پر
بس روک لیا وار کو چھوٹی سی سپر پر

جب ضرب رکی اور مقابل ہوا عاری قاسم نے بھی تلوار سرِ نحس پہ ماری
رد کر کے پھر آمادہ اُدھر ہو گیا ناری (۹۸) تا دیر اسی طرح لڑائی رہی جاری
آفت کی بلا جان پہ وہ جھیل رہا تھا
یاں تیغ سے فرزندِ حسنؑ کھیل رہا تھا

پھر دم کی بھی مہلت نہ بد اندیش نے پائی سر پر جو چڑھا منہ کی ستم گار نے کھائی
اللہ رے نوشاہ کے ہاتھوں کی صفائی (۹۹) سر پر جو پڑی تیغ، کمر تک اتر آئی
اک وار میں اندامِ ستم گر ہوا ٹکڑے
پورا جو پڑا ہاتھ، برابر ہوا ٹکڑے

اک غل ہوا، وہ شیر نے روباہ کو مارا نوشاہ نے، لو، ازرقِ بدخواہ کو مارا
غازی نے بڑے ظالمِ گم راہ کو مارا (۱۰۰) کس دبدبے سے دشمنِ اللہ کو مارا
دادا کی طرح معرکے میں نام کیا ہے
اس عمر میں نوشاہ نے کیا کام کیا ہے

اس طرح کی عالم میں لڑائی نہیں دیکھی تلوار کی، اس طرح، صفائی نہیں دیکھی
یہ ہاتھ، یہ پنجہ، یہ کلائی نہیں دیکھی (۱۰۱) بجلی میں بھی یہ ہوش ربائی نہیں دیکھی
یوں شیر کو غصے میں بگڑتے نہیں دیکھا
ایسا کسی کم عمر کو لڑتے نہیں دیکھا

ارشاد کیا شاہ نے، شاباش دلاور کس شان سے ازرق سے لعیں کو کیا بے سر
اکبر نے کہا، واہ مرے شیرِ دلاور (۱۰۲) دکھلا دیا پھر معرکۂ غزوۂ خیبر
جس روز تلک خلق کی بنیاد رہے گی
یہ تیغ کی تیزی، یہ برش یاد رہے گی

دیکھا جو عمر نے کہ ہے بے طور لڑائی   تاکید سے ظالم کی کمک پر کمک آئی
فوجوں کی ہوئی قاسمؑ نوشہ پہ چڑھائی   (۱۰۳)   نرغے میں گھرا سیدِ عالم کا فدائی
تھا شور کہ بیوہ کر دو اک شب کی دلہن کو
ہاں، چھوڑیو زندہ نہ جگر بندِ حسنؑ کو

حملہ کیا نوشاہ پہ سب فوج نے مل کر   برسا دیا منھ تیروں کا اس تشنہ دہن پر
درآئے کئی تیر دلِ پاکؑ کے اندر   (۱۰۴)   سر تا بہ قدم چور، ہوا دل بر شبرؑ
روتے تھے فلک حال پہ اس تشنہ گلو کے
ہر زخم سے، جاری ہوئے فوارے لہو کے

مطلع

جب قاسم ذی جاہ گرا گھوڑے سے رن میں   دل تھامے بصد آہ گرا گھوڑے سے رن میں
غل پڑ گیا، نوشاہ گرا گھوڑے سے رن میں   (۱۰۵)   چلائے ہیں، یا شاہ گرا گھوڑے سے رن میں
ہلتی ہے زمیں راہ وہ چلتے ہیں ستم گر
جلد آئیے گھوڑوں سے کچلتے ہیں ستم گر

پہنچی جو صدا کان میں حضرت کی یہ ناگاہ   تھرا کے گرا خاک پہ فرزند یداللہ
عباس سے کہنے لگے شاہنشہِ ذی جاہ   (۱۰۶)   عباس بڑا قہر، بڑا قہر ہوا، آہ!
فرزند حسنؑ خلق سے پیاسا گیا بھائی
بیوہ کی کمائی پہ زوال آگیا بھائی

روتے ہوئے میداں میں گئے سیدِ ابرار   دیکھا کہ ہیں گھیرے ہوئے لاشے کو ستم گار
ایک ظالمِ بے رحم ہے کھینچے ہوئے تلوار   (۱۰۷)   سر کاٹنے کے واسطے جلاد ہے تیار
دولہا پہ عجب ظلم و ستم کرتا ہے ظالم
سر قاسمِ مضطر کا قلم کرتا ہے ظالم

یہ دیکھ کے بے تاب ہوئے سبطِ پیمبرؐ   غصے سے بڑھے کھینچ کے شمشیر دو پیکر
اک ضرب میں ہاتھ اس کا گرا خاک پہ کٹ کر   (۱۰۸)   بے ساختہ میدان سے بھاگا وہ ستم گر
حضرت نے صدا دی کہ کہا جائے گا ناری
کب ہاتھ سے میرے تو اماں پائے گا ناری

کافر کے بچانے کے لئے آئے کچھ اسوار — فرزندِ یداللہ سے چلنے لگی تلوار
ظالم ہوا فی النار، گریزاں ہوئے کفار (۱۰۹) ہل چل میں یہ دولہا پہ ہوئے صدمہ و آزار
پُرزے سُمِ اسپاں سے بدن ہو گیا ہے ہے
پامال دل و جانِ حسنؑ ہو گیا ہے ہے

لاشے سے لپٹ کر یہ شہ عالم یہ پکارے — کیا سوتے ہو، اٹھو میرے پیارے، میرے پیارے
کرتے نہیں اب نرگسی آنکھوں سے اشارے (۱۱۰) مرجھا گئے یہ پھول سے لب پیاس کے مارے
دیکھا کئے ہم حشر کا ساماں ہوا بیٹا
پامال تیرا لاشۂ بے جاں ہوا بیٹا

ہے ہے مرے جرار، مرے شیرِ دلاور — اے میرے بہادر، مرے غازی، مرے صفدر
اے میرے کلیجے مری آنکھیں، مرے دلبر (۱۱۱) قربان تری لاش کے میں بے کس و مضطر
دنیا سے پر ارمان سفر کر گئے بیٹا
باتیں بھی نہ شبیرؑ سے کیں، مر گئے بیٹا

یاں لاش پہ روتا تھا یداللہ کا پیارا — پہنچی یہ خبر ظلم کی خیمے میں قضا را
لو صاحبو، نوشاہ زمانے سے سدھارا (۱۱۲) غلطیدہ ہوا خون میں وہ عرش کا تارا
بیوہ جگرِ شاہِ زمن ہو گئی لوگو
ناشاد زمانے میں دلہن ہو گئی لوگو

شادی میں غمی ہو گئی مسند کو اٹھاؤ — بنتِ شہِ کونین کو رنڈسالہ پہناؤ
بنڑی کے رُخِ پاک سے سہرے کو اٹھاؤ (۱۱۳) صندل کے عوض مانگ میں اب خاک لگاؤ
لاش آتی ہے میدان سے فرزندِ حسنؑ کی
نتھ چوڑیاں جلدی سے بڑھا ڈالو دلہن کی

یہ سنتے ہی بے تاب ہوئے عترتِ اطہار — ماں قاسمِ نوشہ کی گری خاک پہ اک بار
ناموسِ پیمبرؐ میں ہوئے حشر کے آثار (۱۱۴) بیٹی کے قریں روتی گئی بانوئے ناچار
ساماں نظر آ گیا بس رنج و محن کا
دیکھا کہ عجب حال ہے گھونگھٹ میں دلہن کا

کبرا کو کلیجے سے لگا کر یہ پکاری   لوٹی گئی، ہے ہے مرے دکھ درد کی ماری
کیا بیٹھی ہو سہرے کو بڑھا ڈالو میں واری (۱۱۵) سر کھولنے کی لاش پہ اب آئی ہے باری
میدان میں مارا گیا نوشاہ تمہارا
ہے ہے، نہ سزاوار ہوا بیاہ تمہارا

تھا آلِ محمدؐ میں عجب طرح کا ماتم   پکڑے ہوئے ماں کوکھ کو چلاتی تھی پیہم
آنسو نہیں تھمتے تھے یہ تھا بچوں کا عالم (۱۱۶) سر پیٹتے تھے ننھے سے ہاتھوں سے بصد غم
بھائی کے قلق میں جو نہ خواہر کو کل آئی
قاسم کی بہن خیمے سے باہر نکل آئی

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ کہتی تھی وہ مضطر   ہے ہے مرا ماں جایا، مرا شیر دلاور
اب ضبط کا یارا نہیں، قابو نہیں دل پر (۱۱۷) ملنے کے لئے بھائی سے نکلی ہوں کھلے سر
مجھ بے کس و مضطر پہ یہ احساں کرو لوگو
لے چل کے مجھے لاش پہ قربان کرو لوگو

ماں کہتی تھی، قربان گئی، خیمے میں آؤ   نامحرموں میں کھولے ہوئے سر کو نہ جاؤ
وہ کہتی تھی اماں مجھے اس دم نہ بلاؤ (۱۱۸) بھائی کی طرح مجھ سے بھی اب ہاتھ اُٹھاؤ
صدقے تنِ مجروح پہ اب ہونے کو چلی ہوں
بھائی کے لئے جان میں کھونے کو چلی ہوں

ناگاہ یہ فضہ نے شہِ دیں کو پکارا   لے آئیے نوشاہ کو خیمے میں خدارا
فریاد کسی کو نہیں اب ضبط کا یارا (۱۱۹) ڈیوڑھی پہ ہے کنبہ اسد اللہ کا سارا
سر کھولے ہوئے بنتِ حسنؑ آتی ہے مولا
لاشے پہ برادر کے بہن آتی ہے مولا

بے تاب ہوا سن کے ید اللہ کا جایا   اور گود میں داماد کے لاشے کو اٹھایا
چادر میں غرض لاش کے ٹکڑوں کو اٹھایا (۱۲۰) آکر درِ خیمہ پہ یہ رانڈوں کو سنایا
ملنے کے لئے آیا ہے نوشاہ دلہن سے
قاسمؑ کی برات آئی ہے لو بی بیو رن سے

سب بی بیاں ڈیوڑھی کی طرف آئیں کھلے سر گویا ہوئی ہر ایک سے نوشاہ کی مادر
اے لوگو، دلہن والوں سے کہہ دے کوئی جاکر (۱۲۱) کیا بیٹھے ہو، قاسمؑ کی برات آئی ہے در پر
میداں سے شہِ عقدہ کشا لائے ہیں اُن کو
خود بیاہنے شاہِ دوسرا آئے ہیں ان کو

لوگو مرے ناشاد کا ارمان نکالو کس سمت ہیں نوشاہ کی بہنوں کو بلاؤ
آنچل سرِ نوشہ پہ، کہو، آن کے، ڈالو (۱۲۲) مہمانوں کو باہم کرو، بنڑی کو سنبھالو
جو ریت کی رسمیں ہوں وہ اس آن کرو لوگو
رخصت کا دلہن دولہا کی ساماں کرو لوگو

لاشہ لئے دولہا کا شہِ بحر و بر آئے ہم راہ کھلے سر حرمِ نوحہ گر آئے
اور اکبرؑ مظلوم بھی باچشمِ تر آئے (۱۲۳) عباسؑ بھی پکڑے ہوئے اپنا جگر آئے
اک غل جو ہوا گھیر لیا رانڈوں نے آکر
شہ رونے لگے لاش کو مسند پہ لٹا کر

حضرت تو گئے خیمے سے کرتے ہوئے زاری ماں پیٹ کے نوشاہ کے لاشے پہ پکاری
اے ماہ تری چاند سی صورت کے میں واری (۱۲۴) پوشاک عروسی بھی ہوئی تر خون میں ساری
اے نورِ نظر کس کی نظر کھا گئی تجھ کو
اس بیاہ کا ہونا تھا کہ موت آگئی تجھ کو

کیا بن گئی تجھ پر میرے پیارے بنے قاسم ہے ہے میرے دکھ درد کے مارے بنے قاسم
ہے ہے میری پیری کے سہارے بنے قاسم (۱۲۵) ارماں بھرے دنیا سے سدھارے، بنے قاسم
شادی جو ہوئی گھیر لیا رنج و محن نے
ہے ہے ابھی گھونگھٹ بھی نہ الٹا تھا دلہن نے

یہ کہہ کے ہوا جوشِ غم و رنج جو دل پر گھبرا کے گئی پاس وہ غم دیدہ و مضطر
لے لے کے بلائیں کہا چھاتی سے لگا کر (۱۲۶) لو آگ لگی مانگ میں برباد ہوا گھر
قربان گئی شرم کے پردے کو اٹھا دو
ہاں، بین کرو لاش پہ، سہرے کو بڑھا دو

فریاد تھا اس عمر میں بیوہ تجھے ہونا ہے ہے یہ نیا بیاہ یہ منہ اشکوں سے دھونا
واری گئی اچھا نہیں یوں جان کا کھونا (۱۲۷) ہاں چل کے وہاں روؤ جو منظور رہی رونا
ہے دل پہ قلق زیست کا نقشہ نہ بدل جائے
ڈر ہے مجھے گھٹ گھٹ کے ترا دم نہ نکل جائے

نتھ، چوڑیاں، اے بی بی بڑھانے کی گھڑی ہے اب ضبط کہاں، خاک اڑانے کی گھڑی ہے
لو راج لٹا، اشک بہانے کی گھڑی ہے (۱۲۸) بے ہوش ہو کیوں، ہوش میں آنے کی گھڑی ہے
ہونا تھا مصیبت زدہ بنڑی تجھے بن کر
ماتم کرو نوشاہ کا رنڈسالہ پہن کر

بنڑی کو غرض لاشے پہ نوشاہ کے لائے تھامے کوئی بازو، کوئی دامن کو اٹھائے
روتی ہوئی آتی تھی دلہن سر کو جھکائے (۱۲۹) دشمن کو بھی اللہ یہ ساماں نہ دکھائے
رخ زرد تھا، صدمہ تھا عجب جانِ حزیں پر
رکھتی تھی قدم کو کہیں، پڑتا تھا کہیں پر

لا کر اُسے اس لاش کے پہلو میں بٹھایا وہ بین کئے ماں نے کہ منہ کو جگر آیا
یوں لاش پہ نوشاہ کی رو رو کے سنایا (۱۳۰) صدقے گئی، سب کنبے کا رونا تمہیں بھایا
لو بنتِ شہنشاہِ زمن آئی ہے، قاسمؑ
کیا سوتے ہو، ملنے کو دلہن آئی ہے، قاسمؑ

بنڑی کو جو نوشاہ کا لاشہ نظر آیا کی آہ وہ پُر درد کہ منہ کو جگر آیا
طاقت نہ رہی ضبط کی، دل غم سے بھر آیا (۱۳۱) اک نشترِ غم تھا کہ کلیجے میں در آیا
سر کھول دیا لاش پہ گھونگھٹ کو الٹ کر
غش ہو گئی نوشاہ کے قدموں سے لپٹ کر

ہوش آیا تو سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکاری ہے ہے مرے والی تیری غربت کے میں واری
تنہا نہ سفر کیجئے اے عاشقِ باری (۱۳۲) منگوائیے مجھ کشتۂ غم کی بھی سواری
منزل کا پتہ تو کہیں دیتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو جہاں مجھ کو بھی لیتے ہوئے جاؤ

کس سے میں کہوں، آہ، مقدر کی برائی   تم مرگئے اور آہ، مجھے موت نہ آئی
لوٹا ہے میرا راج، دہائی ہے دہائی[۱۳۳]   دل پر ہے مرے غم کی گھٹا آن کے چھائی
پیغام فراق آکے اجل کہہ گئی صاحب
میں پیٹنے رونے کے لئے رہ گئی صاحب

پردیس میں مایوس مجھے کر گئے، ہے ہے   والی مرے تنہا لبِ کوثر گئے، ہے ہے
صاحب مجھے یاں چھوڑ کے کس پر گئے، ہے ہے[۱۳۴]   رخصت دمِ آخر نہ ہوئے مر گئے، ہے ہے
زندہ نہ ملے آکے مجھ آوارہ وطن سے
آئے بھی تو یوں خوں میں نہائے ہوئے رن سے

اس بین سے بیووں نے عجب شور مچایا   رنڈ سالہ دلہن کے لئے جو میکے سے آیا
زینبؑ نے اسے کانپتے ہاتھوں سے اٹھایا[۱۳۵]   رو رو کے یہ بانوئے شہ دیں کو سنایا
بھابھی الم و غم میں تمھیں صبر خدا دے
کہہ دو کوئی رنڈ سالہ اسے آکے پنہا دے

القصہ کہ رنڈ سالہ پنہانے لگی کوئی   پوشاک شہانی کو بڑھانے لگی کوئی
افشاں کو جبیں پر سے چھڑانے لگی کوئی[۱۳۶]   اور پھیر کے منہ اشک بہانے لگی کوئی
یہ دیکھ کے حالت ہوئی تغییر بنی کی
اک حشر ہوا بیوں نے سینہ زنی کی

بیوہ بنی افسوس وہ دکھ درد کی ماری   منہ ڈھانپ کے سب کرنے لگے گریہ و زاری
ماں لاشۂ قاسم سے لپٹ کر یہ پکاری[۱۳۷]   دیکھو تو ذرا، کھول کے آنکھوں کو، میں واری
صدمہ ہے عجب دخترِ سلطانِ زمن کو
اے لال، پنہایا گیا رنڈ سالہ دلہن کو

خاموش دبیر اب کہ جہاں کرتا ہے نالا   ہے غم سے دل اب جن و بشر کا تہ و بالا
کر عرض یہ حضرت سے کہ یا سرورِ والا[۱۳۸]   ہے کون مرا دردِ جگر پوچھنے والا
جو ہے مرا مطلب وہی جلدی سے عطا ہو
ہاں مالکِ سرکارِ خدا تم بہ خدا ہو

مرثیہ ۱۸

اے باغِ طبع رنگِ بہارِ سخن دکھا جس کا کہ باغباں ہے خدا، وہ چمن دکھا
تشبیہِ ہم شبیہِ رسولِ زمن دکھا (۱) حُسنِ شبابِ اکبرؑ گل پیرہن دکھا
گل پر پڑھو درود یہ حکمِ رسولؐ ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں گل یہ وہ پھول ہے

مثلِ ارم ہے باغِ طبیعت بہار پر کھولی ہے شوق دل سے عنادل ہزار پر
خامہ کا شبہ جانے لگا شاخسار پر (۲) کھنچیں گے دیکھنا نظر بد کو دار پر
تیغِ زباں دکھا رہی اپنی صفائی ہے
مشکل کشا یہی دمِ مشکل کشائی ہے

طبعِ رواں، بس اب نہ دکھا لن ترانیاں وقتِ نبرد چاہیئے اس حُسن کا بیاں
رونے کا اور رُلانے کا کچھ ذکر ہو یہاں (۳) لشکر تمام شہ کا گیا جانبِ جناں
شعلے نکل رہے ہیں دلِ پاش پاش سے
آئے ہیں اٹھ کے شہ ابھی بھائی کی لاش سے

در پر کھڑے ہیں خیمے کے، رکھے کمر پہ، ہاتھ آتا ہے سوئے دل کبھی، گاہے جگر پہ، ہاتھ
روتے ہیں زار زار کبھی رکھ کے سر پہ ہاتھ (۴) تھراتے ہیں تو رکھتے ہیں دوشِ پسر پہ ہاتھ
آلودہ خوں میں بھائی کی پوشاک پاک ہے
منھ پر ملے ہیں خاک، گریبان چاک ہے

ناگاہ ظالموں نے مبارز طلب کیا ہم شکلِ مصطفیٰ ہوئے آمادۂ وغا
بہرِ سلامِ آخری خم ہو کے یہ کہا (۵) للہ حافظ، اے پسرِ شاہِ لافتا
رن کا جو رخ کیا دل و جانِ حسینؑ نے
روکا پسر کو بڑھ کے شہِ مشرقین نے

اکبرؑ نے عرض کی، شہِ والا نہ روکیے آمادۂ نبرد ہیں اعدا، نہ روکیے
سینے میں مضطرب ہے کلیجا، نہ روکیے (۶) بہرِ نبیؐ و حیدرؑ و زہراؑ، نہ روکیے
شہ بولے، روکتے نہیں اکبرؑ ہم آپ کو
پر، کس پہ چھوڑے جاتے ہو مظلوم باپ کو

کیا روکیں اب تمہیں کہ گلوگیر ہے قضا پھر جائیے خیام میں ہم شکلِ مصطفٰے
ماں اور پھوپھی سے رن کی تو لے آئیے رضا (۷) پھر شوق سے سدھاریے اے میرے مہ لقا
مرضی اگر ہم آپ کی اِس وقت پائیں گے
جی بھر کے تم کو اپنے گلے سے لگائیں گے

اکبرؑ پکارے، وہ نہ اگر دیں مجھے رضا فرمایا شہ نے، اس میں مجھے اختیار کیا
آخر سدھارے خیمے کو ہم شکلِ مصطفٰے (۸) ہم راہ در تلک گئے مظلوم کربلا
دولت سرا میں اکبرؑ عالی ہمم گئے
پردے کے پاس سیّد مظلوم تھم گئے

پہنچے جو ماں کے پاس وہاں اکبرؑ جواں دیکھا جو اشک بار پسر کو، یہ بولی ماں
کیوں بے قرار آپ ہیں، کیوں اشک ہیں رواں (۹) ﷲ کچھ تو حالتِ دل کیجئے بیاں
زردی تمہارے کیوں رخِ انور پہ چھائی ہے؟
کیا کچھ خبر مدینے سے صغرؑا کی آئی ہے؟

وہ بولے پوچھتی ہو مدینے کی کیا خبر اے اماں جان، لٹتا ہے یاں فاطمہ کا گھر
مرنے کو رن میں جاتے ہیں سلطان بحر و بر (۱۰) خادم نے ان کو روکا ہے، گر گر کے پاؤں پر
رخصت دو اب جہاد کی اس دل ملول کو
دیکھو نہیں تو روؤ گی ابنِ بتول کو

تھرا گئی یہ سنتے ہی وہ غم کی مبتلا کچھ بن نہ آیا، رو کے یہ بے ساختہ کہا
جاؤ، سدھارو شوق سے، جو مرضیِ خدا (۱۱) منھ سے تو یہ کہا پہ کلیجہ پکڑ لیا
دل پر لگی وہ چوٹ کہ خاموش ہو گئی
بھڑکی جو آگ کوکھ کی، بے ہوش ہو گئی

رونے لگے یہ دیکھ کے ہم شکلِ مصطفٰے غش میں سنی جو گریۂ فرزند کی صدا
گھبرا کے آئی ہوش میں، وہ غم کی مبتلا (۱۲) اکبر پکارے، آپ نہ مضطر ہوں اب ذرا
رخصت کا اب کلام زباں پر نہ لائیں گے
لیجے حضور ہم نہ کبھی گھر سے جائیں گے

لڑ بھڑ کے جان دینے میں تھا نام و آبرو — محشر میں جاتے، سامنے دادی کے سرخ رو
خیر، آپ کے سبب سے نہ نکلے یہ آرزو (۱۳) — پر سن لیں آپ غور سے یہ میری گفتگو
مرنے کو اس طرف جو شہِ بحر و بر گئے
یاں کاٹ کر گلے کو ابھی ہم بھی مر گئے

بانو پکاری، واری عبث ہوتے ہو خفا — کچھ میں نے عذر آپ کے ارشاد میں کیا
برداشت دل نہ لائے تو میرا قصور کیا (۱۴) — بیٹا، کسی کو داغ نہ بیٹے کا دے خدا
مر جائے ماں، پہ لختِ جگر سے جدا نہ ہو
یہ آتما کی آنچ ہے، واری، خفا نہ ہو

کڑھنے کا میرے اب نہ کرو دھیان، تم کو کیا — سر کھولنے سے ہو نہ پریشان، تم کو کیا
میرے مٹیں گے حسرت و ارمان، تم کو کیا (۱۵) — مقسوم میں یہی تھا میری جان، تم کو کیا
تعمیلِ حکمِ جانِ علیؑ و نبیؐ تو کی
غش آ گیا بلا سے، تمہاری خوشی تو کی

خیمے سے جب سدھارو گے جانی، غش آئے گا — جس دم لٹے گا باغِ جوانی، غش آئے گا
وقتِ خیالِ تشنہ دہانی، غش آئے گا (۱۶) — آئے گی جب تمہاری سنانی، غش آئے گا
کس کس قلق کا آپ بھلا دھیان لائیں گے
ایسے ابھی تو لاکھوں ہی غش ہم کو آئیں گے

اس دردِ لاعلاج کی تم کو خبر نہیں — واری، کسی بشر کے ابھی تم پدر نہیں
ایسا کوئی حسین تمہارا پسر نہیں (۱۷) — تیغِ قلق کی کاٹ سے واقف جگر نہیں
بجلی چمن پہ جس کے گرے، اس سے پوچھئے
خنجر گلے پہ جس کے پھرے، اس سے پوچھئے

پر اب جو تم کہو، وہی انسب وہی بجا — میں آپ کے مزاج سے ڈرتی ہوں مہ لقا
لو، میں خوشی سے دیتی ہوں رن کی تمہیں رضا (۱۸) — لیکن یہ پیارے آپ سے اس دم تھی التجا
اس کا ابھی کسی سے نہ اظہار کیجیو
جب تک رضا نہ پالنے والی سے لیجیو

واری، تمہاری مالک و مختار ہے وہی بانو ہے وائے مادرِ غم خوار ہے وہی

ہم رتبہ بتولِ خوش اطوار ہے وہی[19] آرام کی تمہارے طلب گار ہے وہی

بیٹوں پہ بھی نہیں یہ عنایت کسی کی ہے

قربان جاؤں، تم پہ جو شفقت پھوپھی کی ہے

ان کے حقوق ہیں، مری جان، آپ پر سوا دو چاند سے پسر ابھی تم پر کئے فدا

بے ساختہ نہ مانگیو ان سے کہیں رضا[20] میری طرح نہ ان سے بھی ہو جائیو خفا

بیٹوں کے غم میں تم نہ انھیں رنج دیجیو

جو کہنا ہے سمجھ کے اسے عرض کیجیو

اکبرؑ نے عرض کی مجھے اس کا ہے خود خیال فرزندوں کا قلق ہے پھوپھی جان کو کمال

پر وہ عطا کریں جو مجھے رخصتِ جدال[21] پھر تو حضور رد نہ کریں گی مرا سوال

وہ بولی، ہاں کلیجے پہ پتھر دھروں گی میں

ناخوش مگر نہ آپ کو، پیارے کروں گی میں

یہ سُن کے خم ہوئے علی اکبرؑ پے سلام ناگاہ آئی خواہرِ سلطان نیک نام

تھرا کے غیظ میں کیا بانو سے یہ کلام[22] کیا خاک میں ملا چکیں ارماں مرے تمام

تسلیم کو جو خم پسرِ مہ لقا ہوا

شاید کہ ان کو خلعتِ رخصت عطا ہوا

بانو نے تھرتھرا کے دیا اس طرح جواب تھی کون، جو رضا انھیں دیتی، میں دل کباب

دیجے نہ دیجے ان کو رضا آپ ہی جناب[23] یہ جائیں، آپ جانیں، عبث مجھ پہ ہے عتاب

ہر امر کا ہے ان کے سروکار آپ سے

رخصت کے ہوں نہ ہوں طلبگار آپ سے

فرمایا، پھر سلام کی ان کے ہے وجہ کیا؟ وہ [illegible] ہاں، یہ روتے تھے سو میں نے کہہ دیا

دیویں جو بنتِ فاطمہ زہراؑ تمہیں رضا[24] راضی ہوں میں بھی، اے جگرِ شیرِ کبریا

یہ بھی کہا تھا میں نے، فقط اس خیال سے

غم ہو کہیں نہ آپ کو ان کے ملال سے

چلّائی بنتِ فاطمہ، اے بھابھی جان، واہ پھر اور کس طرح سے رضا دیتیں، واہ واہ
کھویا مجھے جہاں سے، خود بھی ہوئیں تباہ (۲۵) پھر یوں کہا پسر سے کہ اے مرے رشک ماہ

بہرِ رضا جو نالہ و فریاد کرتے ہو
کیوں جان بوجھ کر مجھے برباد کرتے ہو

یہ کہہ کے پیٹنے لگی وہ غم کی مبتلا گر کر قدم پہ بولا یہ فرزندِ مہ لقا
مضطر حضور، آپ نہ ہوں بہرِ کبریا (۲۶) جو حکم ہوگا آپ کا، لاؤں گا وہ بجا

رخصت سے کام ہے نہ شہادت سے کام ہے
ہم ہیں غلام، ہم کو اطاعت سے کام ہے

رو کر بلائیں منہ کی کہا، تم پہ میں فدا تسخیر ہے کہ پڑھتی ہوں تسکین کی دعا
کس طرح باوفا نہ ہو، اے مرے مہ لقا (۲۷) صورت میں مصطفیٰ ہو تو سیرت میں مرتضیٰ

مہر و وفا کا آپ پہ ہے خاتمہ ہوا
پالا ہمارا فخر بنی فاطمہؑ ہوا

اکبرؑ نے عرض کی کہ نہ فرمائیں یہ حضور کوسوں قدم ہمارا ہے راہِ وفا سے دور
فرمایا، کیا یہ کہتے ہو، اے مرے ذی شعور (۲۸) اکبر پکارے، اس کی ہے اب شرح کیا ضرور

بس اس مقدمے کو یونہی رہنے دیجیے
منظور ہو حضور کو جو کچھ وہ کیجیے

رونے لگے یہ کہہ کے جو ہم شکلِ مصطفےٰ منہ رکھ کے منہ پہ زینبؑ مضطر نے یہ کہا
صدقے ہو بنتِ فاطمہؑ، رونے کی وجہ کیا (۲۹) مرجاؤں گی تڑپ کے، نہ زاری کرو بکا

اکبرؑ پکارے ہم بھی ہیں بے زار جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

رو کر پکاری بنت علیؑ، میں نے کیا کیا؛ بولا یہ کانپ کانپ کے فرزندِ مہ لقا
لڑ بھڑ کے سب نے جان شہ دیں پہ کی فدا (۳۰) میداں کی آپ نے نہ مگر دی ہمیں رضا

تنہا امام مرنے کو میداں میں جاتے ہیں
ہم رخصتِ جہاد نہیں اب بھی پاتے ہیں

بتلائے، حضور کو زہرا کی ہے قسم
آگے مرے جو قتل ہوئے سیدِ امم
(۳۱) جیتے رہیں گے ہم نہ اٹھا کر یہ رنج و غم
دنیا میں منہ دکھانے کے قابل رہیں گے ہم
پھر لوگ سب وطن کے یہ پوچھیں گے آپ سے
اکبرؑ نے منہ چھپایا مصیبت میں باپ سے

پہلے نہ اس طرح سے مفصل بیاں کیا
لے کر بلائیں کہنے لگی بنتِ مرتضیٰ
(۳۲) میں نے خوشی سے تم کو شہادت کی دی رضا
دولت پہ فاطمہؑ کی ہو سارا جہاں فدا
باندھو کمر، نثارِ شہ کربلا کروں
خود چل کے قتل گاہ میں تم کو فدا کروں

حمزہؑ کی ڈھال، تیغ علیؑ، جوشنِ امامؑ
یہ کہہ کے خود سلاح بدن پر سجے تمام
(۳۳) چار آئینہ وہ جس پہ رقم پنج تن کے نام
سر پر دھرا جو خود، ہوئے خم پے سلام
پوری شبیہِ خاص رسولِ زماں ہوئی
اک مُہر تھی نہ پشت پر، وہ بھی عیاں ہوئی

غل پڑ گیا، جہان سے خیر الامم چلے
تسلیم کر کے اکبرِؑ عالی ہم چلے
(۳۴) اور پیچھے پیچھے پیٹتے اہلِ حرم چلے
مڑ کر کہا یہ بانو سے، لو اماں، ہم چلے
زینبؑ تھی دونوں ہاتھوں پہ قرآں لئے ہوئے
اکبرؑ کے سر پہ سایۂ مصحف کئے ہوئے

کہتا ہے ہائے، شور تھا روزِ قیام کا
جاسوس در پہ خیمے کے تھا فوجِ شام کا
(۳۵) بڑھتا تھا اور رکتا تھا دل بر امام کا
اٹھتا تھا اور گرتا تھا پردہ خیام کا
گھبرا بڑھی، سکینہ گلے مل کے ہٹ گئی
اکبرؑ سے ماں جدا ہوئی، زینبؑ لپٹ گئی

وہ اضطراب آلِ پیمبرؐ کا، ہائے ہائے
خالق کسی بشر کو نہ وہ حشر پھر دکھائے
(۳۶) وہ بین درد کے نہ خدا پھر کبھی سنائے
حضرت بھی روتے تھے سرِ مغموم کو جھکائے
ایسا کسی جواں کا جنازہ ہے کم اٹھا
محشر اٹھا، خوزادے کا جو جو قدم اٹھا

آئی نہ تاب بانوئے عفت مآب کو — بولی، میں واری، گھر میں منگا و عقاب کو
تم ہو سوار اور میں تھاموں رکاب کو (۳۷) تسکین قلب کچھ تو ہو مجھ دل کباب کو
راہِ خدا میں رن پہ مری جان چڑھتے ہو
پوچھو جو میرے دل سے، تو پروان چڑھتے ہو

شہ زادے نے عقاب کو فوراً طلب کیا — خیمے میں ہن ہناتا ہوا آیا باد پا
گردِ عقاب جمع ہوئے آلِ مصطفےٰ (۳۸) دلدل پہ جیسے تعزیہ خانوں میں ہو عزا
بے وارثی برستی تھی شکلِ عقاب پر
پیری پہ اِن کی روتا تھا اُن کے شباب پر

دامن قبا کا باندھ کے اکبرؑ ہوئے سوار — تھامی رکاب ماں نے بصد چشم اشک بار
اکبرؑ کو شوق رن کا، عزیزوں کو اضطرار (۳۹) گھوڑے پہ کتنی بار چڑھے، اترے کتنی بار
لپٹا تھا کوئی یال سے، کوئی رکاب سے
اکبرؑ سے کوئی لپٹی تھی، کوئی عقاب سے

بولا پسر کہ رن سے نہ ہم پھر کے آئیں گے — حضرت ہماری لاش پہ تشریف لائیں گے
شہ نے کہا، جو آنکھوں میں بینائی پائیں گے (۴۰) جیتے رہے تو لاش گلے سے لگائیں گے
عباس سے یہ کہنا ابھی ہیں وہ راہ میں
خنجر کے نیچے تڑپیں گے ہم قتل گاہ میں

القصہ خیمہ گاہ سے اکبرؑ رواں ہوئے — روتے پسر کے ساتھ ہی سرور رواں ہوئے
معراج کو جنابِ پیمبرؐ رواں ہوئے (۴۱) خیبر کے فتح کرنے کو حیدرؑ رواں ہوئے
جنّ و ملک نے دبدبے پر واہ واہ کی
پیرِ فلک نے حُسنِ جوانی پہ آہ کی

(مطلع)

عباس جب کہ جانب کوثر رواں ہوئے — بہرِ جہاد خیمے سے اکبرؑ رواں ہوئے
معراج کو جنابِ پیمبرؐ رواں ہوئے (۴۲) خیبر کے فتح کرنے کو حیدرؑ رواں ہوئے
جنّ و ملک نے دبدبے پر واہ واہ کی
پیرِ فلک نے حُسنِ جوانی پر آہ کی

قدسی سلام گاہ میں بہرِ سلام آئے — عرشی طوافِ کعبۂ رخ کو تمام آئے
خدام پیش پیش پئے اہتمام آئے — (۴۳) اصطبل میں یہ شور مچاتے غلام آئے
مشتاقِ صحبت جدِ امجد ہوئے حضور
لاؤ، براق لاؤ، برآمد ہوئے حضور

لائے فرشتے اپنے پروں پر عقاب کو — جس شان سے براقِ رسالت مآب کو
پلکوں سے زین جھاڑ کے تھا مار کاب کو — (۴۴) رہوار پر ادب سے چڑھایا جناب کو
اٹھی زمیں عقاب کی تعظیم کے لئے
دورِ فلک ٹھہر گیا تسلیم کے لئے

گردوں نے کی نظر جو فرس کے جمال پر — قربان سنبلہ کو کیا اس کی یال پر
سیارے کو پسینہ پہ ثابت کو خال پر — (۴۵) نیرنگیوں کو رنگ پہ گردش کو چال پر
پایا کرے گا سلسلہ یہ آفتاب میں
خورشید باگ ڈور لئے ہے رکاب میں

جولاں ہوا عقاب پری رو فرشتہ ذات — عزائے کبر و حرص کے سر پر لگائی لات
بن بن کے گرد اڑ گئے طاغوت و سومنات — (۴۶) تھا بُت کدوں میں نعرۂ قد قامتِ الصلوٰۃ
تھرّا اٹھی زمیں عجم و روم و شام کی
ترکی فلک کے اِس عربی نے تمام کی

قدرت کا ہے نظارہ یہ چل پھر، یہ کود پھاند — بجلی ہی یا شرارہ، یہ چل پھر، یہ کود پھاند
پائے کہاں چکارہ، یہ چل پھر، یہ کود پھاند — (۴۷) یہ جست، یہ طرارہ، یہ چل پھر، یہ کود پھاند
دو پر جو اس عقاب کو حاصل ہیں زین سے
پہنچا نویں فلک پہ اڑا جب زمین سے

سن لو نسب یہ رخش بڑا قوم دار ہے — تخمِ مرادِ ابلقِ لیل و نہار ہے
کھیت اس کا صحنِ قدرتِ پروردگار ہے — (۴۸) یہ شیر خوار دایۂ ابرِ بہار ہے
مالک ہے ماہِ نو سے یہ چرخِ بلند کا
پہلے فلک پہ نعل گڑا ہے سمند کا

برجِ اسد ہے زین تو رہوار ہے اسد — راکب کے جلوے سے شرفِ برج کی سند
کہتا ہے رو سے بدر، میں تیرا ہوں ہم عدد (۴۹) دیتا ہے رخ جواب، تو اک شب میں تا ابد
مجھ میں ضیا ہے فاتحِ بدر و حُنین کی
عینک تو چشمِ شب کی، میں چشمِ حسینؑ کی

لو دیکھو صاحبو پئے دنیا بنا جہاں — یہ خوفِ جاں سے آہ و بکا میں ہیں انس و جاں
اشکوں کی ہے زمین تو آہوں کا آسماں (۵۰) نالوں کے عندلیب ہیں داغوں کے بوستاں
غل ہے کہ صبح و شام غضب آج رن کی ہے
ظلمت وہ گور کی، وہ سفیدی کفن کی ہے

رن میں ہے فوج آمدِ اکبرؑ سے بے قرار — خوفِ خدا سے حشر میں جیسے گناہ گار
دل مردہ، سینہ خشتِ لحد، پشت قعرِ نار (۵۱) مردُم کو جنبشِ مژہ ہے صدمۂ فشار
کیسا خوابِ نامہ، یہ مضمونِ تازہ ہے
ہر دوش کا بتانِ عمل کا جنازہ ہے

سدرہ پہ کیوں لرزتے ہیں پر جبرئیل کے — کیوں زلزلے میں رکن ہیں عرشِ جلیل کے
پانی ہوئے ہیں دل جو سپاہِ بخیل کے (۵۲) فرعونیوں کو سامنے ہیں رودِ نیل کے
بے ہوش، ہوش آج ہے کمزور، زور ہے
شیرِ خدا کے پوتے کی آمد کا شور ہے

ایمن میں طور، طور میں یہ برقِ طور ہیں — گردن میں سر ہیں، سر میں یہ عقل و شعور ہیں
سینے میں دل ہیں، دل میں نشاط و سرور ہیں (۵۳) چہرے پہ آنکھ، آنکھ میں تل، تل میں نور ہیں
گلشن میں پھول، پھول میں بو، بو میں عطر ہیں
روزوں میں عید، عیدوں میں یہ عیدِ فطر ہیں

سینہ کو دل، دلوں کو سرورِ ان کا چاہیئے — جلوہ کلیم کو سرِ طورِ ان کا چاہیئے
ایمن کو طور، طور کو نور ان کا چاہیئے (۵۴) سب کو خدا، خدا کو ظہور ان کا چاہیئے
برحق نمونۂ جبروتِ خدا یہ ہیں
بندے ہیں، پر دلیلِ ثبوتِ خدا یہ ہیں

گلشن کو پھول چاہیئے، پھولوں کو اِن کا رنگ   دریا کو موج چاہیئے، موجوں کو یہ نہنگ
بیشے کو شیر چاہیئے، شیروں کو اِن کا ڈھنگ (۵۵) قبضے کو تیغ، تیغ کو ہاتھ ان کا وقتِ جنگ
گردوں کے روکنے کو سنان اِن کی چاہیئے
تن کو زرہ، زرہ کو امان ان کی چاہیئے

رونق پذیر رن ہے جمالِ جمیل سے   جس طرح طور، نور سے کعبہ خلیل سے
گردوں ہے گرد ان کے جلالِ جلیل سے (۵۶) جس طرح پشہ دبدبۂ جبرئیل سے
عالم پکارتا ہے، کہاں اب پناہ لوں
اکبرؑ کا سایہ کہتا ہے، آ میں نباہ لوں

اللہ رے دبدبہ کہ نہیں اختروں کو تاب   اتنا گھٹا کہ چھپ گیا ذرّے میں آفتاب
ایماں ہے خوش کہ کفر کی مٹی ہوئی خراب (۵۷) رن کی زمیں نے ڈر کے کہا، یا ابوترابؑ!
ہل کر پہاڑ کہتے ہیں یا مرتضیٰ علیؑ
مشکل میں سب کے منھ سے نکلتا ہے یا علیؑ

میدانی و نقیب ہیں سب شاہوں کو بہم   یاں بولتے ہیں ہاتفِ غیبی قدم قدم
ہاں، بیرق و نشان و علم ہو ادب سے خم (۵۸) ہاں، سرکشو! جھکاؤ سرِ عجز، دم بہ دم
آتا ہے بادشاہِ جوانانِ خوب رو
صلِّ علیٰ نبیؐ کا مرقع ہے روبرو

ہاں صاحبِ کتاب یہ صورت ہے نور کی   ہاں، امّتِ کلیم یہ طلعت ہے طور کی
ہاں غازیانِ معرکہ توبہ غرور کی (۵۹) ہاں، نوبتیِ چرخ سلامی حضور کی
ہاں اے ہمائے فتح، قدم لے عقاب کے
ہاں اے بُراق، دیکھ تو حملے عقاب کے

حیراں جمالِ پاک سے خورد و کلاں ہوئے   بولے جواں، نجف سے علیؑ کیا عیاں ہوئے
چلّائے سن رسیدہ، نبیؐ پھر جواں ہوئے (۶۰) اکبرؑ زبانِ خشک سے یوں دُرفشاں ہوئے
اللہ غافلو، ہمیں پہچانتے نہیں!
ہم بندے ہیں، خدا کو بھی تم جانتے نہیں!

گر جانتے نہیں ہو تو اب جان لو ہمیں ایجادِ شش جہت کا سبب جان لو ہمیں
شکل بشر میں قدرتِ رب جان لو ہمیں (۶۱) وقتِ وغا خدا کا غضب جان لو ہمیں

سمجھو تو حق کے سرِّ خفی و جلی ہیں ہم
گھر میں نبیؐ تو رن میں علیؑ ولی ہیں ہم

ہیں جامعِ کتابِ خدا، گو تباہ ہیں کونین کی پناہ ہیں، خود بے پناہ ہیں
جبرئیل کے خوزادے ہیں، قدسی گواہ ہیں (۶۲) شیروں کے ہم ہیں شیر تو شاہوں کے شاہ ہیں

تمغا شرافت اور نجابت کا رکھتے ہیں
دُرِّ نجف سے رشتہ قرابت کا رکھتے ہیں

فرزندِ قیس نے کیا اک دن یہ بندوبست یعنی درِ علوم نبوت کو دوں شکست
ظالم نے کی ضیافتِ مولائے حق پرست (۶۳) آیا گھر اس کے پشت پناہِ بلند و پست

کالبدر و فی النجوم وہ باب علوم تھا
اصحاب کا ہجوم مثالِ نجوم تھا

دیوارِ کہنہ طول میں تھی تیس گز وہاں لغزش تھی اسے اس کے عقیدے کی سب عیاں
چو بیں پئے ہوئے پسِ دیوار کچھ جوان (۶۴) استادہ تھے گرانے کو بالائے مومناں

ریلا بہت کہ خم ہو وہ تسلیم کے لئے[1]
دیوار پر، کھڑی رہی تعظیم کے لئے

دیوار بائیں ہاتھ میں لی شیرِ حق نے تھام سب سے کہا کہ نوش کرو شوق سے طعام
شانے ملا کے شانے سے بیٹھے محب تمام (۶۵) ساتھ ان کے دستِ راست سے کھانے لگے امام

کی عرض سب نے، تلخ ہے لذت طعام کی
ہم پر بہت گراں ہے مشقت امام کی

بولے علیؑ ہمیں تو نہیں ناگوار ہے دیوار بائیں ہاتھ میں یوں برقرار ہے
جیسا کہ دہنے ہاتھ میں لقمے کا بار ہے (۶۶) سب نے کہا، یہ قدرتِ پروردگار ہے

مولا کا نام دستِ خدا، دوسرا میں ہے
جو زور ہے خدا کا وہ دستِ خدا میں ہے

---

[1] نسخہ:۔ تھا اک دنی وہ گنبد و دار کے تلے کھانے چنے تھے سب اسی دیوار کے لئے

جب سیر ہو چکے رفقائے نکو سیر — مولانے کی مرمتِ دیوار سر بہ سر

آئے جنابِ شاہِ رسلؐ سن کے یہ خبر (۶۷) — فرمایا، واہ اے شرفِ خضرؑ نام ور

دولت جو اس میں دفن یتیموں کی پائی تھی

دیوارِ خضر نے بھی یونہی اک اٹھائی تھی

دیوار کیا ہے! دین قوی ہم نے کر دیا — حق نے خطابِ قاسمِ نار و سقر دیا

گردن کشوں نے باج میں دادا کو سر دیا (۶۸) — مرحب نے قلعہ، قلعۂ خیبر نے در دیا

سب جانتے ہیں ساقیِ کوثر کے اوج کو

رستہ فرات نے دیا دادا کی فوج کو

مکار بولے، آپ کے تو ہم غلام ہیں — لیکن غلام، تشنۂ خونِ امام ہیں

دریا ہے نذر، آپ اگر تشنہ کام ہیں (۶۹) — یعنی حضور ثانیِ خیر الانام ہیں

کوئی نہیں شرف میں مقابل حضور کے

مسند بھی مصطفیٰ کی ہے قابل حضور کے

سب کچھ ملے جو آپ جدا ہوں حسینؑ سے — جو خیمہ ہو پسند وہاں رہیے چین سے

فارغ ہوں ہم جو قتلِ شہِ مشرقین سے (۷۰) — چلیے یہاں سے شام کو اس زیب و زین سے

ڈنکا جلو میں سر پہ نشانِ ظفر چلے

برچھی پہ دھوپ میں شہِ بےکس کا سر چلے

حاکم کو داخلے کا عریضہ جو جائے گا — ناکے تلک حضور کے لینے کو آئے گا

مسند پہ اپنی روز برابر بٹھائے گا (۷۱) — کیا جشن ہوگا جب تمہیں دولھا بنائے گا

خاقان و قیصر آئیں گے خود چین و روم سے

لے جائیں گے برات خوزادے کی دھوم سے

شہ زادے نے لرز کے کہا، بس خموش بس! — قاسمؑ کے بیاہ سے نہ رہی بیاہ کی ہوس

مالک کو اختیار ہے، بندے کا کیا ہے بس (۷۲) — مرنے کی بھی بہار ہے اٹھارہویں برس

مرجائیں نامراد تو پوری مراد ہو

شادی بڑی یہی ہے کہ اللہ شاد ہو

کیا خوب دوستی کی یہ باتیں ہیں، واہ واہ! کہنے کو حکم قتل کا، ہم کو پناہ، واہ!
بیٹے کو چین، والدہ دربدر تباہ، واہ! (۷۳) بابا کی موت اور علی اکبر کا بیاہ، واہ!
شادی کا اور بیاہ کا کس کو دماغ ہے
دل پر ہماری شادیِ قاسمؑ کا داغ ہے

ہم کو تمہارے خیمے میں راحت ہو چین ہو ماتم کی صف حرم میں بچھے شور و شین ہو
طبل و نشاں کی میرے لئے زیب و زین ہو (۷۴) برچھی پہ غرقِ خوں سرِ پاکِ حسینؑ ہو
ہم تخت پر یزید کے پہلو نشیں رہیں
یاں بے کفن زمیں پہ شہنشاہِ دیں رہیں

اکبر کے دوست، قاتلِ شاہ ہُدا ہو تم! پھر آنکھ چار کرتے ہو، کیا بے حیا ہو تم!
لو ہو چکا مصالحہ، گرمِ دغا ہو تم! (۷۵) دیکھیں تو ہم بھی، کیسے سپاہی بھلا ہو تم!
تم ہو لڑے بھڑے مری پہلی لڑائی ہے
پر مثلِ سیف قبضے میں ساری خدائی ہے

پھر تو ہوا ہلال پہ خورشید مہرباں پنجہ بڑھا نیام کی جانب کو ناگہاں
قبضے سے لے کے تا سرِ تیغِ شررفشاں (۷۶) تھی تیس دن کی راہ کہ تھا ماہ درمیاں
ڈر کر قضا بھی تیغ کی تیزی سے ہٹ گئی
قبضے پہ ہاتھ پہنچا کہ سب راہ کٹ گئی

ہنگامِ ظہر تیغ نے خالی کیا میاں محراب سے بلند ہوا نعرۂ اذاں
ہل چل پڑی جماعتِ اعدا کے درمیاں (۷۷) بولی زمیں کہ اب میں اقامت کروں کہاں؟
رضواں نے دی ندا، یہ جناں کے ریاض سے
نکلی دعائے سیفی اعظم بیاض سے

غنچے سے بوئے غنچہ سمٹ کر نکل پڑی جوہر تھے پھول تار رگِ، یہ پھول کی جھڑی
پر عقل ذوالفقار کے فقروں سے یاں لڑی (۷۸) نکلی نیام سے جو، یہ ہم غل تھا اس گھڑی
بھاگوں کہاں کا قصہ کہ اب ہوش جاتے ہیں
دو اژدہے گتھے ہوئے بانبی سے آتے ہیں

پھل اس کے دونوں، پر تھے دم جلوہ گستری — کیا قافِ تیغ کی تھی پری تیغ حیدری
کیا پھل تھے دو صحیفۂ اسرارِ دادری[۷۹] — منسوخ جن کے سامنے تفسیرِ جوہری
باہم مطالعہ تھا سدا آب و تاب کا
تنہا مقابلہ نہیں ہوتا کتاب کا

شہزادے نے جو تیغ سے ارشاد، ہاں! کیا — روئے برش سوئے پرشِ شامیاں کیا
ہستی نے پیش خیمۂ عدم کو رواں کیا[۸۰] — رخ نیستی نے جانبِ پیر و جواں کیا
عقل بشر رہی نہ حواسِ ملک رہے
زیرِ قدم زمین، پہ سر پر فلک رہے

سر کو اٹھا کے چرخ نہم پر نگاہ کی — کرسی نے جانا، عرش کی کشتی تباہ کی
تصویر بن گئے قلم و لوح، آہ کی[۸۱] — بولا فلک، پناہ رسالت پناہ کی!
محکوم سب حضور کے چرخ بریں پہ ہیں
دشمن ابوترابؑ کے روئے زمیں پہ ہیں

بیر العلم سے واسطے بیعت کے جن بڑھا — یا، رُت پھری کہ رات گھٹی اور دن بڑھا
یا میان کار کو رع کی کثرت سے سن بڑھا[۸۲] — ظلمات سے جہاد کو خضرِ مُسن بڑھا
اونچی ہوئی جو کھنچ کے سروہی جناب کی
گردوں پہ مد بنی الفِ آفتاب کی

گہ نوک پر سپہر کی گنبد کو دھر لیا — گاہے زمیں پہ جاکے عمل اپنا کر لیا
گردن لی اس گروہ کی اس صف کا سر لیا[۸۳] — تڑپی کمر پہ اِن کی تو اُن کا جگر لیا
ہر دل رواں تھا جنبشِ تیغِ جری کے ساتھ
قدرت خدا کی اڑتے تھے شیشے پری کے ساتھ

جس نے ملائی آنکھ تماشا دکھا دیا — چشم جہاں سے پردۂ غفلت اٹھا دیا
تیغِ نگہ، سنانِ مژہ کو اڑا دیا[۸۴] — پتلی کو اس نے خاک کا پتلا بنا دیا
ہر سنگ دل کی آنکھ کے ڈھیلے نکل پڑے
پتلی جو کاٹی، مردمِ آبی اچھل پڑے

شورش پہ جو بہت تھے وہ خاموش ہوگئے   رو دار جو جوان تھے، روپوش ہو گئے
ہشیار تھے جو سب میں وہ بے ہوش ہوگئے (۸۵) نام اپنے نامیوں کو فراموش ہو گئے
کہتے تھے کچھ تو کرتے تھے کچھ اضطرار سے
سر پاؤں بات کا بھی نہ تھا ذوالفقار سے

جوہر پہ اس کے اہلِ ہنر لوٹنے لگے   کیا چال تھی کہ راہ میں سر لوٹنے لگے
دو ہو کے طائرانِ نظر لوٹنے لگے (۸۶) گرز و سنان و تیغ و تبر لوٹنے لگے
جھک کر جو بچ گیا اسے خم ہو کے دو کیا[ل]
زیں پر کھڑا ہوا تو علم ہو کے دو کیا

لاکھوں میں وقتِ جنگ کبھی گم کبھی عیاں   گہہ بو تھی گاہ رنگ، کبھی گم کبھی عیاں
جگنو کا صاف ڈھنگ، کبھی گم کبھی عیاں (۸۷) مثلِ شرارِ سنگ، کبھی گم کبھی عیاں
بے دم کیا یہ تیغِ شجاعت پناہ نے
تلوار کیا، کہ دم بھی نہ مارا سپاہ نے

نازو ادا و حسن دکھاتی ہوئی چلی   جوہر کی زلف رخ سے ہٹاتی ہوئی چلی
غمزے کو سو کرشمے دکھاتی ہوئی چلی (۸۸) دیوانہ، عاشقوں کو بناتی ہوئی چلی
دھبا کہیں لگا نہ چم و خم میں بل پڑا
نکھری نہا کے خون میں، جوبن ابل پڑا

یہ سیرِ جنگ دیکھتے تھے اہلِ بیتِ شاہ   سب، واہ واہ کرتے تھے اور بانو، آہ آہ
تعریف سن کے ہوتا تھا حال اور بھی تباہ (۸۹) یعنی شہید ایسا بہادر ہو بے گناہ
شہ کہتے تھے، بلند کیا نام باپ کا
یہ مڑ کے عرض کرتے تھے، صدقہ ہے آپ کا

خورشید، گاہ پشت پہ اور گاہ رو برو   آفت کی دھوپ، قہر کی گرمی، غضب کی لو
ریتی سے گرم بھاپ جو اٹھتی تھی چار سو (۹۰) سم کو اٹھا کے ہانپتا تھا اسپِ نیک خو
کمھلا رہا تھا بانو کا پھول آفتاب میں
جلتے تھے پاؤں موزوں میں موزے رکاب میں

ل نسخہ:۔ اک آگ تھی کہ چار طرف کو بھڑک گئی   اس تیغ کی ادا پہ قضا بھی پھڑک گئی

قبضے کا لوہا گرم تھا اور تسمۂ عناں — چھالے پڑے بھی، پھوٹے بھی، ہاتھوں کے درمیاں
اس وقت کا وفورِ عطش، کیا کروں بیاں (۹۱) باہر نکل کے منہ میں سماتی نہ تھی زباں
نیلے تھے ہونٹ اور طبیعت اداس تھی
آنکھیں بھی دونوں بیٹھ گئی تھیں، یہ پیاس تھی

اب حال پر خوزادے کے شیعہ کریں نظر — سنِ شباب، فاقے کو چوبیسواں پہر
پیہم کئے جو حملے تو دُکھنے لگی کمر (۹۲) دورانِ سر سے تن پہ ہوا ناگوار سر
پہلے پہل لڑے بھی تو نو لاکھ سے لڑے
لیکن، خدا گواہ، بڑی ساکھ سے لڑے

اس شکل سے رواں ہوئے سوئے حرم سرا — بڑھ بڑھ کے دیکھنے لگے حیرت سے اقربا
بو سونگھ کر حسینؑ کی خواہر نے دی صدا (۹۳) قربان جائے پالنے والی، یہ کیا ہوا؟
ہے ہے، تمہاری آنکھوں کو کس کی نظر لگی
پیارے کی پیاری آنکھوں کو کس کی نظر لگی

چلائی بانو، مجھ کو بھی حیرت کمال ہے — مجھ بے نصیب کا یہ پُر ارمان لال ہے
پہلے نہیں بلائیں، بڑا انفعال ہے (۹۴) دائی نثار ہائے، یہ کیا منہ کا حال ہے
آئی ہوئی تری نہ تری ماں پہ ٹل گئی
ہم صورتِ نبیؐ تری صورت بدل گئی

اکبر پکارے، پیاس ہائے اماں جان پیاس — پھر ہاتھ جوڑ کر یہ کیا شہ سے التماس
لڑنے سے جاں نثار کو اب تک نہیں ہراس (۹۵) پر شدتِ عطش کیے دیتی ہے بے حواس
ہر دکھ میں آسرا ہے تمہارا غلام کو
بابا حسینؑ، پیاس نے مارا غلام کو

آیا ہوں یاد کرکے میں صفین کی وغا — جس دم محمدِ حنفیہ مرے چچا
آتے تھے لڑ کے رو بہ روئے شاہِ لافتیٰ (۹۶) فی الفور آبِ سرد علیؑ کرتے تھے عطا
پانی سے منہ دھلا کے زرہ پر چھڑکتے تھے
پھر شعلے پیاس کے نہ جگر میں بھڑکتے تھے

میں بھی حضور، آپ سے، امیدوار ہوں — پانی پلائیے کہ بہت بے قرار ہوں
رو کر حسینؑ بولے، میں بے اختیار ہوں (۹۷) — بیٹا تمہارے منھ سے بہت شرمسار ہوں
اللہ صبر دے، میرے تشنہ جگر، تمھیں
تم پانی مانگو اور نہ پلائے پدر، تمھیں

لپٹا یہ عذر کر کے جگر گوشۂ بتولؑ — دی منھ میں چوسنے کو پھر انگشترِ رسولؐ
فرمایا اب نہ پیاس سے ہوگے کبھی ملول (۹۸) — جاؤ، خدا تمھاری شہادت کرے قبول
کوثر کا جام بابا سے اے میری جان، لو
خاتم سے اپنا خاتمہ بالخیر جان لو

سمجھا خوزادہ، عمر ہماری ہوئی تمام — لکھا ہے شاہ کا حبشی ایک تھا غلام
خدمت میں شاہزادے کی رہتا تھا صبح و شام (۹۹) — گھر سے اسے بلا کے کہا، بھائی السلام
ہم نے ابھی پدر سے پیامِ قضا سُنا
بھائی معاف کر تو ہمارا کہا سُنا

اب رن سے ہم نہ آئیں گے، آواز آئے گی — سنتے ہی فاطمہؑ کی بہو تھرتھرائے گی
تو در پہ رہیو ورنہ مربات جائے گی (۱۰۰) — بی بی تری قدم، سوئے مقتل، بڑھائے گی
جس طرح وہ رکیں تو انھیں روک لیجیو
سوگند میری مرگِ جوانی کی دیجیو

یہ کہہ کے چوستے ہوئے انگشتری چلے — دکھلا کے سب کو دبدبۂ حیدری چلے
تھامے عناں عقاب کی جن و پری چلے (۱۰۱) — ٹھنڈے ہوئے نہ پھر فلکِ چنبری چلے
غل تھا نثار اس پہ سلیماں بھی رن میں ہو
انگشتریِ ختمِ رسالت دہن میں ہو

یوسف، دوبارہ شرم سے گرتے ہیں چاہ میں — طوفانِ اشک خوف ہے سب کی نگاہ میں
پھر فرش و اہلِ عرش کی آنکھیں ہیں راہ میں (۱۰۲) — پھر بندوبست فتح کا ہے رزم گاہ میں
پھر اوج میں زمیں کے طبق آسماں ہوئے
رن میں دوبارہ احمدِ ثانی عیاں ہوئے

اعدا نے پوچھا، سوزِ عطش سے اماں ملی؟ للکار کر کہا علی اکبرؑ نے، ہاں ملی!
انگشتریِ خاتمِ پیغمبراں ملی[١٠٣] پر، آہ، ننھے بھائی کے ہونٹوں پہ جاں ملی
پایا نہیں جو دودھ تو اماں سے روٹھے ہیں
منھ میں یہاں انگوٹھی ہے اور واں انگوٹھے ہیں

یہ پیاس ہے فقط بشریت کا مقتضا بے قوت ہے ہمارے لئے قوتِ خدا
آٹھوں پہر میں شیرِ خدا شاہِ اوصیا[١٠٤] کھاتے تھے تین لقمۂ نانِ جویں سدا
عالم کو جو کھلائے وہ کیا ہو کے سیر کھائے
جو ساری زندگی میں سوا تین سیر کھائے

اس فاقے میں جو زورِ خدا داد ہم دکھائیں نیزے پہ ہفت پیکرِ گردوں، عَلَم دکھائیں
تیروں سے رستموں کو نشانِ عدم دکھائیں[١٠٥] بے دم ہوں سب، جو بُرّشِ تیغِ دو دم دکھائیں
کاٹیں کمانِ چرخ کو، تیرِ شہاب کو
تیغِ ہلال کو، سپرِ آفتاب کو

کیا منھ جو تاب میرے طمانچے کی شیر لائے دوں کاہ کو جو حکم پہاڑوں کو گھیر لائے
پشّہ پکڑ کے گردنِ فیلِ دلیر لائے[١٠٦] مُردہ، قضا کے ہاتھوں سے جان اپنی پھیر لائے
میرا عقاب دیو کو مارے بچھاڑ کر
پھینکے ہوا پہ قاف کو سم سے اکھاڑ کر

طارق مثالِ ناگ بڑھا اینڈتا ہوا اور روکشِ جوانِ شہِ لافتیٰ ہوا
معلوم ایک دم میں نہ دم کا پتا ہوا[١٠٧] ویسے بلند نعرۂ واحسرتا ہوا
تیغِ دوسر نے شکل یہ بدلی پلید کی
آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ کے زخموں نے دید کی

بیٹا بڑا قصاصِ پدر کو رواں ہوا طارق کی طرح وہ بھی سقر کو رواں ہوا
بھائی جو اس کا اس کی خبر کو رواں ہوا[١٠٨] بھی گیا وہاں، وہ جدھر کو رواں ہوا
پھر چار تیسرا ایسر نحس جو ہوا
یکتائیِ خدا کا وہ منکر بھی دو ہوا

مصراع پہلواں کوئی آیا تھا شام سے — بھیجا عمر نے یاں اُسے دیوانِ عام سے
مصراعِ تیغ اس نے نکالا نیام سے (۱۰۹) لیکن خفیف وہ ہوا اِن کی حُسام سے
خمسہ حواس خمسہ کا ایک بار کھو گیا
دو مصرع مثلِ بیت یہ مصراع ہو گیا

زندوں کا اور مُردوں کا تھا پھر تو ایک حال — ہر جا بیاں ہوتے تھے اس تیغ کے کمال
بر آرہے تھے خوابِ عدم میں یہ گیو و زال (۱۱۰) وہ ڈوبا، وہ اڑا، وہ جلا، وہ ہوا حلال
حالِ زنانِ حاملہ گھر گھر سقیم تھا
جو طفل اس گھڑی ہوا پیدا، دو نیم تھا

روبہ دلوں کا آہوئے آرام، رم ہوا — سنتے ہی وصلِ تیغ کا پیغام، غم ہوا
الماسِ جاں ستاں سے بھی یہ کام کم ہوا (۱۱۱) سایہ حُسام کا پئے اجسام، سم ہوا
برق و شرر پہ جست میں رہوار وَر ہُوا
ٹھہرا کے آسماں کا نگوں سار سر ہوا

ناگہ کہا یہ عدل سے شمشیر نے کہ ہاں! — کیسی میری برش ہے؟ وہ بولا کہ الاماں!
قطعی دلیل آج ہے توحید کی عیاں (۱۱۲) ثابت کسی طرح کی دوئی اب نہیں یہاں
کوفی و شامی و عجمی و عرب ہیں دو
بس اِک خدا تو دو نہیں باقی تو سب ہیں دو

نزدیک تھا کہ شامی و کوفی کریں فرار — واں فکر کی یہ محکم و نوفل نے ایک بار
چن چن کے دو ہزار سوارانِ نیزہ دار (۱۱۳) اکبرؑ کے گرد باندھ لیا تیروں کا حصار
ہے ہے نصیب شیعوں کا اُس وقت پھر گیا
پوتا خدا کے شیر کا تیروں میں گھر گیا

آثارِ موت پائے جو اُس کارزار میں — یثرب کو مڑ کے دی یہ صدا اضطرار میں
صُغرا بہن نہ رہیو میرے انتظار میں (۱۱۴) لوٹا قضا نے باغِ جوانی بہار میں
ہر روز تھا یہ قصد کہ وعدہ وفا کروں
پر زندگی نے کی نہ وفا، آہ، کیا کروں؟

اکبرؑ یہ کہہ رہے تھے مدینے کو منہ پھرائے　　جو نیزے، دوہزار نے جو گرد سے، لگائے

اک برچھی اس غضب کی لگی دل پہ ہائے ہائے (۱۱۵)　　اکبرؑ جگر پکڑ کے کئی بار تھرتھرائے

گردن اِدھر سمند کی گردن پہ جھک گئی

سینے میں واں سناں جو اَڑی سانس رک گئی

وہ ضعف سے پسینے کا آنا وہ سر کا درد　　سینے کا دُکھنا، سانس کا رکنا، جگر کا درد

دل کا تڑپنا، پشت کا جھکنا، کمر کا درد (۱۱۶)　　پالا تھا جس نے، اس کے لئے عمر بھر کا درد

بابا نہ تھا جو سینے سے برچھی نکال لے

مادر نہ تھی جو گود میں ان کو سنبھال لے

سنبھلا علیؑ کا شیرِ ژیاں کہہ کے "یا علیؑ"　　لی عین غش میں تیغِ رواں کہہ کے "یا علیؑ"

قاتل کی سمت پھیری عناں کہہ کے "یا علیؑ" (۱۱۷)　　چھوڑا نہ سر نہ جسم نہ جاں کہہ کے "یا علیؑ"

ڈر کر پرے تو نیزہ وروں کے پرے ہوئے

اور گر پڑے یہ ہاتھ جگر پہ دھرے ہوئے

زینبؑ نے در پہ آکے پکارا حسینؑ کو　　اب کچھ نہیں خیال ہمارا حسینؑ کو

گو جز خدا کوئی نہیں پیارا حسینؑ کو (۱۱۸)　　پر اس قلق میں چاہیے چارا حسینؑ کو

نیزے ہمارے شیر کو اعدا نے مارے ہیں

برچھی لگی کلیجے پہ اکبرؑ پکارے ہیں

اب وقتِ آخری مرے گلگوں قبا کا ہے　　ہونا وہاں ضرور شہِ کربلا کا ہے

یہ شکر ہے خدا کا، وہ فدیہ خدا کا ہے (۱۱۹)　　کیوں کر کہوں زباں سے کہ ساماں قضا کا ہے

مشتاق اُن کو ہو گی شہِ خوش نہاد کی

بر لائیے مُراد مرے نامراد کی

راہی ہوئے یہ سن کے شہنشاہِ دوجہاں　　اسپ بے سوار ہوا سامنے عیاں

چشمِ رکاب خون میں راکب کے خوں فشاں (۱۲۰)　　اس کے قریب جا کے یہ کرنے لگے بیاں

کیا تو عقابِ اکبرِ ناشاد کام ہے؟

وہ بولا، ہاں حضور، یہی میرا نام ہے!

اے شہسوارِ دوشِ پیمبرؐ دہائی ہے   برچھی مرے سوار کے دل پر لگائی ہے
شہ بولے، پاس ان کے نہ بابا نہ بھائی ہے   (121) افسوس اس گھڑی تجھے اُن سے جدائی ہے
بولا عُقاب سوئے نجف منھ کو موڑ کر
آیا ہوں واں میں صاحبِ دلدل کو چھوڑ کر

واں جاں بہ لب خوزادہ ہے یا سیّدِ اممؐ   اس وقت سن کے آپ کی فریاد دم بہ دم
اکبرؑ نے دونوں ہاتھ جگر پر دھرے بہم   (122) ہے ہے غضب، ہوا نہ کلیجے کا درد کم
آواز دے سکے نہ امامِ غیور کو
مجھ سے کیا اشارہ، بلا لا حضور کو

مرکب کے ساتھ ساتھ چلے شاہِ دیں پناہ   اک روشنی زمیں پہ ملی درمیانِ راہ
دیکھا کہ نیزہ سینے میں ہے اک جواں کے آہ   (123) منھ لا کے منھ کے پاس شہِ دیں نے کی نگاہ
بسمل نے پوچھا کیا مرے بابا حسینؑ ہو؟
یہ بولے، کیا حسینؑ کے تم نورِ عین ہو؟

کی عرض، ہاں میں ہی ہوں، میں ہی آپ کا غلام   ہے ہے، بصارت آپ کی اے قبلۂ انام
شہ بولے، اپنا درد کہو، ہم تو ہیں تمام   (124) کی عرض، تشنگی سے نہیں طاقت کلام
کیوں کر یہ پیاس کم ہو، حبیبِ نبیؐ کہو!
شہ نے کہا، علیؑ کہو بیٹا علیؑ کہو!

ناگاہ اس جوان نے کیا چشمِ تر کو بند   اور دفعتہً لرز گیا غیرت سے بند بند
حضرت نے پوچھا کیوں مرے فرزندِ ارجمند   (125) چپکے سے بولے، دردِ جگر ہو گیا دوچند
ہے ہے صفیں ہیں سب سرِ میداں کھڑی ہوئی
اور بال کھولے ہیں پھوپھی اماں کھڑی ہوئی

شہ نے کہا نہیں تو مری جان وہ کہاں   بانو کے ساتھ پیٹ رہی ہے وہ خستہ جاں
آئی ندا کہ تڑپو نہ اے اکبرِؑ جواں   (126) میں فاطمہؑ ہوں فاطمہؑ کنبے کی نوحہ خواں
پالا ہے جس نے تم کو وہ زہراؑ کی پیاری ہے
واری، پھوپھی نہیں ہے یہ دادی تمہاری ہے

پھر لاش کو اٹھا کے شہِ بحر و بر چلے دم توڑنے کو اکبرؑ ناشاد گھر چلے
ہو کر شہید حضرتِ خیر البشرؐ چلے (۱۲۷) روتے ہوئے جِلو میں ملک ننگے سر چلے
یاں دی خبر یہ فضّہ نے زہراؑ کی جائی کو
شہ زادی، لاش آئی، چلو پیشوائی کو

اب کیا کہوں، حسینؑ نے کیوں کر اٹھائی لاش اور زینبؑ اپنے پالے کی کس طرح لائی لاش
پہلے قیامت آئی حرم میں، پھر آئی لاش (۱۲۸) ارمان تھا دلہن کا فلک نے دکھائی لاش
آئی بتول بزم میں، تسلیم کو اٹھو
اکبرؑ کی لاش آتی ہے، تعظیم کو اٹھو

رو کر سوے ضریحِ حسینی پہ دو ندا ہی ہی، حضور سے علی اکبرؑ ہوئے جدا
آقا ترے فِدا، ترے اکبرؑ کے ہم فدا (۱۲۹) بیٹے کی تعزیت میں جزا دے تمھیں خدا
پُرسا جوان بیٹے کا یوں دو حسینؑ کو
جو ساکنانِ عرش سنیں شور و شین کو

مرثیہ ۱۹

مقتل ہے چمن فصلِ بہاری کی ہے آمد بہرِ شہدا رحمتِ باری کی ہے آمد
توسن ہے کہ آہوئے تتاری کی ہے آمد (۱) پیدل ہے فلک کس کی سواری کی ہے آمد
عکسِ چمنِ رُخ سے عیاں قدرتِ حق ہے
رن گلشنِ جنت کے مرقع کا ورق ہے

یثرب کے حسینوں کے سر آمد کی ہے آمد کعبے کے مکینوں کے سر آمد کی ہے آمد
خورشید جبینوں کے سر آمد کی ہے آمد (۲) افلاک نشینوں کے سر آمد کی ہے آمد
سر آمدِ اربابِ جلالت کی ہے آمد
ہم شکلِ شہنشاہِ رسالت کی ہے آمد

کیوں قالب صد مہر ہر اک ذرہ ہے رن کا کیوں نور ہو، ہر ذرے میں سورج کی کرن کا
اعدا کو نہیں ہوش ہے کچھ، اپنے بدن کا (۳) دھڑکا ہے اجل کو دل و جان و سر و تن کا
غل ہے کہ چراغ اب مہ و خورشید کا گل ہے
ہاں آمدِ ہم شکلِ شہنشاہِ رسُل ہے

اے صلِ علیٰ دبدبۂ اکبرِ ذی شاں سلطان حلب، آئینہ ساں، خوف سے حیراں
ہیبت کے سبب چیں بہ جبیں چین کا خاقاں (۴) خورشید صفت قیصرِ رومی ہوا لرزاں
کھولی کمرِ ظلم و ستم چرخ بریں نے
باندھی سپر ہفت طبق گاوِ زمیں نے

سردار ہٹے جاتے ہیں میدان سے ڈر کے آگے نہیں بڑھتے ہیں قدم فتنہ و شر کے
نقارے پھٹے جاتے ہیں افواجِ عمر کے (۵) باجے نئے بجتے ہیں تڑپنے سے جگر کے
گرد اڑتی ہے یا ہوش ٹھکانے نہیں رن کا
یہ دھوپ ہے یا رنگ اڑا چرخ کہن کا

پیشانیِ مردم کا بچھونا ہے زمیں پر ہیں مثلِ علم رخش کے سُم لوحِ جبیں پر
یوں روزِ شہادت تھا جلوس آپ کا زیں پر (۶) جیسے شبِ معراج نبی عرش بریں پر
پابوس ہیں ساتوں فلک ابن شہ دیں کے
چودہ طبق اس دم نظر آتے ہیں زمیں کے

جلوہ رخِ اکبر کا جو تا دور ہوا ہے صحرائے بلا نور سے معمور ہوا ہے
ہر ذرّہ صباحت میں رخِ حور ہوا ہے (۷) ہر نخل ضیا میں شجرِ طور ہوا ہے
نورِ نظرِ شاہ جو گھر سے نکل آیا
حیران ہیں سب، چاند کدھر سے نکل آیا

پھولا ہے عجب حُسن کا گلزار زمیں پر خورشید جھکا پڑتا ہے ہر بار زمیں پر
تا دور جو ہے پرتوِ رُخسار زمیں پر (۸) ہے فرشِ نگاہ اولوالابصار زمیں پر
نزدیک ہے اب طور سے موسیٰ اتر آئے
گردوں سے تماشے کو مسیحا اتر آئے

کثرت سے حبابوں کی ہیں دریا ہمہ تن چشم انجم سے فلک، بہر تماشا ہمہ تن چشم
ذروں سے، ہر اک گوشۂ صحرا ہمہ تن چشم (۹) حلقوں سے زرہ کے ہیں سب اعضا ہمہ تن چشم
انجم کے لٹا دے گا، گہر چرخ بریں آج
گنجینۂ قاروں کو اگل دے گی زمیں آج

دستِ چشم وجاہ ہے اور دامن دولت گرد قدم پاک ہے اور دیدۂ نصرت
پر ساتھ بہادر کے چلی آتی ہے غربت (۱۰) ہر دم کفِ افسوس کو ملتی ہے شہادت
آتا ہے شگفتہ جو نظر باغِ جوانی
سینہ میں جوانی کے بھی ہے داغِ جوانی

ہر چند ہے تنہا پسرِ شاہِ شہیداں لیکن ہے قوی دل صفت شیر نیستاں
سب مر چکے ہے کون جو آئے سرِ میداں (۱۱) ہے ہاتھ میں غربت کے فقط گوشۂ داماں
مادر کی فقط آہِ جگر لائے ہیں اکبرؑ
یا روشنیِ چشمِ پدر لائے ہیں اکبرؑ

دامن کو سنبھالے ہے دلِ زینبِ ناشاد پکڑے ہے گریباں کو شوقِ دلِ سجاد
ہے حاشیہ بردار غریبوں کی فقط یاد (۱۲) پٹکے کی طرح لپٹی ہے ماں باپ کی فریاد
نیزے کی جگہ نالۂ شاہِ شہدا ہے
مانندِ سپر، پُشت پہ، بانو کی دعا ہے

ہے جائے نشانِ مرگِ جوانی کی نشانی   چھڑکاؤ جو آگے ہو، وہ ہے اشک فشانی
دم ساز جو پوچھو، تو فقط مرگِ جوانی (۱۳)   ہم درد جو پوچھو، تو فقط تشنہ دہانی
دردِ جگرِ بانوئے اطہر ہے جِلو میں
یادِ دلِ احمدؐ و حیدرؑ ہے جِلو میں

القصہ جو اس شان سے وہ شاہ کا دلدار   ہنستا ہوا آیا طرفِ لشکرِ کفّار
اعدا نے کہا، واہ، زہے قدرتِ غفّار! (۱۴)   ایسے بھی جواں ہوتے ہیں عالم میں نمودار
کیا دل ہے، کہ تنہا یہ دلیر آتا ہے رن میں
شیر آتا ہے، شیر آتا ہے، شیر آتا ہے رن میں

اللہ رے آمد کہ زمیں ہے تہہ و بالا   چھپتا ہے پیادوں میں سواروں کا رسالا
اس غیرتِ یوسف کا ہے دنیا میں اجالا (۱۵)   کہتا ہے فلک سلّمک اللہ تعالےٰ
گھٹنوں پہ ہے گردن سرِ ہر تاج وروں کی
جبرئیل لگائے ہوئے چھتری ہیں پروں کی

کہتا ہے شرف، میرے خداوند ہیں یہ بس   اکبرؑ، شہِ مظلوم کے فرزند ہیں یہ بس
مالک کی مشیّت پہ رضامند ہیں یہ بس (۱۶)   سر رشتۂ تسلیم کے پابند ہیں یہ بس
ہم شکلِ نبیؐ بہرِ جہاد آج چلے ہیں
یا سوئے فلک صاحبِ معراج چلے ہیں

ورثے میں نہیں ہاتھ لگی جرأتِ حیدرؑ   چاہیں تو ابھی درہم و برہم کریں لشکر
ہر چند کہ بابا ہے بہت صابر و شاکر (۱۷)   دادا نے دمِ جنگ اکھاڑا درِ خیبر
دادا کا اگر زور یہ اِس وقت دکھا دے
دو انگلیوں سے قلعۂ گردوں کو گرا دے

اعدا تو یہ جرأت سے بہم کرتے ہیں تقریر   روتے ہیں کھڑے خیمے کے در پہ شہِ دلگیر
اب مجھ سے یہ کہتا ہے مرا خامۂ تحریر (۱۸)   لا پیشِ نظر کھینچ کے، شہزادے کی تصویر
تصویر وہ تصویر جو پیشِ نظر آئے
زہرہ پئے تسلیم فلک سے اتر آئے

کھینچنا بہت اِس شکل کا دشوار ہے دشوار | آتی ہے تصور میں کہیں قدرتِ غفار
موسیٰ کو نظر آیا تھا اک جلوۂ دیدار (۱۹) غش کھا کے گرے، ہوش نہ باقی رہا زنہار
لکھنے کو تو لکھتا ہوں پر اندیشہ بڑا ہے
جب طور جلا، رتبۂ کاغذ بھلا کیا ہے

العزۃ للہ زہے نورِ مجسم | آنکھوں کے تلے برق چمک جاتی ہے ہر دم
خامہ پرِ جبرئیل سے ہاتھوں میں نہیں کم (۲۰) اور جائے ورق ہے ورقِ نیرِ اعظم
کیا نور ہے، کیا حسنِ خداداد عیاں ہے
مہتاب دوات اور قلم کاہکشاں ہے

تاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ رُخ بدرِ دُجا ہے | پر بدر ہے منکر، یہ کہاں مجھ میں ضیا ہے
ذروں کا اشارہ ہے کہ یہ شمسِ ضحا ہے (۲۱) خورشید لرزتا ہے کہ یہ نورِ خدا ہے
پروانہ و بلبل میں جدا بحث کا غل ہے
وہ کہتا ہے، یہ شمع ہے، وہ کہتی ہے، گل ہے

اور چاہِ ذقن روبروئے خضرؑ و سکندر | چاہِ خضر و چشمۂ آئینہ سے بہتر
ادریسؑ و خلیلؑ اس کے ثنا خواں ہیں برابر (۲۲) یہ کہتے ہیں، زم زم ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کوثر
جلوہ وہی یعقوبؑ جناں سے اتر آئے
اس چاہ میں یوسفؑ کی تجلی نظر آئے

ابرو کو بشر کہتے ہیں، یہ ظلِ خدا ہے | یہ بالِ ہُما تو نہیں، اقبال ہما ہے
کہتا ہے مہِ نو مرے طالع کا لکھا ہے (۲۳) ایمان کا یہ قول کہ یہ قبلہ مرا ہے
گو خم ہے یہ ابرو، پہ روا سجدہ و حج ہے
سیدھی تو ہے یہ بات کہیں قبلے میں کج ہے

دانتوں کو صدف کہتی ہے گوہر سے ہیں بہتر | قطرے ہیں، مگر آب میں کوثر سے ہیں بہتر
لکھا ہے عطارد کہ یہ اختر سے ہیں بہتر (۲۴) ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ بہتر سے ہیں بہتر
سلکِ دُرِ دنداں میں تکلف ہی تو یہ ہے
ہیں موتی کی لڑیاں، پہ نہ رشتہ نہ گرہ ہے

بچپن میں ملیں دودھ کی بتیس انھیں دھار   بتیس عدد لب کے ہیں سو ہیں یہ نمودار
(۲۵) قربانِ خواصِ دہنِ معجزہ کردار   قطرہ جو رہا منھ میں، بنا وہ دُرِ شہوار
اس منھ میں نئے سب سے یہ جوہر ہوئے پیدا
پانی جو صدف نے پیا، گوہر ہوئے پیدا

اور قمریوں کی آنکھ میں یہ سروِ رواں ہے   قامت کا الف عابدوں میں رکنِ اذاں ہے
(۲۶) جبرئیل کی آنکھوں میں یہاں سدرہ خزاں ہے   رضواں سے جو پوچھو، کہ طوبیٰ جناں ہے
موسیٰ سے جو پوچھو شجرِ طور بتائے
اور فوجِ ملائک علمِ نور بتائے

ہر بند میں بندش کا طریقہ ہی جدا ہے   گو ختم اسی بحث میں مدحِ سروپا ہے
(۲۷) جو یا سخنِ تازہ کی اب فکرِ رسا ہے   کیا فخر جو مضموں کہیں چست بندھا ہے
تائیدِ خدا، فضلِ رسولؐ دو جہاں ہے
اک مرثیہ ہے اور دو سراپا کا بیاں ہے

اختر نہیں وہ کیا، قطرے پسینے کے سراسر   چہرہ وہ گلستاں ہے کہ گل جس کے ہیں اختر
(۲۸) وہ نیّرِ اکبر ہے جمالِ علی اکبرؑ   قامت وہ شجر جس کا ثمر نیّرِ اکبر
صادق جسے کہتے ہیں یہ وہ صبحِ گلو ہے
کاذب جو سنا ہو یہاں خورشید کا رو ہے

عیسیٰ جو ہو مُردہ لبِ جاں بخش جلا دے   ہو خشک جو حیواں تو ذقن آبِ بقا دے
(۲۹) عینک کو جو ہو ضعفِ بصر آنکھ ضیا دے   نکلے نہ کبھی شمس تو رخ زرد دکھا دے
نیساں مہِ نیساں میں نہ اس زور سے برسے
عکسِ دُرِ دنداں نے کیا سیر گہر سے

آئینے کی رو ہی فقط ابرو نہیں رکھتا   ابرو کے مقابل کوئی ابرو نہیں رکھتا
(۳۰) بو رکھتا ہے گل ان کی سی، پر خو نہیں رکھتا   خوش رنگ ہے لالہ پہ یہ خوش بو نہیں رکھتا
دنداں ہیں صدف کے لبِ خنداں تو نہیں ہیں
غنچے کے دہن ہی، دُرِ دنداں تو نہیں ہیں

غالب ہے ضیا آنکھوں کی خورشید و قمر پر   چڑھتا نہیں مضموں کوئی ذاکر کی نظر پر
پلکوں سے کھلا راز یہ پتلی کا بشر پر (۳۱) سایہ کئے دو پریاں ہیں اک مور کے سر پر
مہتاب کو بے عیب کیا داغِ جگر نے
گل کھایا ہے اس آنکھ کی پتلی پہ قمر نے

گیسو کو کہا طبعِ رسا نے مری سایا   اس سائے نے پر لطف نیا ہم کو بتایا
پوشیدہ یہاں قدرِ شبِ قدر کو پایا (۳۲) پر تازہ یہ مضمون میرے ذہن میں آیا
بے سایہ نہ کیوں قد ہو رسولِ عربی کا
سایہ تو یہی مانگ کے لائے ہیں نبیؐ کا

بینی کی ثنا مثلِ قلم زیبِ ورق ہے   انگشتِ یدِ قدرتِ حق کہیے تو حق ہے
ابرو کے شرف کا سرِ بینی یہ سبق ہے (۳۳) یہ ناخنِ انگشتِ یدِ قدرتِ حق ہے
دل شیعوں کا چسپیدہ نہ کیوں اس سے سوا ہو
ممکن نہیں ناخن سے کبھی گوشت جدا ہو

خورشیدِ جبیں کا سرِ بینی سے ہے یہ اظہار   خورشید یونہیں نیزے پہ کل ہوگا نمودار
توبہ کہاں نیزہ، کہاں بینیِ خوش اطوار (۳۴) یہ چشمِ علی اکبر ہے دُرِ رحمتِ غفار
درباں کہوں ابرو کو تو یہ عین خطا ہے
بینی نہیں، یہ صاحبِ ابرو کا عصا ہے

بینی کا کھلا بیچ میں آنکھوں کے یہ اسرار   ہے بیچ میں اک تکیہ، دو جانب ہیں دو بیمار
بیمار ہیں مخمورِ مئے الفتِ غفار (۳۵) بے ہوشی میں بھی غیر اپنے تکیہ نہیں زنہار
پلکوں کے سوا نام کو بستر نہیں رکھتے
سونا کہاں تکیے پہ کبھی سر نہیں رکھتے

پھر مدحتِ بینی میں مری طبع رسا ہے   نیزہ ہے نہ تکیہ ہے نہ خامہ نہ عصا ہے
اب ہم سے محبانِ علی پوچھیں کہ کیا ہے (۳۶) ہشیار، ہوشیار یہ غش ہونے کی جا ہے
بینی کی زیارت کرو آداب سے ہٹ کر
اک جا ہوا ہے نورِ دو عالم کا سمٹ کر

اب کیجیے حسنِ لب و دنداں کے نظارے — لو دیکھو، مہِ نو سے ہم آغوش ہیں تارے
اے قول یہاں جوہریِ حسن ہیں سارے (۳۷) صدقے ترے، اے فاطمہؑ کے لال کے پیارے
دندان و لبِ سرخ کی تمثال کو جانا
اکبرؑ، ترے منھ سے گہر و لال کو جانا

سونگھ آئے ہیں جو قبرِ امامِ دو جہاں کی — وہ کہتے ہیں بو، قبر میں ہے سیبِ جناں کی
کیا خوب میری عقل نے تاویل عیاں کی (۳۸) سیبِ ذقنِ پاک کی تعریف بیاں کی
اکبرؑ ہیں قریبِ پدرؑ آغوشِ زمیں میں
خوشبو ہے اسی سیب کی قبرِ شہِ دیں میں

جوہر زرہ کا پاک کے کھوئے نہیں جاتے — داؤدؑ جو ہوتے تو شرف اس کا بتاتے
گر اُن کی زرہ سے نہ مشابہ اسے پاتے (۳۹) تو جال میں مچھلی کے نہ یونسؑ کبھی آتے
حلقے ہیں و یا مصر کے محبوب کی آنکھیں
نائل ہے سیاہی تو ہیں یعقوبؑ کی آنکھیں

چار آئینوں کا باندھتا ہوں تازہ یہ مضموں — چار آئینے نقطے ہیں، الف قامتِ گلگوں
غل چار طرف ہے کہ شش و پنج نہ ہو کیوں (۴۰) ہے ایک سے دس دس سے ہزار اب قدِ موزوں
قابل ہیں وہ چار آئینہ کی قدر ہے جن کو
روشن نہ چراغ ایسے ہوئے ہیں کسی دن کو

اور پشتِ سپر پشت پناہِ دو جہاں ہے — اِس پشت سے پشتین کا اسرار عیاں ہے
شبیرؑ، شہنشاہِ نجف کا دل و جاں ہے (۴۱) جان و دلِ شبیرؑ یہ فرزندِ جواں ہے
اکبرؑ کو جدا سمجھے جو حیدرؑ سے غلط ہے
اور کہتے ہیں سب بیچ میں اک پشت فقط ہے

ترکش کو کہوں قاف کہ ہر تیر پری ہے — پریوں کو یہاں دعویٰ بے بال و پری ہے
پیکانوں سے ترکش کی عجب جلوہ گری ہے (۴۲) اک شیشے میں عقرب کی یہ سب قوم بھری ہے
ہر تیر کا دعویٰ ہے یہ پیکان کے اوپر
بیڑا میں اٹھائے ہوئے ہوں قتلِ عدو پر

رہوار کی شوخی ہے غضب تیز پری میں گویا کہ سمائی ہے پری کبکِ دری میں
یا کبکِ دری آج دَر آئی ہے پری میں (۴۳) یا آگ لگی ہے یہ نسیمِ سحری میں
کہتے ہیں قدم چوم کے یہ دیکھنے والے
قدرت نے تماشے کے نئے پیر نکالے

چلنے میں یہ شمشیر ہے پلہ میں یہ ہے تیر لڑنے میں یہ تقدیر بگڑنے میں یہ تدبیر
جانے میں رسولوں کی دعا آنے میں تاثیر (۴۴) چھپنے میں ہے یہ خواب عیاں ہونے میں تعبیر
مضموں ہیں بہت پر کوئی دلچسپ نہیں ہے
اسرار ہے، اعجاز ہے، یہ اسپ نہیں ہے

سیارے حضور اس کے ثوابت ہیں یہ سیار عمر اس کے مقابل میں قیام اور یہ رفتار
طوفاں کی یہ رفتار نہ محشر کی یہ کردار (۴۵) وہ مست یہ ہشیار، وہ خوابیدہ، یہ بیدار
بجلی کو عذر اس سے ہے سیماب کو ڈر ہے
وہ حسن ہے، یہ شعلہ، وہ پنبہ، یہ شرر ہے

اکبرؑ کا جو یہ رعب و تہوّر نظر آیا سب مورچوں پہ بہر تسلی عمر آیا
خوانوں میں غذا، تھیلیوں میں لے کے زر آیا (۴۶) خود اس نے خوشامد کی، پہ حاکم سے ڈرایا
اس بات پہ قسمیں دیں خلیفہ کے نمک کی
تصویر مٹا دو نبیؐ جن و ملک کی

گرد ان کے کھڑی تھیں عوراتِ عربستاں تا مردوں کو غیرت وہ دلائیں سرِ میداں
گھاٹوں پہ جو فوجیں تھیں، دیا ان کو یہ فرماں (۴۷) دریا کو نہ روکو کہ یہاں آگیا طوفاں
حربہ پسرِ فاطمہؑ کے شیر کا روکو
ہاں، گھاٹ اب اس صاحبِ شمشیر کا روکو

سب نہر سے اٹھ آئے پرے جم گئے رن میں غم دل میں، شکن ماتھے پہ اور لرزہ بدن میں
آگے وہ بڑھے طاق جو تھے جنگ کے فن میں (۴۸) قرنا کی صدا گونج گئی چرخِ کہن میں
فوج آگ کے دریا کی طرح موج پر آئی
شعلوں کی طرح موجِ علم، اوج پر آئی

اکبرؑ نے صف آرا کیا اپنے رفقا کو فتح و ظفر و دبدبہ و صبر و رضا کو
پر میمنہ سونپا مددِ شیرِ خدا کو(۴۹) اور میسرہ خاتونِ قیامت کی دعا کو
چُن چُن کے جلو میں کئے ہمت کے رسالے
اور قلب کیا یادِ الٰہی کے حوالے

یوں لشکرِ کفار تھا صف بستہ سراسر جس طرح سے دندانے ہوں آرے کے برابر
اور قلب میں صف کے پسرِ سعد بد اختر(۵۰) جیسے دلِ کفار میں ہو کینۂ حیدرؑ
اکبرؑ یہاں ارواحِ رسولانِ سلف میں
جس طرح عیاں چشمِ نبیؐ پلکوں کی صف میں

کی رخش نے ہل چل کہ بڑھاؤ قدم اپنا کی تیغ نے جنبش کہ دکھاؤں حشم اپنا
اقبال نے کی عرض، میں کھولوں علم اپنا(۵۱) گردوں نے کہا، بندے پر رکھیو کرم اپنا
شہزادہ بڑھا آکے جو پڑھنے کو رجز کے
شعلے کی طرح ہٹ گئے اشرار لرز کے

ارشاد کیا احمدِ ثانی نے یہ سب سے ایسا نہ ہو تم عذر کرو حشر میں رب سے
آگہہ نہ کیا اس نے ہمیں نام و نسب سے(۵۲) ماں فخرِ عجم ہے، پدر افضل ہے عرب سے
حاصل ہیں دو عین، ایک عرب ایک عجم سے
میں نورِ دو عین ان کا ہوں خالق کے کرم سے

وہ جد ہے مرا، زیرِ نگیں جس کے ہے عالم انگشتریِ چرخ رہی ہاتھ میں ہر دم
سلمان کو جاں بخشی سُلیمان کو خاتم(۵۳) پھر سجدے میں خاتم سے گدا کو کیا حاتم
بتلاؤ تو وہ کون گدائے شہِ دیں تھا
سُن لو یہ خبر ہم سے کہ جبرئیل امیں تھا

واقف ہے ہر اک خورد و مُسن، نامِ علیؑ سے ظلمات میں ہو جاتا ہے دِن، نامِ علیؑ سے
مانندِ خضر بڑھتا ہے سِن، نامِ علیؑ سے(۵۴) شیشے میں اتر آتے ہیں جن، نامِ علیؑ سے
گردوں پہ فرشتوں نے ہُنر مانے ہمارے
جبرئیل کے پر کاٹے ہیں دادا نے ہمارے

بے مہرو میں اس برجِ امامت کا ہوں تارا — تارا مرے اللہ نے گھر جس کے اتارا
ہے سورۂ والنجم میں مذکور یہ سارا (۵۵) — والشمس سے بھی مرتبہ روشن ہے ہمارا

ہم نورِ زمین و فلک و شام و سحر ہیں
اللہ کے خورشید پیمبرؐ کے قمر ہیں

میں رونقِ دیں، زیبِ عرب فخرِ عجم ہوں — شوکت میں علیؑ، شکل میں میں فخرِ امم ہوں
میں میوۂ گلزار تمنائے ارم ہوں (۵۶) — میں ہدیۂ درگاہِ خداوندِ حرم ہوں

مرنے سے مرے کنگرۂ عرش ہلیں گے
اس رو سے نبیؐ آج شہیدوں میں ملیں گے

وہ کون شجر ہے کہ جو طوبیٰ سے ہے بہتر — بیخ اس کی زمیں پر تو ہے شاخ اس کی فلک پر
وہ نخل ہے خیر البشر اور شاخ ہیں حیدرؑ (۵۷) — اور میوہ ہے اس نخلِ ضیا بار کا شبرؑ

اور شاخ ہے جس نخل کی افلاک بریں پر
تم صبح سے پھول اس کے گراتے ہو زمیں پر

بابا مرا شاہِ شہدا حضرت شبیرؑ — عمو مرا عباسؑ ہے، اللہ کی شمشیر
دو بھائی ہیں میرے مہ و خورشید کی تصویر (۵۸) — اک تپ میں ہیں محتاجِ دوا، دوسرا بے شیر

برتر ہے نسب پالنے والی کا ہماری
زینبؑ ہے لقب پالنے والی کا ہماری

مادر کو تو حق نے دیا وہ رتبۂ اعلا — فردوس سے گھر جس کے گئیں خواب میں زہراؑ
نو پارچۂ نور کا خلعت انھیں بخشا (۵۹) — وہ پارچۂ نورِ ائمہ ہیں سراپا

کسریٰ کی قرابت جو ہوئی آلِ عبا سے
تو حجتِ حق کی ہے وہ ماں فضلِ خدا سے

آگے جو تباہی ہوئی تھی اماں کے گھر کی — مشہور ہوئی تھیں نہ بہو خیر بشر کی
دیں داروں نے عادل کی بزرگی پہ نظر کی (۶۰) — کسریٰ کی قرابت سے ردا بچ گئی سر کی

آئی تھیں فقط قیدیوں کے ساتھ وطن سے
ہاتھ اُن کے پسِ پشت بندھے تھے رسن سے

دیکھیں پسرِ سعد کو کیا آج ہے منظور — یاں والدہ کی قید کا کیا ہوتا ہے دستور
نیکی جو کرو پاسِ نبیؐ سے یہ نہیں دور (۶۱) تم لوگ تو امت میں پیمبرؐ کی ہو مشہور
اب لوٹے گا جوان کو وہ جائے گا سقر میں
زینبؑ کی وہ ہم پہلو ہیں شبیرؑ کے گھر میں

ناگاہ صدا آئی کہ اکبرؑ نہ رُلاؤ — اس کو کھ جلی ماں کی بزرگی نہ بڑھاؤ
باہر نکل آؤں گی، نہ پیار اتنا دِلاؤ (۶۲) رہنے دو، مرے ماتھے کا لکھا نہ مٹاؤ
اعدا سے سفارش مری کیوں کرتے ہو بیٹا
پردہ کہاں اب تم تو جواں مرتے ہو بیٹا

صدقے گئی گر میرا مقدر نہ بگڑتا — کیوں تم سا مرا شیرِ جواں مجھ سے بچھڑتا
اصغر مرا کیوں ایڑیاں جھولے میں رگڑتا (۶۳) کیوں کوکھ اجڑتی مری کیوں راج اجڑتا
آغاز بدا یہ تھا کہ تم ماں سے جدا ہو
انجام یہ ہے سر پہ نہ وارث نہ ردا ہو

اکبرؑ کا رجز سن کے مخالف ہوئے دل تنگ — اور دل کی طرح تنگ کئے ناریوں نے تنگ
اک دشمنِ دیں ان میں سے یاں آیا پے جنگ (۶۴) اعضا تھے قوی اس کے جو آہن تھے تو دل سنگ
تلوار کے جوہر میں وہ مشہورِ جہاں تھا
بجلی تھی جو قبضے میں تو بادل تہ راں تھا

یاں فتح کا سر میان کی محراب سے نکلا — سیماب تڑپ کر جگرِ سیماب سے نکلا
غواصِ اجل حلقۂ گرداب سے نکلا (۶۵) خورشیدِ ظفر ہالۂ مہتاب سے نکلا
یوں تیغِ دو دم میان سے اس مور کی نکلی
اور ساتھ صدا ینفخ فی الصّور کی نکلی

کی برق دمی تیغِ دو پیکر کی چمک نے — کہسار لگے اپنے مقاموں سے سرکنے
ناخن سے مہ نو کے زمیں پکڑی فلک نے (۶۶) اور گھیر لیا عرشِ خدا حور و ملک نے
رستم سے زمیں بولی کہ بے ہوش پڑا رہ
گردوں سے قضا نے کہا، خاموش پڑا رہ

شہباز اجل نے پر و بال اپنے کیے باز یعنی کہ عقاب اِن کا ہوا مائلِ پرواز
دشمن نے کیا حربۂ تیغ شرر انداز (۶۷) یاں ڈھال ہوئی سر کی حفاظت سے سرفراز
اک پھول میں بھی پھل نہ لگا تیغِ شقی کا
کیسے نہ سپر، قلعہ تھا وہ نادِ علیؑ کا

اکبرؑ نے کہا، سیکھ ابھی تیغ لگانا لے دیکھ مری ضرب، مرا ہاتھ اُٹھانا
ہاں تیغ مری آئی، ذرا سر کو بچانا (۶۸) اس کہنے میں نہ سر تھا نہ گردن تھی نہ شانا
دم تن سے نہ نکلا کہ وہ چھپنے کی گھڑی تھی
ڈر سے نہ اجل آئی کہ تلوار کھڑی تھی

دو اور یل روم بڑھے جھوم کے اک بار یاجوج کے دم ساز یلِ زال کے غم خوار
وہ گھوڑوں پہ یا پریوں پہ آسیب تھے اسوار (۶۹) تلوار بلا، نیزہ غضب، ڈھال شرر بار
مغفر تھے نہ، سر پر جو وہ مغرور دھرے تھے
الٹے ہوئے دو لوہے کے تنور دھرے تھے

پیچھے سے قریب آئے چپ و راست وہ کج رو اک مرتبہ دو بجلیوں نے ڈالے دو پرتو
وہ تیغوں کی ضربت، وہ سمندوں کی تگ و دو (۷۰) یاں کاوے میں پھرنے لگے خورشید و مہِ نو
دو تیغوں نے کچھ رنگِ سپر دور کیا تھا
سو دیدۂ جوہر کے لئے سرمہ دیا تھا

دو دیووں سے کی ایک سلیماں نے لڑائی روکی سپر اس سمت، اُدھر تیغ لگائی
تلوار اُدھر کو گئی، تو یاں سپر آئی (۷۱) کاندھوں پہ فرشتوں کا وظیفہ تھا دُہائی
دونوں طرف ایک بار صفائی کی نظر تھی
نہ ہاتھ نہ تیغیں نہ کلائی نہ سپر تھی

گھوڑے کی عناں باندھ لی اکبرؑ نے کمر سے رانوں کے تلے تیغ و سپر رکھ لی ہنر سے
اور دونوں کی گردن لی اِدھر اور اُدھر سے (۷۲) سر ایک کا ٹکرانے لگا ایک کے سر سے
اکبرؑ کے تصرف میں خدائی نظر آئی
جنگل میں پہاڑوں کی لڑائی نظر آئی

ہنگامہ ہوا گرم یہ ناری جو ہوئے سرد ۔ واں فوج نے لی باگ بڑھا بان یہ جواں مرد
ٹاپوں کی صدا سے سرِ قاروں میں ہوا درد (۷۳) رنگِ رخِ اعدا کی طرح اڑنے لگی گرد
قاروں کا زرِ گنج نہانی نکل آیا
یہ خاک اڑی رن میں کہ پانی نکل آیا

سیف علی اکبر صفِ لشکر پہ رواں ہے ۔ طوفاں کی طرح موج سمندر پہ رواں ہے
بے مغزوں کے سر اڑتے ہیں یوں سر پہ رواں ہے (۷۴) قالب پہ رواں، تیغ کے جوہر پہ رواں ہے
دم لیتی ہے ہر ظالم ناری کے بدن میں
پارہ ہے مگر آگ پہ قائم ہے رن میں

ہیبت سے تزلزل میں سماتا بہ سمک ہے ۔ ہفت آئینۂ چرخ سے پار اس کی چمک ہے
شورآبِ دمِ تیغ کا زخموں کو نمک ہے (۷۵) بجلی کی تڑپ ہے کبھی شعلے کی لپک ہے
گرمرگِ مفاجات ہے اور گاہِ قضا ہے
گہ ابر ہے، گہ رعد ہے، گہ سیل فنا ہے

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو اجل خرم و خورسند ۔ کہتی ہے ادھر آئیں، ادھر آئیں خداوند!
چلتی ہے جو گیتی یہ خدا کی یہ ہنرمند (۷۶) جس نے نظر بد کی وہی ہو گیا اسپند
زندوں پہ غضب دیکھ کے اس برقِ اجل کے
نام اپنا فنا رکھ لیا ہستی نے بدل کے

جس وقت اٹھی گرنے کو یہ فوجِ لعیں پر ۔ پھر قطب سے ٹھہرا نہ گیا چرخِ بریں پر
جس سر پہ دھرا پاؤں اتر آئی یہ زیں پر (۷۷) زیں سے جو بڑھی آگے، اٹھی گاڈ زمیں پر
خود و سر و گردن کے ہوئے صاف دو حصے
بینی و دہان و شکم و ناف ، دو حصے

اتنے میں بڑھا شیث لعیں لے کے کماں دار ۔ خود لیس تھا اکبر کو یہ چلایا کہ ہشیار
تم زور میں قاسمؑ سے زیادہ نہیں زنہار (۷۸) حیدرؑ کے بڑے بیٹے کا بیٹا تھا وہ جرّار
میں نے بھی ابھی مارا ہے اس شیر فگن کو
بیوہ کیا ہے میں نے ہی قاسم کی دلہن کو

اکبرؑ کی کمانِ خمِ ابرو میں بل آیا
کی میان میں جو تیغ تو ناوک نکل آیا
مچھلی گئی دریا میں نہنگ اچھل آیا [79]
اور شاخِ کماں میں بھی سرِ دست پھل آیا
تاکید یہ کی دبدبے نے چرخِ بریں پر
کیا دیکھتا ہے، بھاگ! کماں رکھی ہے زیں پر

سر تیر کا نکلا جو گریبانِ کماں سے
سب جامے سے باہر ہوئے اندیشۂ جاں سے
جز تیرِ سخن تیر کو کیا کہیے زباں سے [80]
گر کان میں پہنچا، کبھی نکلا یہ دہاں سے
سر تن سے، بدن زیں سے، رہوار زمیں سے
یوں اس نے اڑائے کہ نہ گرد اٹھی کہیں سے

یاں اور وہاں تیر جو چلنے لگے سن سے
تو گرم تھی رَو میں یہ ہوا ہوگئی رن سے
تن ایک کا آتا تھا نظر ایک کے تن سے [81]
بوچھار تھی اکبرؑ پہ صفِ تیر فگن سے
پر تیروں سے اکبرؑ کے جھڑی منہ کی عیاں تھی
ساون کے مہینے کی ہلال ان کی کماں تھی

دل کھول کے تیروں سے ابھی یہ نہ لڑے تھے
پر چرخ میں تاروں سے فزوں چھید پڑے تھے
میدان میں گر گر کے وہ ناوک نہ گڑے تھے [82]
وحشت کے سبب بال زمین کے بھی کھڑے تھے
ہر ایک جگہ تیروں کے روزن تھے رن میں
پہنی تھی زرہ گاوِ زمیں نے بھی بدن میں

کھائے جو بہت زخم تو دل ہو گئے تھوڑے
تیروں کے بدل ہاتھ کماں داروں نے جوڑے
ہاتھوں سے کماں چھوڑ دی پر تیر نہ چھوڑے [83]
ہو ہو کے الف تیر ہوائی ہوئے گھوڑے
بیدل ہوئے اسوار پہ یوں جلد وہ بھاگے
جوں ایڑیاں دو ہاتھ بڑھیں پنجوں سے آگے

عوراتِ عرب رن میں کھڑی تھیں جو برابر
بھاگنے والوں پہ اڑھا دیتی تھیں چادر
دیتی تھیں یہ طعنہ کہ نہ کاٹا سرِ اکبرؑ [84]
رن میں نہ دکھایا ہمیں زینبؑ کو کھلے سر
اٹھارہ برس والے سے افسوس ڈرو تم
وہ سامنے دریا ہے، ارے، ڈوب مرو تم

ناگہ شجرِ جنگ میں نیزے کا پھل آیا ‌ ‌ اک غول، ہلاتا ہوا نیزے، نکل آیا
پھل چمکے کہ سیماب کنوئیں سے نکل آیا (۸۵) ‌ ‌ پھر جوش پہ نیزوں ہی محیطِ اچھل آیا
ہر اہلِ سناں پیرِ سناں ابنِ انس کا
ایک ایک جواں پیرِ سناں ابنِ انس کا

نیزے کو ہلا کر ورقہ بڑھ کے پکارا ‌ ‌ اکبرؑ اسی نیزے سے چچا کو ترے مارا
غازی نے کہا، خیر، ہنر دیکھ ہمارا (۸۶) ‌ ‌ "یا شاہِ نجف" کہہ کے لیا نیزہ قضا را
اقبال پسِ پشت، ظفر آگے رواں تھی
اک ہاتھ میں گھوڑے کی عناں، اک میں سناں تھی

نیزہ جو اٹھا، گر گئی بنیاد ستم کی ‌ ‌ نیزہ تھا کہ دُم شیرِ اجل نے تھی علم کی
چمکی جو سناں فتح نے گردن وہیں خم کی (۸۷) ‌ ‌ واں رعد نے نعرہ کیا، بجلی یہاں چمکی
پھل نیزوں سے اس طرح لرزنے لگے رن میں
جیسے کہ زباں سانپ کی ہلتی ہے دہن میں

دَر ہونے کو جو گردِ وجود وہ نیزہ در آئے ‌ ‌ اکبرؑ اِدھر آئے کبھی، گاہے اُدھر آئے
گہہ پہلوؤں میں نیزے کبھی سینے پر آئے (۸۸) ‌ ‌ اکبرؑ سپرِ حفظِ خدا میں نظر آئے
دکھلاتے تھے دادا کا چلن اہلِ دغل کو
پھولوں کی طرح توڑتے تھے نیزوں کے پھل کو

وار اُن کے بھی سب روکے، زد اپنی بھی دکھائی ‌ ‌ یوں صف کے سروں میں یہ سناں صاف سمائی
جس طرح سے رمّال کے قرعوں میں سلائی (۸۹) ‌ ‌ اکبرؑ کو عجب شکل فرح کی نظر آئی
حیرت کے سبب عقل ہر اک سر سے رواں ہو
روشن ہے کہ فانوس میں اک شمع سناں ہو

ہشیاروں کا ہوش اکبرِ جرار نے کھویا ‌ ‌ یہ نیزہ لئے شیر صفت صید کے جُویا
جب ذکرِ خدا میں لبِ شیریں سے کیے گویا (۹۰) ‌ ‌ تسبیح کے دانوں کی طرح سو کو پرویا
راضی تھے وہ سب قتلِ امامِ دوجہاں پر
کھینچا علی اکبرؑ نے انھیں دارِ سناں پر

یوں لڑتے تھے ہر صف سے یہاں اکبر ذی جاہ ۔ واں گنج شہیداں پہ کھڑے دیکھتے تھے شاہ
فرزند پہ ارماں کی اجل سے تھے جو آگاہ (۹۱) پھل برچھیوں کے دیکھتے ہی، رو کے کہا، آہ

آ پہنچی قضا اب نہ یہاں آئیں گے اکبرؑ
کیا جانیے، کس نیزے کا پھل کھائیں گے اکبرؑ

راضی جو ہوں اکبرؑ تو وہ نیزے میں ہی کھاؤں جاں اپنی تصدق کروں، پیارے کو بچالوں
اکبرؑ پہ بلا آئی ہے کس طرح سے ٹالوں (۹۲) غیرت سے ہے یہ دور اگر رن سے بلالوں

آگے بھی کسی اور نے یہ داغ سہا ہے؟
ہوتا ہے پسر قتل، پدر دیکھ رہا ہے!

بانو نے صدا دی کہ میں اکبرؑ کو بلالوں سرتا بہ قدم اوڑھ کے چادر نکل آؤں
اور اصغرِ بے شیر کو ہاتھوں پہ اٹھاؤں (۹۳) دم توڑنا بھائی کا میں بھائی کو دکھاؤں

گر حال پہ میرے نہ ترس کھائیں گے اکبرؑ
اصغر کی تو الفت سے چلے آئیں گے اکبرؑ

اکبرؑ کو بھی قسمت نے یہ آواز سنائی بے ساختہ گردن سوئے شبیرؑ پھرائی
چاہا تھا کہیں کیا مری اماں نکل آئی (۹۴) جو سینے پہ برچھی بن مرہ نے لگائی

گردن کو فقط باپ نے پھرتے ہوئے دیکھا
اور گھوڑے سے فرزند کو گرتے ہوئے دیکھا

خوش ہو کے ستم گاروں نے یہ شور مچایا لو مرہ نے تصویرِ پیمبرؐ کو مٹایا
بے رحم نے سینے پہ غضب نیزہ لگایا (۹۵) بانو کے کلیجے کا کلیجا نکل آیا

شبیرؑ کو اب نقشہ پیمبرؐ کا دکھاؤ
برچھی کی انی میں جگر اکبرؑ کا دکھاؤ

رن کا بازو والِ قمرِ برجِ شرف سے رونے کی صدا آئی مدینے کی طرف سے
غل شیر کے نعرے کا اٹھا سمتِ نجف سے (۹۶) گھبرا کے کہا بانو نے زہراؑ کے خلف سے

وہ نوحہ نبیؐ کا ہے، یہ فریاد علیؑ کی
وا ای مرے، ہے خیر تو ہم شکل نبیؐ کی

گھر لٹ گیا، تم مر گئیں، ہم مر گئے بانو — شبیرؑ پکارے، وہ سفر کر گئے بانو
ہم شکل کے لاشے پہ پیمبرؐ گئے بانو — پوتے کے سرہانے ابھی حیدرؑ گئے بانو (۹۷)
وہ بولی، تامل تمہیں کیا اے شہِ دیں ہے؟
حضرت نے کہا، آنکھوں میں بینائی نہیں ہے!

یاں خیمے سے خاتونِ جلیل اک ہوئی پیدا — پھر وا ولدی کہہ کے گئے جانبِ صحرا
نکلی تھیں جو گھبرا کے نہ تھا پاؤں میں موزا — ماتم کے طمانچے سے رخِ پاک تھا نیلا (۹۸)
اس غم میں نہ چادر تھی سرِ پاک کے اوپر
دو کونے لٹکتے تھے پڑے خاک کے اوپر

پیچھے چلی آتی تھی، مگر ان کو نہ تھا دھیان — اک لونڈی عصا اور قصابہ لیے حیران
سر پیٹتی تھی جب تو فلک ہلتے تھے اس آن — جب پاؤں بڑھاتی تھیں لرز جاتا تھا میدان (۹۹)
برقع نہ تھا چہرے پہ جو اس اہلِ حیا کے
منہ ڈھانپتے تھے خاک میں لاشے شہدا کے

زہراؑ کی ردا خاک پہ گرتی ہے، اٹھا لو! — سیدانیاں چلاتی تھیں چادر تو سنبھالو!
شبیرؑ کا صدقہ، مجھے سینہ سے لگا لو! — وہ کہتی ہے، اکبرؑ مجھے پاس اپنے بلا لو! (۱۰۰)
خوں میں ترے مکھڑے کو اجل بھا گئی بیٹا
یہ پالنے والی نہ تری مر گئی بیٹا

ایراں کے اجالے عربستاں کے اجالے — ہے ہے، مرے محبوب، مرے گیسوؤں والے
یہ پھول سا دل اور یہ فولاد کے بھالے — ہے ہے مرے جانی، مرے بچے، مرے پالے (۱۰۱)
پیارے کی بلا آہ مرے سر پہ نہ آئی
ہے ہے، تری آئی ہوئی سب گھر پہ نہ آئی

ہے ہے نہ دلہن بیاہ کے تم لائے تھے واری — کچھ لطف جوانی نہ ابھی پائے تھے واری
دنیا میں رلانے کو ہمیں آئے تھے واری — اک بچے کے بھی باپ نہ کہلائے تھے واری (۱۰۲)
گھر والے ہوئے تھے نہ جواں تھے نہ مسن تھے
جلاد بھی روتے ہیں، یہ مرنے کے نہ دن تھے

دیکھا جو اُسے فوج نے یہ بات سنائی   تو فاطمہؑ سر کھولے لحد سے نکل آئی
بولا کوئی، زینبؑ ہے، یہ گردوں کی ستائی (۱۰۳)   شرما کے وہ خاتون پکاری کہ دہائی

اس نام کی کب آج سزاوار ہوں لوگو
پُرسا دو کہ اکبرؑ کی عزادار ہوں لوگو

سر کھولے پُر ارمان کے لاشے پہ چلی ہوں   کس منہ سے کہوں، دخترِ زہراؑ و علیؑ ہوں
سب جانتے ہیں دامنِ زہراؑ میں پلی ہوں (۱۰۴)   زینبؑ تو تھی یثرب میں یہاں کوکھ جلی ہوں

زینبؑ تھا لقب میرا زمانے میں علیؑ کے
اب نام ہے، پیاروں موئی، کُنبے میں نبیؐ کے

لوگو مجھے بچھڑے ہوئے یوسف کا پتا دو   لوگو، مرے ماتھے پہ لہو اس کا لگا دو
رستا نجفِ اشرفِ حیدرؑ کا بتا دو (۱۰۵)   بابا سے کہو ظالموں کو آ کے سزا دو

گھر لوٹ لیا گیسوؤں والے کو بھی مارا
بیٹوں کو بھی مارا مرے پالے کو بھی مارا

یہ بین وہ کرتی تھی کہ سرورؑ نظر آئے   اور گود میں دم توڑتے اکبرؑ نظر آئے
سر لاش کا تھامے ہوئے حیدرؑ نظر آئے (۱۰۶)   باہیں لیے ہاتھوں میں پیمبرؐ نظر آئے

پوتے کے لئے دادی بھی سر کھولے ہوئی تھی
اور پاؤں لٹکتے ہوئے گودی میں لئے تھی

تسلیم کی زینبؑ نے بزرگوں کو برابر   اور جوڑ کے ہاتھوں کو کیا عجز یہ رو کر
اس شیر کے مرنے نے نکالا مجھے باہر (۱۰۷)   لاشے سے لپٹ کر کہا، ہے ہے علی اکبرؑ

کیوں، واری، لہو اب ترا چہرہ پہ ملوں میں؟
سر پیٹتی آگے ترے لاشے کے چلوں میں؟

کیوں بانو کے پیارے یہاں بانو کو بلاؤں   اور کالی ردائیں تیری بہنوں کو اڑھاؤں؟
سہرہ تیری خاطر بنے قاسم کا لے آؤں (۱۰۸)   بیٹی کوئی دے اپنی تو بنڑی میں بناؤں

جو گرد تو سیدانیوں کی سینہ زنی ہو
سر ننگے چلو میں ترے لاشے کے بنی ہو

اکبرؑ میں سخن کرنے کی طاقت نہ تھی اس آن　　بولے باشارے سے کہ خاموش ہو اماں
یہ رستہ ہے، چلّا کے نہ تم بولو پھوپھی جاں (۱۰۹)　　گھر چل کے مرے سوگ کا کیجیو ساماں
ہر چند قلق آپ کو اس وقت بڑے ہیں
یہ شرم کی جا ہے کہ عدو پاس کھڑے ہیں

ناگاہ گری راستے میں زینبؑ غم ناک　　اور چار طرف دیکھ کے دیکھا سوئے افلاک
چہرے پہ پھری مردنی اور تڑپی سرِ خاک (۱۱۰)　　واں تھم گئے لاشہ لیے گودی میں شہِ پاک
چلّائے بہن بھائی کو کیا چھوڑتی ہو تم؟
اکبرؑ تو ابھی زندہ ہیں، دم توڑتی ہو تم؟

وہ بولی کہ بھیّا ابھی نکلے گا مرا دم　　اصغر کا نہ ماتم کیا نہ آپ کا ماتم
کانوں میں کچھ آوازیں چلی آتی ہیں پیہم (۱۱۱)　　اک خلقِ خدا آہ و فغاں کرتی ہے باہم
پہچانو تو ان دردرسیدوں کی فغاں کو
یہ کون ہیں جو روتے ہیں بانو کے جواں کو

اک پیٹتا ہے ہائے پُر ارماں علی اکبرؑ　　اٹھارہ برس کے ہوئے بے جاں علی اکبرؑ
ہے ہے نہ ہوا بیاہ کا ساماں علی اکبرؑ (۱۱۲)　　خیمے کو چلے خون میں غلطاں علی اکبرؑ
ہر روز اسے دیکھ کے ہم کرتے تھے شادی
ہے ہے، بنی آدم نے یہ تصویر مٹا دی

پہنچے درِ خیمہ پہ شہ سر کو جھکائے　　غل پڑ گیا ہم شکلِ نبیؐ دولھا بن آئے
بیٹھی ہے کہاں دولھا کی ماں پردہ اٹھائے (۱۱۳)　　اور رانڈ بہن ڈال کے آنچل اسے لائے
ہم راہ رسول الثقلین آتے ہیں لوگو
پڑھتے ہوئے یٰسین حسینؑ آتے ہیں لوگو

ارمان بھری ماں نے جو پردے کو اٹھایا　　میدانِ شہادت کا بنا خیمے میں آیا
رنڈسالے کے آنچل کا بہن نے کیا سایا (۱۱۴)　　چلّانے لگی بانو کہ ہے ہے مرا جایا
زینبؑ سے کہا، پورے سب ارماں ہوئے بی بی؟
جیتے ہیں مرے لال کہ بے جاں ہوئے بی بی؟

پوشاک میں لاؤں کہ کفن دولھا کا لاؤں   مسند کروں تیار کہ تابوت منگاؤں؟
کافور ملوں آہ دیا عطر سنگھاؤں (115)   مسند پہ بٹھاؤں کہ جنازے پہ لٹاؤں
وہ بولیں کہ آئے ہیں یہاں برچھیاں کھا کر
دیکھو تو ذرا ہاتھ کلیجے سے ہٹا کر

تب بیٹھ گئی گود میں اس لاش کو لے کر   سینے سے ہٹانے لگی دستِ علی اکبرؑ
فوارہ چھٹا خون کا منہ اس کا ہوا تر (116)   بانو نے کہا ہائے غضب، وائے مقدر!
یہ کیا میری قسمت مجھے دکھلاتی ہے لوگو
پیٹھ ان کی کلیجے سے نظر آتی ہے لوگو

اکبرؑ نے کہا چپکے سے اماں میں ہوں جہاں   اب تشنگیِ موت سے خادم ہے پریشاں
یہ پیاس بجھے دودھ جو تم بخش دو اس آن (117)   وہ بولیں، میں قربان مرا دودھ بھی قرباں
بخشا تمھیں سو جان سے، پیارے علی اکبرؑ
یہ سنتے ہی جنت کو سدھارے علی اکبرؑ

بانوؑ نے کہا، ہائے یہ کیا کر گئے بیٹا   حق دودھ کا بخشالیا اور مر گئے بیٹا
ماں باپ کا گھر چھوڑ کے کس گھر گئے بیٹا (118)   پیاسوں سے بچھڑ کر لبِ کوثر گئے بیٹا
کوئی نہ رہا کنبے میں میرے علی اکبرؑ
سب مر گئے اک مرنے سے تیرے علی اکبرؑ

دم توڑتے کے وقت بھی دل ماں کا نہ توڑا   ہاتھوں کو تشنج میں مرے سامنے جوڑا
بس دودھ کے بخشاتے ہی منہ دائی سے موڑا (119)   کیوں لال ہمیں تم نے گنہگار ہی چھوڑا
حق دودھ کا بخشا کے سبکدوش ہوئے تم
دائی کی خطائیں نہ بحل کر کے موئے تم

خاموش دبیر اب کہ نہیں طاقت تحریر   اب شہ سے دعا مانگ کہ یا حضرت شبیرؑ
اکبرؑ کے تصدق میں ملے خلد کی جاگیر (120)   دولت کی ہوس ہو نہ مجھے خواہشِ اکسیر
محشر میں یہ خادم بھی ترے ساتھ ہو مولا
دامن ہو ترا اور مرا ہاتھ ہو مولا

اے طبعِ رواں سیفِ قلم جلد علم کر — جوہر ترے کھل جائیں، وہ مضمون رقم کر
دکھلا کے برش حاسدوں کا ناک میں دم کر (۱) — اور آیۂ سیف سرِ خامہ پہ دم کر
ہاں خامہ کو ہم رتبۂ تیغ دو زباں کر
عباس علمدار کی آمد کا بیاں کر

مطلع
گلزارِ علیؑ کے گلِ رعنا کی ہے آمد — مسرور ہیں روحیں کہ مسیحا کی ہے آمد
دیتے ہیں صدا کوہ کہ موسیٰ کی ہے آمد (۲) — قطروں میں یہ ہے شور کہ دریا کی ہے آمد
تھراتے ہیں افلاک، یہ ہے رعب نظر میں
تیغ مہِ نو چھپتی ہے سورج کی سپر میں

مطلع
میداں میں نہر بر صفِ ہیجا کی ہے آمد — ظلمت میں چراغ یدِ بیضا کی ہے آمد
پرنور ہے رن، برقِ تجلی کی ہے آمد (۳) — بازوئے شہِ بے کس و تنہا کی ہے آمد
ہر بلبلِ جاں خوف سے مدہوش ہوا ہے
مرآۃ پہ طوطیِ لبِ خاموش ہوا ہے

نہ چرخ ہیں خم مثلِ دلِ درد رسیدہ — لرزاں تھے اسد صورتِ آہوئے دویدہ
قد خم جو ہوئے، جان ہوئی تن سے رمیدہ (۴) — تھے تیر کشادہ تو کمانیں تھیں کشیدہ
سوفار نہ خنداں ہوئے پیکاں کی طرح سے
تھی آہِ رواں دودِ پریشاں کی طرح سے

آئینے سے سیماب نے آرام لیا دام — لاغر یہ ہوئے صید کہ پہلو کا بنا دام
دہشت سے جھکا صبح کے قدموں پہ سرِ شام (۵) — اور خوف سے سہمے یہ نگینے کہ مٹے نام
شیروں کے جگر چھن گئے آہو کی نگہ سے
پتلی نکل آئی، نہ رکی دستِ مژہ سے

موجوں سے قدِ بحر ہوا صورتِ محراب — طاؤسِ سحر ڈر کے بنا کرمکِ شب تاب
ٹوٹا کفِ دریا میں ہر اک کاسۂ گرداب (۶) — اور دیدۂ مخمل کو فراموش ہوا خواب
دُرّ بہ جستجوئے صدف میں ہمہ تن اشک ہوا ہے
سیمرغ سمٹ کر پرِ کنجشک ہوا ہے

سینوں میں چناروں کی طرح آگ کا گھر تھا ڈر نقشِ جگر کو صفتِ نقشِ حجر تھا
گل نعل در آتش تھے سمن چاک جگر تھا (۷) اور امن میں دندانِ شگوفہ سے ثمر تھا
صیاد کی چلتی رہی صمصام نہ تڑپے
دہشت کے سبب مرغِ تہِ دام نہ تڑپے

گل کا جو اڑا رنگ، عجب ہو گئی تمکین تھا دامنِ گل چیں صفتِ دامنِ نسریں
کہتی تھی صبا خیر ہو، گل کہتے تھے، آمین (۸) خورشید پہ سمٹا کہ بنا نقطۂ زریں
عالم دمِ شمشیر کا تھا تارِ نفس میں
چوروں کی صدا مل گئی آوازِ عسس میں

گل نے درِ شبنم نہ چھپائے تہِ دامن گویا، لبِ خاموش تھا برگِ گلِ سوسن
جوہر سے زرہ پوش تھا آئینۂ روشن (۹) دہشت سے رگیں گل کے بدن میں ہوئیں روزن
ظالم کا بدن چور، سراپا نظر آیا
جوہر سے تنِ تیغ پہ چھپا یا نظر آیا

طاؤسِ فلک رقص میں آیا نہ خطر سے شبنم کے گہر چشمِ گلِ مہر سے برسے
یہ روئی کہ نرگس ہوئی معذور نظر سے (۱۰) اور دھو لیا مرجاں نے بھی منھ خونِ جگر سے
مہتاب حبابِ لبِ عماں نظر آیا
تاروں سے فلک سرد چراغاں نظر آیا

شیروں کے مکانوں میں ہوا خانۂ روباہ ہر دل میں ہوا داغِ سویدا کرۂ آہ
تھا قافلۂ بادِ بہاری جو سرِ راہ (۱۱) غنچوں نے کیا مثلِ جرس نالۂ جاں کاہ
بو خون کی آنے لگی گلشن کی زمیں سے
ارہ بہ جگر نخل ہوئے چینِ جبیں سے

گردوں پہ چھپا خسروِ خاور کا تجمل تھا خندۂ گل آب دِہ گریۂ بلبل
تھا زلف پریشانِ بتاں طرۂ سنبل (۱۲) صرصر یہ چلی مشعلِ خورشید ہوئی گل
پوشاکِ کتاب ٹھیک، ہوئی ماہ کے بر میں
شہباز چھپا بھاگ کے کنجشک کے گھر میں

اک زلزلہ برپا تھا جو گردوں کے طبق میں — سر خوف سے شیطاں کا جھکا طاعتِ حق میں
دہشت سے قمر ڈوب گیا خوں کے شفق میں (۱۳) — تر تھا گلِ خورشید بھی شبنم کے عرق میں
اک نقطۂ سیمیں تھا قمر خوف سے گھٹ کر
دریا ہوا آئینۂ تصویر سمٹ کر

رہزن سفری ہو گئے خوفِ سفری سے — خون بہنے لگا چشمِ عقیقِ شجری سے
ظاہر ہوئے شعلے بدنِ کبکِ دری سے (۱۴) — دریا کا ہلا آب نہ بادِ سحری سے
تھا حلقۂ ماتم کا گماں موج کے غم میں
یونسؑ بھی چھپے بھاگ کے ماہی کے شکم میں

دہشت سے کیا کفر نے اسلام کا آداب — الماس کی سوزن ہوئی مخمل کی رگِ خواب
موجوں کی طرح نعل در آتش ہوئے گرداب (۱۵) — دیوار کے پاؤں پہ گرا دوڑ کے سیلاب
کانٹے تھے تپِ خوف سے بجلی کی زباں میں
زنجیر ہوا تھی قدمِ ریگِ رواں میں

بالائے زمیں گر کے ہر اک نخل ہوا غش — آرے کی طرح سینے میں تھی دم کی کشاکش
بو بن کے دھواں اڑنے لگی گل سے مشوش (۱۶) — ہر آتش بے دود ہوئی دود بر آتش
اک نیزہ گیا آب گذر سرو کے سر سے
لالہ بھی کفن پوش ہوا داغِ جگر سے

شبنم نے گلِ مہر کو آنکھوں پہ بٹھایا — اور بید پہ لرزہ تپِ ہیبت سے چڑھ آیا
تھا جان کی صورت نہ جدا جسم سے سایا (۱۷) — دریا یہ ہوا خشک کہ کوزے میں سمایا
گردوں کی جگہ گرد بیاباں نظر آئی
صرصر سے زمیں تختِ سلیماں نظر آئی

چودہ طبقِ ارض و سما کانپ رہے تھے — سر تا بہ قدم اہلِ جفا کانپ رہے تھے
بغض و حسد و کفر جدا کانپ رہے تھے (۱۸) — طائر صفتِ قبلہ نما کانپ رہے تھے
پریوں کے پرے ڈر سے پراگندہ ہوئے تھے
سرکش سرِ میدان سر افگندہ ہوئے تھے

تلواروں پہ قبضہ نہیں شمشیر زنوں کا　　چلاتے ہیں، عالم ہے یہ ناوک فگنوں کا
دل ٹوٹے ہیں، یہ حال ہے پیماں شکنوں کا (۱۹)　　خوں گھٹ گیا ہے خوف سے اعدا کے تنوں کا
سر خم ہیں، شجاعوں کے بھی، شمشیر کی صورت
سردار بھی، خاموش ہیں، تصویر کی صورت

چاؤش صدا دیتے تھے، ہشیار، جوانو!　　ہٹیو نہ صفِ جنگ سے زنہار، جوانو!
ہاں، آتا ہے پانی کا طلب گار، جوانو! (۲۰)　　دریا کی ترائی سے خبردار، جوانو!
تن پُور کرو شیرِ الٰہی کے اسد کا
لو آج عوض معرکۂ جنگِ احد کا

اتنے میں اٹھی گرد، علم دور سے چمکا　　خورشید کا پنجہ شب دیجور سے چمکا
رن بن کے تجلّی، رخِ پُر نور سے چمکا (۲۱)　　رخسارِ فلک شمع سرِ طور سے چمکا
پٹکا سرِ انور پہ لٹکتا نظر آیا
طوبیٰ کے تلے، چاند چمکتا نظر آیا

جھونکوں سے کبھی راست کبھی خم نظر آیا　　لچکا جو علم، نیّرِ اعظم نظر آیا
اک برق گری، دھوپ میں پرچم نظر آیا (۲۲)　　تھا شور کہ وہ نورِ مجسّم نظر آیا
تن نور کے پتلے ہوئے پنجے کی ضیا سے
جنت کی ہوا آئی پھریرے کی ہوا سے

رانوں میں وہ بجلی سا چمکتا ہوا شبدیز　　اڑنا وہ پھریرے کا، وہ میدانِ بلاخیز
پرچم وہ سنہرا صفتِ برقِ شرر ریز (۲۳)　　ہر بار وہ پنجے کا لہکنا وہ ہوا تیز
رُخ پر جو پھریرے سے غبار آتا ہے چھن کے
آئینۂ خورشید میں جوہر ہیں کرن کے

مانندِ قمر دور سے چمکا جو رخِ پاک　　شعلے کی طرح جلنے لگی مشعلِ ادراک
ذروں سے مکلّل بہ جواہر تھا رخِ پاک (۲۴)　　تھی آب گہر کی حدِ بحر میں پوشاک
ذرہ شہِ خاور کی انگوٹھی کا نگیں تھا
پرتو سے زمیں چرخ تھی اور چرخ زمیں تھا

جھک جھک کے ہوئے نخلِ ہلالِ شبِ اوّل — ہر شاخِ شجر ضو سے بنی نور کی مشعل
جب گرد اڑی چھا گیا اک نور کا بادل (۲۵) دکھلانے لگی موجِ ہوا برق کی چھل بل
گُل باغ سے، پتھر سے شرارے نظر آئے
ذرے جو اُڑے، چرخ پہ تارے نظر آئے

پٹھوں سے ضیا شیشۂ بلّور نے مانگی — دانتوں سے چمک شمعِ سرِ طور نے مانگی
سینے سے صفا صبح کے کافور نے مانگی (۲۶) ٹاپوں سے تجلی ذقنِ حور نے مانگی
ضو چھائی تھی ظلمت کا نشان دور ہوا تھا
اِک ایک بگولا عَلَمِ نور ہوا تھا

خورشید کا ساغر طبقِ گُل نظر آیا — افلاک پہ گلشن کا تجمل نظر آیا
اور کاہ کشاں طرۂ سنبل نظر آیا (۲۷) مہتاب میں داغِ دلِ بلبل نظر آیا
نرگس سے ہر اک دیدۂ سیار ملا تھا
پھولوں کی طرح یاسمن آہ کھلا تھا

فانوس میں مشعل کی طرح کوندتی تھی برق — تھا تاج سرِ مہر جو مغفر تو قمر فرق
چلاتا تھا خورشید انا الغرق انا الغرق (۲۸) کہتی تھی انا الشمس جبیں عکس انا الشرق
سینے کے قرین عکس جو ابرو کے پڑے تھے
حق ہے مہ نو عرش کے پائے میں جڑے تھے

خورشید نے سر باندھا تھا دستار سحر سے — خودِ سرِ روشن میں فزوں نور، قمر سے
روشن ہوا لالہ کا چراغ آبِ گہر سے (۲۹) تاباں ہوا رخ سایۂ دنداں کے اثر سے
پتلی کا ہے پرتو ذقنِ ماہ کے اندر
کس حُسن سے یوسفؑ ہیں کھڑے چاہ کے اندر

خورشیدِ فلک جس سے نہ ہووے کبھی ہم سر — خودِ اسد اللہ ہے زیبِ سرِ انور
چار آئینے کو دیکھ کے شمشیر ہے ششدر (۳۰) حلقے پہ زرہ کے ہیں کہ شمشیر کے جوہر
ہتھیاروں کی بھی ہے چمک اس ماہ لقا سے
چار آئینہ گھر نور کا ہے تن کی صفا سے

مضمونِ زرہ بہرِ سخن وہ کروں ایجاد — جو خلقِ خدا صنعتِ داؤد کرے یاد
حلقے یہ زرہ کے ہیں ویا چشمِ خدا داد (۳۱) — پر عینِ سرِ عضو پہ حق نے ہے کیا صاد
نہ ابر ہے نہ موج نہ قرآں کا ورق ہے
یہ ابریِ مشقِ قلمِ قدرتِ حق ہے

بے شک یہ جری برجِ شجاعت کا قمر ہے — حقا کہ یہ دریائے شہادت کا گہر ہے
یاں ہاتھوں کو جوڑے ہوئے اقبال و ظفر ہے (۳۲) — کاندھے پہ عجب شان سے حمزہ کی سپر ہے
یہ صولت و حشمت نہیں دیکھی ہے کسی میں
نیزہ حسنِ پاک کا ہے دستِ جری میں

یوں زیرِ علم رخ کا پسینا نظر آیا — تھا شور کہ یاقوت پہ مینا نظر آیا
غل تھا کہ وہ خاتم پہ نگینا نظر آیا (۳۳) — والشمس پڑھو چاند سا سینا نظر آیا
تھا حشر عجب بن میں صباحت نظر آئی
والفجر کہ وہ صبحِ قیامت نظر آئی

قطراتِ عرق رخ پہ گہر سے نہیں کچھ کم — منھ دیکھنے کو گل کے ہے آئینۂ شبنم
ابرو سے ہوئی برقِ مہِ نو کی طرح خم (۳۴) — زلف آئی جو چہرے پہ چھپا نیرِ اعظم
حلقوں میں جو عکسِ رخِ تاباں نظر آیا
جبریل کے شہپر میں چراغاں نظر آیا

ہو عکس فگن گردنِ تنگ دلاور — ہو جائے سمندر صفت قطرۂ گوہر
گردِ رخِ پر نور جو ہے زلفِ معنبر (۳۵) — ہالے سے بندھی ہے کمرِ ماہِ منور
غل ہے طبقِ شب میں گلِ صبح دھرا ہے
ہم دامنِ آئینہ کہ شعلوں سے بھرا ہے

کس گنتی میں ہے چاند حضورِ رخِ زیبا (۳۶) — او نتیس ۲۹ کا حد تیس کا وہ ہوتا ہے پیدا
حیدر کا تو یہ چاند ہے او نتیس برس کا — اس رو سے حسابِ خمِ ابرو بھی ہے سیدھا
گو مد حسابِ مہِ نو بھی قلمی ہے
میزان دو ابرو سے تو برسوں کی کمی ہے

عکسِ رخِ روشن سے یہ ہے سینے میں اظہار آئینہ میں خورشید چمک جاتا ہے ہر بار
کس حُسن سے ہے جلوہ نما بینی در رخسار (۳۷) اک شمع ہے، ایک شمع لب لو ہے نمودار
یہ پھول جھڑے بلبل سدرہ کی زباں سے
نکلا ہے گل مہ سحر کا ہکشاں سے

ابرو میں ہے ضو پرتو دنداں کے اثر سے شمشیر نے پایا ہے خمیر آبِ گہر سے
چہرہ خطِ شب رنگ میں ایمن ہے خطر سے (۳۸) کب مشعلِ خورشید بجھے بادِ سحر سے
پوشاک میں عکس رخِ تاباں نظر آیا
دامانِ قبا گُل بہ گریباں نظر آیا

سینے پہ جو ہیں عکس فگن ابرو و مژگاں یہ آئینۂ تیغ میں جوہر ہیں نمایاں
تفسیر اگر خط ہے تو رخسار ہیں قرآں (۳۹) یا چھا گئے پریوں کے پرے گردِ سلیماں
اٹھا ہے تہ برق دھواں لطف عجب ہے
یا صبح کے دامن سے عیاں چہرۂ شب ہے

رخسار مبارک پہ نہیں جلوہ نما تِل ہے سینۂ گل میں گرہِ آہِ عنادل
یک جا ہے عیاں دودِ چراغِ مہِ کامل (۴۰) مہتاب کے پہلو میں سہا ہے یہ مقابل
سورج ہمہ تن داغ ہے اس داغ سے گھٹ کر
یا بدر میں آئی ہے شبِ قدر سمٹ کر

جلوے کا وہ رتبہ ہے صفا کا ہے یہ احوال اس رخ پہ پڑے گر نگہ دیدہ تو فی الحال
بے ساختہ تاثیرِ نزاکت سے بنے خال (۴۱) خالِ رخِ نازک اسی دعوے پہ ہے اب دال
رخ بدر، شہِ بدر حُنین اس پہ فدا ہے
یہ وجہِ حَسَنؑ ہے کہ حسینؑ اس پہ فدا ہے

تشبیہِ رخ و خال میں کی بس کہ تگ و دَو صورت نہیں بنتی ہے خیال آتے ہیں سَو سَو
روشن یہ ہوا دیدۂ دل میں جو ہوئی ضَو (۴۲) آئینۂ رخسار میں پُتلی کا ہے پرتو
ہاں طبع کی میزان میں یہ شے تل نہیں سکتی
خورشید کی، شبنم سے گرہ کھل نہیں سکتی

زلفوں کو کہیں مشکِ ختن گر تو خطا ہے   گر عود ہے تو کیا ہے جو عنبر ہے تو کیا ہے
اور ذکرِ بنفشہ تو ہے بے جا کہ دوا ہے   (۴۳) اب رہ گیا اک سنبلِ پیچاں سو فدا ہے
سو پیچ ہیں اس میں بھی اگر ہووے تو بو ہو
تشبیہ وہ ہو، فرق نہ جس میں سرِ مو ہو

غیرت دہِ آئینہ ہے پیشانیِ انور   تیور سے عیاں شیرِ الٰہی کے ہیں تیور
قطراتِ عرق دیکھ کے حیرت نہ ہو کیوں کر   (۴۴) پیدا ہوئے ہیں چشمۂ خورشید میں گوہر
روشن ہے زمیں دشت کی یہ حسن و ضیا ہے
اختر کہیں سجدے کے نشاں کو تو بجا ہے

دل سہم گئے دیکھ کے ابرو کی کمانیں   مژگاں ہیں وہ ناوک کہ دل کوہ کو چھانیں
کس طرح سے پیغامِ اجل ان کو نہ جانیں   (۴۵) تحریرے، سرمے کی کشاکش میں ہیں جانیں
کیوں کر نہ ڈریں دیکھ کے بے پیر ہزاروں
چلہ تو فقط ایک ہے اور تیر ہزاروں

آنکھوں کا شرف مردمِ حق بیں پہ عیاں ہے   پتلی یہ نہیں، خالِ رخِ حورِ جناں ہے
ہر اہلِ بصیر ان کو بہ حسرت نگراں ہے   (۴۶) یہ نور بھلا نرگسِ شہلا میں، کہاں ہے
بادام سیہ آنکھوں پہ قرباں ہوئے ہیں
آہوئے ختن دیکھ کے حیراں ہوئے ہیں

کس اوج پہ ہے حُسنِ رخِ یوسفِ حیدرؑ   چہرے پہ ہر اک خال ہے غیرت دہِ اختر
ذراتِ زمیں عکس سے ہیں مہرِ منور   (۴۷) سبزہ ہے کہ آئینۂ عارض کے ہیں جوہر
تشبیہِ خط و رخ میں عبث فکرِ سخن ہے
خورشید ہے رخ اور خطِ رخسار کرن ہے

بینی گُل شبو ہے تو غنچہ سا دہاں ہے   پر غنچۂ بُستاں میں نزاکت یہ کہاں ہے
کہیے نہ دہن، رازِ خدائے دو جہاں ہے   (۴۸) غیرت دہِ برگِ گلِ تر خشک زباں ہے
کفار کٹے جاتے ہیں تیزیِ بیاں سے
غازی کی زباں کم نہیں تیغِ دو زباں سے

لبِ لعلِ بدخشاں ہیں تو گوہر ہیں یہ دنداں — گو سے مگر آب میں بہتر ہیں یہ دنداں
بہتر ہوں نہ کس طرح کہ اختر ہیں یہ دنداں — (۴۹) اختر سے بھی وہ چند منور ہیں یہ دنداں
ہنگامِ تبسم ہے عجب لطف دہن میں
بجلی سی چمک جاتی ہے ہر بار یمن میں

مثلِ لبِ عیسیٰ، لبِ اعجاز نما ہے — مدّاحیِ سرور سے جنھیں کام سدا ہے
یا نعت محمد ﷺ کی ہے یا حمدِ خدا ہے — (۵۰) اور چاہِ ذقن آبِ لطافت سے بھرا ہے
یعقوب سدا ڈھونڈتے ہیں راہ اسی کی
یوسف کو لڑکپن سے رہی چاہ اسی کی

روشن ہے کہیں شمع سے یہ گردشِ پر نور — نظّارے سے کیوں کر نہ جلے لشکرِ مقہور
اس شمع کا پروانہ ہے خود روشنیِ طور — (۵۱) ہاتھ ان میں حمائل ہوں یہ چاہے ہے ہر اک حور
کب شیشۂ بلور میں یہ نور و صفا ہے
پر حیف ہے اس کا، کہ گلوگیر قضا ہے

شانے ہیں صفا میں کہیں الماس سے بہتر — بازو وہ کہ سو جاں سے فدا جن پہ ہیں سرور
دیکھیں جو کلائی یہ تو ضیغم بھی ہوں ششدر — (۵۲) پنجے میں ہے زورِ اسد اللہ سراسر
ساعد ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
انگشت ہر اک نور کے سانچے میں ڈھلی ہے

آئینۂ مہتاب سے تاباں ہے یہ سینہ — بے شبہ و شک مصدرِ ایماں ہے یہ سینہ
مومن کے لئے کعبۂ ایماں ہے یہ سینہ — (۵۳) صندوقِ علومِ شہِ ذی شاں ہے یہ سینہ
یہ الفتِ اولادِ پیمبر ﷺ سے بھرا ہے
دل معرفتِ خالقِ اکبر سے بھرا ہے

سروِ چمنِ شیرِ خدا ہے قدِ بالا — ایسا کسے دنیا میں ملا ہے قدِ بالا
عالم کے حسینوں سے جدا ہے قدِ بالا — (۵۴) شمشادِ گلستانِ وفا ہے قدِ بالا
ہر گام پہ نصرت تو تصدق ہے علم پر
قربان ہے ثابت قدمی نقشِ قدم پر

رانوں سے بہادر فرس رشکِ صبا ہے — سرعت میں کہیں برقِ جہندہ سے سوا ہے
بجلی ہے کبھی جا تو کسی صف میں ہوا ہے — (۵۵) سرعت میں جو آہو تو اسد وقتِ وغا ہے
مہمیز کی حاجت اسے زنہار نہیں ہے
اللہ کی قدرت ہے، یہ رہوار نہیں ہے

اس شان سے آئے جو اڑاتے ہوئے رہوار — پنجہ کبھی چمکا، کبھی پرچم، کبھی ہتھیار
منھ پھیر کے اِک بار پکارا یہ، خبردار — (۵۶) اے لشکریو، آن پڑے حیدرِ کرار!
وہ فاتحِ خیبر کا تجمل نظر آیا
دیکھو وہ علیؑ آئے، وہ دلدل نظر آیا

لشکر پہ اب انجامِ تباہی نظر آیا — ہر طائرِ جاں جسم سے راہی نظر آیا
باقی نہیں اور سپاہی نظر آیا — (۵۷) روباہو، ہٹو! شیرِ الٰہی نظر آیا
خندق کی طرح لاشوں سے میدان پٹیں گے
ہم ہاتھ کٹاتے ہیں کہ سر تن سے کٹیں گے

بولا پسرِ سعد، غلط ہے تری تقریر — عباسؑ علی ہے اسداللہ کی تصویر
حیدرؑ ہیں اگر مصحفِ ناطق تو یہ تفسیر — (۵۸) عباسؑ ہے جوہر جو ید اللہ ہیں شمشیر
حیدرؑ کی طرح زور بھی معلوم ہے اُس کا
وہ لفظ اگر ہے تو یہ مفہوم ہے اُس کا

ہوتے جو علیؑ مشک نہ ہوتی سرِ دوش — ہوتا نہ کبھی غنچہ دہن پیاس سے بے ہوش
ناموس میں ہوتا کبھی رقت کا یہ جوش — (۵۹) سرور نہ یہ کہتے کبھی کھولے ہوئے آغوش
بے تاب ہوں سینے سے لپٹ جاؤ میں صدقے!
کہتی نہ سکینہ کہ چچا آؤ میں صدقے!

ہوتے جو علیؑ شاہ زمیں پر نہ تڑپتے — دل ہاتھ سے تھامے ہوئے سرور نہ تڑپتے
جھولے میں کبھی پیاس سے اصغر نہ تڑپتے — (۶۰) مرنے کو علیؑ آتے، پیمبرؐ نہ تڑپتے
ہر مرتبہ ہے ہے مرے بابا کی صدا ہے
عباسؑ کے بیٹے کا گریبان پھٹا ہے

فرماتے ہیں چھاتی سے لگائے شہِ خوش خو غش آئے گا عمّو ترے قرباں، نہ اب رو
وہ کہتی ہے، رونا تو نہیں چھوٹتا، کچھ ہو (۶۱) اچھے مرے عمّو، مجھے بابا سے ملا دو
مر جائیں گے، تسکینِ دلِ زار تو کر لیں
چھاتی سے لگا کر وہ ہمیں پیار تو کر لیں

یہ سُن کے تنِ فوج میں پھر پڑ گئیں جانیں ہر غول میں کڑکیں، صفتِ رعد، کمانیں
دریا کے قریں دھوپ میں چمکیں جو سنانیں (۶۲) مچھلی کی ہزاروں نظر آتی تھیں زبانیں
کھنچے ہوئے کانوں کی طرح بڑھ گئے چلے
اترا جو ہر اک زاغ کا منھ، چڑھ گئے چلے

یک بار جو گونجا صفتِ شیر وہ ضیغم اے فوج! ہیں شمشیرِ خدا، شیرِ خدا ہم
کیوں جوڑے ہوئے تیروں کو چلوں میں ہو باہم (۶۳) بجلی کو نہیں وادیِ پُر خار میں کچھ غم
ہیں سیفِ خدا، زہد، عمامہ ہے ہمارا
عریانیِ تن فتح کا جامہ ہے ہمارا

جرأت ہے وہی، پیاس سے گو دم ہے لبوں پر دورِ آبِ دمِ تیغ سے ہوتے نہیں جوہر
سینے کو نہیں خنجر و شمشیر سے کچھ ڈر (۶۴) کب برق سے جلتا ہے گلِ مہرِ منوّر
کر دیتا ہے شعلے کو نہاں آب کا دامن
کب موج پکڑ سکتی ہے سیلاب کا دامن

ہم وہ ہیں کہ دیں حکم تو گردوں ابھی پھٹ جائے تیغِ مہِ نو، آئینہ ساں، سنگ میں اٹ جائے
دریا، ابھی جاموں سے حبابوں کے، الٹ جائے (۶۵) مچھلی کی زباں، خوف کی مقراض سے کٹ جائے
ہاتھوں سے ہر اک موج لگے پیٹنے سر کو
دے دستِ صدف دم میں فشارِ آب گہر کو

چاہیں تو خجل ظلم رسیدہ سے ہوں خونخوار پیکان یہ ہوں آب کہ ہوں بر لبِ سوفار
ہر ذات ہے عرض کے ہاتھوں سے دل افگار (۶۶) سیلاب سے ہو خانۂ دریا ابھی مسمار
دلِ عاشقِ جانباز کا معشوق سے پھٹ جائے
ہر شمع کی گردن پرِ پروانہ سے کٹ جائے

آقا ہے مرا نورِ خدا، رحمتِ یزداں
فخرِ دو جہاں، زیب دہ گلشنِ ایماں
دریائے عطا، بحرِ سخا، معدنِ احساں (۶۷)
مقبولِ خدا، سرورِ دیں، شاہِ شہیداں
سرتاجِ ملائک کا، شرفِ عرشِ عُلا کا
حیدرؑ کا گہر، لعلِ بتولِ عذرا کا (غیر منقوط)

علامِ ہر اک علم کا اور موردِ الہام
وہ اس کا ہوا حکم کہ اسلام ہوا عام
روحِ اسداللہ، محمدؐ کا دل آرام (۶۸)
صدرِ دوسرا، علم کا گھر، مصدرِ اکرام
محکومِ اَحَد، حاکمِ سرکارِ محمدؐ
مداحِ رسُلؐ، محرمِ اسرارِ محمدؐ (غیر منقوط)

مالکِ امم و حور کا، عالم کا مددگار
سردارِ امم اور اسداللہ کا دلدار
صمصامِ صمد عسکرِ اسلام کا سالار (۶۹)
احمدؐ کا اسد، علم کا در، سرور و سردار
سالکِ رہِ اللہ کا مالک دوسرا کا
ہمسر اسداللہ کا ہمدرد گدا کا

اے قوم ذرا غور کرو، دھیان کدھر ہے؟
یہ ظلم و ستم! خالقِ اکبر کا بھی ڈر ہے؟
پیاسا جو ہے، بتلاؤ بھلا، کس کا پسر ہے؟ (۷۰)
آقا ہے وہ آقا جو محمدؐ کا جگر ہے!
کینہ نہ رکھو سبطِ شہنشاہِ عرب سے
زنہار، بڑھاؤ نہ قدم راہِ ادب سے!

یہ دشتِ پر آشوب ہے اور دھوپ کڑی ہے
بچوں کی زباں پیاس سے ہونٹوں پہ پڑی ہے
بُت بن گئے ہو کیوں، یہ تامل کی گھڑی ہے (۷۱)
شبیرؑ سے مل جانے میں توقیر بڑی ہے
مانگو گے تو کونین کی دولت تمہیں دیں گے
اب اس سے سوا کیا ہے کہ جنت تمہیں دیں گے

بستی سے بھی مطلب نہیں، صحرا کو بھی چھوڑا
کوثر سے انھیں کام ہے، دریا کو بھی چھوڑا
قبرِ نبیؐ و مرقدِ زہراؑ کو بھی چھوڑا (۷۲)
کعبے کی قسم، یثرب و بطحا کو بھی چھوڑا
ناراض کچھ اب تک نہیں، خورسند ہیں شبیرؑ
تم اس میں خوشی ہو تو رضامند ہیں شبیرؑ

غازی کا سخن سُن کے پکارے یہ ستم گار — ان باتوں سے پانی تو نہیں ملنے کا زنہار
بیعت جو ہے منظور تو پھر کچھ نہیں تکرار (۷۳) لڑنا ہے، تو کیا دیر ہے، ہاں کھینچیے تلوار
کٹ جائے گا سر شیر الٰہی کی طرح سے
تڑپو گے، پڑے نہر میں، ماہی کی طرح سے

یہ سنتے ہی اُس شیر کے ابرو پہ بل آیا — ہاتھوں کو بڑھائے ہوئے پیکِ اجل آیا
طالع میں سیہ کاروں کے دَورِ زحل آیا (۷۴) کاٹھی سے، سرِ تیغِ دو پیکر نکل آیا
تلوار نہ رومالِ دلاور سے بندھی تھی
اک برقِ اجل دامنِ محشر سے بندھی تھی

تلوار علم کر کے جو گھوڑے کو بڑھایا — راکب تھا نہ مرکب تھا نہ شمشیر نہ سایا
پرتو کہیں تیغ اور کہیں تلوار سا آیا (۷۵) یہ صاعقہ تڑپا، وہ چھپا، وہ نظر آیا
یہ کوند کے آیا مہِ نو، ہالہ وہ چمکا
آتش یہ گری، شعلۂ جوالہ وہ چمکا

چمکی، تو زباں، تیغِ شرربردم نے دکھائی — تڑپی، تو تڑپ، برقِ مجسّم نے دکھائی
کوندی تو شبیہِ مہِ نو خم نے دکھائی (۷۶) سمٹی تو جبیں نیّرِ اعظم نے دکھائی
تھی بیچ میں وہ برقِ اجل گرد گلے تھے
پروانہ صفت شمع سے فانوس جلے تھے

دل بن کے جگر سینۂ دشمن سے نکالا — ناخن ہوئے عقدہ دلِ جوشن سے نکالا
منھ، شمع صفت، زین کے دامن سے نکالا (۷۷) سر، مثلِ پری، شیشۂ گردن سے نکالا
جوہر کو دکھاتی جو وہ برقِ اجل آئی
مانندِ نگہ، آنکھ سے پتلی نکل آئی

ابرو پہ گری، ناخنِ پا سے نکل آئی — کاٹی جو زرہ، دامِ بلا سے نکل آئی
دو کر کے کماں، قدِ دوتا سے نکل آئی (۷۸) جاں بن کے، تنِ اہلِ جفا سے نکل آئی
تھی گُل کی چھڑی، خون کے قطرے جو پڑے تھے
آئینۂ شمشیر میں یاقوت جڑے تھے

ڈھالوں کے دھوئیں اُڑ گئے سنبل کی طرح سے — دامانِ ضیا، سُرخ ہوا گُل کی طرح سے
چلّے، وہیں بل کھا گئے، کاکُل کی طرح سے (۷۹) چِلّائی کماں، نالۂ بلبل کی طرح سے
دل زلفِ پریشاں تھے جگر شانہ ہوئے تھے
تلواروں کے جوہر، پرِ پروانہ ہوئے تھے

تیری سرِ گردن سے تو سینہ میں ہوئی غرق — چمکی بہ سرِ خود تو دو ٹکڑے کیا فرق
لیتی کمر و تنگ، زمیں میں گئی وہ برق (۸۰) سینے سے کمر تک، نہ اترنے میں ہوا فرق
اِس صف کے سرے سے جو چلی پہنچی اُدھر تک
رجعت ہوئی تو تن پہ نہ تھا ایک بھی سر تک

پہنچا صفِ آخر میں، بَر و دوش کچل کر — دل فوج کے پھٹ پھٹ گئے گھوڑے سے دہل کر
لو، عود کیا اشک نے مژگاں سے نکل کر (۸۱) غل تھا، جو پھر آیا صفِ اوّل میں اُچھل کر
دم چڑھ گئے، منھ پر نہ کوئی تیغ زن آیا
بولا یہ، گیا شیر، وہ بولا، ہرن آیا

بو، گُل میں تو گلشن میں نسیمِ سحری تھا — طاؤس فلک سیر دمِ جلوہ گری تھا
آہو تھا جو زندوں میں، پرندوں میں پری تھا (۸۲) صیحے سے عیاں قہقہۂ کبکِ دری تھا
کاوے کی ثنا کیجیے، دل اس پہ تُلا ہے
دریا سے کوئی عقدۂ گرداب کھُلا ہے

مرکب کا جگر چیر کے، راکب نکل آیا — غل تھا کہ چکور آگ کو کھا کر اُگل آیا
سینے کا لہو بہہ کے جو گردن میں ڈھل آیا (۸۳) بے روح ہوا دل جو وہ پیکِ اجل آیا
بے جاں جگر و قلب بہم رہ گئے باقی
طاؤس اُڑا، نقشِ قدم رہ گئے باقی

اک قلزمِ خوں ہو گیا صحرائے پُر آشوب — ٹاپوں سے کچلتے تھے پرے فوج کے سر کوب
دی تیغ نے جوہر کے پر و بال سے جاروب (۸۴) مسواکِ دہن بن گئی نیزے کی ہر اک چوب
گُل کھلتا تھا شمشیرِ خزاں پھول کا پھل تھا
خاروں سے بھرا دامنِ گلچینِ اجل تھا

اعدا کے پرے خون میں بھر جاتی تھی تلوار جوں سیل، سروں پر سے، گزر جاتی تھی تلوار
دو کر کے سپر، تا بہ کمر، جاتی تھی تلوار (۸۵) حاضر تھی قضا ساتھ، جدھر جاتی تھی تلوار

سر پر جو پڑی، تیر گئی دامنِ زیں تک
اتری سرِ زیں سے تو گئی گاؤ زمیں تک

پرزے سروں کے دمِ پیکار اڑائے دیکھی جو خطا، دستِ کماں دار اڑائے
اسواروں کے ٹکڑے مع رہوار اڑائے (۸۶) ترکش کہیں، چلے کہیں، سوفار اڑائے

کج بازوؤں کو کچھ ہوش نہ تھا جنگ و جدل کا
رخ سہم کے پھیرے کہ نشانہ تھے اجل کا

یک بار پڑی لشکرِ کفار میں ہل چل بھاگی صفِ اوسط، صفِ آخر، صفِ اوّل
دریا سے جو پھٹ پھٹ کے گھٹا ڈھالوں کا بادل (۸۷) دل نے کہا، عباسِ علی، نہر پہ اب چل

وقفہ نہیں، جس کام کو آئے ہو وہ کر لو
کیا دیکھتے ہو، مشکِ سکینہ کو تو بھر لو

دریا میں در آیا خلفِ ساقیِ کوثر موجوں نے دعا خیر کی دی ہاتھ اٹھا کر
آنکھیں، صفتِ ابر، حبابوں کی ہوئیں تر (۸۸) روتا تھا، ردا، آبِ رواں، ڈال کے منہ پر

اک ابرِ علم چھا گیا تھا ماہی کی صف پر
کھلتی تھی صدف دستِ الم دُرِّ نجف پر

پیاسے رہے اور اسپ کو دریا سے نکالا رستے میں جما آ کے سواروں کا رسالا
مشکیزۂ پُر آب کو کاندھے پہ سنبھالا (۸۹) خورشید پہ چھایا تبر و تیغ کا ہالا

فانوس میں تھی شمع کہ تیغوں میں جری تھا
پروانوں کے جھرمٹ میں چراغِ سحری تھا

رونے لگا اسوار کا منہ دیکھ کے رہوار گردن سے لپٹ کر اسے غازی نے کیا پیار
پھر کوند کے آئی صفِ کفار پہ، تلوار (۹۰) بے سر ہوئے لشکر شکن و سرکش و جرّار

کٹ جاتے تھے جب سر وہیں گھبراتے تھے اعدا
مانندِ کماں خوف سے جھک جاتے تھے اعدا

گردن کو قلم کر کے بر و دوش سے نکلی — پتلی کی طرح، چشم سیہ پوش سے نکلی
ناگن تھی، جگر کھا کے عجب جوش سے نکلی — (۹۱) آرہ ہوئے دل، چیر کے آغوش سے نکلی
سینہ جو کٹا قلب اچھل کر نکل آیا
در کھل گیا، بت دیر سے باہر نکل آیا

جان بن کے گئی دل میں، جگر کاٹ کے نکلی — منھ کر کے سرِ پشت، سپر کاٹ کے نکلی
نیزے کی طرح بندِ کمر کاٹ کے نکلی — (۹۲) تڑپی تو پرِ مرغِ نظر کاٹ کے نکلی
گت اپنے شراروں سے بتاتی تھی اجل کو
تھی سنگ فشاں، راہ بتاتی تھی اجل کو

لشکر کی صفیں صاف تھیں بے دست تھے دستے — کہتی تھی اماں خود کہ اماں کو ہیں ترستے
ہنگامِ وغا امن کے سب بند تھے رستے — (۹۳) سر خاک پہ تھے ابر سے ڈھالوں کے برستے
ترکش تو قلم خاک پہ ہو ہو کے گرے تھے
سرکش جو تھے وہ موت کے حلقے میں گھرے تھے

گہ فرق پہ، گہ شانے پہ، گہ زیرِ کمر تھی — بجلی کی طرح گاہ اِدھر گاہ اُدھر تھی
بکتر پہ کبھی اور کبھی بالائے سپر تھی — (۹۴) شعلہ تھی کسی صف میں، کسی صف میں شرر تھی
گہ طارمِ افلاک پہ، گہ زیرِ زمیں تھی
تھی سیل کہیں، برق کہیں، ابر کہیں تھی

مرجاں کی چھڑی بن گئی خوں جسم کا مل کر — شاخِ مہِ نو خم ہوئی یاقوت سے مل کر
طاؤس بنی نیزۂ افعی کو نگل کر — (۹۵) تلوار کا آئی تھی اجل بھیس بدل کر
تیری جگر و قلب میں سوزن کی طرح سے
بل کھاتے، وہیں ڈس گئی ناگن کی طرح سے

تا دیر اسی طرح سے انبوہ کو جھیلا — خم ہو گئے، آیا جو کمانداروں کا ریلا
مشکیزے کو چھدنے نہ دیا، جان پہ کھیلا — (۹۶) وا حسرت و دردا کہ وہ لاکھوں، یہ اکیلا
منھ تیروں کا پڑتا تھا جدھر جاتے تھے عباس
ہر مرتبہ گھر گھر کے نکل آتے تھے عباس

رہوار کو اسواروں کی صف سے جو نکالا　　لڑ بھڑ کے جو اس آفتِ جاں کاہ کو ٹالا
رگر دآ کے، کماں داروں نے نیزوں کو سنبھالا[۹۷]　　پھر چھا گیا چوگرد سواروں کا رسالا
طاقت جو نہ تھی زین پہ جھک جاتا تھا غازی
یا شیرِ خدا، کہتے ہی رک جاتا تھا غازی

یاں حال یہ تھا، غش تھے اُدھر سبطِ پیمبرؐ　　سر سجدے میں تھا، ہاتھوں میں عمامۂ اطہر
فرماتے تھے بے کس ہوں میں اے خالقِ اکبر![۹۸]　　کر رحم بچھڑتا ہے برادر سے برادر
عالم ہے عجب، سینۂ سوزاں میں نفس کا
ساتھ آج چھٹا جاتا ہے انتیس برس کا

غم خوارِ جگر بندِ پیمبرؐ نہیں کوئی　　ہم دردِ دلِ حیدرِؑ صفدر نہیں کوئی
اس بے کس و محتاج کا یاور نہیں کوئی[۹۹]　　اب اس کے سوا، اور برادر نہیں کوئی
تلواروں سے اس گیسوؤں والے کو بچانا!
یا رب، میرے آغوش کے پالے کو بچانا!

واں خیمے میں مشغولِ دعا تھے شہِ ذی جاہ　　یاں شقِ سرِ عباسؑ ہوا گرز سے، ناگاہ
تیغوں سے کٹے بازوئے فرزندِ یداللہ[۱۰۰]　　منزل تھی قریں، قافلہ ہوتا تھا جدا، آہ
برسانے لگے تیر کماں دار جو آکر
خم ہو گئے مشکیزے کو چھاتی سے لگا کر

اس چاند پہ بدلی کی طرح چھا گئے بے پیر　　کس منہ سے کہوں، آنکھوں میں غازی کی لگا تیر
خوں بہنے لگا جسم سے، حالت ہوئی تغییر[۱۰۱]　　پڑنے لگے تیر و تبر و نیزہ و شمشیر
تلواریں لگیں سینۂ صد چاک کے اوپر
گر گر گئی، کٹ کٹ کے زرہ، خاک کے اوپر

مایوس ہوئے جسم میں حالت جو نہ پائی　　چمکار کے رہوار کو یہ بات سنائی
افسوس کہ پیاسے ہیں کئی روز سے بھائی[۱۰۲]　　تو مشک کو لے جا کہ ہماری اجل آئی
پانی دلِ سلطانِ مدینہ کو پہنچ جائے
یہ مشک کسی طرح سکینہ کو پہنچ جائے

کہنا کہ وہ بے دست ہے یا حضرتِ شبیرؑ　　بھیجا ہے مجھے، اِس میں کچھ ان کی نہیں تقصیر
آنے کی یہاں تک کوئی بن آئی نہ تدبیر　　(۱۰۳) یہ کہہ نہ چکے تھے کہ لگا مشک پہ اک تیر
چلائے کہ عمّو ترے قربان سکینہؑ!
پیاسی رہی، ہے ہے، مری نادان سکینہؑ!

گھوڑے سے گرے جب تو برادر کو پکارا　　کام آیا یہ خادم، یہ نمک خوار تمھارا
سنتے ہی نہ حضرت کو رہا ضبط کا یارا　　(۱۰۴) بس، ہائے اخی! کہہ کے گریباں کیا پارا
کانپا جو بدن، حیدرِ صفدر نے سنبھالا
غش کھا کے گرے تھے کہ جو اکبرؑ نے سنبھالا

سر پیٹتے روتے ہوئے میداں کو چلے شاہ　　بابا کی کمر تھام کے اکبرؑ ہوئے ہم راہ
عباسؑ کا لاشہ جو نظر آگیا، ناگاہ　　(۱۰۵) بھائی سے بغل گیر ہوئے سرورِ ذی جاہ
کچھ کہنے نہ پائے کہ مسافر ہوئے عباسؑ
منہ دیکھتے ہی دیکھتے آخر ہوئے عباسؑ

بولے شہِ مظلوم یہ شانے کو ہلا کر　　اٹھتے نہیں، کیا سو گئے عباسِؑ دلاور
ہم راہ تھے ہم بھی، نہ توقف کیا دم بھر　　(۱۰۶) اللہ، یہ جلدی ہوئی، اے جانِ برادر
پایا جو مکان سرد تو نیند آگئی تم کو
ہاں، شیر تھے، دریا کی ہوا بھا گئی تم کو

سینے میں اگر درد ہوا ہو تو بتا دو　　نیزہ کوئی، پہلو میں، لگا ہو تو بتا دو
دل، تیر سے، سوراخ ہوا ہو تو بتا دو　　(۱۰۷) عباس، برادر سے خفا ہو تو بتا دو
دی جان، مگر مشک نہ چھاتی سے جدا کی
کچھ کر نہ پائے بھی وصیت کہ قضا کی

شہ لاشے سے لپٹے ہوئے کرتے تھے یہ زاری　　ناگاہ درِ خیمہ سے فضّہ یہ پکاری
جلد آیئے، اے قبلۂ کونین! میں واری　　(۱۰۸) یہ روئی ہیں غش آیا ہے بھابھی کو تمھاری
سب بی بیاں حلقے میں لیے گرد کھڑی ہیں
عباسؑ کی مسند پہ وہ بے ہوش پڑی ہیں

یہ سنتے ہی اک تیر کلیجے کے ہوا پار — آغوش میں بھائی کو لیا اور کیا پیار
فرمایا، چلو خیمے میں عباسِ علم دار (۱۰۹) — لاشے نے صدا دی، یہ نہ ہوگا کبھی، زنہار!
یہ شمع نہیں آپ کے کاشانے کے قابل
آقا، مرا اب منھ نہیں دکھلانے کے قابل

تا حشر رہی مجھ کو سکینہ سے ندامت — افسوس ہے، برباد ہوئی سب مری محنت
واللہ یہی ہے جو اگر ہے مجھے حسرت (۱۱۰) — اب لاش کو خیمے میں نہ لے جائیے حضرت
شہ نے کہا، اچھا ترے قربان، برادر!
ہم جاتے ہیں، اللہ نگہبان، برادر!

یہ کہہ کے اٹھے لاشہ سے شاہنشہ خوش خو — کاندھے پہ علم رکھ کے چلے اکبر مہ رو
تا خیمہ جو پہنچے تو اٹھا شور یہ ہر سو (۱۱۱) — میدان سے حضرت کا پھرا، قوتِ بازو
سائے میں پھریرے کے شہنشاہِ امم ہے
عباس وہ آتے ہیں، وہ کاندھے پہ علم ہے

دیکھا جو علم آتے ہوئے سب کو ہوئی آس — تھی غش میں، مگر چونک پڑی زوجۂ عباسؑ
چلائی سکینہ مرے سب مٹ گئے وسواس (۱۱۲) — صدقے میں، بھائی مرے عموؑ نے مری پیاس
صدمہ کبھی اٹھتا نہیں نازوں کے پلے سے
جلدی کہیں آئیں تو لپٹ جاؤں گلے سے

ناگہہ علمِ سیدِ اکرم نظر آیا — مثلِ کمرِ سبطِ نبیؑ، خم نظر آیا
آلودہ بہ خوں پنجہ و پرچم نظر آیا (۱۱۳) — اک بے کسی و یاس کا عالم نظر آیا
خوں بار پھریرا تھا علم دار کے غم میں
تیروں سے چھدی مشک لٹکتی تھی علم میں

دیکھا جو یہ سامان تو سب ہو گئے ششدر — اکبرؑ نے علم گاڑ دیا صحن میں آکر
پہنچے جو کمر پکڑے ہوئے سبطِ پیمبرؑ (۱۱۴) — زینبؑ نے کہا، کیا ہوئے عباسِ دلاور
حضرت نے کہا، ہم سے وہ منھ موڑ گئے ہیں
عاشق تھے، سو بھائی کی کمر توڑ گئے ہیں

رستے میں ہمیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے　　پہنچے وہ بڑی دیر کے کوثر کے کنارے
اب حال بھی تھا غیر بہت پیاس کے مارے　(۱۱۵)　بولے بھی نہیں، ہم جو کئی بار پکارے
کس بات کی امید رکھے کوئی کسی سے؟
ہم کو یہ توقع تھی نہ عباسِ علیؑ سے!

روکا جو ذرا، رکھ دیے بس کھول کے ہتھیار　　رخصت جو کیا، ہو گئے سر دینے پر تیار
شادی جو ہوئی، بھول گئے جو کہ تھے اقرار　(۱۱۶)　سبقت انھیں زیبا تھی کہ بھائی کے تھے علم دار
ہم راہ ہی مرنے میں مگر لطف بڑا تھا
دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹتے تو بجا تھا

کہہ کر یہ سخن غش ہوئے فرزندِ پیمبرؐ　　صف باندھ کے، سب بیٹیوں نے کھول دیے سر
تھا بیچ میں ان رانڈوں کے عباس کا دلبر　(۱۱۷)　دامانِ قبا منہ پہ دھرے روتے تھے اکبرؑ
ہر چند ہٹاتے تھے، نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
رہ رہ کے پھریرے سے لپٹتی تھی سکینہؑ

چلاتی تھی، کیا کرتے ہو دریا پہ چچا جان؟　　بابا کا برا حال ہے، جلد آؤ میں قربان!
کوثر کا ارادہ ہے تو اللہ نگہبان　(۱۱۸)　مر جائے گی رو رو کے سکینہ یہ رہے دھیان!
جاؤ گے جہاں، جاؤں گی میں ساتھ تمہارے
پانی کے لیے ہائے، کٹے ہاتھ تمہارے

نادان کے اُس بین سے رقت کا ہوا جوش　　پیاسی جو کئی روز کی تھی، ہو گئی بے ہوش
کلثوم نے گودی میں لیا کھول کے آغوش　(۱۱۹)　چلائی یہ زینبؑ کہ ذرا صاحبو، خاموش!
یاں بیٹھ چکیں، روئیو اب لاش پہ چل کر
لوگو، کہیں مر جائے سکینہؑ نہ دہل کر

بس روک دبیرؔ اب تو زباں، خوب ہے رقت　　یہ مانگ دعا، اے پسرِ شاہِ ولایت
ہو جلد عنایت مرے نوّاب کو صحت　(۱۲۰)　تا حشر رہے زیرِ قدم دولت و حشمت
نازاں ہوں، وہی دیں گے صلہ، دل کو یقین ہے
ہے ہاتھ میں یاں مثل نگیں ختم نہیں ہے

مرثیہ ۲۱

عزیزو، فکر کرو تعزیہ اٹھانے کی — جہاں میں دھوم ہے ماہِ عزا کے جانے کی
یہ رات آئی ہے رونے اور رلانے کی (۱) سحر قریب ہے شہ کے گلا کٹانے کی
تمام ہوتے ہیں اس دن رسولؐ روئیں گے
حسینؑ امام بھی اب کل تمام ہوئیں گے

نہ کل حسینؑ ہے، نہ یہ حسینؑ کا دربار — تباہ ہوگی، تمہارے امام کی سرکار
کٹے گا صبح سے، کل باغِ احمدؐ مختار (۲) نہ دن ڈھلے گا کہ جو کٹ چکے گا سب گلزار
شبِ وداعِ امامِ غریب آئی ہے
علیؑ کے لال سے اب سال بھر جدائی ہے

بڑھاؤ فرشِ سیہ کو کہ ہو چکا ہے عزا — اب آج خاک پہ بیٹھے گی فاطمہ زہراؑ
برہنہ سر کو کرو، ننگے سر ہیں شیرِ خدا (۳) عمامہ آج رسولِؐ خدا کے سر سے گرا
سحر، یہ تعزیے سب، زیرِ خاک جائیں گے
مگر حسینؑ نہ مر کے بھی گور پائیں گے

ابھی سے تعزیہ خانے ہیں کچھ اداس اداس — ابھی سے تعزیہ داروں کے اڑ گئے ہیں حواس
سر اپنا پیٹتے ہیں سب محب بہ حالتِ یاس (۴) علم کے پاس تو کوئی ہے، کوئی تعزیے پاس
دعائیں، روحِ نبیؐ مومنوں کو دیتی ہے
اور ایک ایک کی، زہراؑ بلائیں لیتی ہے

ہر ایک باجے کی، سن لو، بدل گئی ہے صدا — اگر صدا ہے تو یہ ہائے سیدُ الشہداؑ
ہر اک دُہل کی یہ آواز ہے کہ واویلا (۵) سنو، بغور، صدا دے رہا ہے نقارا
قدم کو آج بہشت بریں میں دھرتے ہیں
حسین تعزیہ خانے سے کوچ کرتے ہیں

جہاں سے کوچ یہ کرتا ہے کون بے چارہ — کہ سینہ پیٹتا ہے چوب سے جو نقارا
یہ اس کا کوچ ہے جو فاطمہؑ کا ہے پیارا (۶) یہ اس کا کوچ ہے جس کو کہ شمر نے مارا
ہزار حیف، چلا غم امامِ عالی کا
جہاں سے کوچ ہے دونوں جہاں کے والی کا

حسینؑ ہوئیں گے، کل دوپہر، رن میں قتیل ہر اک مقام سے، پانی کی کل اٹھے گی سبیل
نہ کل یہ بزم ہے نہ قمقمہ نہ یہ قندیل (۷) سحر بجھے گا چراغِ رسولِؐ ربِّ جلیل
بتولؑ کھول کے بالوں کو خاک اڑائے گی
سحر کو مسندِ شبیرؑ الٹی جائے گی

نہ زندگی پہ ہو نازاں نہیں ہے اس کو ثبات کسے خبر ہے کہ دیکھیں گے پھر یہ دسویں رات
وہ لوگ، سال گزشتہ تھے جو بہ قیدِ حیات (۸) کہاں ہیں آج؟ جو روئیں یہاں بتولؑ کے سات
مگر یقیں ہے کہ اِس شب کو وہ نہ سوئیں گے
لحد میں، ماتمِ شبیرؑ کر کے، روئیں گے

حسینؑ کہتے ہیں، یارو، ہمیں وداع کرو! بتولؑ کہتی ہے تم سے کہ مجھ کو پرسا دو
حسینؑ امام کو جی بھر کے آج تم رو لو (۹) بہت ٹھہرنے کی فرصت نہیں ہے اب مجھ کو
مجھے بھی بی بیوں کے ساتھ بیٹھ رونا ہے
ہر ایک تعزیہ خانے میں مجھ کو جانا ہے

تمام ہوتا ہے ماتم، اٹھاؤ آج علَم کہ کل حسینؑ کے بازو کے ہاتھ ہوں گے قلم
لگے گا مشکِ سکینہؑ پہ ناوکِ اظلم (۱۰) لبِ فرات پہ عباسؑ ہوئیں گے بے دم
معِ سپاہ حسینی، بہشت جاوے گا
علم اٹھاؤ، اِسے کون اب اٹھاوے گا

تم آج فاطمہؑ کے ساتھ کر لو آہ و بکا کہ کل تو بیٹھ کے لاشے پہ روئیں گی زہرؑا
جنابِ حیدرؑ و صفدر کو دے لو تم پرسا (۱۱) کہ کل وہ روئیں گے عباسؑ کو لبِ دریا
نظر، جو پہلی سی رونق، نہیں وہ آتی ہے
رسولؐ جلتے ہیں یاں سے، بتولؑ جاتی ہے

یہاں بہشت سے، کل شب جو آئیں گی زہرؑا پسر کا تعزیہ اِس جا نہ پائیں گی زہرؑا
زمیں پہ لوٹیں گی اور خاک اڑائیں گی زہرؑا (۱۲) یہ حوریوں کو بہ رقت سنائیں گی زہرؑا
کہاں ہے تعزیہ جس کے نثار جاؤں میں؟
گلے سے قبرِ حسینؑ و حسنؑ لگاؤں میں!

یہ کل کی بات ہے، یاں مومنین تھے ننگے سر   وہاں اگر تھا تو یاں شمع اور تھا منبر
اب آج کوئی نہیں اِس جگہ پہ ننگے سر (۱۳)   پڑا اداس ہے کیا ماتمِ حسینؑ کا گھر

شبِ گذشتہ یہاں فرطِ شورِ ماتم تھا
یہاں علم تھا، یہاں تعزیہ حسینؑ کا تھا

بتولِؑ پاک سے حوریں کہیں گی یہ رو کر   کہ تعزیوں کو کیا دفن خاک کے اندر
بتولؑ ان سے یہ فرمائیں گی، بہ دیدۂ تر (۱۴)   پڑا ہے خاک پہ بے گور سبطِ پیمبرؐ

پسر کے رنج سے نالاں بتولؑ کا دل ہے
مرا حسین، نہیں کیا لحد کے قابل ہے

سر اپنا کھول کے زینبؑ بھی خاک اڑاتی ہے   کبھی وہ بازوئے سجادؑ کو ہلاتی ہے
ہلا ہلا کے کبھی شانہ یہ سناتی ہے (۱۵)   یہ رات جاتی نہیں، مری جان جاتی ہے

اٹھو مریض! کہ اب ہم تباہ ہوتے ہیں
پدر کے کوچ کی شب ہے اور آپ سوتے ہیں

اٹھو، حسینؑ کی آج آخری زیارت ہے   گلے سے باپ کے مل لو کہ ان کی رحلت ہے
نبیؐ کی آل پہ کل بے کسی اور آفت ہے (۱۶)   نہ سوؤ اتنا، کہ سوتی تمہاری قسمت ہے

حسینؑ تیغِ جفا اپنے حلق پر لے گا
بتا، مریض، تجھے کون کل دوا دے گا

کبھی نجف کی طرف دیکھ بادلِ ناشاد   بیان کرتی تھی یہ زینبؑ خجستہ نہاد
تباہ ہوتے ہیں سادات، یا علی فریاد! (۱۷)   تمہاری آل کے اوپر ہے کس قدر بیداد

زمانہ، دل برِ زہراؑ سے، پھر گیا، بابا!
حسینؑ آپ کا، نرغے میں گھر گیا، بابا!

صدا علیؑ کی ہے زینبؑ کے کان میں آتی   کہ آج، روح ہے میری، لحد میں گھبراتی
یہاں میں روتا ہوں تو پیٹتی ہے واں چھاتی (۱۸)   یہ رات دیکھ تو تجھ پر ہے کیا بلا لاتی

زمیں پہ رنج سے میں بار بار گرتا ہوں
جگر کو تھامے ہوئے گردِ خیمہ پھرتا ہوں

یہ تذکرہ تھا کہ ناگہ ہوئی سحر بھی عیاں — وداعِ ہو کے چلے قتل گہ کو شاہِ زماں
اُلٹ کے مسندِ شبیرؑ روئے خورد و کلاں (۱۹) — جنابِ فاطمہؑ کبریٰ نے سر کیا عریاں
پکاری، فضہ، اٹھو، شاہ رن میں آتے ہیں
جہاں سے، پنج تن پاک، آج جاتے ہیں

کتاب معتبرہ میں یہ، مومنو، ہے لکھا — گئے تھے خیمے سے اِک دو قدم، شہ دوسرا
کہ ذوالجناحِ جنابِ حسینؑ ٹھہر رہا (۲۰) — لگایا شاہ نے کوڑا، مگر قدم نہ ہلا
کیا خیال کہ جینے سے یہ نراسا ہے
چلے تو کیا چلے، یہ تین دن سے پیاسا ہے

حسینؑ فکر میں روتے تھے بادلِ ناچار — کہ آئی کان میں آوازِ احمدِ مختار
حسینؑ، تری غریبی پہ ہے رسولؐ نثار (۲۱) — اگرچہ چل نہیں سکتا ہے پیاس سے رہوار
پیادہ پا طرف قتل گاہ جاؤ تم
کٹا کے حلق کو، امت کو بخشواؤ تم

اگرچہ آپ کے پاؤں میں ہے نہیں طاقت — کہ تین روز سے ہے تم پہ پیاس کی شدت
بدن پہ زخم لگے ہیں، یہ غیر تھی صورت (۲۲) — مگر یہ جان لو ہے وقت بخششِ امت
گلا کٹانے میں تاخیر مت کرو، بیٹا!
ہمارا دوش تو حاضر ہے بیٹھ لو بیٹا!

حسینؑ خوب سا روئے نبیؐ کا سن کے کلام — کہا، نہ کیجے تشویش، یا رسولِ انام
تمہارے مومنو پر، ہوئے گا نثار، غلام (۲۳) — یہ کہہ کے گھوڑے سے کہنے لگے یہ خلق تمام
زیادہ مجھ سے، تجھے اپنی جان پیاری ہے
اٹھا قدم کہ مری آخری سواری ہے

رسولؐ کہتے ہیں مجھ سے کہ حلق جلد کٹا — بتولؑ کہتی ہے، جنت میں جلد آ بیٹا!
حسینؑ مرنے کو جاتا ہے، جلد پاؤں اٹھا (۲۴) — کہا یہ اسپ وفادار نے کہ اے مولا!
میں کیا کہوں کہ ہے اِس وقت جو ملال مجھے
فغانِ فاطمہؑ زہرا کا ہے خیال مجھے

مجھے یہ فکر ہے، محشر میں پوچھیں گی زہراؑ تو میرے بیٹے کو کیوں قتل گہ میں لے کے گیا؟
تمہاری والدہ صاحب سے تب کہوں گا کیا (۲۵) اور اس الم کے سوا ایک غم ہے اور آقا!
قدم اٹھاؤں میں کیا، جان اضطراب میں ہے
سکینہؑ آپ کی، لپٹی ہوئی رکاب میں ہے

حسینؑ کود پڑے خاک پر بہ چشم پُر آب لیا سکینہؑ کو گودی میں بادلِ بے تاب
کہا کہ روتی کیوں ہو مجھے ز راہ صواب (۲۶) رکاب موت نے تھامی ہے، چھوڑ دے تو رکاب
یہ آپ سے ہے وصیت نبیؐ کے جانی کی
ہمارے نام کی رکھنا سبیل پانی کی

بٹھا کے بیٹی کو خیمے میں بادلِ ناکام میں کس زبان سے اس روز کا لکھوں انجام
وہ دن تمام ہوا کیا، ہوئے حسینؑ تمام (۲۷) ہوئے روانۂ میدانِ کارزار، امام
مسافروں کو، قضا نے، سفر میں لوٹ لیا
علیؑ کے باغ کو، اک دوپہر میں، لوٹ لیا

سپاہِ ظلم میں شبیرؑ رہ گئے ششدر گئے بہشت میں انصار، حلق کٹوا کر
فراقِ اکبرؑ و عباسؑ میں برہنہ سر (۲۸) کمر پہ ہاتھ کبھی اور کبھی کلیجے پر
بتولؑ روتی تھی، ظالم مگر نہ ڈرتے تھے
ثواب جان کے، سید کو قتل کرتے تھے

گرا زمین پہ ناگاہ دلبرِ زہراؑ اُدھر سے شمر چلا اور ادھر سے آئی قضا
وہ بوسہ گاہِ محمدؐ، وہ پھول سا سینا (۲۹) قدم کو بے ادبی سے وہیں، شقی نے دھرا
بتولؑ قبر میں رو رو کے منہ کو ڈھانپتی تھی
پڑی تھی پاس جو اکبرؑ کی لاش، کانپتی تھی

درِ خیام کا زینبؑ نے پردہ جو اُلٹا کوئی بہن نہ وہ دیکھے جو اس نے واں دیکھا
بہ زیرِ تیغ، شہِ دیں کو، لوٹتا پایا (۳۰) کہا یہ شمر سے، ظالم جو اس کو ذبح کیا
یتیم ہوگی سکینہؑ رسولؐ روئے گا!
پکارا شمر کہ مجھ کو ثواب ہوئے گا!

حسینؑ امام نے مظلومیت سے تب یہ کہا کہ تیرے بس میں ہے اے شمر، ابنِ شیرِ خدا
یہی خوشی ہے اگر تیری، کاٹوں خشک گلا (۳۱) ہمیں قبول ہے، تو ذبح کر ہمیں پیاسا
مگر یہ رحم کر ابنِ بتولؑ پر، ظالم!
دکھا دے لا کے سکینہ کو اک نظر، ظالم

سکینہؑ بھی درِ خیمہ پہ تھی کھڑی اس آن پکاری بیٹی کہ کیا پوچھتے ہو، بابا جان
سکینہ تو درِ خیمہ پہ کر رہی تھی فغان (۳۲) بہ زیرِ تیغ بھی بھولا نہ تم کو میرا دھیان
پکارے شہ، میں یتیمی پہ تیری مرتا ہوں!
خدا کی حفظ میں تجھ کو وداع کرتا ہوں!

یہ سینہ پیٹنے کی جا ہے، اے عزادارو! کہا یہ شمر نے شہ سے کہ اے شہ خوش خو!
یہ بے کسی، یہ غریبی کسے دکھاتے ہو؟ (۳۳) یتیم ہوئے سکینہ، نہیں ترس مجھ کو!
بلائیے کوئی وارث کہ جو بچا جاوے
قضا کے دام سے، اگر کوئی چھڑا جاوے

اگرچہ آپ بھی سید ہیں اور امامِ انام مگر نہیں ہے کسی کی مجال، اے ناکام
کہ میرے ہاتھ کو اس وقت آ کے لیوے تھام (۳۴) ستم کی تیغ سے کٹنے نہ دے گلوئے امام
اگرچہ آئیں محمدؐ بھی اب مدینے سے
یہ دخل کیا کہ اٹھوں آپ کے میں سینہ سے

کہا حسینؑ نے، اے شمر، کر نہ یہ گفتار مدد کسی کی نہیں ہے حسینؑ کو درکار
تمام خلق کا مشکل کشا ہوں میں ناچار (۳۵) کہ مجھ حسینؑ کا وارث ہے خالقِ مختار
نہیں، حسینؑ سے وارث، کسی کے ہوتے ہیں
وہ میرے گرد کھڑے پیٹ پیٹ کے روتے ہیں

یہ کہہ کے شمر سے بولا وہ فاطمہؑ کا پسر کہ میرے داہنے پہلو کو دیکھ تو پھر کر
نگاہ کی جو ستمگار نے، یہ آیا نظر (۳۶) عمامہ خاک پہ ہے، پیٹتے ہیں پیغمبرؐ
حسینؑ ابنِ علیؑ پر نثار ہوتے ہیں
بدن سے لپٹے ہیں، زار و نزار روتے ہیں

یہ حال دیکھ کے جلاد گر پڑا غش ہو   جب آیا ہوش تو اس سے یہ بولے شہ، رو رو
بتا، حسینؑ کا وارث نظر پڑا تجھ کو؟ (۳۷) نگاہ، بائیں طرف کر، ذرا تو اے بدخوا!
نگہ جو شمر نے کی خوفِ جاں ہوا اس کو
خدا کا شیر، کھُلے سر، نظر پڑا اس کو

یہ حادثہ نظر آیا تو گر پڑا خوں خوار   جو آیا ہوش تو واں سے چلا بہ حالتِ زار
کہا یہی پسرِ سعد سے کہ اے سردار (۳۸) چلے گی مجھ سے نہ حلقِ حسینؑ پر تلوار
گلے پہ شہ کی رواں تیغ مجھ سے کیا ہوئے
رسول اس کی جو بالین پر کھڑا ہوئے

کہا یہ تب پسرِ سعد نے کہ اے جرّار   یہ سحر آلِ نبیؐ ہے، نہ خوف کر زنہار!
یہی تو وقتِ شجاعت ہے، زور کر اظہار (۳۹) نہ کر ذرا ادب روحِ احمدِ مختار
نہ زندہ چھوڑ، تو اس تین دن کے پیاسے کو
دکھا دکھا کے انھیں، ذبح کرو اسے کو

یہ سن کے سینۂ شہ پر ہوا وہ آ کے سوار   بہت سا خاک پہ لوٹا رسولؐ کا دل دار
کہا یہ شمر سے، اب دیکھ پشت کو اک بار (۴۰) نگہ جو شمر نے کی، دیکھے حشر کے آثار
کہ بال تو ہیں کھلے اور غُل مچاتی ہے
جنابِ فاطمہؑ مقتل کی خاک اڑاتی ہے

کھلے ہیں گیسوئے مشکین فاطمہ زہراؑ   لگی ہے چہرۂ اقدس پہ خاک کرب و بلا
یہ حال دیکھ کے بھی، ہائے، وہ لعیں نہ ڈرا (۴۱) گلے پہ شہ کی رکھی تیغ اور یہ بولا
میں ذبح کرتا ہوں اس گُل عذار کو، دیکھو!
بتولؑ، تم مرے خنجر کی دھار کو، دیکھو!

صدا بتولؑ کی آئی وہاں، بھلا ظالم!   خوشی ہو تیری جہاں تک، مجھے ستا ظالم!
گِلا کروں گی نہ ہرگز، مجھے رُلا ظالم! (۴۲) مرے حسینؑ کو پانی مگر، پلا ظالم!
رُلا نبیؐ کو، مجھے قبر میں نہ سونے دے!
سزا کو پہنچے گا، محشر کا دن تو ہونے دے!

جواب دو مجھے انصاف سے تم اہلِ عزا
گلے سے شاہ کے نسبت ہے، تیغ و تیر کو کیا
وہ حلقِ خشک لگا کاٹنے پھر اہلِ جفا (۴۳)
خدا کی دے کے دُہائی یہ فاطمہؑ نے کہا

اٹھالے تیغ کہ بوسہ گلے پہ دے لوں میں
ٹھہر ٹھہر کہ بلائیں پسر کی لے لوں میں

اسی کے واسطے زہراؑ نے آسیا پیسی
اسی کے واسطے کی فاطمہؑ نے فاقہ کشی
ہوئے گرم نہ میرے حضور اس کو لگی (۴۴)
اب آج پیشِ نظر اُس پہ چل رہی ہے چھری

نبیؐ و حق سے نہیں، شمر، ہائے ڈرتا ہے
کہ ماں کی گود میں بیٹے کو ذبح کرتا ہے

ہزار حیف، کیا شمر نے نہ خوف ذرا
دکھا کے فاطمہؑ کو حلق شاہ کا کاٹا
زمیں پہ بیٹے کا لاشہ جو لوٹتا دیکھا (۴۵)
یہ بین کرنے لگی سر کو پیٹ کے زہراؑ

ہوئے رسولؐ کی امت پہ تم فدا بیٹا
نثار تری غریبی کے فاطمہ زہراؑ

مجھے بتاؤ تو روؤں میں کیا تمہیں کہہ کر
تمہیں حسینؑ کہوں یا کہ بے کس و مضطر
تمہیں غریب کہوں یا کہ بے کس و مضطر (۴۶)
تمہیں غریب کہوں یا کہ کشتۂ خنجر

یہ ظلم گرچہ ستم گار کا نرالا ہے
کہ ماں کی گود میں بیٹے کا سر اُتارا ہے

خبر ہے کچھ بھی کہ زینبؑ کی چھنتی تھی چادر
پسر ہوشیر خدا کے، بچاؤ تم جا کر
اٹھو حسینؑ، کہ بانوؑ ہوئی ہے ننگے سر (۴۷)
اٹھو حسینؑ سکینہؑ کے چھن گئے ہیں گہر

مدد کو جاؤ تم، اہلِ حرم بُلاتے ہیں
اٹھو حسینؑ کہ سادات لوٹے جاتے ہیں

دبیرِ خستہ، قلم روک، دل ہوا افگار
دعا یہ مانگ خدا سے بہ دیدۂ خوں بار
بہ حقِ احمدِ مختار و حیدرِ کرار (۴۸)
بہ حقِ شبّرؑ و شبیرؑ فاطمہؑ اطہار

نہ کوئی رنج میں آفاق میں سہوں یا رب
حسینؑ امام کی برکت سے خوش رہوں یا رب

مرثیہ ۲۲

مومنو! اشک بہاؤ کہ محرم آیا سید و بیکس و مظلوم کا ماتم آیا
مہ نو چرخ پہ غم سے بقد خم آیا (۱) جوش میں فاطمہؑ کا دیدۂ پرنم آیا

نوحہ خواں خلد سے اب روحِ رسولؐ آئیگی
تعزیہ خانوں میں رونے کو بتولؑ آئیگی

یہ مہینا وہ مہینا ہے کہ اے اہل عزا خاتمہ پنجتن پاک کا دس دن میں ہوا
اس مہینے میں کٹا سبطِ پیمبرؐ کا گلا (۲) اس مہینے میں لٹا باغ جناب زہراؑ

بیٹیاں بلوؤں میں سر ننگے پھریں زہراؑ کی
ان ہی روزوں میں سکینہؑ ہوئی بن بابا کی

اپنے ماجائے سے ان روزوں میں زینبؑ چھوٹی ان ہی روزوں میں بہو فاطمہ کی رانڈ ہوئی
ان ہی روزوں میں لٹی فاطمہؑ کی سب کھیتی (۳) ان ہی روزوں میں چھری دل پہ محمدؐ کی چلی

چھاؤنی چھائی ہے جنگل میں شہ والا نے
ان ہی روزوں میں اجاڑی تھی زمیں زہراؑ نے

ان ہی روزوں میں تو ٹوٹی شہ بیکس کی کمر ان ہی روزوں میں جوان مارے گئے ہیں اکبرؑ
اس مہینے میں کٹا حضرت عباسؑ کا سر (۴) تیر سے حلق چھدا کر ہوئے بے جاں اصغرؑ

دفعتہً خلق سے موقوف یہ انصاف ہوا
ہائے دس روز میں گھر فاطمہؑ کا صاف ہوا

اس مہینے کا فلک پر جو نکلتا ہے ہلال سب فرشتوں سے یہ کہتا ہے خدائے متعال
طرف روئے زمیں جا باندھ کے ملال (۵) میرے محبوب کی اب بیٹی نے کھولے ہیں بال

آج سب اہل عزا صرف ہیں خونباری میں
جاؤ مشغول ہو بیکس کی عزاداری میں

تعزیہ ہو مرے شبیرؑ کا جس جا برپا اور وہاں جمع اگر ہوں نہ بہت اہل عزا
باندھ کر حلقہ وہاں کیجیو ماتم شہ کا (۶) رہے سنسان نہ بزم پسرِ شیرِ خدا

آفریں آفریں جا کر کہو بے چاروں کو
مرے شبیرؑ کا پرسا دو عزاداروں کو

پہلی تاریخ محرم کی جو ہوتی ہے آہ   حوریں پوشاک لگا کر وہیں کشتی میں سیاہ
قبر زہراؑ پہ ہیں جاتی بفغانِ جانکاہ (۷)   فاتحہ پڑھ کے یہ چلاتی ہیں باحال تباہ

پہنئے ماتمی ملبوس کہ ماتم آیا
اٹھو اے فاطمہؑ اٹھو کہ محرم آیا

لحد میں فاطمہؑ سے آئی ہے حوروں کی صدا   نیند کہتے ہیں کسے چین کجا خواب کجا
قبر میں آنکھ جھپکتی ہے اگر میری ذرا (۸)   کربلا سے مجھے دیتے ہیں یہ شبیرؑ صدا

دل بے تاب تسلی نہیں دیتا اماں
غم اکبرؑ ہمیں سونے نہیں دیتا اماں

میں یہ کہتی ہوں اس آواز کی اماں قرباں   داغ فرزند ہوتا ہلتی مری جاں (کذا)
تم تو واں روتے ہو اور فاطمہؑ روتی ہیں یہاں (۹)   میرے پہلو میں تو سوتا ہے ترا لال جواں

تڑپے کس طرح نہ زہراؑ ترے غم سے بیٹا
تیرا مرقد تو بہت دور ہے ہم سے بیٹا

پھر یہ فرماتی ہیں حوروں سے جناب زہراؑ   تعزیہ کس نے لیا ہوگا میرے بیٹے کا
نہ حسنؑ ہیں نہ علیؑ ہیں نہ رسولؐ دوسرا (۱۰)   حوریں کہتی ہیں کہ ایسی بھی ہے اک خلق خدا کی

دل سے مصروفِ عزائے شہ دیں ہوتے ہیں
چل کے دیکھو تو کہ کس شور سے وہ روتے ہیں

قبر سے نکلے گی روتی ہوئی زہراؑ باہر   اور وہ پہنے گی ملبوس سیہ رو رو کر
سر اقدس پہ نہ اوڑھیں گی مگر وہ چادر (۱۱)   حوریں پوچھیں گی تو فرمائینگی وہ پیٹ کے سر

کس طرح فاطمہؑ کو خواہشِ چادر ہوئے
قبر میں زینبؑ بیکس جو کھلے سر ہوئے

چاک کر دامنِ پوشاک کو وہ بے چاری   قبر زینبؑ پہ ہے جاتی بفغان و زاری
رو کے چلاتی ہے وہ بنت رسولؐ باری (۱۲)   آیا ہے ماہ عزا اے میری زینبؑ پیاری

گوشۂ قبر میں تم ہاتھوں کو کیا ملتی ہو
بھائی کے تعزیہ خانے میں نہیں چلتی ہو

آئیں گی قبر سے روتی ہوئی زینبؑ باہر روئیں گی فاطمہؑ زہراؑ کے گلے مل مل کر
تعزیہ خانے میں پھر آتی ہے وہ ننگے سر (۱۳) روتی ہے ساتھ عزاداروں کے بادیدۂ تر
آجکل شہر میں رقت جو بہت ہوتی ہے
جا بجا روحِ بتولؑ عذرا روتی ہے

اس مہینے کا اب احوال سنو اے یارو ہفتم ماہ محرم کو امام خوش خو
کربلا میں ہوئے وارد مع انصار جو (۱۴) تب زمیں سے یہ صدا آئی کہ ٹھہرو ٹھہرو
اترو آباد کرو گود ہماری شبیرؑ
میں تو مشتاق تھی مدت سے تمہاری شبیرؑ

یہ صدا سن کے شہ دیں نے رفیقوں سے کہا خیمے برپا کرو اب خاتمہ بالخیر ہوا
اسی صحرا میں کٹے گا شہ بیکس کا گلا (۱۵) اسی جنگل میں سدا روئیں گی آکر زہراؑ
برچھی کھا کر علی اکبرؑ یہیں جی کھوئیں گے
یہیں محبوب خدا آویں گے اور روئیں گے

کہکے یہ گھوڑے سے اترا پسر شیر الٰہ آئی اس وقت محمدؐ کی صدا بسم اللہ
شہ نے فرمایا یہاں آپ کہاں اے ذیجاہ (۱۶) کہا محبوب الٰہی نے کہ اے نورِ نگاہ
آئی ہے ساتھ ترے روح ہماری بیٹا
ہم بنا دیں گے یہاں قبر تمہاری بیٹا

آپ جس روز سے نکلے ہیں وطن سے باہر میں بھی قبر کو اس روز سے چھوڑا رو کر
تم کو تھاموں گا جو روؤ گے بہ زیرِ خنجر (۱۷) پسر فاطمہؑ بولا میں تصدق تم پر
حلق کٹنے کا تو بابا نہیں غم ہے مجھ کو
آپ کی قبر سے چھٹنے کا الم ہے مجھ کو

ناگہاں آکے یہ عباسؑ دلاور نے کہا بھائی کفار نے دریا کو تو ہے روک لیا
اور لبِ نہر سے اٹھوا دیا خیمہ شہ کا (۱۸) شہ نے فرمایا جو قسمت میں لکھا تھا سو ہوا
پیاس سے جب کہ تڑپ کر علیؑ اصغر رویا
لبِ کوثر پہ بہت ساقیِ کوثر رویا

آخر کار ہوئی جب سحر قتل عیاں اور کفن اپنا پہن کر ہوئے شبیرؑ رواں
ہو گیا رن میں قلم بازغ رسولؐ دوجہاں (۱۹) رہ گیا بالتن تنہا وہ شہ مظلوماں
شیر زخمی کی طرح سبط نبیؐ جھومتے تھے
کبھی ہاتھوں کو کبھی تیغ علیؑ چومتے تھے

تھا ہزاروں کا ہجوم اک شہ بیکس پر ابر رحمت پہ ہوئی بارش شمشیر و تبر
گر پڑا خاک پہ غش کھا کے علیؑ کا دلبر (۲۰) شمر سینے پہ چڑھا ہاتھ میں لے کر خنجر
بولے جبرئیل کہ اب شیر خدا روتا ہے
قبر زہراؑ کا چراغ آج یہ گل ہوتا ہے

غش سے جس وقت کھلی چشم جناب شہ دیں ہر طرف دیکھ کے بولے یہ باواز حزیں
ہائے وارث پسر فاطمہؑ کا کوئی نہیں (۲۱) پھر کہا شہ نے اتر سینے سے اے شمر لعیں
تیرے مذہب میں مگر رحم نہیں کرتے ہیں
ارے ملعون میرے سب زخم پھٹے پڑتے ہیں

گر نبیؐ زادے کا اے شمر تو کاٹے گا گلا کاٹیو حلق مرا کاٹیو زانو تو اٹھا
وقفہ کر اتنا خدا کے لئے اے اہل جفا (۲۲) چل چکی ہیں چمن خلد سے اماں زہراؑ
اب خبر چار طرف میری شہادت کی ہے
آمد آمد یہاں خاتون قیامت کی ہے

آئی ناگاہ یہ آواز کہ اے ماہ لقا آن پہنچی ہے یہاں پسر کے یہ بیکس زہراؑ
شمر سے تب شہ مظلوم نے اس وقت کہا (۲۳) پاؤں سینے سے ہٹا فاطمہ لے گی بوسا
اماں جاں آئی ہیں واجب ہے کہ تعظیم کروں
میرے سینے سے اتر تو کہ میں تسلیم کروں

شمر بولا کہ میں اک دم نہ کروں گا تاخیر قتل کرنے کا یہی وقت تو ہے اے شبیرؑ
آپ کے حلق پہ زہراؑ ابھی تو دیکھے شمشیر (۲۴) وہ جو بیٹھے تو میرے دل کو خوشی ہو گی کثیر
جلتی ریتی پہ تن سید والا تڑپے
آپ تڑپیں ادھر اس سمت کو زہراؑ تڑپے

تب یہ زہراؑ سے کہا شاہ نے بارنج والم   شمر سینے سے اترتا نہیں مجبور ہیں ھم
اپنے فرزند کو چھاتی سے لگا لو اس دم   (۲۵) ہائے یہ سینہ مرا اور یہ موذی کے قدم
شکل دکھلائیے جلدی مجھے چین آئے گا
آنکھوں میں سینے کا اٹکا ہوا دم نکلے گا

سن کے یہ خاک اڑاتی ہوئی آئی زہراؑ   اور حوروں سے کہا اب نہیں دیکھا جاتا
میرے شبیرؑ کے سینے پہ ستمگر ہے چڑھا   (۲۶) باندھو رومال میری آنکھوں پہ از بہر خدا
اب ستم دیکھنے کی تاب نہیں لاؤں گی
عرش کا پایہ پکڑ کر ابھی چلاؤں گی

حکم زہراؑ کا بجالائیں جو حوریں ناچار   لیں بلائیں شہ مظلوم کی پہلے کئی بار
سر کو زانو پہ رکھا فاطمہؑ نے آخر کار   (۲۷) شمر نے گردن شبیرؑ پہ رکھی تلوار
شمر کے ظلم سے کیا روح علیؑ روتی تھی
روک لیتا تھا جو نہیں تیغ رواں ہوتی تھی

حسنؑ و احمدؐ و حیدرؑ جو تھے اس جا پر   تھامے احمدؐ نے نواسے کے قدم رو رو کر
لپٹے شبیرؑ کے بازو سے جناب حیدرؑ   (۲۸) یعنی تڑپے کہیں شبیرؑ نہ زیر خنجر
کہتی تھی فاطمہؑ چھاتی مری کیا جلتی ہے
شمر کی تیغ کلیجے پہ میرے چلتی ہے

اپنے نانا سے یہ شبیرؑ نے اس وقت کہا   یا محمدؐ میرے قاتل کو نہیں علم ذرا
کیا کھڑے روتے ہو آیہ پڑھو قربانی کا   (۲۹) تاکہ مقبول شہادت ہو بدرگاہِ خدا
گر یونہی اپنے گلے سے مجھے لپٹاؤ گے
مجھکو یہ خوف ہے تم خون میں بھر جاؤ گے

اس گھڑی کہنے لگا آپ خداوند کریم   صبر شبیرؑ کا تو دیکھ آئے ابراہیم
نہ تڑپتا ہے نہ غمگیں ہے یہ حیدرؑ کا یتیم   (۳۰) دیکھ تو حیدرِ صفدر کی رضا و تسلیم
حلق ہے تیغ تلے فاطمہؑ کے جانی کا
آیہ پڑھتا ہے محمدؐ میرا قربانی کا

میں نے شبیرؑ کو کونین کا مختار کیا سب شہیدوں کا اُسے سید سالار کیا
بھوکے پیاسے نے بڑا نام بڑا کار کیا (۳۱) شکر ہی میرا تہ خنجر خونخوار کیا

سلطنت حشر کی بس قسمتِ شبیرؑ میں تھی
یہ شہادت ترے بیٹے کی تقدیر میں تھی

ہائے بے رحم تھا وہ شمر ستمگر کیسا بارہ رگڑوں میں سر شاہ کیا تن سے جدا
کاٹ کر شاہ کا سر سینے سے ظالم اترا (۳۲) سر کو لے ہاتھ میں خوش ہو کے لشکر وہ چلا

جا کے لشکر میں کہا لو سرِ سرور آیا
خاتمہ پنجتنِ پاک کا میں کر آیا

اس گھڑی فاطمہ کو ضبط کا یارا نہ رہا گرد لاشے کے کیا احمدؐ و حیدرؑ کو کھڑا
کہا حوروں سے کہ عریاں کرو سر اپنا (۳۳) ماتم بیکس و مظلوم کرو یاں برپا

اے دبیرؔ اس گھڑی کیا سینہ زنی ہوتی تھی
پڑھکے نوحہ جو بتولِؑ عذرا روتی تھی

مرثیہ ۲۳

جب نہر پر حسینؑ برادر کو رو چکے   یعقوب کی طرح علی اکبرؑ کو رو چکے
تربت بنا کے ننھی سی اصغر کو رو چکے (۱)   اک دو پہر میں تھوڑے سے لشکر کو رو چکے
سیدانیوں سے جا کے کہا شور و شین سے
لو اب زمانہ ہوتا ہے خالی حسینؑ سے

اے اہلبیتؑ احمدِ مختار الوداع   اے دختران حیدرؑ کرار الوداع
نعرہ کیا حرم نے بھی ایکبار الوداع (۲)   اے بیکسوں کے قافلہ سالار الوداع
پر قہر ہے جدائی شہ خوشخصال کی
ہے ہے ابھی سکینہؑ ہے کل تین سال کی

زینبؑ لپٹ گئی شہ عالی وقار سے   باہیں گلے میں ڈال دیں بھائی کے پیار سے
ہوش اڑ گئے یہ روئی کہا اضطرار سے (۳)   اے لوگو فاطمہؑ کو بلا لو مزار سے
بھائی حسینؑ آس میری توڑ جاتے ہیں
اماں نے جن کو سونپا تھا وہ چھوڑ جاتے ہیں

منت کبھی سکینہؑ کی کرتی تھی وہ حزیں   بی بی سفارش آ کے کرو باپ سے تمہیں
گاہے ندا یہ تھی طرف زین عابدیں (۴)   واری پھوپھی کے لٹنے کی تم کو خبر نہیں
بھائی سے کہہ رہی تھی نہ مرنے کا نام لو
بیوؤں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لو

کہتے تھے شاہ کشتئ امت پہ کر نگاہ   ہو جائیں وہ تباہ اگر ہم نہ ہوں تباہ
وہ رو کے عرض کرتی تھی اے بیکسوں کے شاہ (۵)   پھر ہم غریب کس کی ڈھونڈیں گے پناہ
جاتے تو ہو سپرد ہمیں کس کے کرتے ہو
وارث سب اپنے مر چکے اب تم بھی مرتے ہو

لہ ن ۔ جب ظہر تک حسینؑ بہتر کو رو چکے

خیر ایک شرط سے تمہیں دیتی ہوں میں رضا کنبہ تمہارے دم سے تھا اب کون ہے میرا
تم سر سے اٹھتے ہو میرا پردہ بھی اٹھ چکا (۶) ارمان سب نکل چکے اب ہے یہ مدعا

اٹھارہ سال کی میری دولت لے آؤ تم
مقتل سے پہلے میری امانت لے آؤ تم

زیرِ قنات نانا کی مسند بچھائیے اکبرؑ کی لاش گنج شہیداں سے لائیے
مسند پہ میرے شیر کا مردہ لٹائیے (۷) اور مجھکو ایک سیہ کفنی اب پنہائیے

کھولوں گی سر کے بال تن پاش پاش پر
بھیا فقیر ہوؤں گی میں اکبرؑ کی لاش پر

شہ بولے ساتھ بھائی کے سر کا نہ دو گے کیا ہمراہ میرے سر کے پھرو گی نہ بے ردا
بندھواؤ گی نہ ساتھ سکینہؑ کے تم گلا (۸) زینبؑ میری یتیم سے ہو جاؤ گی جدا

لاشِ پسر پہ تم کو فقیری کا شوق ہے
تیرے لئے تو زیور و زنجیر و طوق ہے

یہ کہکے قتل گہہ کو چلے شاہِ کربلا شور الوداع کا ہوا اور الفراق کا
کوئی رکاب دار جلو دار تو نہ تھا (۹) رہوار نے سوار کی غربت پہ رو دیا

تھامے ہوئے رکاب شہ کربلائی کو
زینبؑ سوار کرتی تھی مظلوم بھائی کو

لکھا ہے راویوں نے قسم کھا کے یک قلم اس وقت کا وہ جاہ و جلالِ شہِ امم
تا عہدِ زیست ہم کو نہ بھولے گا ایک دم (۱۰) وہ کیا جلال و جاہ تھا کرتا ہوں میں رقم

باقی نہیں ہے دیر جو قتلِ امام میں
ہیں روحیں سب بزرگوں کی حاضر رکاب میں

حاضر جلو میں لشکرِ نصرت حشم حشم اور کبریا کے ظل حمایت علم علم
پابوس ذوالجناح ملائک قدم قدم (۱۱) فرماں عرب عرب تو حکومت عجم عجم

نہ باغ آسماں پہ بیاباں کو غرہ ہے
نکہت چمن چمن ہے ضیا ذرہ ذرہ ہے

روح الامیں لئے طبق گوہر درود　　روح القدس کے ساتھ گن رحمت ودود
حق کی طرف سے لشکر اختر کا ہے ورود [12]　　اللہ رے شکوہ شہ با سخا وجود

خاصان کبریا کے یہ باہم بیان ہے
اے جل شانہٗ کہ یہ خالق کی شان ہے

مشرق ہے ایک دور میں قصر شکوہ شاہ　　اک مہر جیسے روز نکلتا ہے صبح گاہ
چہرے کو آفتاب جو کہیئے تو ہے گناہ [13]　　والشمس سے مثال ہے صادق خدا گواہ

سوگند حق نے کھائی ہے اس آفتاب کی
ہے شمس سے مراد رسالت مآبؐ کی

عمر دراز خضر تجلی زلف شاہ　　اور گوش صاف چشمۂ حیواں ہے واہ واہ
عارض کی اور زلف کی ظاہر ہے رسم و راہ [14]　　یہ ساتھ خضر کے ہے سکندر خدا گواہ

پر اُن سے مرتبے میں بھی بہتر یہ زلف ہے
ہے رہنمائے خضر و سکندر یہ زلف ہے

اس شان سے وہ دیدۂ خیر البشر کا نور　　مانند خیر لشکر شر کے کیا حضور
خطبہ پڑھا رجز کا کہ اے قوم بدشعور [15]　　تم کون ہو میں کون ہوں انصاف ہے ضرور

چشم و چراغ مکہ و یثرب حسینؑ ہے
خورشید ماہ مشرق و مغرب حسینؑ ہے

یارو میں حق شناسی حق کی دلیل ہوں　　میں خاصۂ خلاصۂ ربِّ جلیل ہوں
فخر ذبیح ہوں میں شکوہ خلیل ہوں [16]　　محتاج ہوں فقیر ہوں عبد ذلیل ہوں

دل جس کا راز دار خدائے جلیل ہے
ہم پنجتن ہیں اور ششم جبرئیل ہے

قرآں میں حق نے کھائی ہے جس شمس کی قسم　　اس شمس کے ستارے ہیں ارض و سما میں ہم
جس کو خدا نے کوثر و طوبیٰ دیا بہم [17]　　جس نے رکھا بفخر سر عرش پر قدم

میں اس کے دل کا میوہ ہوں پیارا نواسا ہوں
بھوکا ہوں یارو بھوکا ہوں پیاسا ہوں پیاسا ہوں

مطلوب کائناتِ خدا کیا ہے ہم ہیں ہم
لوح و قلم کی اصل و بِنا کیا ہے ہم ہیں ہم
زیب شکوہ عرش علا کیا ہے ہم ہیں ہم
(۱۸) نورِ چراغ ربِّ ہُدا کیا ہے ہم ہیں ہم
قرآں میں ہم خلاصۂ ربِّ مجید ہیں
مظلوم ہیں غریب ہیں شاہِ شہید ہیں

سب انبیاء ہیں جس کے صدف وہ گہر ہوں میں
سب اوصیا ہیں جس کے فلک وہ قمر ہوں میں
خیر الوریٰ ہیں جس کے شجر وہ ثمر ہوں میں
(۱۹) مشکل کشا ہیں جس کے پدر وہ پسر ہوں میں
میں گوہرِ شریف دو بحرِ جلال ہوں
میں جوہرِ شریف دو گوہر کا لال ہوں

پیدا خدا کے گھر میں ہمارا پدر ہوا
تم میں سے کس کے باپ کو یہ مرتبہ ملا
کس کے پدر کا خون ہے محراب میں لگا
(۲۰) بچپن سے کس کے باپ نے کی طاعتِ خدا
طاعت تھی جب قریش میں عزّا و لات کی
دو قبلوں کی طرف کو علیؑ نے صلوات کی

ماں ہے زنانِ اول و آخر کی پیشوا
بھائی حسنؑ ہے سیدِ مسموم مجتبیٰؑ
زینبؑ بہن ہے جو مجھے روئے گی دائما
(۲۱) عابد مرا خلف ہے دو عالم کا مقتدا
راضی رضائے خالق عادل یہ کون ہے
بتلاؤ حق یہ کون باطل یہ کون ہے

ہم تو یہاں تمہاری ہدایت کو آئے ہیں
یہ تیر کس قصور پہ تم نے لگائے ہیں
زہراؑ کے پھول خاک میں تم نے ملائے ہیں
(۲۲) کیا کیا چراغ بزمِ نبوت بجھائے ہیں
دنیا سے مرتے مرتے یہی لے کے غم چلے
تم راہ پر نہ آئے اور افسوس ہم چلے

کیا قہر ہے یہ سن کے پکارے وہ نابکار
تنہا ہوئے تو کرنے لگے عجز و انکسار
کچھ بڑھ کے شہ نے چار طرف دیکھا ایکبار
(۲۳) لبیک کی صدا ہوئی صحرا میں آشکار
پیدا غبار زرد ہوا آسمان پر
غل تھا کہ آیا قہر الٰہی جہان پر

تڑپے نکل کے مردم آبی زمیں پر شیروں کے غول بھر گئے رن میں اِدھر اُدھر
آہو قطار باندھے ہوئے آئے نوحہ گر (۲۴) گردِ سرِ حسینؑ تھے طائر کشادہ پر
اپنی زباں میں کہتے تھے سب رو کے یاحسینؑ
ہم سب تری مدد کو ہیں موجود یاحسینؑ

کفار سے یہ کہنے لگے شاہِ خاص و عام انسان کا فقط نہ مجھے جانیو امام
محکوم ہے حسینؑ کی خلق خدا تمام (۲۵) ہم سب کا نام جانتے ہیں سب ہمارا نام
سردار کائنات کو تنہا سمجھتے ہو
مختار سلسبیل کو پیاسا سمجھتے ہو

چاہوں تو شیر لقمہ کریں تم کو بے درنگ آہو سنانِ شاخ لگا دیں بوقت جنگ
دنیا ہو تم پہ صورتِ اصحاب فیل تنگ (۲۶) برسائیں طائران ہوا ریزہ ہائے سنگ
مانند قوم عاد اڑا دے ہوا تمہیں
مردم فراعوں کی طرح غرق فنا تمہیں

میں نے قصاص اپنا مگر حشر پر رکھا اب کیا حصول خاک میں باغ اپنا مل چکا
لاشے دکھا کے پیاروں کے پھر شیروں سے کہا (۲۷) اب جاؤ میری لاش پہ آنا پڑے بکا
ہوتا جو سر کٹانا نہ خالق کی راہ میں
ان شیروں کو سلاتے نہ ہم قتل گاہ میں

فرمایا سوئے مردم آبی بحال زار سقائے اہلبیتؑ کے لاشے سے ہوشیار
رخصت کیا حسینؑ نے پھر سب کو ایک بار (۲۸) بولے کہ بس ہے اپنے لئے فضلِ کردگار
مظلوم ہوں غنی ہوں سخی ہوں دلیر ہوں
زہراؑ کا میں غزال ہوں حیدرؑ کا شیر ہوں

پھر قتل گہہ میں رہ گیا تنہا علیؑ کا لال اور تشنگی کا شاہ پہ غلبہ ہوا کمال
سوکھی زبان سے یہ کیا پیاسے نے سوال (۲۹) اک جام پانی دو مجھے اے قوم بدخصال
کہتا ہوں کچھ زبان سے اور کچھ نکلتا ہے
اب تو کلیجہ پیاس کی گرمی سے جلتا ہے

بے رحم بولے خلد سے پانی منگایئے
باقی جو اور سحر ہو وہ بھی دکھایئے
پینا ہو آبِ تیغ تو ہم پاس آیئے (۳۰)
اب لشکرِ ملک کو فلک سے بُلایئے
لاکھ ایسے معجزے ہوں تو ہرگز نہ مانیں ہم
زور اپنے دست و پا کا دکھاؤ تو جانیں ہم

یہ سن کے آئے غیظ میں شبیرؑ نامدار
اور رو کے بولے کیوں مرے بابا کی ذوالفقار
زخمی ہوں کھینچوں تجھکو وہ بولی کہ میں نثار (۳۱)
آقائے صابراں میں ہوں کب سے امیدوار
کھینچی جو ذوالفقارِ علی کہکے یا علیؑ
آکر نثار ہونے لگے مرتضےٰ علیؑ

سیمرغ ذوالفقار نے کھولے جو بال و پر
قافِ بدن میں سب کے پڑا رعشہ یکدگر
یوں طائرانِ روح تھی سب کی سوئے سقر (۳۲)
جیسے اڑے کبوتر چاہی دمِ خطر
بچنا ہر اک طائرِ جاں کا محال تھا
اس تیغ پر بچھا ہوا جوہر کا جال تھا

منہ زرد خوف سے ہوئی وہ فوج ناگہاں
ہر مردِ قلب ہوکے درم بن گیا وہاں
رو پر پڑی جو تیغ ہوئی پشت سے عیاں (۳۳)
جیسے درم پہ سکّے کا دونوں طرف نشاں
روحوں کو ذوالفقار نے حکمِ سقر دیا
دوزخ کے خرچ کو یہ درم ساتھ کر دیا

طوفاں تھا آبِ تیغ سے مابینِ غرب و شرق
ڈوبے تھے سب کے قصرِ بدن اور کوہ فرق
گردوں سے اور موجۂ طوفاں سے تھا نہ فرق (۳۴)
نہ پل فلک نے باندھے تھے اللہ رے خوف غرق
شور الاماں کا تھا سیہ بے دریغ سے
اک قبضہ تھی نہ خشک زمیں آبِ تیغ سے

پر اس جلال میں بھی رحیمی تھی آشکار
جب تین حملے کر چکے آقائے نامدار
ہر صف میں ڈھونڈ ڈھونڈ کے کشتے کئے شمار (۳۵)
اور زخم اپنے تن کے گنے وقتِ کارزار
کشتوں سے زخم پا کے مطابق امام نے
شمشیر رو کی منہ کیا قبلے کے شام نے

آئی ندائے غیب میں سمجھا تری مراد ہاں ہم سے روز عدل کی تم چاہتے ہو داد
شبیرؑ مرحبا تیرا مالک ہے تجھ سے شاد (۳۶) تم کو ہماری یاد ہے ہم کو تمہاری یاد

شوکت بھی تجھ پہ ختم جلالت بھی تجھ پہ ختم
جرأت بھی تجھ پہ ختم عدالت بھی تجھ پہ ختم

اعضا ہیں پاش پاش اب رحم تم دکھاؤ یہ پیاس تین روز کی اب تیغ سے بجھاؤ
گر ہم عزیز ہیں تو عزیزوں سے ہاتھ اٹھاؤ (۳۷) دنیا کو چھوڑو کشورِ رحمت میں میری آؤ

طالب تو میرے وصل کا دن رات ہے حسینؑ
اب زیر تیغ وقت ملاقات ہے حسینؑ

حکم طلب جناب الٰہی سے جو سنا سر خم کیا ادب سے اور آقا نے یہ کہا
مقصود میرا تو ہے عزیزوں سے کام کیا (۳۸) دے قبض روح کے ملک الموت کو صدا

دل میرا تیرے عشق میں دنیا سے سیر ہے
میں سر لئے کھڑا ہوں یہ قاتل کی دیر ہے

گھر تو لٹا چکا رہِ غفار میں حسینؑ پیاروں کو دے چکا تیری سرکار میں حسینؑ
ہے انتظار شمر ستمگار میں حسینؑ (۳۹) سر نذر لاتا ہے تیری دربار میں حسینؑ

شرمندہ ہوں قصورِ عبادت کو بخش دے
اور میرے نانا جان کی امت کو بخش دے

یہ خاک پر پڑے ہیں جو زہراؑ کے آفتاب یارب انہیں ثواب شہادت دے بے حساب
اور سب کا میرے شیعوں پہ تقسیم کر ثواب (۴۰) نہ حشر میں حساب ہو نہ قبر میں عذاب

شیعوں کے واسطے ہوں سب اسباب چین کے
یہ رونے والے ہیں تیرے بیکس حسینؑ کے

یوں بارگاہ حق میں دعا کر رہے تھے شاہ جو برچھیاں لگانے لگی شام کی سپاہ
اک برچھی آ کے دل پہ لگی وا مصیبتاہ (۴۱) قبر رسولؐ ہل گئی اور حق کی بارگاہ

رکھی عنان کو گود میں شاہ انام نے
دل اپنا دونوں ہاتھوں سے تھاما امام نے

چھوٹی رکاب پاؤں سے اس درجہ تڑپے شاہ — لٹکادیئے زمیں کی طرف دونوں ہاتھ آہ
پر کون تھام لیتا نہ تھا کوئی خیر خواہ (۴۲) بولے حسینؑ بڑھ کے سوئے بحر قتل گاہ
عباسؑ آؤ گرتا ہے بھائی سنبھال لو
اکبرؑ اٹھو کلیجے سے برچھی نکال لو

آ اے ابوثمامہ مجھے گھوڑے سے اتار — آ، اے حبیب ابن مظاہر ترے نثار
اے حُر مدد کا وقت ہے گھیرے ہیں نابکار (۴۳) آ، اے زہیر نیزہ ہوا میرے دل کے پار
زینبؑ نے دی صدا ترے قربان جاؤں میں
بھیا اگر کہو تو بچانے کو آؤں میں

آگے بڑھے یہ دیکھ کے بے پیر ہے غضب — پڑنے لگی قریب سے شمشیر ہے غضب
زخموں پہ برچھیوں کے لگے تیر ہے غضب (۴۴) پھر کانپ کر گرے شبیرؑ ہے غضب
قاتل چلا حسینؑ کی سمت اور قضا چلی
سر پیٹتی مزار سے خیر النساءؑ چلی

اس وقت خیمۂ شہِ دیں ہو گیا تباہ — اور چوب قبہ گرنے لگی زلزلے سے آہ
زینبؑ نے کی بلندئ خیمہ سے جو نگاہ (۴۵) دیکھا عدو ہے سینے پہ اور ہیں زمیں پہ شاہ
سر پیٹ کر پکاری نواسی رسولؐ کی
ہے ہے کمائی لٹتی ہے اماں بتولؑ کی

دوڑے گئے حرم بھی بلندی پہ ناگہاں — پوچھا سکینہؑ نے پھوپھی اماں کہاں کہاں
زینبؑ اٹھا کے ہاتھ پکاری بصد فغاں (۴۶) وہ رن کے بیچ میں جو ہے انبوہ میری جاں
بی بی کا باپ ہے وہیں غش میں پڑا ہوا
اور سر کے کاٹنے کو ہے لشکر کھڑا ہوا

یاں آنکھیں کھولے تیغ تلے کہہ رہے تھے شاہ — آ بیٹھا سینے پر اور شمر روسیاہ
اب میں عرق عرق ہوا جاتا ہوں آہ آہ (۴۷) زخم اک طرف کو پھٹتا ہے سینہ خدا گواہ
بیٹھا ہے اس پہ تو جو ادب کا مقام ہے
رکھتا ہے تیغ وہاں جہاں پانی کا کام ہے

غربت کے مرنے والے پہ سب رحم کھاتے ہیں — وقتِ اخیر مردے کو پانی پلاتے ہیں
اے شمر پانی پانی کہ غش مجھ کو آتے ہیں — دنیا سے آہ ایک ہمیں پیاسے جاتے ہیں (۴۸)
قصاب بھی ذبیح کو سیراب کرتے ہیں
ہم تین دن سے پیاسے ہیں اور پیاسے مرتے ہیں

روحِ نبیؐ پکاری یہ حلقوم ہے میرا — یہ سن کے اس نے حلق پہ خنجر کو رکھ دیا
پر کچھ سنا نہ اس نے گلا کاٹنے لگا — زہراؑ نے دی ندا یہ ہے سیدانی کا گلا (۴۹)
شہ رگ سے نہر خون کی سینے پہ بہہ گئی
بالیں پہ روحِ فاطمہؑ چلاتی رہ گئی

زہراؑ نے مصطفےٰ سے کہا اے شہ عرب — سر کاٹ کر جو سینے سے اترا وہ ہے غضب
پر اختیار دل پہ نہیں فاطمہؑ کا اب — اب تک تھا رونے پیٹنے میں آپ کا ادب (۵۰)
کٹوا کے سر ادا کیا امت کے دین کو
کیوں بابا اب تو پیار کروں میں حسینؑ کو

ایسے غریب پر تجھے رونے کی ہے رضا — بولے نبیؐ مضائقہ اس پیار میں ہے کیا
اپنی جبیں پر اور مری ریش پر لگا — چلو میں لے کے خون شہنشاہِ کربلا (۵۱)
پہلے نبیؐ کی ریش پہ اس نے لہو ملا
پھر اپنے منہ پہ خونِ شہِ نیک خو ملا

واں بولا فوج سے پسر سعد بد خصال — منہ پر لہو جو مل چکی لاشے پہ کھولے بال
سرتاج عرش کے جو کرے لاش پائمال — تم میں دلیر ایسا ہے اے صاحبِ جدال (۵۲)
سر تو قلم کیا بدن پاش پاش کا
باقی رکھو نشان نہ سیّد کی لاش کا

بولی کہ لو حسینؑ کا اب حلق کٹ چکا — زینبؑ نے دفعتاً جو سنی باجوں کی صدا
یہ قصدِ ظلم تازہ ہے اے بنتِ مرتضےٰؑ — فضہؑ پکاری عرصہ ہوا ان کا سر کٹا (۵۳)
تقدیر دیکھو فاطمہؑ کے نور عین کی
نوبت ہے پائمالیِ لاشِ حسینؑ کی

بس اے دبیرِ خستہ نہیں طاقت مقال
فوجِ قلق سے ہے چمنِ صبر پائمال
قبلے کی سمت ہاتھ اٹھا کر یہ کر سوال (۵۴)
اے معطیِ گدا و غنی ربِّ ذوالجلال
دے گنجِ الفتِ شہِ مرداں دبیر کو
ممتاز کر مثالِ سلیماں دبیر کو

مرثیہ ۲۴

جب رن میں آستیں چڑھائی حضور نے سر کو جھکایا شرم سے کبر و غرور نے
دیکھا سوئے سما جو امامِ غیور نے (۱) مجرا کیا فرشتوں نے تسلیم حور نے
غل پڑ گیا کہ دیکھو لڑائی حسینؑ کی
کھنچتی ہے ذوالفقار شہِ مشرقین کی

تیغ دو سر غرض ہوئی کاٹھی سے جلوہ گر جوزا سے فی المثل ہوئی دو ماہِ نو بدر
سر دو تھے پر نہ فرق تھا آپس میں یکدگر (۲) سیمرغ نکلا قاف سے گویا کشادہ پر
جاری ہوا یہ رن میں ہر اک کی زبان سے
جبرئیل وحی لے کے اڑے آسمان سے

گویا ہوئی نکلتی ہے کس سمت جاؤں میں یا ابن بو ترابؑ زمیں میں سماؤں میں
زہراؑ کے چاند چرخ کو چکر میں لاؤں میں (۳) اے بت شکن کے لال کلیسا گراؤں میں
گردش کی لوں قسم فلکِ بد خصال سے
لے اذن خمس آپ کا قاروں کے مال سے

یہ کہہ کے ناریوں کو پکاری وہ برق جاہ حکم حضور کے میں فقط دیکھتی تھی راہ
اے ظالمو بتاؤ کہ اب ہے کدھر پناہ (۴) پنہاں جو کوہ میں ہو تو کاٹوں برنگ کاہ
گردن کشانِ دہر کے سر میں نے کاٹے ہیں
سر کیسے جبرئیل کے پر میں نے کاٹے ہیں

بھاری ہے دو جہان پہ حق نے مجھے کیا لیکن سبک روی پہ جو آؤں تو ہے مزا
توڑوں سرِ حباب نہ دریا ہو آشنا (۵) دھبہ اڑا دوں ماہ کا روشن نہ ہو ذرا
حرف غلط مٹا دوں ورق کو ضرر نہ ہو
کاٹ آؤں مبتدا کو خبر کو خبر نہ ہو

عیسیٰؑ ہوں اوج میں میں سلیماں ہوں جاہ میں ایوبؑ ہوں میں صبر میں یعقوبؑ آہ میں
الیاسؑ بحر میں ہوں خضرؑ ہوں میں راہ میں (۶) موسیٰؑ ہوں کوہِ طور پہ یوسفؑ ہوں چاہ میں
داؤدؑ ہوں میں صنع میں یونسؑ ہوں سرشت میں
کعبے میں ہوں خلیلؑ تو آدمؑ بہشت میں

پیکر میں سینہ سینے میں دل، دل میں مدعا آنکھوں میں پتلی پتلی میں تل، تل میں ہوں ضیاء
دریا میں آب، آب میں گل، گل میں نقشِ پا (۷) بر میں میں دھوپ دھوپ میں ظل، ظل میں ہوں ضیاء
رفعت میں ماہ، ماہ میں ضو، ضو میں طور ہوں
محفل میں شمع، شمع میں لَو، لَو میں نور ہوں

امکاں کے کان میں گہرِ شاہوار ہوں معدن میں لعلِ قدرتِ پروردگار ہوں
صحرا میں گردباد، چمن میں بہار ہوں (۸) بر میں ہرن ہوں نافے میں مشکِ تتار ہوں
باراں سرِ زمیں پہ ہوں گردوں پہ میغ ہوں
میں مظہر العجائب برحق کی تیغ ہوں

جوہر کئے جو تیغ دودم نے یہ آشکار اس کے کلام سن کے لگے ملنے کوہسار
اس کے بیان سے تو ہوئی برق بیقرار (۹) گھوڑے نے بھی کنوتیاں بدلیں پھر ایکبار
گویا ہوا کہ شام ہے تو میں صباح ہوں
گر تو ہے ذوالفقار تو میں ذوالجناح ہوں

میں بے عنان مرگ ہوں تو ہمسر قضا تو ہے غضب خدا کا تو میں قہرِ کبریا
تو تیغِ مرتضٰیؑ ہے تو میں اسپِ مرتضاؑ (۱۰) بجلی تری کنیز ہے لونڈی مری قضا
میں موت کا لقب تو اجل کا کنایہ ہے
میں دیو تو پری میں چھلاوہ تو سایہ ہے

بجلی کو اپنی گرد سے پگھلا کے میں جلاؤں پریوں کو جنگلوں میں سرِ دست میں اڑاؤں
تو چرخ پر چڑھے تو میں عرشِ بریں پہ جاؤں (۱۱) تو چلنے بھی نہ پائے میں کونین میں پھر آؤں
گر تو ہے موت موت تو میں مرگ مرگ ہوں
گر تو ہے شاخ شاخ تو میں برگ برگ ہوں

سایے کو مرے دیکھ کے دیوانہ ہو پری
روکش جو مجھ سے چرخِ کہن ہو کروں پئی
دم توڑتا ہوا کا سمجھتا ہوں دل لگی (۱۲)
دیوار قہقہا کا اچھلنا ہے اک ہنسی
چودہ طبق کو ایک بوقتِ وغا کروں
پر مرضیٔ حسینؑ نہ پاؤں تو کیا کروں

اے ذوالفقار منزلِ مقصد ہوا تمام
تیری بھی آبرو ہے جہاں میں مرا ہے نام
کس کام کی ہیں پھر جو نہ آقا کے آئے کام (۱۳)
زہراؑ کے ماہتاب کو گھیرے ہے فوجِ شام
شبیرؑ ہے جہاں میں امانت رسولؐ کی
لٹنے نہ پائے رن میں کمائی بتولؑ کی

اک بار کوندنے لگیں پھر تو دو بجلیاں
تیغِ علیؑ نے جوہرِ ذاتی کیے عیاں
ماہی نے الحذر کہا اور مہ نے الاماں (۱۴)
تھرا کے جبرئیل سے بولا یہ آسماں
مانگوں پروں کی خیر تو ہستی عدم ہوئے
ہوشیار ذوالفقار یداللہ علم ہوئے

گردن کشوں کو بھول گئی اپنی سرکشی
ہیبت کے بار سے کمرِ چرخ جھک گئی
جلادیِ کلہ سرِ مریخ سے گری (۱۵)
ہر فرد بند و بست عطارد نے پھینک دی
تیور پھرے پڑی جو نظر تیغِ شاہ کی
مہتاب چھوٹنے لگی چہرے پہ ماہ کی

نیزہ کرن چھوڑ کے خورشید ٹل گیا
منہ زرد مشتری کا ہوا رخ بدل گیا
زہراؑ کے لال سے دل زہرہ دہل گیا (۱۶)
منہ سے سیاہی دل کے زحل سے نکل گئی
بولا یہ زیبِ سر نہیں پیکر کی خیر ہو
چلایا راس تن تو نہیں سر کی خیر ہو

دیکھا ہر اک طرف جو تزلزل پڑا ہوا
قطبِ فلک کا جسم بھی جنبش میں آ گیا
ثابت ہوا کہ کچھ نہ کچھ آئے گی اب بلا (۱۷)
دیکھا جو یہ بگاڑ سرکتے ہی بن پڑا
آئی صدا پناہ نہیں مشرقین میں
حیدرؑ کی ذوالفقار ہے دستِ حسینؑ میں

بارہ بروج میں تھا شرف اک ہلال کا
میزاں پکارتا تھا میں نظروں میں ہوں تُلا
کی حوت و حمل نے اپنی تمنا جدا جدا (۱۸)
عقرب کو ہوش نیش زنی کا نہ کچھ رہا
سرطان کا حال خوف کے مارے اسے ہوا
چرخ زبرجدی سے گریزاں جُدے ہوا

چلا کے قوس نے کہا قربان ذوالفقار
سمجھا اسد یہ دل میں ہوا آج میں شکار
جوزا پکارا تیغِ دو پیکر کے میں نثار (۱۹)
تھا بال بال سنبلہ گویا گناہگار
دنیا سیہ تھی نورِ فلک کی نگاہ میں
تھا دلو تو دواں ڈول کے گر پڑ تو چاہ میں

جن قاف میں چھپائے ہوئے جان پھرتے تھے
طائر بھی سب ہوا پہ پریشان پھرتے تھے
جنگل میں شیر خوف سے نالاں پھرتے تھے (۲۰)
دریاؤں میں نہنگ بھی حیران پھرتے تھے
چلاتے تھے کہ ہوتا ہے کیا حال دیکھئے
بولی اجل گھڑی میں سے گھڑیال دیکھئے

رستم چھپا کفن میں شجاعت کو بھول کے
نوشیرواں بھی لرزا عدالت کو بھول کے
حاتم نے کی گریز سخاوت کو بھول کے (۲۱)
شداد بھاگا اپنی عمارت کو بھول کے
سب سحر سامری کو فراموش ہو گیا
جسم شریر چھوڑ کے روپوش ہو گیا

منہ کیا تھا خاک شہ کا جو اڑاتی سر غبار
سیماب کی طرح سے ہوا آب بے قرار
ماہی فلوس پھینک کے تڑپی بحال زار (۲۲)
گاؤ زمیں بھی شاخ سے رکھتی ہے ننگ و عار
گردوں کو ڈر زمین کو ہیبت سمائی ہے
چودہ طبق میں تیغ علیؑ کی دہائی ہے

صبح نشور ہو گئی افواج شام میں
مرغان روح پھنس گئے جوہر کے دام میں
ہنگام گفتگو ہوئی لکنت یہ نام میں (۲۳)
ثابت رکھا زباں کو بھی گویا نہ کام میں
کیا بات تھی زمیں جو یہ خوش ذات کاٹتی
ہوتا اگر نہ عیب تو یہ بات کاٹتی

دشمن بھی وقتِ ضرب یہ مردم کے کام کی — پتلی تلک نہ دیدۂ کفار میں بچی
طفلِ سرشک کو بھی نہ یہ زندہ چھوڑتی (٢٤) — اللہ رے آبِ نور سے دُرِ اشک کی لڑی

جو چاہے ذوالفقار شہِ نیک خو کرے
بطنِ صدف میں گوہرِ یکتا کو دو کرے

مانندِ خضر آبِ بقا سے گذر گئی — اور مثلِ روح دارِ فنا سے گذر گئی
اوپر چڑھی تو عرشِ علا سے گذر گئی (٢٥) — نیچے جھکی تو تحتِ ثریٰ سے گذر گئی

باقی نہ رکھتی نام تلک مشرقین کا
ہوتا اگر نہ قبضہ پہ قبضہ حسینؑ کا

کرّار کے تو حکم سے اعدا ہوئے فرار — چھ لاکھ سے دو شخص مگر نکلے ایکبار
دی ایک نے نہیب کہ اے شاہِ ذوالفقار (٢٦) — اس بات پر ہے فیصلہ پھر آگے اختیار

یثرب کو چاہو آج چلو چاہو کل چلو
نیزہ مرا نکال دو اور تم نکل چلو

یوں تو کمر میں تیغ بھی رکھتا ہوں بے پناہ — پر نیزہ مرا دستِ اجل ہے خدا گواہ
شہ بولے ہاں جری تو ہے اے بندۂ الٰہ (٢٧) — پر دینِ مصطفیٰؐ ہے عدالت کی ہے یہ راہ

دے قوم کا نشاں ہمیں بتلائے نام کیا
جو بات کام کی ہے پھر اس میں کلام کیا

فرما چکا یہ جب کہ پیمبرؐ کا نورِ عین — جولاں کیا فرس کو تب اس نے بزیبِ زین
تاکا وہیں سے سینۂ نورانیِ حسینؑ (٢٨) — بر میں فدائے جرأتِ سلطانِ مشرقین

اک واہ وا کا شور ہوا کائنات میں
نیزہ تھا اس کا ابنِ ید اللہ کے ہات میں

سو نیزہ سر سے آبِ خجالت گذر گیا — منہ دیکھ کر حسینؑ کا بولا کہ واہ وا
اعجاز کی نہ تھی سند اے شاہِ لافتا (٢٩) — شہ نے کہا تو قائلِ اعجاز ہے بھلا

اس نے کہا یہ علم تو کچھ راز کا نہیں
کافر ہے جو مقر ترے اعجاز کا نہیں

شہ نے کہا کہ لڑتا ہے پھر مجھ سے کس لئے — کیا قہر ہے کہ فاطمہؑ تو روو ے تو ہنسے
سر کو جھکا کے ہٹ گیا وہ رزم گاہ سے (۳۰) پوچھا جو دوسرے نے کہا ہم تو لڑ چکے
اندھا نہیں جو جنگ کروں اس غیور سے
لڑتے ہیں آدمی کہیں خالق کے نور سے

پھر دوسرے نے بڑھ کے یہ شبیرؑ سے کہا — یہ تیغ ہے عطیۂ خلّاق دوسرا
کچھ مجھ سے زور کیجئے اے شاہ کربلا (۳۱) حضرت کے باپ نے درِ خیبر اکھاڑا تھا
مولا پکارے فرق یہ اے بد صفات ہے
وہ تھا خدا کا ہاتھ یہ بندہ کا ہات ہے

کیا نام ہے رجز نہ پڑھا کچھ دم وغا — نامرد بولا مرد کا نام و نشان کیا
زور آوروں میں حق نے ہے یکتا مجھے کیا (۳۲) ہوتے علیؑ جو زندہ تو کرتا مقابلا
بولی اجل کہ مرد سہی بلکہ گرد ہے
پر یہ سمجھ لے مرد کی تجنیس مرد ہے

کانپے علیؑ کے نام کو سن کر شہِ امم — فرمایا زور کرنے کو حاضر ہیں تجھ سے ہم
پر کیا کہوں کیا جو دغا باز نے ستم (۳۳) ماری سرِ حسینؑ پہ شمشیر برق دم
مہلت دی روکنے کی نہ شاہ انام کو
اپنے حساب مار ہی ڈالا امام کو

پر دستِ حق پرست جو اٹھا غضب ہوا — رَد کر کے اس کی تیغ کو جھٹکا پکڑ لیا
فرمایا کہہ علی ولی شاہِ لَافتیٰ (۳۴) اس خارجی کو پھول کی صورت اٹھا لیا
فرمایا دیکھ نارِ سقر کا ہے سامنا
ہاں کہنا ہے تو کہہ کہ علیٌ اماما

نورِ خدا کے نام سے ناری بہت جلا — شہ نے پھرا کے گرد سرِ پاک اک ذرا
مارا زمیں پر تو نشان بھی نہیں ملا (۳۵) کس جا ہے سر کہاں ہے کمر کس طرف گلا
اٹھ کر میانِ خاک جو وہ سنگدل گیا
بن کر درم خزانۂ قاروں میں مل گیا

جب وہ لعین بھی ہوگیا فی النار و السقر پھر تیغ کے جو منہ پہ چڑھا سر گیا اتر
لعلِ علیؑ پہ ٹوٹ پڑے جملہ بدگہر (۳۶) پروانہ تھے چراغِ مزارِ رسولؐ پر
مانند برق شرادھر تھی ادھر بھی تھی
قدرت خدا کی تیغ بھی تھی اور شر بھی تھی

سر شلِ فرق شمع اڑاتی تھی ذوالفقار ان ناریوں کو اور جلاتی تھی ذوالفقار
ساحل پہ آب و تاب دکھاتی تھی ذوالفقار (۳۷) اچھا جلا جلا کے بجھاتی تھی ذوالفقار
خاکِ غرور فرق تکبر سے جھاڑ دی
آیا جو منہ بنا کے تو صورت بگاڑ دی

دیکھی نہ تیغ شاہ سے جب صورت پناہ چادر ہلا ہلا کے پکارے وہ روسیاہ
اے افتخار آل عباؑ کل کے بادشاہ (۳۸) سب کلمہ گو نبیؐ کے ہوئے جاتے ہیں تباہ
اے تین دن کے بھوکے پیاسے پناہ دے
اے فخر انبیاء کے نواسے پناہ دے

تھرا گئے یہ سنتے ہی شاہنشہِ امم بولے علیؑ کی تیغ سے سلطان باکرم
اے ذوالفقار تجھکو مرے سر کی ہے قسم (۳۹) آمیان میں تو جاتے ہیں سوئے بہشت ہم
قبضے میں اپنے زخم بھی ہے اور جلال ہے
معلوم تجھکو بھی مرے محضر کا حال ہے

ناچار ہو کے رک گئی شمشیر مرتضےٰؑ تب ذوالجناح تیغ کا منہ دیکھنے لگا
گویا ہوا کہ کیوں یہی اقرار تھا کیا (۴۰) چاروں طرف سے ہے یورشِ لشکر جفا
تیروں کا مینہ نبیؐ کے نواسے پہ پڑتا ہے
کیوں ذوالفقار گلشن جنت اجڑتا ہے

مولا بھی ذوالجناح کی حسرت پہ رو دیا گردن میں ہاتھ ڈال کے بولے شہ ہدا
میں جانتا ہوں تو ہے بہ دل مجھکو جانتا (۴۱) پر مرضی خدا میں کسی کو ہے دخل کیا
اے ذوالجناح لٹ گئی دولت بتولؑ کی
محشر کو بخشوائی ہے امت رسولؐ کی

گھوڑے کو دے رہے تھے تسلّی یہاں تو شاہ — قسمیہ ہو گئی وہاں سب شام کی سپاہ
اک دفعہ چار سو سے گرے آ کے رو سیاہ (۴۲) زخموں سے چور چور ہوئے شاہ دیں پناہ
طاری ہوئی غشی جو دل چاک چاک پر
فرما کے یا علیؑ گرے گھوڑے سے خاک پر

رن کی زمین ہل گئی تھرا اٹھے آسماں — گر گر پڑیں خیام شہ دیں کی کلسیاں
روزن سے در کے دیکھا سکینہؑ نے ناگہاں (۴۳) دیکھا تڑپ رہے ہیں زمیں پر شہ زماں
ننھے سے دل کو تاب نہ آئی نکل پڑی
زہراؑ کی پوتی خیمے سے باہر نکل پڑی

نعلین بھی نہ پاؤں میں نہ سر پہ تھی ردا — دامن تلک تھا چاک گریبان کرتے کا
گہہ واحسینؑ کہتی تھی گہہ وا محمدا (۴۴) منہ کر کے سوئے دشت نجف دیتی تھی صدا
بابا شہید ہوتے ہیں دشتِ قتال میں
دادا یتیم ہوتی ہوں اس سن و سال میں

سلمانؑ کو تم نے شیر سے جا کر بچا دیا — پنجے سے باز کے بھی کبوتر چھڑا دیا
ہے آگ کو خلیلؑ پہ لالہ بنا دیا (۴۵) اور مار کر نصیری کو تم نے جِلا دیا
قربان جاؤں تشنہ جگر کی مدد کرو
اپنے پسر کی، میرے پدر کی مدد کرو

گہہ شامیوں کو دیکھ کے وہ شہ کی مہ لقا — کہتی تھی لوگو خوف بھی تم نے بھلا دیا
کس کو شہید کرتے ہو بے جرم و بے خطا (۴۶) یہ روح فاطمہ کا ہے اور جان مرتضیٰؑ
مظلوم ہے غریب ہے اور بھوکا پیاسا ہے
تم جس کا کلمہ پڑھتے ہو اس کا نواسا ہے

دوشِ رسولؐ پر جو چڑھا ہے یہ ہے وہی — جو دامنِ علیؑ میں پلا ہے یہ ہے وہی
زہراؑ کا دودھ جس نے پیا ہے یہ ہے وہی (۴۷) بچپن میں روزہ جس نے رکھا ہے یہ ہے وہی
موتی کو حق نے جس کے لئے توڑ ڈالا ہے
دادا نے جس کے سید عالم کو پالا ہے

کچھ ایسے نہ آیا تھا زہراؑ کا لاڈلا لکھ لکھ کے خط حسینؑ کو تم نے طلب کیا
قرآن کو حدیث کو دیکھو تو اک ذرا (۴۸) حکم خدا رسولؐ ہے مہماں کے حق میں کیا
دامانِ مدعا دُرِ مطلب سے بھرتے ہیں
آب و غذا کھلاتے ہیں یا قید کرتے ہیں

یاں رو کے کر رہی تھی سکینہؑ تو یہ بیاں واں فکرِ قتلِ شاہِ شہیداں تھی الاماں
اک ایک سے کہتا تھا پسرِ سعدِ بدگماں (۴۹) دیکھیں کہ کس کے بخت میں ہو عیشِ جاوداں
سر کاٹ ڈالے گا جو امامِ سعید کا
ہووے گا شام میں وہ مصاحب یزید کا

سنتے تھے سب پہ منہ بھی کسی کا نہ پڑتا تھا پر اک شقیِ شوم نے جھلا کے دی صدا
کیوں اے امیر درست ہے تو نے جو یہ کہا (۵۰) بولا اُسے یقین ہے بھی جان لو سوا
چشمک ہے اس کو فاطمہؑ کے نورِ عین سے
چین آوے گا یزید کو قتلِ حسینؑ سے

ظالم یہ مژدہ راحتِ حاکم کا جو سنا خنجر کمر سے کھول کے وہ بے حیا چلا
نام اس شقیِ شوم کا کہتے ہیں شمر تھا (۵۱) دھبے برص کے جسمِ لعیں میں تھے جا بجا
باندھے کمر تھا آلِ محمدؐ کے کینے پر
گھوڑے سے اترا اور چڑھا شہ کے سینے پر

جب دور سے یہ دیکھا سکینہؑ نے ماجرا چلائی ٹھہر جا، ارے بے رحم ٹھہر جا
آجانے دے حسینؑ تلک مجھکو اک ذرا (۵۲) ہے ہے تو سینے پر مرے بابا کے کیوں چڑھا
رُوئے منوّرِ شہِ ابرار دیکھ لوں
میں آخری حسینؑ کا دیدار دیکھ لوں

پہنچی غرض قریب جو آکر وہ خوش صفات دیکھا دبائے سینہ سلطانِ نیک ذات
دنداں نکال کر کہی معصوم نے یہ بات (۵۳) اے شمر باندھتی ہوں ترے سامنے میں ہات
سینے سے شہ کے اٹھ نہ مرا دل دو نیم کر
پوتی ہوں فاطمہؑ کی نہ مجھکو یتیم کر

معصوم نے تو باندھ کے ہاتھوں کو یہ کہا   پر شمر بے ادب کے کہا جا یہاں سے جا
وہ بولی یاں کھڑی ہوں تو نقصاں ہے تیرا کیا (۵۴)   غصّے سے پھر لعین نے دُرّے طلب کیا

سہما جو دل سکینۂ مضطر نے رو دیا
اور غش سے آنکھ کھول کے سرور نے رو دیا

آہستہ بولے شمر سے او بانیِ جفا   بچوں کو کیوں گھڑکتا ہے کر خوفِ کبریا
منت سی تیری کرتی ہے یا کچھ برا کہا (۵۵)   دیتا ہوں تجھکو روحِ پیمبرؐ کا واسطا

گر آنے دے تو آخری ارماں نکالوں میں
بیٹی کو مرتے دم تو گلے سے لگالوں میں

تیوری چڑھا کے بولا ستمگر نہیں نہیں   دیکھا سبھوں نے کانپ گئی دور تک زمیں
مجروح ہاتھ اٹھا کے پکارے امام دیں (۵۶)   جاؤ سکینہؑ جاؤ لعین مانتا نہیں

بے رحم ہیں یہ لوگ نہیں زور چلنے کا
اب قصد کیجیو نہ حرم سے نکلنے کا

ناچار ہو کے گھر کو چلی وہ اسیرِ غم   چاہا یہ شمر نے سرِ اقدس کرے قلم
آئی صدائے غیب کہ اے بانیِ ستم (۵۷)   طعنے دیئے سکینۂ بیکس کو مرتے دم

بے جاں کیا ابھی جو پیمبرؐ کی جان کو
دستِ خدا الٹ دے نہ آکر جہان کو

سن کر صدا یہ دشت ستمگار ہل گیا   خیمے میں واں پہنچ گئی جب بنتِ مرتضٰیؑ
فضہ سے رو کے کہنے لگی میں ترے فدا (۵۸)   مجھکو تو بابا جان نے ہے منع کر دیا

تو در پہ بیٹھ خیمے کے اور رن میں دھیان کر
جو ظلم ہو حسینؑ پہ مجھ سے بیان کر

یاں فضہ بیٹھی در پہ بصد زاری و الم   واں شمرِ نابکار نے خنجر کیا علم
پوچھا جو ہیں سکینہؑ نے حالِ شہِ امم (۵۹)   منہ پیٹ کر وہ بولی ستم ہوتا ہے ستم

میں کیا کہوں فلک نے جو دکھ مجھ پہ ڈالا ہے
اب شمرِ روسیاہ نے خنجر نکالا ہے

ننھے سے ہاتھ اٹھا کے وہ سر پیٹنے لگی   واں رکھ دی حلق شاہ پہ جلاد نے چھری
لمحہ کے بعد پہنچی ہے خواہر جو شاہ کی (۶۰)   فضہ پکاری کیا کہوں میں اے ستم زدی
غصے سے شمر فاطمہؑ کے نور عین پر
خنجر کو رگڑنے لگا حلقِ حسینؑ پر

بولی پکڑ کے دل کو وہ ہے ہے یہ کیا ہوا   لوگو یتیم ہوتی ہوں دوڑو پئے خدا
یاں شمر نے حسینؑ کے سر کو قلم کیا (۶۱)   فضہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پیٹ کر کہا
ہے ہے سکینہؑ دفترِ عالم الٹ گیا
بی بی تمہارے باپ کا سر تن سے کٹ گیا

غش ہو گئی یہ سنتے ہی وہ غم کی مبتلا   خیمہ نبیؐ کی آل کا ماتم سرا ہوا
بس اے دبیرؔ مجھکو بھی ہے جوشش بکا (۶۲)   کر عرض اب حسینؑ سے اے لال مرتضیٰؑ
ذاکر کو آپ کے گھر مدعا ملے
سامانِ رفتنِ سفرِ کربلا ملے

مرثیہ ۲۵

رن میں ابرو کماں کی آمد ہے اصغر بے زباں کی آمد ہے
بھوک سے نیم جاں کی آمد ہے (۱) پیاسے کی ناتواں کی آمد ہے
یہی خیمے میں شور ہوتا ہے
وعدہ ان کا بھی پورا ہوتا ہے

پیاس نے کر دیا ہے یہ عالم غش پہ غش آتے ہیں اُسے پیہم
ہلتے ہیں ہاتھ پاؤں بھی کم کم (۲) سینے میں اب نہیں سماتا ہے دم
غم سے ماتم زدوں کو سکتا ہے
ننھا سید بڑا اسکتا ہے

رو نہیں سکتے منہ بناتے ہیں آنکھیں الٹی ہوئی بناتے ہیں
خشک کام و زباں دکھاتے ہیں (۳) غل سے رونے کے سہمے جاتے ہیں
منہ کھلا ہے دھڑکتی چھاتی ہے
سانس بھی اب اٹکتی جاتی ہے

سینہ گرمی کے مارے جلتا ہے ننھا سا دل بڑا اچھلتا ہے
دمبدم رنگ کو بدلتا ہے (۴) بس نہیں کچھ کسی کا چلتا ہے
نام پانی کا سب جو لیتے ہیں
منہ کو گھبرا کے کھول دیتے ہیں

ہونٹ نیلے ہیں اور چہرہ زرد جسم ہے گرم ہاتھ پاؤں ہیں سرد
جم گئی ہے جھنڈولے بالوں میں گرد (۵) روتے ہیں تو جگر میں اٹھتا ہے درد
ضعف سے ایڑیاں رگڑتے ہیں
کڑے پاؤں سے نکلے پڑتے ہیں

نہیں سر کو قرار تکیئے پر ہیں پسینے سے بال سارے تر
منہ سے سوکھی زبان ہے باہر (۶) تھرتھراتا ہے جسم رہ رہ کر
جھولے کی چوب کو پکڑتے ہیں
آنسو آنکھوں سے نکلے پڑتے ہیں

رو کے کہتی ہے بانوئے دلگیر میں کدھر جاؤں کیا کروں تدبیر
ہائے بچے مرے تری تقدیر (۷) نہ تو پانی ملا تجھے نا شیر
حال جب دیکھتی ہے بد زینبؑ
کہتی ہے یا علیؑ مدد زینبؑ

خاک پر بیٹھی ہے بدیدۂ تر چاک سینہ ہے اور کھلا ہے سر
خونِ اکبرؑ لگا ہے ماتھے پر (۸) کہتی ہے دمبدم یہی رو کر
شیر کی لاش پر گئی زینبؑ
اے اجل کیوں نہ مرگئی زینبؑ

ہائے کیا وقت ہے پڑا ہم پر کرنے پائی نہ ماتمِ اکبرؑ
ہوئی در پیش رحلتِ اصغرؑ (۹) اب میں نکلوں گی اوڑھ کر چادر
لشکرِ شام کے پاس جاؤں گی
حال بے شیر کا دکھاؤں گی

کہوں گی جاکے ہوں میں سیدانی دیکھ مرتا ہے یہ مرا جانی
تشنگی کی ہے اس پہ طغیانی (۱۰) واہ کیا خوب کی ہے مہمانی
کردے سیراب لال کو میرے
پانی دو نونہال کو میرے

اور سکینہؑ بھی بلبلاتی ہے شانے بے شیر کے ہلاتی ہے
منہ پہ منہ رکھ کے یہ سناتی ہے (۱۱) اٹھو بھیا کہ جان جاتی ہے
تیرے قرباں میں دل ملول گئی
میں نہ تو اپنی پیاس بھول گئی

فضہؑ چلاتی ہے حسینؑ آؤ ۔ پانی بے شیر کو پلا لاؤ
اپنی بہنوں کو آکے سمجھاؤ (۱۲) علی اکبرؑ کا پرسا دے جاؤ

آؤ برپا کرو غمِ اصغرؑ
مرگِ اصغرؑ ہے ماتمِ اکبرؑ

خیمے میں آئے سرورِ عالم جھولے سے بے زباں کو لائے حرم
شہ نے دیکھا کہ ہے لبوں پہ دم (۱۳) رو کے ارشاد پھر کیا پیہم

میرے جانی مرے جگر آؤ
چلو میداں کی سیر کر آؤ

اے مرے پیارے اے مرے بے شیر جانتا ہوں میں بے کس و دلگیر حرم
شدنی ہے قضائے ربِّ قدیر (۱۴) پانی تجھکو نہ دینگے قوم شریر

خیر میں اتنا کام کرتا ہوں
جا کے حجت تمام کرتا ہوں

کہکے یہ روئے سرورِ ذی جاہ لیا ہاتھوں پہ اپنا غیرتِ ماہ
کیا پنہاں عبا میں خاطر خواہ (۱۵) اور کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

لے کے پیاسے کو اشکبار چلے
پشت خم کرکے بے قرار چلے

دشت میں یوں جو وہ جناب آیا چشمِ خورشید میں حجاب آیا
شور تھا نور کا سحاب آیا (۱۶) ابر کے نیچے آفتاب آیا

دلِ اکبرؑ کا داغ روشن ہے
زیرِ دامن چراغ روشن ہے

بولا آکر قریب یک بد خو قتل کب سے ہوا پسر مہ رو
نہ رہا شہ کا ضبط پر قابو (۱۷) دل نکل آیا چیر کر پہلو

ایک بولا کہ عقل حیراں ہے
ہاں حمائل گلے میں قرآں ہے

شہ نے دامن جو رخ سے سرکایا — نور نے جلوہ رخ کا چمکایا
لشکرِ ابنِ سعدؔ چلّایا[۱۸] — چاند بدلی سے لو نکل آیا
شہؑ کے ہاتھوں پہ مہ لقا دیکھا
ید بیضا کا معجزہ دیکھا

حُسن کو یہ رواج دیتا تھا — طور ان کو خراج دیتا تھا
خسروِ چرخ باج دیتا تھا[۱۹] — جان نازک مزاج دیتا تھا
شرم میں غرق آب ہے گوہر
جب تو خانہ خراب ہے گوہر

سب پکارے کہ لاجواب ہے یہ — ذرّہ سمجھا کہ آفتاب ہے یہ
بلبلیں کہتی ہیں گلاب ہے یہ[۲۰] — بوٹے قد سے فلک جناب ہے یہ
نورِ آنکھوں کا کور نے سمجھا
مہِ روشن چکور نے سمجھا

ہائے پانی ملا نہ دودھ اس کو — کر دیا پیاس نے کبود اس کو
جانئے قدرتِ ودود اس کو[۲۱] — بھیجئے تحفۂ درود اس کو
اک نئی بات ہم سناتے ہیں
لعل دانتوں میں ہیرا کھاتے ہیں

لب پہ سو رنگ سے فدا یاقوت — ہائے خشکی ہے ان لبوں کا قوت
دیتا لطف سخن ہے، عین سکوت[۲۲] — وصف اس بات سے ہوا یہ ثبوت
پانی کے واسطے یہ روتے ہیں
بَرَہ میں چشموں کے بحر سوتے ہیں

صاف تر ڈھونڈی بر سبیل نجات — کیجئے مدحت دہن میں بات
بات سی بات مثلِ نبات[۲۳] — تنگ ہے پیاس سے دہن ہیہات
نہیں گنجائش سخن گویا
شہر خاموش ہے دہن گویا

طوق منت کا ہاں اب آیا خیال — حسن کا دَور دور ہے فی الحال
گلے خورشید کے لگا ہے ہلال (۲۴) — دیکھیئے اس ہلال کا یہ کمال

یہ تو سمجھے کہ بے مثال ہے یہ
کون سے شہر کا ہلال ہے یہ

بھاری اس ماہ پر بہت تھا یہ ماہ — ہے گلوگیر موت خاطر خواہ
لال دم میں ہلال ہو گا یہ آہ (۲۵) — لے گا گردن پہ خون یک گمراہ

اب سرو تن میں دوری ہووے گی
ماں کی منت نہ پوری ہووے گی

ہاتھ شاخ بلور ہیں دونوں — موج کوثر ضرور ہیں دونوں
شاخِ شمشاد و طور ہیں دونوں (۲۶) — چوب گلزار نور ہیں دونوں

کا ہے کو ایسے ہاتھ ہوتے ہیں
ایسے دریا کے دونوں سوتے ہیں

چاند سا گورا گورا سینا ہے — سینا ہے یا کہ طور سینا ہے
صاف الماس کا نگینا ہے (۲۷) — بحر طلعت کا اک سفینا ہے

نہ اسے مہ نہ آفتاب لکھیں
برج میں حسن کی کتاب لکھیں

پاؤں کیا خوب اس نے ہیں پائے — رن میں بن پاؤں ہیں چلے آئے
آگے ہمت نثار ہو جائے (۲۸) — پا کو آئینہ منہ نہ دکھلائے

صاف طوبیٰ کو اس سے خجلت ہے
ہر قدم شاہ راہِ ہمت ہے

وصف کیا کیجیئے قد و قامت کا — صاف مضمون ہے قیامت کا
دیکھو تو ہاں وہ ہائے ہمت کا (۲۹) — ہے یہ قامت الف قیامت کا

جان جائے ہر اک بنائے الف
جان کے بیچ میں ہے جائے الف

واں پہ محوِ ثنا تھا لشکرِ شام — یاں پہ مرجھا رہا تھا وہ گلفام
متحیر کھڑے ہوئے تھے امام (۳۰) کیا آخر کو عجز سے یہ کلام
ہائے اس کا یہ حال ہے یارو
اس کی صورت سوال ہے یارو

ہم کو سوکھی زباں دکھاتے ہیں — غش پہ غش کل سے ان کو آتے ہیں
ہاتھ دریا کی سمت اٹھاتے ہیں (۳۱) نرگسی آنکھوں کو پھراتے ہیں
پیاسے کوثر پہ یہ سدھارتے ہیں
پاؤں جھولے میں دے دے مارتے ہیں

بے خطا بے قصور ناداں ہے — پیاسا رہتا تمہارا مہماں ہے
ہونٹوں پر اس غریب کی جاں ہے (۳۲) رحم آوے جو تم کو احساں ہے
بچہ عمر دو بارہ پاوے گا
پانی دریا کا گھٹ نہ جاوے گا

جیتا چھوڑا نہ تم نے اکبرؑ کو — مارا ہم صورتِ پیمبرؐ کو
تشنہ لب وہ سدھارا کوثر کو (۳۳) اب میں لایا ہوں اپنے اصغرؑ کو
کہیں غش میں نہ دم نکل جاوے
پانی دے تو یہ سنبھل جاوے

غافلو تم کو کچھ شعور نہیں — اتنا لازم تمہیں غرور نہیں
تم سمجھنا خدا کو دور نہیں (۳۴) میرے بچے کا کچھ قصور نہیں
بے گنہ کی نہ جان لو یارو
میرے کہنے کو مان لو یارو

اس کا دادا ہے ساقیِ کوثر — آج پانی دو، ہوگا کل محشر
اڑ گئے تم پیاسے اس جا پر (۳۵) میں بھی ضامن ہوں اور مرا اصغرؑ
جام کوثر سے بھر کے لائے گا
پیاس تم لوگوں کی بجھائے گا

سب پہ ظاہر ہے اس کے جد کا حال   سائل کور نے کیا جو سوال
نان دو، اے شہ خجستہ خصال (۳۶)   بولے قنبر سے آب و نان نکال

بھوکا ہے یہ نہ دیر کر قنبر
جلد سائل کو سیر کر قنبر

بولا وہ نان ہے شتر پر بار   کہا دے دے شتر کی اس کو مہار
بولا وہ ہے شتر میان قطار (۳۷)   کہا دیدے قطار بے تکرار

سنتے ہی حکم میر کوثر کا
چھوڑ کر ریسمان کو سر کا

پوچھا حضرت نے کیا سبب اس کا   عرض کی دل میں اپنے میں سمجھا
بحر بخشش ہے جوشش پر تیرا (۳۸)   مجھکو دے دو تو کیا کروں مولا

ایسے فیاض کا یہ پوتا ہے
جان پانی بغیر کھوتا ہے

ہے غرض اس بیان سے فی الحال   پانی دو گے تو ہوگا اجر کمال
تیسرا فاقہ ہے حرام حلال (۳۹)   اب میں کرتا ہوں صاف صاف سوال

یارو غمگیں سمجھ کے پانی دو
ہم کو مسکیں سمجھ کے پانی دو

بولے اعدا ہمیں نہیں یہ قبول   دیجئے اب سخن کو آپ نہ طول
کچھ نہ ہووے گا مانگنے سے حصول (۴۰)   جنگ اکبرؑ نہیں گئے ہم بھول

ہم تو سب الاماں پکارتے تھے
اور وہ تلواریں، ہم کو مارتے تھے

اسی اکبرؑ کا بھائی اصغرؑ ہے   واقعی ہم شبیہ حیدرؑ ہے
اس کا دشمن تمام لشکر ہے (۴۱)   قتلِ اصغرؑ ثواب اکبرؑ ہے

آب تیر و سناں اسے دیں گے
بدر و صفین کا عوض لیں گے

اور سوا اس کے اے شہ دیگر ہوتا نو دس برس کا گر یہ صغیر
آتا میداں میں کھینچ کر شمشیر [۴۲] دیتا اکبرؑ کے قتل کی تعذیر

کہتے آپس میں ہم دلیر آیا
تیغ کھینچے ہوئے وہ شیر آیا

جبکہ تیور میں اس کے بل پڑتے منہ سے شیروں کے دل نکل پڑتے
اس کے نعرے سے ہم اچھل پڑتے [۴۳] قبر میں مردے بھی دہل پڑتے

جب پکڑتا یہ ہم پنجے میں
کھینچتا موت کے شکنجے میں

جب یہ تیغ علیؑ کو چمکاتا کون ہم میں بھلا اماں پاتا
گہہ ادھر آتا گہہ ادھر جاتا [۴۴] خوں کے دریا میں ہم کو نہلاتا

دم میں شمشیر کے ہم آجاتے
پھل کسی کا سمجھ کے کھا جاتے

چلتی جب فوج پر وہ جوں صرصر مثل برگ خزاں گراتا سر
مارتا سرکشوں کو سر تا سر [۴۵] پرزے اڑتے سپر کے جیسے پر

آٹھ ہوتے سپر کے چاروں پھول
ایک پھل کاٹتا ہزاروں پھول

گاہ وہ صف شکن کو دو کرتا گاہ ناوک فگن کو دو کرتا
گاہ شمشیر زن کو دو کرتا [۴۶] گاہ سر گہہ بدن کو دو کرتا

کاٹ کر گھوڑے کے وہ پیکر کو
ڈھونڈتے جبرئیل کے پر کو

تیر و شمشیر و دشنہ و خنجر نیزہ و تیغ اور سنان و تبر
گرز و دستانہ و کمان و سپر [۴۷] زرہ و خود و جوشن و بکتر

ثابت ان میں سے کوئی کم رہتا
تیغ ہوتی اور اس کا دم رہتا

فوج میں جب چمک کے وہ چلتی ۵۹۴ موت گھبرا کے ہاتھوں کو ملتی
مرگ نخلِ حیات میں پھلتی (۴۸) شمع لشکر میں شام کے جلتی
پیچھے اس شمع کے اجل آتی
مثل پروانہ موت جل جاتی

شیر سا جب وہ حملہ ور ہوتا بیدار ستم کے دل میں ڈر ہوتا
فوج میں قلب میں گذر ہوتا (۴۹) حشر برپا اِدھر اُدھر ہوتا
ایک دو تین چار گر پڑتے
چار کیسے ہزار گر پڑتے

آگ کو خاک میں لگا دیتی باد کو آب وہ ملا دیتی
طالع مرگ کو جگا دیتی (۵۰) بخت بیدار کو سلا دیتی
جاگتے وہ جو مر کے رہ جاتے
سوتے دریائے خوں میں بہہ جاتے

سب کماندار ڈر کے چلّاتے گوشوں میں سہم کر وہ چھٹ جاتے
وار کرتے اگر خطا پاتے (۵۱) رخ نہ میدان اپنے دکھلاتے
تیر سے ہم روانہ ہو جاتے
تو وہ ہیں ہم نشانہ ہو جاتے

سن کے یہ بولے شاہِ نیک صفات اب یہ جاتے ہیں ہاتھ سے ہیہات
ظالموں جب کی بات جب کے سات (۵۲) جب جواں ہوتے تب تھی ان کی بات
نہ بدی کا ادھر خیال کرو
نظر اس کو بچشم حال کرو

جنگ کرتے ہو ہوش میں آؤ جنگ اکبرؑ بعزم ٹھہراؤ
حق کو ناحق ہو کرتے شرماؤ (۵۳) جانے دو منہ نہ میرا کھلواؤ
یوں کسی پر کوئی جفا نہ کرے
غصہ آوے مجھے خدا نہ کرے

مہر میں میری ماں کے سارا ہے   پانی دریا کا گو ہمارا ہے
اپنا تسنیم پر اجارا ہے (۵۴)   مجھکو منظور خود کنارا ہے
پاس کن کی ہے یہ سبیل اپنی
کوثر اپنا ہے سلسبیل اپنی

دشت ہر اک شہر ہو جاوے   ہم جو بگڑیں تو قہر ہو جاوے
پانی دریا کا زہر ہو جاوے (۵۵)   ابھی نابودِ دہر ہو جاوے
یہی دریا ابھی سراب بنے
ساغر مرگ بھی حباب بنے

شور سے اس کی عمر گھٹ جاوے   جاؤ دریا پہ تم تو ہٹ جاوے
دھار سے اس کی صاف کٹ جاوے (۵۶)   موج زنجیر سے لپٹ جاوے
جان پانی کے نام پر دو تم
پیاس مارے جو پانی پی لو تم

بحر بن کر ابھی سقر بن جائے   وہ تو وہ بر بھی بحر بن جائے
شعلۂ آتشیں بھنور بن جائے (۵۷)   پانی سب شعلہ ناروا بن جائے
خاک ہو جل کے روح کی کشتی
میرا خیمہ ہو نوح کی کشتی

گر کہیں چرخ کو زباں سے ہاں   حکم اپنا ہے جزو و کل پہ رواں
ایک قطرے سے اٹھے سو طوفاں (۵۸)   صاف دکھلائے عالم باراں
گر زباں اپنی خشک ہل جاوے
لب دریا لبوں سے مل جاوے

لائے سقائے چرخ بھر کر آب   دے صدف آب گوہر نایاب
اترے نیساں بدیدۂ پر آب (۵۹)   خضر آبِ بقا کو لائے شتاب
دے فلک آفتاب کا ساغر
لائے دریا حباب کا ساغر

دشت کو بوستاں بنا دیں ہم کاہ کو کہکشاں بنا دیں ہم
خار کو گلستاں بنا دیں ہم (۶۰) نہ زمیں آسماں بنا دیں ہم

غرب سے آفتاب کو پھیریں
تیر سے ہم شہاب کو پھیریں

ہو جو ممکن اسے محال کریں سر سرکش کو پائمال کریں
خلعتِ ماضیہ کو حال کریں (۶۱) چوب خشکیدہ کو نہال کریں

اُلٹے ہم موج آب کے پھیریں
بر میں کشتی حباب کے پھیریں

اور سوا اس کے کلمہ گو ہو تم رحم دل میں ہو ں زشت خو ہو تم
دشمنِ جاں میرے گو ہو تم (۶۲) اس سے کیا کام غیر جو ہو تم

نہیں اس میں کلام ہے مجھ کو
کام سے اپنے کام ہے مجھ کو

مجھ کو منظور خود شہادت ہے پیاسے رہنے میں خوب لذت ہے
یہ جفا راہِ حق میں راحت ہے (۶۳) پر اس اصغرؑ کی غیر حالت ہے

مجھ پہ جو چاہنا ستم کرنا
لب مرے تر نہ مرتے دم کرنا

ننھی سی جان پر ترس کھاؤ بے زبانی پہ اس کی شرماؤ
شک ہو تم کو تو اس کو لے جاؤ (۶۴) تم ہی پانی اسے پلا لاؤ

دم نکلتا ہے جلد سیر کرو
آؤ لے جاؤ اب نہ دیر کرو

ظالمو! واسطہ پیمبرؐ کا دم نکلتا ہے میرے دلبر کا
تر کرو حلق میرے اصغرؑ کا (۶۵) جام دوں گا میں تم کو کوثر کا

حرملہ بولا آب ملتا ہے
ٹھہرو ٹھہرو جواب ملتا ہے

لے کے دو ٹانگ کی کماں بے پیر ——— آیا نزدیک اصغرِ بے شیر
تاکا حلقوم آہ جوڑ کے تیر (۶۶) ——— متحیر ہوئے شہ دلگیر

بچے کو گود میں چھپانے لگے
پشت مثل کماں جھکانے لگے

بولے کرتا ہے کیا غضب ظالم ——— مارتا کیوں ہے بے سبب ظالم
پانی مانگیں گے ہم نہ اب ظالم (۶۷) ——— سنتا تھا شہ کا کہنا کب ظالم

تیر ابرو کمان کو مارا
چھ مہینے کی جان کو مارا

توڑا اس تیرِ سہ پہلو نے یکسر ——— حلق بچے کا بازوئے سرور
ہاتھ کانپا امام کا تھر تھر (۶۸) ——— سہم کر لپٹا باپ سے اصغر

اشکِ خونیں نکال کر تڑپا
باہیں گردن میں ڈال کر تڑپا

خون حلقوم سے نکلنے لگا ——— ہاتھوں پر باپ کے اچھلنے لگا
دودھ اور خون کو اگلنے لگا (۶۹) ——— باپ چہرے پہ خون ملنے لگا

منہ تو ننھا سا کھل گیا ہے
منکا گردن کا ڈھل گیا ہے

ہچکیاں زور زور لیں پیہم ——— سانس بھر اس نے الٹی لی کم کم
گیا منہ پر پسینہ موت کا جم (۷۰) ——— تان کر ہاتھ پاؤں توڑا دم

باپ کا منہ الم سے زرد ہوا
مٹھیاں باندھ کر وہ سرد ہوا

شاہِ دیں بے قرار ہونے لگے ——— منہ پہ منہ رکھ کے آہ رونے لگے
جانِ اصغر کے غم میں کھونے لگے (۷۱) ——— منہ کو اشکوں سے اپنے دھونے لگے

کہتے تھے بے زباں کی میت پر
باپ صدقے تری شہادت پر

فدیۂ خالقِ مجید ہوئے — نیک طالع ہوئے سعید ہوئے
تجھ پہ ظلم و ستم شدید ہوئے (۷۲) کس غریبی سے تم شہید ہوئے
تم کو کیوں لے کے اپنے ساتھ آیا
تم گئے ہاتھ سے یہ ہاتھ آیا

روتے تھے شاہ ہنستے تھے ناری — پردہ خیمہ کا اٹھا یکباری
نکلی فضّہ بگریہ و زاری (۷۳) شہ کے پاس آئی درد کی ماری
بولی کیوں کرتے ہو بُکا حضرت
کہو اصغرؑ کو کیا ہوا حضرت

غم سے لونڈی کی جان جاتی ہے — چلو زینبؑ تمہیں بلاتی ہے
خیمے سے بانو نکلی آتی ہے (۷۴) اور سکینہؑ بھی بلبلاتی ہے
مجھکو بھیجا ہے اس کی مادر نے
پوچھا ہے پانی پایا اصغرؑ نے

کیا کہوں اے خونزادی بتلاؤ — جو کہ فرمانا ہو وہ فرماؤ
منہ سے بولو نہ مجھکو رُلواؤ (۷۵) شکل اصغرؑ کی مجھکو دکھلاؤ
دیکھو خیمے میں شور محشر ہے
در پہ بنتِ نبیؐ کھلے سر ہے

کہا شہ نے گذر گئے اصغرؑ — کیا بتاؤں کدھر گئے اصغرؑ
پیاسے کوثر ہی پر گئے اصغرؑ (۷۶) فضّہ! جا کہدے مر گئے اصغرؑ
اب تو خیمے میں ہم نہ جاویں گے
اپنا پیاسا گلا کٹاویں گے

اٹھے روتے ہوئے شہ دلگیر — کھینچ لی تیغ شاہ خیبر گیر
چاہتے تھے کہ کھودیں قبر صغیر (۷۷) تڑپی ہاتھوں میں خود بخود شمشیر
بولی رو کر یہ کیا کیا حضرت
میں کجا اور لحد کجا حضرت

الحذر الحذر پناہ پناہ قبر مجھ سے نہ کھودیے یا شاہ
جاتا ہے مجھکو پیشِ شیرِ الٰہ (۷۸) آبرو خاک میں ملے گی آہ

آبرو دیجیے کرم کیجیے
حرملہ پر مجھے علم کیجیے

شہ نے فرمایا اے مرے ہمدم ایسی باتوں کا تو نہ کھا اب غم
مصلحت ہے یہی جو کرتے ہیں ہم (۷۹) ہوتا موقعہ تو تجھکو کرتے علم

مارتے آج ہم دلیروں کو
مرنے دیتے نہ اپنے شیروں کو

نوک سے کھودنے لگے پھر قبر دل پہ دردوالم کا چھایا ابر
رکھا ننھا سا مردہ اس میں بہ جبر (۸۰) خاک ڈالی تو دل ہوا بے صبر

خاک چہرے سے ہٹانے لگے
پھر گلے مردے کو لگانے لگے

کہتے تھے ہائے کیا کروں اصغرؑ شکل تیری چھپاؤں میں کیونکر
پھر رکھا منہ کو قبر کے اندر (۸۱) آہ کی اور غش ہوئے سرور

کرتی تھی خیمہ سے نظر زینبؑ
نکل آئی برہنہ سر زینبؑ

کہتی تھی مرگئی نہ میں بھائی پٹکا چادر کو دوڑی وہ آئی
پیٹ کر اپنے سر کو چلائی (۸۲) نکلی بلوے میں دیکھو ماں جائی

آتی ہوں آخری میں خدمت کو
ابھی جانا نہ بھائی جنت کو

روک لے اے دبیر خامہ آہ حال اب اہلِ بزم کا ہے تباہ
روتی ہے روح شاہ عرش پناہ (۸۳) کہتی ہے مرحبا جزاک اللہ

مرثیے ایسے ہیں کہیں دیکھے
جو سنے وہ کہے نہیں دیکھے

مصنف کی چند دیگر کتابیں

۱۔	میر انیس بحیثیت رزمیہ شاعر	۱۹۶۴ء
۲۔	تحقیق و انتقاد	۱۹۶۵ء
۳۔	مطالعہ ڈاکٹر زور	۱۹۶۶ء
۴۔	تحقیقی جائزے	۱۹۶۸ء
۵۔	منظومات میاں دلگیر	۱۹۷۰ء
۶۔	دیوان نامی	۱۹۷۲ء
۷۔	میر ضمیر (تحقیقی مطالعہ)	۱۹۷۲ء
۸۔	تحقیقی نوادر	۱۹۷۳ء
۹۔	دیوان میر نسخۂ محمود آباد	۱۹۷۴ء
۱۰۔	شاعر اعظم مرزا سلامت علی دبیر	۱۹۷۶ء
۱۱۔	مقالاتِ حیدری	۱۹۷۷ء
۱۲۔	مراثی دبیر مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ	۱۹۷۹ء
۱۳۔	دیوان میر نسخۂ لاہور (نقوش لاہور)	۱۹۸۰ء
۱۴۔	باقیات انیس	۱۹۸۰ء
۱۵۔	باقیات انیس (مطبوعہ نقوش لاہور)	۱۹۸۱ء
۱۶۔	تذکرۂ شعرائے ہندی (میر حسن)	۱۹۸۱ء
۱۷۔	تذکرۃ الشعرائے ہندی (مصحفی)	۱۹۸۱ء
۱۸۔	بہارستان شاہی (فارسی) نسخۂ انڈیا آفس لندن	۱۹۸۲ء
۱۹۔	تحقیقات حیدری	۱۹۸۴ء
۲۰۔	دیوان ترقی (مطبوعہ نقوش لاہور)	۱۹۸۶ء
۲۱۔	مثنوی سحر البیان (میر حسن)	۱۹۸۷ء
۲۲۔	تذکرہ ریختہ گویاں (مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ)	۱۹۹۴ء